

# اصول الحدیث

مصطلحات وعلوم

پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# اصول الحدیث

مصطلحات و علوم

جلد دوم

علامہ دیوبند کے علوم کا پاسبان  
دینی و علمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل

حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان

درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین  
ٹیلیگرام چینل

پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ

الفیصل  
ناشران مجتہدین  
حنفی شریعت فاؤنڈیشن

297.12401 Khalid Alavi, Dr.  
Usul-e-Hadith/ Dr. Khalid Alavi.-  
Lahore: Al-Faisal Nashran, 2013.  
522p.

1. Ahadees - Usul I. Title.

ISBN 969-503-881-6

جملہ حقوق محفوظ ہیں

جنوری 2013ء

محمد فیصل نے

آر۔ آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت: -/600 روپے

**AL-FAISAL NASHRAN**

Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, Pakistan  
Phone: 042-7230777 & 042-7231387  
http: www.alfaisalpublishers.com  
e.mail: alfaisalpublisher@yahoo.com



## انتساب

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نام

جن کی نزہۃ النظر

علوم الحدیث سے تعارف کا باعث بنی

اور جو اس کتاب کا اولین ماخذ ہے۔

احسان مندی اور تشکر کے جذبات

کے ساتھ



## فہرست

29575

۴۱	فضائل تابعین	i	حرفے چند پروفیسرز اکثر جمیلہ شوکت
۴۳	طبقات تابعین	v	پروفیسرز اکثر شبیر احمد منصور
۴۶	مخضرمین	vii	پروفیسرز اکثر حافظ محمود اختر
۵۰	اتباع التابعین	ix	جناب محمد یوسف خان
۵۲	مصادر تابعین	۵-۱	اسناد
۵۲	طبقات ابن سعد	۲	المحصل
۵۳	طبقات خلیفہ بن خیاط	۵	متصل مرفوع کی مثال
۵۵	کتاب الثقات	۵	متصل موقوف کی مثال
۵۹-۹۳	اسناد عالی و نازل	۶-۳۹	صحابہ کرام
۵۹	الاسناد العالی	۶	صحابی کی تعریف
۶۱	اسناد عالی کی اقسام	۱۳	طبقات صحابہ
۶۱	روایت بہ نسبت قرب من رسول اللہ ﷺ	۱۷	آخری صحابی
۶۳	روایت بقرب من الامام	۱۷	فضائل صحابہ
۶۶	علو بہ نسبت روایت صحیحین	۲۰	عدالت صحابہ
۶۹	الموافقة	۳۰	کتب تراجم صحابہ
۷۲	بدل	۳۱	الاستیعاب فی اسماء الصحاب
۷۳	مساوات	۳۳	اسد الغلبۃ فی معرفۃ الصحابۃ
۷۸	المصافحہ	۳۶	الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ
۸۱	العلو یقدم الراوی	۳۹	حیاة الصحابۃ
۸۳	العلو یقدم السماع	۵۸-۴۰	تابعین عظام
۸۶	سند عالی کی اہمیت	۴۰	تابعی کی تعریف
۹۰	السند النازل		

۱۱۵	روایۃ الابن عن الاب فقط	۹۱	نزول کی اقسام
۱۱۶	مثال	۹۹-۹۴	بیان روایت (الاقران والمدیح)
۱۱۷-۱۱۷	مصادر	۹۴	اشتراک صفت
۱۱۸-۱۲۲	سابق ولاحق	۹۴	روایۃ الاقران
۱۱۸	مثال	۹۵	روایۃ الاقران کی اقسام
۱۲۲	مصادر	۹۵	المدیح
۱۲۳-۱۲۳	دو شیخوں کا ہم نام و ہم وصف ہونا	۹۷	غیر المدیح
۱۲۴-۱۲۶	شیخ کا انکار کرنا	۹۹	مصادر اقران و مدیح
۱۲۷-۱۲۸	المسلسل	۱۰۰-۱۰۶	روایۃ الاکابر عن الاصاغر
۱۲۷	تعریف	۱۰۰	اہمیت
۱۲۹	حدیث مسلسل کی اقسام	۱۰۱	اقسام
۱۳۰	المسلسل باحوال الروایۃ القویۃ	۱۰۱	عمر اور طبقہ کا فرق
۱۳۰	المسلسل باحوال الفعلیۃ	۱۰۱	راوی مرتبے میں بڑا ہو
۱۳۰	المسلسل باحوال القویۃ و الفعلیۃ	۱۰۲	راوی بہمہ و جہہ بڑا ہو
۱۳۲	المسلسل بالصفات الروایۃ القویۃ	۱۰۶	مصادر
۱۳۳	المسلسل بصفات الروایۃ الفعلیۃ	۱۰۷-۱۱۰	روایۃ الآباء عن الأبناء
۱۳۳	المسلسل بصفات الروایۃ	۱۰۷	تعریف
۱۳۷-۱۳۸	مصادر مسلسل	۱۰۷	مثال
۱۳۸-۱۳۹	المعتن والمؤمن	۱۱۰	مصادر
۱۳۹	المعتن	۱۱۱-۱۱۷	روایۃ الابناء عن الآباء
۱۳۹	المؤمن	۱۱۲	مطلقاً حجت ہے
۱۴۱	حدیث معتن کی حیثیت	۱۱۳	عدم استدلال
۱۴۹-۱۵۰	تحمل واداء حدیث کے الفاظ	۱۱۴	دادا کا تعین
		۱۱۴	آباء کا مفصل ذکر



۱۹۸	دوسری قسم	۱۵۵-۱۵۱	السماع
۱۹۹	اس کی حیثیت		
۲۰۰	مطلق جواز	۱۶۷-۱۵۶	القراءة
۲۰۰	عدم جواز	۱۵۷	روایت کی حیثیت
۲۰۱	چھوٹے بچے کی لیے اجازت	۱۶۰	مساوات
۲۰۷	غیر مسموع کی اجازت	۱۶۱	قراءت کی ترجیح
۲۰۹	اجازة المجاز	۱۶۱	سماع کی قراءۃ علی الشیخ پر ترجیح
۲۲۹-۲۱۴	المناولہ	۱۶۳	قراءۃ علی الشیخ کی روایت کے الفاظ
۲۱۶	اقسام	۱۶۳	مطلق ممنوع
۲۱۶	المقر ونہ بالا اجازة	۱۶۳	مطلقاً جائز
۲۱۹	انواع مناولہ کی حیثیت	۱۶۳	لفظوں میں فرق
۲۲۶	مناولہ بدون اجازت	۱۶۷-۱۶۶	تفریعات
۲۳۲-۲۳۰	المکاتبہ	۲۱۳-۱۶۸	الإجازہ
۲۳۰	تعریف	۱۷۱	اجازت کی اقسام
۲۳۱	اقسام اور ان کی حیثیت	۱۷۱	معین شخص کو معین چیز کی اجازت
۲۳۲	مکاتبہ بدون اجازت	۱۷۹	روایت بالإجازہ پر عمل
۲۳۷	مکاتبہ سے روایت کی حیثیت	۱۸۲	کسی معین شخص کو غیر معین اجازت
۲۴۰	الفاظ ادا	۱۸۲	اس کی حیثیت
۲۵۲-۲۴۳	مناولہ واجازہ میں راوی کے الفاظ	۱۸۵	غیر معین کے لیے عمومی اجازت
۲۵۹-۲۵۳	اعلام	۱۸۶	غیر معین اجازت کی حیثیت
۲۵۳	تعریف	۱۸۹	عدم جواز
۲۵۴	اعلام کی حیثیت	۱۹۲	اجازة للمجهول او بالمجهول
۲۵۴	جواز	۱۹۴	الاجازة المعلقة بالمشية
۲۵۶	عدم جواز	۱۹۸	اجازت للمعدوم
		۱۹۸	پہلی قسم

۲۶۳-۲۹۲	المؤتلف والمختلف	۲۵۸	روایت بلا علام کا حکم
۲۹۲	تعریف	۲۶۳-۲۶۰	الوصیۃ بالکتب
۲۹۳	اہمیت	۲۶۰	تعریف
۲۹۴	اقسام	۲۶۰	وصیۃ بالکتب کی حیثیت
۲۹۵	پہلی قسم		
۳۰۱	دوسری قسم	۲۶۳-۲۶۹	الوجادہ
۳۵۷	اہم تصانیف	۲۶۳	لغوی معنی
۳۵۹	الاکمال فی رفع عارض...	۲۶۵	اصطلاحی معنی
۳۶۱	المشتبہ فی الرجال...	۲۶۵	وجادہ کی مثال
۳۶۲	تہمیر المشتبہ...	۲۶۷	روایت بطریق وجادہ کی حیثیت
۳۶۳-۳۶۴	المتشابہ	۲۷۵	روایت بطریق وجادہ پر عمل
۳۶۶	مثالیں		
۳۶۶	قسم اول	۲۸۰-۲۹۱	المحقق والمفترق
۳۷۰	قسم دوم	۲۸۰	تعریف
۳۷۰	مثالیں	۲۸۲	اقسام
۳۷۳	مصادر المشتبہ		المفترق ممن اتفقت اسمائهم
۳۸۰-۳۷۳	دیگر اقسام	۲۸۲	واسماء آبائهم
۳۷۳	پہلی قسم		المفترق ممن اتفقت اسماءهم
۳۷۷	دوسری قسم	۲۸۳	واسماء آبائهم و اجدادهم
۳۷۸	مثالیں	۲۸۳	ما اتفق من ذلك فی الكنية...
۳۷۹	مصادر المشتبہ	۲۸۳	عکس هذا بأن اتفق فیہ الاسم...
۳۸۸-۳۸۱	طبقات الرواة	۲۸۵	المفترق ممن اتفقت اسماءهم...
۳۸۱	طبقات کا مفہوم		ما وقع فیہ الاشتراك فی الاسم
۳۸۲	اہمیت	۲۸۶	خاصۃ أو الكنية خاصۃ...
۳۸۲	طبقات	۲۸۸	المشترك المتفق فی النسبة خاصۃ
۳۸۳	طبقات الرواة کے مصادر	۲۹۱	اہم تصانیف

۴۱۷	اصطلاحی معنی	۳۸۴	الطبقات الکبریٰ
۴۱۹	التعدیل	۳۸۶	تذکرۃ الحفاظ
۴۱۹	عدل کے لغوی معنی	۳۸۹-۳۰۴	موالیہ و وفیات الرواة
۴۲۰	عدل کے اصطلاحی معنی	۳۹۲	تاریخ کی اہمیت
۴۲۸	علم جرح و تعدیل	۳۹۴	مثالیں
۴۳۰	جرح و تعدیل کی دینی اساس	۳۹۶	مصادر موالیہ و وفیات الرواة
۴۵۰	مصادر جرح و تعدیل	۳۹۷	التاریخ الکبیر
۴۵۲	میزان الاعتدال	۴۰۰	الجرح و التعدیل
۴۵۷	لسان المیزان	۴۰۴	کتاب الوفیات
۴۶۲-۴۷۷	مراتب جرح و تعدیل (۲)	۴۰۵-۴۱۵	معرفة بلدان الرواة وأوطانهم
۴۶۳	مراتب الفاظ جرح	۴۰۵	اہمیت
۴۶۴	مراتب الفاظ تعدیل	۴۰۹	مثالیں
۴۶۵	ناقدین فن اور مراتب جرح	۴۱۱	مصادر
۴۷۶	ناقدین فن اور مراتب تعدیل	۴۱۲	تاریخ بغداد
۴۸۸-۴۸۱	فہرس الاعلام	۴۱۶-۴۶۱	الجرح و التعدیل (۱)
۴۹۷-۴۹۱	مصادر و مراجع	۴۱۶	الجرح کے لغوی معنی







## حرفے چند

قرآن حکیم اور سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دو مستحکم بنیادیں ہیں جن پر دین اسلام کی عمارت استوار ہے۔ سنت دراصل قرآن کی تفسیر تشریح اور تعبیر ہے۔ فرقہ اسلامیہ کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس فرقہ نے بھی قرآن کو سنت کے بغیر سمجھنے کی کوشش کی ہے، وہ ضلالت و گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا ہے۔ سنت کا انکار یا استخفاف دین میں تحریف کا راستہ کھولتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی ہدایت کی سچی طلب کے ساتھ محدثین کی ان مساعی جلیلہ کا مطالعہ کرے گا، جو انہوں نے خاتم النبیین ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کو اکٹھا کرنے اور بعد ازاں کڑے انتقادی اصولوں پر پرکھنے کے بعد محفوظ کرنے میں صرف کی ہیں، وہ کبھی جاوہ حق سے نہیں ہٹے گا۔

یہی کڑے انتقادی اصول مصطلح الحدیث یا اصول الحدیث کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ حدیث و سنت کو پرکھنے کے لیے قائم کیے جانے والے اصولوں پر تیسری صدی ہجری سے تاحال بے شمار کتب عربی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض کتب کا اردو زبان میں ترجمہ بھی ہوا ہے۔ البتہ اردو زبان میں اس فن پر لکھی جانے والی مستقل کتب سے اس زبان کا دامن ہنوز تنگ ہے۔

زیر نظر کتاب پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی مرحوم کی کتاب اصول الحدیث - مصطلحات و علوم کا دوسرا حصہ ہے۔ کتاب کے پہلے حصہ کی طباعت اول ۱۹۹۸ء میں یعنی چودہ سال پہلے ہوئی تھی۔

مصنف نے جلد اول کی طباعت دوم کے وقت لکھا تھا کہ ان کی امید سے بڑھ کر کتاب کی ستائش کی گئی اور علمی حلقوں سے اس کے دوسرے حصے کی طباعت کا پر زور مطالبہ کیا گیا۔

یہ وضاحت اس لیے کی گئی ہے کہ آج چودہ سال کے بعد جب اس کتاب کی دوسری جلد طبع ہو رہی ہے، اس موضوع پر ایک سے زیادہ چھوٹی بڑی کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔ لہذا لازماً قلوب و اذہان میں اس کتاب کے امتیازات و خصائص کے متعلق ایک سوال ابھرتا ہے۔

سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ چودہ (۱۴) سال پہلے شروع کیے ہوئے اس کام کا تمہ ہے جو ظاہر ہے کہ اسی زمانے کے ماحول اور تناظر میں پرکھا جانا چاہیے لیکن اگر بالفرض اسے اس معاصر دور میں لکھی

جانے والی ایک مستقل تالیف خیال کر لیا جائے تو پھر بھی یہ کتاب اردو میں لکھی گئی اپنی پیش رو کتب سے جامعیتِ ابحاث اور مختلف انواعِ علوم حدیث پر لکھی جانے والی کتب کے تعارف کے حوالے سے ممتاز ہے۔ کتاب کی دوسری جلد ایسے وقت میں طبع ہو رہی ہے جب مصنف خالق حقیقی کے جو ار رحمت میں آرام پا رہے ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کسی مصنف کے ہاتھ سے لکھے ہوئے مسودہ کو پڑھنا اور پھر اسے کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے مشکل مراحل سے گزار کر بعض مناسب اضافوں کے ساتھ زیورِ طباعت سے آراستہ کرنا ایک مشکل کام ہے۔ یہ خطی مسودہ شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی کے سپرد کیا گیا تھا بعد ازاں اس کی کمپوزنگ، نظر ثانی اور طباعت کا کام راقمۃ المحروف کے ذمہ لگایا گیا۔ میں اپنے رب کے حضور شکر کے جذبات سے معمور ہوں کہ جس نے مجھ ناچیز کو اس عمر میں اپنے حبیب پاک ﷺ کے حوالے سے اس خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ رب کریم کے حضور دست بہ دعا ہوں کہ اس عظیم ذمہ داری کی ادائیگی میں اس عاصیہ سے اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے کسی غلطی اور خطا کا ارتکاب ہوا ہے تو وہ ذات جو اپنے بندوں کے لیے مجسم رحمت و شفقت ہے معاف فرماتے ہوئے اس خدمت کو قبول فرمائے۔ دعا ہے کہ روز محشر اپنی رضا و محبت اور اپنے محبوب بندے احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔

ہم جناب مولانا محمد یوسف خان صاحب کے حد درجہ ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی متنوع مصروفیات کے باوجود تقریظ سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر، صدر شعبہ اسلامیات و ڈین کلیہ علوم اسلامیہ کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود کتاب کے بارے میں تعارفی کلمات تحریر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ دارین کی فلاح و سعادت سے نوازے۔

کتاب کی اشاعت کے لیے پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصور، سابق صدر شعبہ اسلامیات کی کاوشیں بھی قابل تحسین و تشکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم سے نوازے۔

ناپاس گزاری ہوگی اگر جناب فیصل صاحب اور ان کے معاونین کا شکر یہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے اصول الحدیث کی اس جلد یعنی جلد دوم کی طباعت و اشاعت کا کام بھی خلوص اور محبت سے کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

میں ان تمام اہل علم کی بھی احسان مند ہوں جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور بصد خوشی اپنا

قیمتی وقت دیا۔ فجز اہم اللہ خیر الجزاء۔

کتاب سے استفادہ کرنے والوں سے درخواست ہے کہ اگر وہ اس میں کسی قسم کی علمی یا فنی غلطی پائیں تو ازراہ کرم ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ طباعت میں اس کو دور کیا جاسکے۔ فجز اکم اللہ خیر الجزاء

جمیلہ شوکت

پروفیسر امریطس، شعبہ علوم اسلامیہ،

پنجاب یونیورسٹی، لاہور







## مقدمہ

محترم ڈاکٹر خالد علوی صاحب، شعبہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ میں اپنے تصنیفی کام کے حوالے سے بڑے نمایاں ہیں۔ انھوں نے مساجد میں خطابت، دروس اور جامعہ کی تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ٹھوس علمی اور تحقیقی کاموں میں بھی نہایت ذوق و شوق کا مظاہرہ کیا۔ سیرت ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حدیث ان کی خصوصی دلچسپی کے موضوعات تھے۔ ان کی کتاب انسان کامل کتب سیرت میں اپنے منفرد انداز کی وجہ سے ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اسی طرح پیغمبرانہ دعائیں اور خلقِ عظیم سیرت کے عملی پہلوؤں کے حوالے سے اہم ہیں۔

علوم الحدیث کے حوالے سے ڈاکٹر خالد علوی صاحب کی حفاظتِ حدیث طلبہ حدیث کے لیے بڑی مفید کتاب ثابت ہوئی۔ بعد میں آنے والی کتاب، اصول الحدیث مصطلحات و علوم جلد اول کو جامعات و مدارس کی علمی دنیا میں بڑی دلچسپی اور نہایت توجہ سے دیکھا گیا اور پذیرائی کی گئی لیکن جلد اول کی اشاعت کے ساتھ، طالبانِ علم اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ اس قیمتی علمی بحث کا تتمہ یعنی دوسری جلد بھی جلد منظر عام پر آئے۔

اپنی زندگی کے آخری سالوں میں خالد علوی صاحب نے دعوتِ اکیڈمی (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) کے ڈائریکٹر جنرل کے طور پر بڑا مصروف وقت گزارا۔ وہاں کی نئی اور بے شمار جہت مصروفیات اور اس حوالے سے بیرونی علمی دوروں کے باوجود انھوں نے اپنے وقت کا ایک مناسب حصہ اس کتاب کی تکمیل پر بھی صرف کیا مگر پھر بھی یہ مکملہ و تتمہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔

ان کے اہل خانہ نے صدر شعبہ سے اس مسودہ کی طباعت کی خواہش کا اظہار کیا تو راقم نے اس کے بعد جناب طیب گلزار (جویش (Wish) میں ڈاکٹر صاحب کے آخری دور میں رفیقِ کار رہے)، ڈاکٹر ممتاز احمد سالک اور پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ سے ابتدائی مشاورت کی جس میں ہم نے یہ طے کیا کہ یہ قیمتی علمی سرمایہ ضائع نہ ہو۔ اس کی ترتیب و تنظیم اور اشاعت کا اہتمام کیا جانا ضروری ہے۔ ہم سب کے خیال میں اس کارِ عظیم کے لیے ڈاکٹر جمیلہ شوکت کی شخصیت ہی موزوں ترین تھیں۔ وہ اس کتاب کی جلد اول

کی تالیف و اشاعت کے ہر مرحلے میں علوی صاحب کی شریکِ کار رہی تھیں اور خود خالد علوی صاحب اس بات کے معترف بھی تھے۔ نیز ڈاکٹر صاحبہ کی حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علومِ حدیث سے تعلق اور دلچسپی بھی اسی کی متقاضی تھی کہ اس متاعِ بیش بہا کی حفاظت کی ذمہ داری انہی کو سونپی جائے۔

الحمد للہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت کی شب و روز کی محنت اور دلچسپی سے اصول الحدیث۔ مصطلحات و علوم کی دوسری جلد منصفہ شہود پر آ رہی ہے۔ یہ کتاب پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی صاحب کا صدقہ جاریہ ہے اور یقیناً ان کتب میں سے ہے جنہیں اردو زبان میں علمِ اصولِ حدیث کے بنیادی مصادر میں شمار کیا جائے گا، اس میدان کے طلبہ اس سے استفادہ کریں گے اور حل طلب مسائل میں اسے اپنے لیے نشانِ راہ پائیں گے۔ کتاب کے اس دوسرے حصے میں بھی نادر، مشکل اور مفید فنی موضوعات میں طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر ”تسہیل“ کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

اس وقت طلب کام کو پیش کرنے کی سعادت پر پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت، سابق صدر شعبہ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی و ڈین کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ اور حال پروفیسر امریطس شعبہ علوم اسلامیہ، اہل علم کی طرف سے شکریہ و مبارکباد کی مستحق ہیں۔ محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ نے اپنے علمی ذوق و شوق اور عزمِ صمیم کے ساتھ خیر کے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا، الحمد للہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

اس مفید علمی کاوش کے پایہ تکمیل کو پہنچنے پر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے بے پایاں فضل و کرم سے اسے محترم ڈاکٹر خالد علوی صاحب کے لیے صدقہ جاریہ اور طالبانِ علم کے لیے خیر کثیر کا باعث بنائے۔ (آمین)

پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصور

سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی



## تقریظ

علم اصول حدیث نہایت نازک، سنجیدہ اور اہم علم ہے۔ اس علم کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ اسلامی علوم میں اس اعتبار سے نقطہ ماسکہ Focal Point کی حیثیت رکھتا ہے کہ قرآن کی تشریح و توضیح حدیث سے ہوتی ہے اور حدیث کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ اصول حدیث کے ترازو سے کیا جاتا ہے۔ علم کا یہ شعبہ مسلمانوں کے لیے سرمایہ افتخار ہے کہ تاریخ انسانی کے کسی مذہب نے اپنی مذہبی تعلیمات کی صحت یا عدم صحت کا کوئی معیار قائم نہیں کیا۔ کسی بھی مذہب میں جو بات بھی رواج پاگئی وہ اس مذہب کا حصہ بن گئی۔ لیکن مسلمانوں نے نبی اکرم کے اقوال و افعال میں خارج سے کسی بھی چیز کو شامل ہونے سے بچانے کے لیے اصول حدیث جیسا علم متعارف کروایا۔ مشہور مستشرق اسپرنگر بھی اس بات کا معترف ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین اور آپ کی حیات مبارکہ کے ہر پہلو کو ذمہ داری اور صحت کے ساتھ ہم تک منتقل کیا۔

علوم و مصطلحات حدیث پر تمام بنیادی کتابیں عربی میں ہیں جن تک رسائی اس فن کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے آسان نہیں۔ قاری علوم و مصطلحات حدیث کے فن کی کسی مختصر کتاب کو ہاتھ میں لیتا تو تشنگی رہتی اور اگر اس کی کسی شرح کا مطالعہ کرتا تو سمندر میں غوطہ زن رہتا۔

علم حدیث کے اس نہایت اہم شعبہ میں اردو زبان میں کوئی معتبر کتاب موجود نہ تھی۔ اگرچہ مختلف کتب حدیث میں اصول حدیث جزوی طور پر متفرق مقاصد کے تحت بیان ہوئے ہیں لیکن باقاعدہ کوئی ایسی کتاب موجود نہ تھی جو اصول حدیث کی بنیادی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے مربوط اور عالمانہ انداز سے لکھی گئی ہو۔ اللہ رب العزت محترم پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور کتاب اصول الحدیث - مصطلحات و علوم (جلداول) کے عنوان سے ایک ضخیم لیکن جامع اور مفید کتاب مرتب فرمائی۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں نزہۃ النظر شرح نعمة الفکر کی ترتیب و بیان ہی کو بنیاد بنا کر علوم و مصطلحات حدیث پر یہ قیمتی ذخیرہ معلومات عالمانہ اور محققانہ انداز میں اردو زبان میں مہیا فرمایا۔

ایک محقق مصنف ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم مقام ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے علوم و مصطلحات حدیث کی اہم ترین کتب کے حوالے سے جس حسن ترتیب اور عمدہ تدوین سے

اس فن کے بارے میں جو ذخیرہ عطا فرما دیا ہے یہ طلبہ و اساتذہ پر عظیم احسان ہے۔  
اس کے بعد طویل عرصے تک اہل علم کی نگاہیں محترم ڈاکٹر خالد علویؒ کی علمی کاوش کے دوسرے مرحلے کی منتظر رہیں۔ گو مؤلف نے ابتدائی مسودہ تیار کر لیا تھا لیکن کمپوزنگ و طباعت وغیرہ کے مراحل سے قبل ہی وہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

اب ڈاکٹر جمیلہ شوکت، پروفیسر امریطس کی محنت اور دلچسپی سے اصول الحدیث کی دوسری جلد منصفہ شہود پر آرہی ہے۔ کتاب کے اس دوسرے حصے میں بھی نادر، مشکل اور مفید فنی موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر خالد علویؒ صاحب نے علوم و مصطلحات حدیث کی اہم کتب کے حوالے سے جس حسن ترتیب، عمدہ تدوین اور محققانہ انداز میں اس فن کے بارے میں جو ذخیرہ معلومات مہیا کر دیا وہ اساتذہ و طلبہ کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر تسہیل کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

اصول تحقیق کے حوالے سے یہ کتاب ایک اعلیٰ معیار پیش کرتی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس کتاب کے منظر عام پر آنے سے پاکستان میں علم حدیث کو فروغ حاصل ہوگا۔ دینی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے علاوہ یونیورسٹیوں میں حدیث کے طلبہ بھی اس سے استفادہ کریں گے اور یقیناً اس شعبہ علم کے معیار میں بھی بہتری آئے گی۔

اس وقت طلب کام کو پیش کرنے کی سعادت پر، پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت سابق صدر شعبہ اسلامیات و ڈین کلیہ اسلامیہ و شرقیہ پنجاب یونیورسٹی اور حال پروفیسر امریطس شعبہ علوم اسلامیہ، اہل علم کی طرف سے شکریہ اور مبارکباد کی مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر اپنے حبیب مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی شفاعت کا مستحق بنائے اور ایمان و صحت کے ساتھ ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔

یہ کتاب محترم ڈاکٹر خالد علویؒ صاحب کا صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرما کر ان کے لیے بلند درجہ اور اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ بنائے۔ طالبان علم کے لئے اس کتاب کو خیر کثیر کا ذریعہ بنائے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

ڈین کلیہ علوم اسلامیہ و

چیرمین شعبہ علوم اسلامیہ

جامعہ پنجاب، لاہور



## تقریظ

بسم الله الرحمن الرحيم  
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

دین اسلام کے بنیادی مآخذ میں سے قرآن حکیم کے بعد دوسرا اہم ماخذ احادیث نبویہ ہیں۔ احادیث نبویہ کی جمع و تدوین کا سلسلہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ تھے جو نبی ﷺ کے اقوال و افعال و تقریرات کو ذہن و قریبوں کے صفحات پر محفوظ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ احادیث نبویہ آئندہ نسلوں کی طرف منتقل ہونے لگیں۔ اسی دوران اہل علم کو روایت و درایت کے بارے میں تحقیق و تفتیش کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں جرح و تعدیل، صحیح و ضعیف کے لیے معیارات قائم ہونا شروع ہوئے۔ شعبہ، امام مالک، معمر، ہشام، دستوائی کی خدمات سامنے آئیں۔ ابن المبارک، ابن عیینہ، یحییٰ بن سعید اور پھر ان کے شاگردوں میں یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی رحمہم اللہ نے اہم کردار ادا کیا۔ تیسری صدی ہجری میں امام احمد بن حنبلؒ، ان کے ہم عصر علمائے حدیث اور ان کے شاگردوں میں سے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ نے جرح و تعدیل کے اعلیٰ ترین امتیازات مقرر فرمائے۔ امام ترمذی اور امام نسائی نے ہر روایت کے بارے میں صحیح، حسن اور غریب کی وضاحتوں کی تعیین کر دی۔

علوم حدیث میں سے علم اصول حدیث کے قواعد و ضوابط کی تدوین و تالیف کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری میں قائم ہوا۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ علم مصطلح الحدیث میں سب سے پہلی تصنیف قاضی ابو محمد الحسن بن عبدالرحمن بن خلد الراہر مزنی (م ۳۶۵ھ) کی ہے جس کا نام المحدث الفاصل بین الراوی و الراعی ہے۔ لیکن ابن حجر کے مطابق یہ کتاب ناقص تھی۔ (ابن حجر، احمد بن علی، نزہة النظر شرح نخبة الفکر، قاہرہ، مکتبہ تجاریہ، ۱۳۶۸ھ، ص ۳۰۲)

ان کے بعد امام حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) نے معرفة علوم الحدیث

لکھی، لیکن یہ کتاب غیر مرتب تھی۔ ان کے بعد حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۳۶۳ھ)۔  
الكفاية في معرفة علم الرواية تحریر فرمائی پھر خطیب بغدادی نے دوسری کتاب الجامع لاخلایة  
الراوی و آداب السامع تالیف فرمائی۔ خطیب بغدادی مشہور محدث ہونے کے علاوہ فن معرفت حدیث  
کے امام تھے۔

حافظ ابن حجر کے مطابق قوانین روایت کے بارے میں خطیب بغدادی نے اس قدر جامع کام کیا کہ  
شاید ہی کوئی پہلو اس فن کا ان سے چھوٹا ہو۔ بقول ابو بکر بن نقطہ (م ۶۲۹ھ) خطیب بغدادی کے بعد کے  
تمام محدث ان کی کتب کے محتاج نظر آتے ہیں۔ اس طرح علوم حدیث خصوصاً مصطلحات حدیث پر کتب  
تالیف ہوتی رہیں۔

چھٹی صدی ہجری میں اس فن کی اہم تالیف قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصی الاندلسی المالکی (م ۵۳۴ھ) کی  
الالماع فی ضبط الروایة و تقييد السماع ہے۔ ان کے بعد اس صدی میں اس فن کی اہم کتاب  
حفص عمر بن عبد الجید القرشی المیانجی (م ۵۸۱ھ) کی مالایسع المحدث جہلہ ہے۔  
ساتویں صدی ہجری مصطلحات حدیث کے بارے میں عروج کا دور نظر آتا ہے۔ جس میں علوم الحدیث  
ایک مکمل فن کی حیثیت سے مستحکم ہوا۔ ابن اثیر مبارک بن محمد (م ۶۰۶ھ) کی کتاب جامع الاصول لأحادیث  
الرسول اس دور کی اہم کتاب تھی۔

اسی صدی میں اس فن کی اہم کتاب۔ حدیث، فقہ، اور اسماء الرجال کے امام۔ ابو عمرو عثمان بن  
الصلاح الشہر زوری (م ۶۳۳ھ) کی علوم الحدیث ہے جو مقدمة ابن الصلاح کے نام سے اہل  
کے ہاں مشہور ہوئی۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ اہل علم نے اس کی متن  
شرح لکھیں۔

اس کے بعد نویں صدی ہجری میں علوم مصطلحات حدیث کے سلسلہ کی اہم کتب منظر عام پر آئیں جیسے  
شرف الدین حسن بن محمد الطیبی (م ۷۳۳ھ) کی الخلاصة فی معرفة اصول الحدیث، ابوالخیر، محمد  
محمد الجزری کی مقدمة فی علم الحدیث، ابن حجر العسقلانی (م ۷۵۲ھ) کی نخبة الفکر اور نزہة النظر  
شرح نخبة الفکر فی مصطلح اهل الأثر وغیرہ۔

دسویں صدی اور گیارہویں صدی ہجری اور اس کے بعد بھی اہل علم نے کاوشیں فرمائیں۔  
جامعہ پنجاب کے ادارے علوم اسلامیہ میں یہی شرح نخبة الفکر نصابی کتاب کے طور پر شامل ہے  
اللہ رب العزت محترم پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے  
نزہة النظر شرح نخبة الفکر کی ترتیب و بیان ہی کو بنیاد بنا کر علوم و مصطلحات حدیث پر قیمتی ذخیرہ معلوما۔



مہیا فرما دیا ہے۔ اس فن میں تمام کتب عربی میں تھیں، بعض کتب کا ترجمہ بھی ہوا لیکن اس فن کے طلبہ، اساتذہ اور علماء کی رسائی ان تمام عربی ماخذ تک آسان نہ تھی۔

محترم ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے مدارس اسلامیہ کے سند یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے اسلامیات، عربی، سیاسیات میں ایم اے کیا۔ ایڈیٹر ایونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی۔ بیرون ملک یونیورسٹیوں میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ پنجاب یونیورسٹی میں سیرت کے پروفیسر اور شیخ زاید اسلامک سنٹر کے ڈائریکٹر رہے۔

ایک محقق مصنف ہونے کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم مقام ہے۔ اپنے مطالعہ کو تحریر کردینا یقیناً ایک کمال ہے لیکن ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے علوم و مصطلحات حدیث کی اہم ترین کتب کے حوالے سے جس حسن ترتیب اور عمدہ تدوین سے اس فن کے بارے میں جو ذخیرہ عطا فرما دیا ہے طلبہ و اساتذہ عظیم احسان ہے۔ اس لیے کہ علوم و مصطلحات حدیث کے فن کی کسی مختصر کتاب کو ہاتھ میں لیتے ہیں تو تشنگی رہتی تھی۔ کسی شرح کا مطالعہ کرتے تو سمندر میں غوطہ زن ہی رہنا پڑتا۔ لیکن جب ڈاکٹر خالد علوی صاحب کی کتاب اصول الحدیث۔ مصطلحات و علوم کی جلد اول جنوری ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی تو اس میں تقسیم خبر باعتبار سند، خبر آحاد کی اقسام، خبر مقبول کی اقسام، حدیث ضعیف، خبر مردود اور اس کی اقسام، اضطراب، تصحیف و تحریف، اختصار حدیث، روایت بالمعنی، مروی عنہ کے اعتبار سے خبر کی تقسیم، مقبول راوی کی صفات، راوی کے سوء حفظ جیسے اہم عنوانات پر اصل ماخذ کے حوالہ جات کے ساتھ عربی میں موجود علوم و مضامین اردو زبان میں یکجا نصیب ہو گئے۔

اس کے بعد طویل عرصہ تک اہل علم کی نگاہیں محترم ڈاکٹر خالد علوی کی علمی کاوش کے دوسرے مرحلے کی منتظر رہیں۔ گو مؤلف نے مسودہ تیار کر لیا تھا لیکن کمپوزنگ و طباعت وغیرہ کے مراحل سے قبل ہی وہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ اللہ رب العزت محترم پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے جس طرح ڈاکٹر خالد علوی کی زندگی میں جلد اول کے لیے حوالوں کی تلاش اور تکمیل میں معاونت کی، کمپوزنگ اور طباعت کے مشکل مراحل میں تعاون کیا تھا ان کے وصال کے بعد محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کی علم حدیث کے ساتھ اس ذوق و لگن کی چھٹی جاگتی مثال اب آپ کے سامنے اس کتاب کی جلد ثانی ہے جس میں روایت، آداب، کیفیت ضبط، کیفیت سماع حدیث، تحمل حدیث، طرق تحمل حدیث، صحیح ادائے حدیث، سند و متعلقات سند کے حوالہ سے تمام عنوانات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اب ان شاء اللہ جلد اول و جلد ثانی میں نزہة النظر شرح نخبة الفکر کے طرز و ترتیب کے مطابق مثل طور پر عنوانات کے بارے میں اہل علم، اساتذہ و طلبہ کو اس فن کی اہم کتب کا تمام مواد و معلومات ایک جگہ

میسر آ رہی ہیں۔

اللہ رب العزت اس کاوش کو قبول فرما کر ڈاکٹر خالد علویؒ کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے۔  
محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کی اس حقیر خدمت کو قبول فرما کر اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت کا  
مستحق بنائے۔

طالب دعا

محمد یوسف خان

استاذ الحدیث، جامعہ اشرفیہ، لاہور









## اسناد

کتاب کی جلد اول میں بیان کیا جا چکا ہے (۱) کہ علوم الحدیث میں بنیادی بحث سند اور متن حدیث سے متعلق ہے۔ سند میں بنیادی حیثیت راوی اور مروی عنہ کی ہے جب کہ متن میں الفاظ و معانی سے بحث ہوتی ہے۔ حدیث کا مضمون اور اس کے مضمرات، متن کی بحث اساسی و کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ سابقہ اوراق (جلداول) میں انواع حدیث میں راویوں کے اوصاف اور متن کی خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف اقسام کا تعین کیا گیا۔ اس باب میں سلسلہ سند پر اس حوالے سے بات کی جائے گی کہ سند متصل ہے یا منقطع۔ محدثین نے سند کو بے حد اہمیت دی ہے اور اس کی معرفت کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ نقد متن کا انحصار بھی سند کی بحث پر منحصر ہے۔ حدیث کے غلبہ نے اسانید کے تتبع میں طویل اور پر مشقت سفر کیے ہیں۔ شہر، شہر، قریہ، قریہ پھر کر سند کے بارے میں تحقیقات کی ہیں۔ سند کی اساس پر مصطلحات حدیث کا تعین اتصال سند یا عدم اتصال سے ہوگا۔ اس بحث کو مزید آگے بڑھانے سے پہلے ایک مرتبہ پھر ان اقوال پر نظر ڈالنا مناسب ہوگا جو سند کی اہمیت کے سلسلے میں وارد ہوئے ہیں۔ سند سے مراد ادویوں کا وہ سلسلہ ہے جس میں ایک شخص متن حدیث کو دوسرے تک منتقل کرتا ہے حتیٰ کہ اس شخصیت تک پہنچتا ہے اس نے وہ بات کی ہوتی ہے یعنی الإسناد هو رفع الحدیث الی قائلہ۔ (۲) سند کی اہمیت کے بارے میں اہل علم کے متعدد اقوال ہیں۔

سفیان ثوری (م ۱۵۳ھ) سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

الاسناد سلاح المؤمن اذا لم یکن معہ سلاح فبای شیء یقاتل۔ (۳)  
اسناد مؤمن کا ہتھیار ہے اگر اس کے پاس ہتھیار نہیں تو لڑائی میں اپنا دفاع کیسے کرے گا۔

خالد علوی، اصول الحدیث، ۱/ ۳۷

سند اور متن کے لغوی اور اصطلاحی معانی کے لیے دیکھیے، اصول الحدیث، ۱/ ۳۷-۳۹

ابن رجب، شرح علل الترمذی، ۱/ ۵۸؛ ابن حبان، کتاب المجروحین، ۱/ ۲۷؛ خطیب بغدادی،

شرف اصحاب الحدیث، ۳۲

یہ روایت بایں الفاظ حضرات انس، ابن عمر اور ابو ہریرہ، امام ثوری، اوزاعی اور ابن المبارک کے متعدد تلامذہ سے منقول ہے۔ انس

وغیرہم سے منقول ہے: ان هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔ اسنادین کا حصہ ہے لہذا حدیث لیتے وقت

احتیاط برتو کہ تم کس سے اپنا دین (حدیث) اخذ کر رہے ہو۔ شرح علل الترمذی، ۱/ ۶۰؛ کتاب المجروحین، ۱/ ۳۱؛

ابن عدی، الکامل فی ضعفاء الرجال، ۱/ ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳

عبداللہ بن المبارک (م ۱۹۸ھ) کا قول ہے:

الاسناد عندی من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء ، فاذا قيل  
من حدثك بقی. (۱)

میرے نزدیک اسناد دین کا حصہ ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتی تو کوئی شخص بھی جو چاہتا کہہ دیتا۔ جب  
روایت کرنے والے سے پوچھا جائے گا کہ تم سے کس نے بیان کیا تو وہ حیران و پریشان ہو  
جاتا ہے یا خاموش ہو جاتا ہے۔

ابن المبارک ہی سے منقول ہے:

لولا الاسناد لذهب الدین، و لقال امرء ما شاء ان يقول و لكن اذا قلت  
عمن؟ بقی. (۲)

اگر اسناد نہ ہوتا تو دین غائب ہو چکا ہوتا اور ایک آدمی جو چاہتا کہتا؛ لیکن جب تم اس سے  
پوچھو کہ کس سے روایت (نقل) کر رہے ہو تو پریشان ہو کر رہ جاتا۔

ابن المبارک ہی سے منقول ہے:

بیننا و بین القوم القوائم. (۳)

ہمارے اور لوگوں کے درمیان اصولوں کا امتیاز ہے۔ یعنی اسناد کا۔

امام اوزاعی (م ۱۵۱ھ) سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

ما ذهاب العلم الا ذهاب الاسناد. (۴)

علم کے ضائع ہونے کا تعلق اسناد کے ضائع ہونے سے ہے۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایک دن امام زہری نے ایک حدیث بیان کی تو میں نے کہا کہ اسناد کے بغیر بیان

کیجئے۔ اس پر امام زہری نے کہا: کیا چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھتے ہو۔ (۵)

ایک اور موقع پر امام زہری نے اس حدیث کے بارے میں جس کی سند نہ ہو فرمایا:

مالأحادیثکم لیست لها خطم ولا أزمة. (۶)

۱- شرح علل الترمذی، ۱/۵۶؛ کتاب المجروحین، ۱/۲۶

۲- ایضاً، ۱/۵۸

۳- مسلم، الجامع، مقدمة، ۱/۱۳؛ شرح علل الترمذی، ۱/۵۷؛ عقیلی، الضعفاء الکبیر، ۱/۱۲

۴- شرح علل الترمذی، ۱/۵۸

۵- شرف اصحاب الحدیث، ۳۲؛ خطیب بغدادی، الکفایة، ۳۹۳؛ شرح علل الترمذی، ۱/۵۸

۶- الکامل فی ضعفاء الرجال، ۱/۱۳۸

ابن المبارک کا قول ہے:

مثل الذى يطلب امردينه بلا اسناد كمثل الذى يرتقى السطح بلا

سلم۔ (۱)

محدثین کرام نے صرف سند اور اس کی تفتیش و تحقیق پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس بات کی بھی تحقیق کی کہ روایت نے اپنے شیوخ سے اخذ حدیث کے طرق میں سے کس طریقے سے احادیث حاصل کیں۔ حدیث کا طالب علم جانتا ہے کہ ان طرق میں قراءۃ اور سماع کو فوقیت حاصل ہے اور ان طرق کے لیے الفاظ ادا بھی حدثنا اور اخبرنا ہیں۔ یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ راوی نے شیخ سے اس کی مجلس میں براہ راست شیخ سے استفادہ کیا۔ ان الفاظ ادا کی اہمیت کا اندازہ شعبہ کے اس قول سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: کمل حدیث لیس فیہ حدثنا أو أخبرنا فهو خل و بقل۔ (۲) وہ حدیث جس میں یہ الفاظ ادا نہیں اس کی کوئی وقعت اور قیمت نہیں۔

اہل علم نے روایات کو قبول و رد کرنے کے لیے روایت کی سلبی اور منفی صفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (۳) امام حسن، ابن عباس، ابن سیرین وغیرہم نے اس شخص کی روایت قبول کرنے کی ہدایت کی جن کی شہادت قبول ہو سکتی ہے۔ (۴)

معاصر علماء حدیث نے اسناد کو بنیاد بناتے ہوئے حدیث کی تقسیم اتصال سند اور انقطاع سند کے حوالے سے کی ہے۔ جب کہ ابن الصلاح نے سند اور متصل کی بحث کتاب کے آغاز (۵) (چوتھے اور پانچویں باب) میں کی ہے اور اسناد العالی والنازل کی بحث ایمیوس باب میں کی ہے (۶)۔ حافظ ابن حجر نے انقطاع سند کے لحاظ سے انواع حدیث کو مرسل کے تحت بیان کیا۔ اور اسناد عالی ونازل کو الخبر المسند کے تحت بیان کیا ہے (۷)۔ ہم نے چونکہ ابن حجر کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اس لیے یہاں صرف اتصال سند کی انواع بیان ہوں گی۔ انقطاع سند کی انواع کو کتاب کی جداول میں دیکھا جائے۔

۱ - الکفایۃ، ۳۹۳؛ شرح علل الترمذی، ۵۹/۱

۲ - الکامل فی ضعفاء الرجال، ۱۰۷/۱، ۱۶۰

۳ - ایضاً، ۲۵۷-۲۶۰

۴ - ایضاً، ۲۵۶/۱، ۲۵۷؛ کتاب المجروحین، ۲۵/۱

۵ - ابن الصلاح، ۳۲، ۳۳

۶ - ایضاً، ۲۵۵

۷ - نزہۃ النظر، ۳۳، ۵۹

متصل وہ حدیث ہے جس میں ہر راوی نے اپنے اوپر والے راوی سے سنا ہو یہاں تک کہ آخری شخص تک پہنچے خواہ حدیث مرفوع ہو یا موقوف۔ اسے موصول کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح متصل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و يقال فيه ايضاً الموصول، و مطلقه يقع على المرفوع و الموقوف

وهو الذي اتصل اسناده فكان كل واحد من رواه قد سمعه ممن فوقه

حتى ينتهي الى منتهاه. (۱)

اسے موصول بھی کہا جاتا ہے۔ جب متصل یا موصول کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق

مرفوع و موقوف دونوں پر ہوگا۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی اسناد متصل ہے۔ سوراویوں میں

سے ہر شخص نے اپنے اوپر والے سے سنا حتیٰ کہ آخری آدمی تک پہنچے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

المتصل و يسمى الموصول، وهو ما اتصل اسناده مرفوعاً كان او

موقوفاً على من كان. (۲)

متصل جسے موصول بھی کہا جاتا ہے وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو، مرفوع ہو یا کسی شخص

پر موقوف ہو۔

امام نوویؒ نے حافظ ابن الصلاح کی تعریف میں موقوفاً کے بعد 'على من كان' کا اضافہ کیا ہے اور ابن

جماعہ نے امام نوویؒ کے تتبع میں علی غیرہ کے الفاظ کا اضافہ کیا۔ (۳)

اس طرح تابعین اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے اقوال بھی شامل ہو گئے۔ ابن الصلاح نے متصل کو

صحابہ کے اقوال تک محدود رکھا تھا اس طرح متصل، مرفوع اور موقوف پر مشتمل تھی۔ جیسے امام مالکؒ کی موقوفات ہیں۔

مثلاً نافع عن ابن عمر عن عمر بن عمر۔ ابن الصلاح کی تعریف سے واضح تھا کہ اس میں امام مالکؒ کی موقوفات

خصوصی طور پر شامل تھیں۔ حافظ عراقی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

۱- ابن الصلاح، ۴۴

۲- تقریب مع تدریب، ۱۰۸

۳- المنهل الروی، ۴۰

وأما أقوال التابعين إذا اتصلت إلا سائيد اليهم فلا يسمونها متصله في  
حالة الاطلاق أما مع التقييد فجائز و واقع في كلامهم كقولهم: هذا  
متصل الى سعيد بن المسيب او الى الزهري او الى مالك و نحو  
ذلك. (۱)

جہاں تک تابعین کے اقوال کا تعلق ہے تو اگر ان تک اسانید متصل ہوں تو انہیں علی الاطلاق  
متصل نہیں کہا جائے گا لیکن اگر مقید کر کے کہا جائے تو جائز ہوگا جیسے ان کے اقوال میں  
ہے۔ یہ سعید بن المسيب تک متصل ہے یا زہری اور مالک تک متصل ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں نکتہ یہ ہے کہ تابعی کی روایات مقطوع کہلاتی ہیں، اس لیے اگر انہیں علی  
الاطلاق متصل کہہ دیا جائے تو لغوی اعتبار سے اجتماع ضدین لازم آئے گا۔ (۲)  
اس لیے جمہور کے نزدیک مقطوع روایات کو مطلقاً موصول نہیں کہا جائے گا۔ امام نووی اور ابن جماعہ کی  
خریف سے بعض لوگوں نے یہ استنباط کیا ہے کہ مقطوع پر بھی موصول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔  
متصل مرفوع کی مثال:

عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الذي  
تفوته صلاة العصر كانما وتر أهله و ماله. (۳)

متصل موقوف کی مثال:

عن نافع أنه سمع عبد الله بن عمر يقول: من اسلف سلفاً فلا يشترط الا  
قضاء ه (۴)

یہ دونوں حدیثیں متصل یا موصول ہیں اس لیے کہ ان میں ہر راوی نے اپنے اوپر والے شخص سے سنا ہے۔



۱- فتح المغیث، ۱/۱

۲- ایضاً، ۱/۱

۳- مالک، الموطا، کتاب و قوت الصلاة، باب جامع الوقت، ۱۳؛ بخاری، الجامع، کتاب مواقیب الصلاة،  
باب الم من لائقه عصر، ۱/۳۸

۴- مالک بن انس، الموطا، کتاب البیوع، باب مالا يجوز من السلف، ۳۴۲

## صحابہ کرامؓ

حضور اکرم ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو نقل کرنے اور آگے پہنچانے کا بنیادی کام صحابہ کرامؓ اور تابعین نے کیا۔ ان شخصیات کی دینی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے اور اس سے قریب تر عہد کی اہمیت کو خود بیان فرمایا۔ عمران بن حصین (۱) روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: خير امتي قرني ثم الذين

يلونهم ثم الذين يلونهم. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے افضل میرا زمانہ ہے پھر میرے بعد آنے والوں کا پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد متصل آئیں۔

عمران بن حصین کہتے ہیں مجھے یہ بات ٹھیک طرح یاد نہیں کہ آپ ﷺ نے دو قرن کہے یا تین۔ (۳) یہ تین ادوار امت کے ہاں قابل تکریم سمجھے جاتے ہیں کیونکہ ان میں وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا یا صحابہؓ کو یا صحابہؓ سے استفادہ کرنے والوں کو دیکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے زمانی قرب کی بنا پر ان لوگوں کی روحانی پاکیزگی اور دینی بصیرت بھی زیادہ قابل اعتماد ہے۔ عہد نبوی میں تربیت پاتے والے لوگوں اور ان تربیت یافتہ افراد سے فیض حاصل کرنے والوں نے علوم نبویہ کی تبلیغ و اشاعت میں کیا طرز عمل اختیار کیا اس کا اندازہ ان سرگرمیوں سے ہوتا ہے جو کتب حدیث و رجال میں منقول ہیں۔ ان کی مساعی جمیلہ سے علوم نبویہ تک امت کو رسائی حاصل ہوئی۔ اس وقت رسول اکرم اور عہد رسالت کے بارے میں جو معلومات مہیا ہیں وہ ان ہی حضرات کے شغف و محبت کی وجہ سے ممکن ہوئیں۔

## صحابی کی تعریف

لغوی اعتبار سے صحابی صحبہ سے مشتق ہے جس کے معنی ساتھ رہنے کے ہیں۔ اس کے معانی میں کوئی ایسی

۱- عمران بن حصین بن خلف ابو نجد الخزاعی (م ۲۵ھ) صاحب رسول اللہ ﷺ میں دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ بصرہ کے قاضی رہے۔ حضرت عمرؓ نے اہل بصرہ کی دین میں تقسیم کے لیے بھیجا۔ طبقات خلیفہ، ۱۰۶؛ التاريخ الكبير، ۳/۳۰۸/ii/۳؛ العبر، ۱۰/۵۷؛ سیر اعلام، ۲/۵۰۸

۲- بخاری، الجامع، کتاب بدء الخلق، باب فضائل اصحاب النبی، ۳/۱۸۹؛ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، ۷/۱۸۳

۳- ایضاً، ۳/۱۸۹؛ ایضاً، ۷/۱۸۶



شرط نہیں پائی جاتی جس سے قلت و کثرت کا پتہ چلے، چنانچہ کہا جاتا ہے:

صحب فلانا حولاً و دهرأ و سنةً و شهراً و يوماً و ساعةً.

وہ شخص فلاں کے ساتھ ایک برس، ایک زمانہ، ایک سال، ایک ماہ، ایک دن اور ایک سیاعت رہا۔

مصاحبت قلیل و کثیر دونوں کی حامل ہے۔ (۱) اصطلاحاً صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جو حالت ایمان میں

آپ ﷺ سے ملا ہو اور اسلام پر ہی اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ صحابی کے لیے ملاقات شرط ٹھہری (۲) قرآن

پاک میں حضرت ابو بکرؓ کے لیے صاحب کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے غالباً یہی لفظ صحابی کے لیے بنیاد بنا ہے۔

ارشاد و ربانی ہے:

اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا. (۳)

جب آنحضرت اپنے ساتھی سے کہتے تھے غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

صحابی کی اصطلاحی تعریف میں بزرگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اظہار کیا ہے۔

معمولی سے لفظی اختلاف کے ساتھ اسے قریب المعنی یا ہم معنی سمجھنا چاہیے۔ ان بزرگوں نے صحابی کے مفہوم

کو متعین کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے۔

ابن الصلاح نے بڑی عمومی بات فرمائی ہے، کہتے ہیں:

كل مسلم رأى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم (۴)

ہر مسلمان جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔

صحابی کی تعریف کے ضمن میں مندرجہ ذیل اقوال منقول ہیں:

قال البخاری: من صحب النبی ﷺ او راه من المسلمین فهو من

اصحابه. (۵)

امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ جس شخص نے حضور سے رفاقت کا شرف حاصل کیا یا اسلام کی حالت

میں آپ کو دیکھا ہو وہ صحابی ہے۔

۱- الکفایة، ۵۱؛ فتح المغیث، ۳/۳۳۷؛ لسان العرب، ۱/۵۱۹

۲- ایضاً، ۵۱؛ الاصابة، ۱/۴، ۵

۳- التوبة/۳

۴- ابن الصلاح، ۴۹۳؛ الباعث الحثیث، ۱۵۴؛ تدریب، ۲/۱۸۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۳۵

۵- بخاری، الجامع، کتاب بدء الخلق، باب فضائل اصحاب النبی، ۴/۱۸۸، ابن الصلاح، ۴۹۳؛

فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۳۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۷۸

افضل الناس بعد هؤلاء أصحاب رسول الله القرن الذي بعث فيهم كل من صحبه سنة أو يوماً أو ساعة أو آه من أصحابه له من الصحبة على قدر ما صحبه و كانت سابقته معه و سمع منه و نظر اليه. (۱)

رسول اللہ ﷺ کے ان صحابہ کے بعد اس دور کے سب سے افضل وہ لوگ ہیں جنہیں حضور کی رفاقت ایک برس، ایک ماہ، ایک دن یا ایک گھڑی نصیب ہوئی اس کے بعد وہ لوگ جنہوں نے صحابہ کو دیکھا، وہ جسے ایک اندازے کے مطابق مصاحبت نصیب ہو، وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہا ہو، آپ سے سنا ہو یا آپ کو دیکھا ہو۔

ابن الصلاح کہتے ہیں:

بلغنا عن ابى المظفر السمعاني المروزي انه قال اصحاب الحديث يطلقون اسم الصحابة على كل من روى عنه حديثاً او كلمة، ويتوسعون حتى يعدون من رآه رؤية من الصحابة وهذا لشرف منزلة النبي صلى الله عليه وسلم اعطوا كل من رآه حكم الصحابة. (۲)

(یہ قول) ہم تک ابو مظفر السمعانی المروزی کے ذریعے پہنچا۔ انہوں نے کہا کہ اصحاب حدیث ہر اس شخص پر صحابی کے نام کا اطلاق کرتے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے کوئی حدیث یا کلمہ روایت کیا ہو۔ وہ اسے وسعت دیتے ہیں حتیٰ کہ اس شخص کو بھی صحابی شمار کرتے ہیں جس نے حضور ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا ہو یہ شرف حضور کی منزلت کی وجہ سے ہے وہ حضور کو دیکھنے والے کو صحابی کا درجہ دیتے ہیں۔

بعض حضرات کا کہنا ہے:

لا بد في اطلاق الصحبة مع الرؤية ان يروى حديثاً او حديثين. (۳)

صحابی کی اصطلاح کے لیے ضروری ہے کہ زیارت کے ساتھ ایک یا دو حدیثیں بھی روایت کی ہوں۔

واقدی کا قول ہے:

ورأيت أهل العلم يقولون كل من رأى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

۱- الكفاية، ۵۱

۲- ابن الصلاح، ۲۹۳؛ فتح المغيث للعراقي، ۳/۳۳۷؛ فتح المغيث للسخاوی، ۳/۸۶

۳- اختصار علوم الحديث، ۱۷۱، ابن الصلاح، ۲۹۳؛ فتح المغيث، ۳/۸۶

وقد أدرك الحلم فأسلم و عقل أمر الدين و رضيه فهو عندنا ممن

صحبہ النبی ولو ساعة من النهار. (۱)

میں نے اہل علم کو کہتے دیکھا ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو سن شعور میں دیکھا پھر اسلام قبول کیا اور امور دینیہ کو سمجھا اور انھیں پسند کیا اور اختیار کیا وہ ہمارے نزدیک اصحاب نبی ﷺ میں شامل ہے خواہ اسے یہ شرف دن کی ایک ساعت ہی نصیب ہوا ہو۔

لیکن عراقی نے اس تعریف پر تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

والتقييد بالبلوغ شاذ. (۲) بالغ ہونے کی قید شاذ ہے۔

غالباً عراقی کے پیش نظر یہ ہے کہ اگر واقدی کی اس قید کو تسلیم کر لیا جائے تو اس طرح عبداللہ بن عباسؓ، ابنؓ اور ابن زبیرؓ وغیرہ صحابیت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں:

الصحابة لا نعدهم الا من اقام مع رسول الله سنة او سنتين وغزا معه

غزوة او غزوتين. (۳)

ہم صحابی اسے شمار کرتے ہیں جو حضور کے ساتھ ایک سال یا دو سال رہا ہو اور آپ کے ساتھ مل کر ایک یا دو جنگیں لڑی ہوں۔

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اس تعریف سے جریر بن عبداللہ البجليؓ وغیرہ خارج ہو جاتے ہیں۔ (۴) عراقی

بقول سعید ابن المسیبؓ کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں۔ (۵)

ابن حجر کا قول ہے:

اصح ما وقفت عليه من ذلك ان الصحابي من لقي النبي مؤمناً به

و مات على الاسلام، فيدخل فيمن لقيه من طالت مجالسته او قصرت

و من روى عنه اولم يرو و من غزاه اولم يغزو و من لم يجالسه و من

لم يره لعارض كالعمى و هو رأى الجمهور. (۶)

الكفاية، ۵۱؛ فتح المغيث للعراقي، ۳۳۹/۲

فتح المغيث، ۳۳۹/۲

ايضاً، ۳۳۸/۳؛ ابن الصلاح، ۲۹۳؛ اختصار علوم الحديث، ۱۷۱

ايضاً، ۳۳۸/۳؛ ايضاً، ۲۹۳

ايضاً، ۳۳۸/۳

الاصابة، ۱۰/۱

ابن حجرؒ نے فرمایا: میرے علم کے مطابق صحیح ترین یہ ہے کہ صحابی اسے کہتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے مؤمن کی حیثیت سے ملا ہو اور اس کی موت اسلام کی حالت پر ہوئی ہو تو جو بھی آپ سے ملا خواہ اس کی ملاقات طویل ہو یا مختصر، اس نے آپ ﷺ سے روایت کی ہو یا نہ کی ہو اس نے آپ ﷺ کی معیت میں جنگ لڑی ہو یا نہ وہ شخص صحابی ہے جس نے آپ ﷺ کو دیکھا ہو لیکن آپ کی مجلس میں نہیں بیٹھایا آپ کو کسی عذر کے باعث نہ دیکھ پایا۔ جیسے نابینا ہونا اور جمہور کی یہ رائے ہے۔

روی شعبہ عن موسى السبلاني و اثني عليه خيراً قال: قلت لانس بن مالك هل بقي من اصحاب رسول الله احد غيرك؟ قال ناس من الأعراب رأوه، فاما من صحبه فلا۔ اسنادہ جيد، حدث به مسلم بحضرة ابى زرعة (۱)

شعبہ نے موسیٰ سبلانی سے روایت کی اور ان کے بارے میں کلمات خیر کہتے ہوئے کہا کہ انھوں نے انس بن مالکؓ سے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں آپ کے سوا کوئی باقی رہ گیا ہے؟ کہنے لگے بدویوں میں سے کچھ لوگ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے مگر وہ ایسے لوگ نہیں جنہیں شرف صحبت حاصل ہو۔ اس کی سند جيد ہے۔ مسلم نے ابو زرعة کی موجودگی میں اسے بیان کیا۔

علامہ ابن حجرؒ نخبۃ الفکر میں مسند کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسند وہ حدیث ہے جس کی سند رسول اللہ ﷺ تک صریحاً یا حکماً پہنچے، یعنی آپ ﷺ کا قول، فعل یا تقریر ہو یا اس طرح سے صحابی تک پہنچے یا تابعین تک اس کے بعد صحابی اور تابعی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو من لقي النبي مؤناً به و مات على الاسلام و لو تخللت ردة في الاصح ... وهو من لقي الصحابي كذلك (۲)

صحابی وہ ہے جس کی بحالت ایمان رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہو گو درمیان میں ارتداد بھی واقع ہوا ہو۔ اور تابعی وہ ہے جو اسی طرح صحابی سے ملا ہو۔

نخبۃ الفکر کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے نزہۃ النظر میں لکھتے ہیں:

۱- ابن الصلاح ۲۹۴؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۷۱

۲- نزہۃ النظر، ۵۲-۵۸

والمراد باللقاء ما هو اعم من المجالسة و المماشاة و وصول أحدهما الى الآخر وان لم يكالمة و يدخل فيه رؤية احدهما الآخر سواء كان ذلك بنفسه او غيره ، والتعبير باللقى اولى من قول بعضهم: الصحابي من رأى النبي لأنه يخرج حينئذ ابن ام مكتوم (١) و نحوه من العميان وهم صحابة بلا تردد و اللقى في هذا التعريف كالجنس وقولي ”مومنأ“ كالفصل يخرج من حصل له اللقاء المذكور في حال كونه كافراً وقولي ”به“ فصل ثان يخرج من لقيه مؤمناً ارتد بعد مؤمناً بأنه سيبعث و لم يدرك البعثة وفيه نظر وقولي ”ومات على الاسلام“ فصل ثالث يخرج من ارتد بعد ان لقيه مؤمناً به و مات على الردة كعبيد الله بن جحش (٢) و ابن خطل. وقولي ”ولو تخللت ردة“ اي بين لقيه مؤمناً به و بين موته على الاسلام فان اسم الصحبة باق له سواء ارجع الى الاسلام في حياته ام بعده ، و سواء لقيه ثانياً أم لا، و قولي ”في الاصح“ اشارة الى الخلاف في المسألة. و يدل على رجحان الاول قصة الاشعث بن قيس. (٣) فانه كان ممن ارتد و أتى إلى أبي بكر الصديق اسيراً فعاد إلى الاسلام فقبل منه ذلك و زوجته اخته و لم يختلف احد عن ذكره في الصحابة و لا عن تخريج أحاديثه في المسانيد و غيرهما. (٤)

١- ابن ام مكتوم عبد الله بن قيس، جليل القدر صحابي اور حضور اکرم ﷺ کے مؤذن تھے۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ آپ ﷺ نے دومرتبہ مدینہ میں اپنا جائشین مقرر کیا۔ ابن سعد، ٣ / ١ / ١٥٠؛ سیر اعلام، ١ / ٣٦٠

٢- عبید اللہ بن جحش بن رباب السمری الاسدی ام المؤمنین زینبؓ کے بھائی تھے۔ اپنی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے ساتھ حبشہ ہجرت کی لیکن وہاں جا کر عیسائی ہو گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ ام حبیبہ کے ساتھ آپ ﷺ نے نکاح کیا۔

٣- الاشعث بن قیس بن معد یکرب الکندی (م ٣٠ھ) امیر کندہ اپنی قوم کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ جنگ یرموک میں شریک ہوئے جس میں اس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ ابو بکرؓ کے دور خلافت میں بعض دوسرے کندی قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ ابو بکرؓ کے پاس قیدی بن کر آیا اور دوبارہ اسلام قبول کیا۔ صفین میں علیؓ کے ساتھ تھے۔ حضرت علیؓ کے چالیس دن بعد فوت ہوئے۔ تاریخ بغداد، ١ / ١٩٦؛ الاصبہ، ١٠ / ٨٨؛ ابن سعد، ٦ / ٢٢

٤- نزہة النظر، ٥٤ - ٥٨

اور ملاقات باہمی نشست یا ساتھ چلنے اور ایک دوسرے کی جانب پہنچ جانے سے زیادہ عام ہے۔ اس میں وہ دیکھنا بھی شامل ہے جو قصد اہو یا تبعاً۔ یہ تعبیر بعض لوگوں کے اس قول سے بہتر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صحابی وہ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کیونکہ تعریف کی رو سے ابن ام مکتوم اور دیگر نابینا صحابہ خارج ہو جائیں گے حالانکہ وہ یقیناً صحابہ تھے۔ اس تعریف میں لقاء جنس ہے اور مؤمنان فصل ہے جس سے وہ شخص صحابیت سے خارج ہو جائے گا جس نے کفر اختیار کیا اور ”بہ“ دوسری فصل ہے جس سے وہ شخص خارج ہو جائے گا جو کسی اور نبی پر ایمان رکھتا ہے۔ کیا وہ شخص شرف صحابیت سے خارج ہوگا جس نے اس ایمان کے ساتھ ملاقات کی کہ آپ مبعوث ہوں گے لیکن بعثت سے پہلے فوت ہو گیا؟ اس بارے میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی صحابی نہیں جس نے بحالت ایمان آپ سے ملاقات کی پھر مرتد ہوا اور بحالت ارتداد ہی مر گیا جیسے عبداللہ بن جحش اور ابن اخطل اور تعریف میں ”ولو تخلت ردة“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر ایمان لانے کے بعد مرتد ہوا لیکن پھر آپ ﷺ کی زندگی میں یا آپ ﷺ کے بعد ایمان لایا اور مسلمان کی حیثیت سے مرا تو وہ صحابی ہوگا کیونکہ صحبت کا لقب باقی رہے گا خواہ وہ آپ ﷺ کی زندگی میں دوبارہ اسلام لایا یا بعد میں اور آپ ﷺ سے دوبارہ ملنا اور نہ ملنا برابر ہے۔ اور اصح کے لفظ سے یہ اشارہ مطلوب ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف موجود ہے۔ پہلی رائے کے حق میں اشعث ابن قیس کا واقعہ دلیل ہے کیونکہ وہ ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے ارتداد اختیار کیا تھا۔ جب وہ قیدی ہو کر ابو بکر صدیقؓ کے پاس لایا گیا تو دوبارہ اسلام لایا۔ ابو بکر صدیقؓ نے اس کے اسلام کو منظور کیا اور اپنی بہن سے ان کا عقد کروایا۔ اشعث کو صحابہ میں شمار کرنے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا اور مسانید وغیرہ میں ان کی احادیث کی تخریج کرنے میں کسی نے پہلو تہی نہیں کی۔

محمد عجاج الخطیب یہ تمام اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:

والی رأی الجمهور أمیل و به أقول ، لأنہ فی الحقیقة لم یرو صحابی  
عن رسول اللہ حدیثاً الا قد ثبت عدالتہ عن جہابذة العلم بتطبیق  
قواعد النقد العلمی الصحیحة التي طبقوها فی علم الحدیث علی

سائر الرواة (۱)

میرا میلان جمہور کی رائے کی طرف ہے اور میری یہی رائے ہے کیونکہ حقیقت میں کسی صحابی نے رسول اکرم ﷺ سے کوئی روایت نہیں کی۔ الا یہ کہ اس کی عدالت اہل علم نقادوں کے ہاں ثابت ہو، ان صحیح علمی تنقیدی قواعد کے تطبیق سے جنہیں انہوں نے علم حدیث میں تمام روایوں پر چسپاں کیا ہے۔

کتاب علوم الحدیث میں صحابی کی تعریف میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں ان کے مطابق کسی شخص میں مندرجہ ذیل امور میں سے کوئی بات پائی جائے تو اسے صحابی کہتے ہیں۔ ان میں سے اہم امور یہ ہیں:

جس شخص کے بارے میں تو اتر سے معلوم ہو کہ وہ صحابی ہے (۱) جیسے حضرات عشرہ مبشرہ کا صحابی ہونا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، طلحہ ابن عبد اللہؓ، زبیر بن العوامؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، ابو عبیدہ عامر بن الجراحؓ۔

جس شخص کا صحابی ہونا مشہور ہو اگرچہ تو اتر کے درجے تک نہ پہنچا ہو (۲)۔ مثلاً ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محسنؓ۔

کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے جیسے ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا تھا کہ حمہ بن ابی حمہ دوسی صحابی ہے (۳)۔

کوئی امانت و دیانت میں معروف شخص اپنے زمانے تک صحابی ہونے کا دعویٰ دے ہو جب کہ اس کے صحابی ہونے کا امکان بھی ہو (۴)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس دعویٰ کو مشکل بات قرار دیا ہے کیونکہ ایسے دعویٰ کی مثال یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ میں عادل ہوں لہذا یہ امر غور و فکر کا محتاج ہے (۵)۔

علماء نے یہ زمانہ ۱۱ھ تک متعین کیا ہے۔ اس کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس ضمن میں علماء کرام صحیح مسلم و ترمذی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: ما من نفس من فوسة اليوم تأتي عليها مائة سنة وهي

نزہة النظر، ۵۸

ایضاً، ۵۸

الباعث الحثیث، ۱۸۰: تدریب الراوی، ۲/۱۸۹؛ الاصابہ، ۱/۳۵۳

نزہة النظر، ۵۸

ایضاً، ۵۸



حیة یومئذ۔ (۱)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ذی روح ایسا نہیں کہ آج سے سو سال گزر جانے کے بعد بھی زندہ ہو۔

امام بخاری نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أرايتكم ليلتكم هذه فان على رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على

وجه الارض أحد (۲)

۵۔ تابعین میں سے کوئی بزرگ کسی شخص کی پاکیزگی اور زہد و ورع کی بنا پر اسے صحابی قرار دے۔ (۳)

صحابہ میں آخری فوت ہونے والی شخصیت ابو الطفیل عامر بن وائلہؓ کی ہے۔ وہ ایک سو دس ہجری (۱۱۰ھ) میں فوت ہوئے۔ (۴) حضور اکرم ﷺ کی بیان کردہ تاریخ کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو ائمہ حدیث اس دعویٰ کو قبول نہیں کرتے۔

### طبقات صحابہ

بلاشبہ صحابی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جس نے حضور ﷺ سے کوئی حدیث روایت کی ہو اور اسے اتنی وسعت دی گئی کہ صرف روایت کو کافی سمجھا گیا لیکن یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ صحابہ کے طبقات و درجات ہیں۔ ان میں السابقون الاولون اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے جان و مال کی بے پناہ قربانیاں دیں اور ایسے بھی جو ”یدخلون فی دین اللہ افواجاً“ (۵) کے تحت آئے۔ لہذا امت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہ کے طبقات ہیں، البتہ طبقات کے تعین میں قدرے اختلاف ہے۔ ابن سعد نے پانچ طبقات بیان کیے ہیں۔

حاکم نے بارہ اور بعض نے اس سے بھی زائد طبقات بیان کیے ہیں۔ (۶)

امام حاکم کے نزدیک صحابہ کے طبقات یہ ہیں:

- ۱۔ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، ۷ / ۱۸۷؛ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، ۳ / ۵۲۰
- ۲۔ بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب السمر فی العلم، ۱ / ۳۷؛ ترمذی، السنن، کتاب الفتن؛ ۳ / ۵۲۰؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، ۷ / ۱۸۶-۱۸۷
- ۳۔ ابن الصلاح، ۲۹۳؛ تدریب، ۲ / ۱۸۷؛ اختصار علوم الحدیث، ۵۱ بعد، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: يعرف كونه صحابياً بالتواتر او الاستفاضة او الشهرة او باخبار بعض الصحابة او بعض ثقات التابعين او باخباره عن نفسه بانه صحابي اذا كان دعواه ذلك تدخل تحت الامكان. نزہة النظر، ۵۸
- ۴۔ تدریب الراوی، ۳۱۲؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: الاصابة، ۱ / ۱۳-۱۵؛ الكفاية، ۵۲
- ۵۔ النصر / ۲
- ۶۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۱۲۹؛ و بعد، الباعث الحثیث، ۱۵۶؛ معرفة علوم الحدیث، ۲۲-۲۳؛ تدریب، ۲ / ۱۹۳



وہ لوگ جو مکہ میں اسلام لائے۔

مکہ کے رہنے والے جنھوں نے دارالندوہ میں بیعت کی۔

مہاجرین حبشہ۔

اصحاب عقبہ اولیٰ۔ انھیں عقبی کے لقب سے پکارا جاتا۔

اصحاب عقبہ ثانیہ اور ان کی اکثریت انصار پر مشتمل ہے۔

وہ مہاجرین جو مدینہ میں نبی کریم کے تشریف لانے پر قباء میں ملے۔

اہل بدر جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لعن اللہ اطلع علی اہل بدر فقال: اعملوا

ما شئتم فقد غفرت لکم۔

وہ جنھوں نے بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی۔

حدیبیہ کی بیعت الرضوان کے شرکاء جن کے بارے میں قرآن نے کہا: لقد رضی اللہ عن المؤمنین

اذیبا یعونک تحت الشجرة۔

وہ جنھوں نے حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہجرت کی جیسے خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ اور ابو ہریرہؓ

وغیرہ۔ (۱)

وہ لوگ جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے جس میں قریش کا بڑا گروہ شامل ہے۔

وہ بچے اور لڑکے جنھوں نے فتح مکہ اور حجۃ الوداع وغیرہ کے مواقع پر رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ اہل سنت کا

اس پر اجماع ہے کہ افضل الصحابہ ابو بکرؓ ہیں۔ پھر عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ۔ ان کے بعد عشرہ مبشرہ پھر اہل بدر اور

احد اور ان کے بعد بیعت الرضوان اور بیعت عقبات والے اور سابقون الاولون وغیرہ۔ صحابہ کی تعداد

ایک لاکھ سے اوپر بیان کی جاتی ہے۔ ابو زرہ رازی کے مطابق یہ تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار ہے۔ (۲)

سب سے پہلے کون ایمان لایا؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں اور علماء کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے

اس سلسلے میں ابن الصلاحؒ نے جو موقف اختیار کیا اس کو ہی بعد میں آنے والے محدثین اور علماء نے اختیار کیا۔

ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

الاورع ان یقال: اول من اسلم من الرجال الاحرار ابو بکرؓ و من

الصبيان او الاحداث علیؓ، و من النساء خدیجہؓ، و من الموالی زید بن

حارثہ و من العبيد بلالؓ. (۳)

معرفة علوم الحديث، ۲۲-۲۳

تدريب الراوى، ۲ / ۱۹۳؛ فتح المغيب للعراقى، ۳ / ۳۳۵؛ فتح المغيب للسخاوى، ۳ / ۱۳۶

ابن الصلاح، ۳۰۰؛ تقريب مع تدريب، ۳۱۲

احتیاط اسی میں ہے کہ یہ کہا جائے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ابو بکرؓ ہیں، بچوں میں یا نوخیزوں میں علیؓ، عورتوں میں خدیجہؓ، آزاد کردہ غلاموں میں زید بن حارثہ اور غلاموں میں بلال حبشی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک افضل الصحابہ بلکہ افضل الخلق بعد الانبیاء ابو بکر عبد اللہ بن عثمان التیمیؓ ہیں۔ آپ کا لقب صدیق ہے کیونکہ آپ نے سب سے پہلے رسالت کی تصدیق کی۔ اس کے بعد عمر ابن الخطاب پھر عثمانؓ اور اس کے بعد علیؓ ہیں۔ پھر باقی عشرہ مبشرہ، ازاں بعد اہل بدر پھر اہل احد، پھر حدیبیہ کے اہل بیعتہ الرضوان ہیں۔ (۱)

علم اور فتویٰ کے لحاظ سے بھی صحابہ میں فرق ہے۔ بعض اپنے علم و فقہت کی وجہ سے مشہور ہوئے اور ان کا علم چار دانگ عالم میں پھیلا۔

احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں:

ستة من أصحاب النبی ﷺ اکثر والروایة عنه و عمرو: أبو هريرة،  
و ابن عمر، و عائشة، و جابر بن عبد الله و ابن عباس، و انس. (۲)

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے چھ ایسے حضرات ہیں جنہوں نے آپ ﷺ سے بکثرت روایات نقل کیں اور کافی عمر پائی اور وہ ہیں: ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابن عباسؓ اور انسؓ۔

محدثین کے ہاں عبادلہ کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے جب یہ حضرات کسی رائے پر متفق ہوں تو کہا جاتا ہے کہ یہ عبادلہ کی رائے ہے۔ وہ ہیں: عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ اور عبد اللہ بن عمروؓ۔ (۳) یہ حضرات کافی عرصہ زندہ رہے۔ ان کے علم اور ان کی آراء کو کافی شہرت ملی۔ عبد اللہ بن مسعودؓ اور ان جیسے بڑے صحابہ جیسے خلفاء اربعہ وغیرہ فوت ہو گئے اور یہ حضرات زندہ تھے اسی لیے لوگوں کو علم اور ان کی آراء سے استفادہ کا موقع ملا۔ یوں ان کی روایات زیادہ ہوئیں اور ان کے فتاویٰ بھی منقول ہوئے۔

مسروق کہتے ہیں:

- ۱- تدریب الراوی، ۳۰۸
- ۲- ابن الصلاح، ۲۹۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۳۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۱۰۲؛ تدریب الراوی، ۳۳۸؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۷۶؛ ابو ہریرہ نے پانچ ہزار چوہتر احادیث روایت کیں، ابن عمر نے دو ہزار چھ سو تیس، عائشہ سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں جابر نے ایک ہزار پانچ سو چالیس، ابن عباس ایک ہزار چھ سو ساٹھ اور انس بن مالک نے دو ہزار دو سو چھیالیس احادیث روایت کیں۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۳۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۱۰۲۔ ۱۰۳؛ الباعث الحثیث، ۱۷۶-۱۷۸
- ۳- ابن الصلاح، ۲۹۶؛ تقریب مع تدریب، ۳۰۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۳۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۱۲۳؛ الباعث الحثیث، ۱۰۶؛ المنہل الروی، ۱۱۳

وجدت علم اصحاب النبی انتھی الی ستہ : عمرو علی و ابی و زید و ابی الدرداء

و عبد اللہ بن مسعود ثم انتھی علم هولاء الستہ الی اثین : علی و عبد اللہ. (۱)

ابن حزم نے فقہاء صحابہ کا استقصاء کرتے ہوئے ایک سو باسٹھ حضرات کا ذکر کیا ہے۔ (۲) فتاویٰ کے لحاظ

سے مکفرون صحابہ میں عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، زید بن

ثابتؓ عائشہ ام المومنینؓ شامل ہیں۔ درمیانہ درجہ میں ابو بکر صدیقؓ، عثمان بن عفانؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، طلحہ بن

عبید اللہؓ، زبیر بن العوامؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ شامل ہیں۔ جن حضرات سے کم فتاویٰ منقول ہوئے ہیں ان میں جریر بن

عبد اللہ الجلیؓ، عبد اللہ بن ابی اوفیؓ، سمرہ بن جندبؓ شامل ہیں۔ ان سے ایک آدھ مسئلہ ہی منقول ہوا ہے۔

## آخری صحابی

صحابہ کرامؓ تمام مفتوحہ علاقوں میں پھیل گئے تھے، اس لیے مکمل فہرست تو ممکن نہیں، البتہ بعض شہروں میں

فوت ہونے والے آخری صحابہ کا تذکرہ ملتا ہے، مثلاً مدینہ میں محمود بن الربیع ۹۹ ہجری میں فوت ہوئے، بصرہ میں

نس بن مالکؓ نے ۹۳ ہجری میں وفات پائی۔ کوفہ میں عبد اللہ بن ابی اوفیؓ نے ۸۶ ہجری میں وفات پائی، حمص شام

میں عبد اللہ بن بسر ۹۶ھ میں فوت ہوئے اور مصر میں عبد اللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی فوت ہوئے۔ (۳) اور جو

سب سے آخر میں فوت ہوئے وہ بالاتفاق ابوالطفیل عامر بن وائلؓ ہیں جو ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ (۴)

## فضائل صحابہ

قرآن و سنت نے صحابہ کرامؓ کو اس انداز سے پیش کیا کہ وہ انسانی شرف کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان کا کردار،

نڈاز اور گفتار قابل اعتماد اور لائق تقلید ہے۔ ارشاد بانی ہے:

للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارہم و اموالہم یتبعون فضلا

من اللہ و رضوانا و ینصرون اللہ و رسولہ اولئک ہم الصادقون و الذین

تبوء الدار و الایمان من قبلہم ینحبون من ہاجر الیہم. (۵)

ابن الصلاح، ۲۹۷؛ تقریب مع تدریب، ۳۰۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۲۳؛ فتح المغیث للسخاوی،

۱۲۵/۳

جوامع السیرة، ۳۱۹-۳۲۳

تدریب الراوی، ۳۱۲-۳۱۳؛ ابن الصلاح، ۳۰۰-۳۰۱؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۷۵-۱۷۸

حافظ سیوطی نے ان کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے۔ علامہ ذہبی نے ۱۱۰ھ کی تصدیق کی ہے۔ تدریب،

۳۱۲ نیز دیکھئے؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۵۲-۳۵۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۱۳۳-۱۵۴؛

الباعث الحثیث، ۱۷۹-۱۸۰

الحشر / ۸-۹

(مال غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد و دولت سے محروم کر دیے گئے اور خدا کے فضل اور اس کی رضا مندی کے متلاشی ہیں اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور ان لوگوں کے لیے بھی جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر یعنی (مدینہ) میں مقیم ہیں اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ جل شانہ نے فرمایا:

وَالسَّابِقُونَ الْأُولُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ  
بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. (۱)

اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور وہ لوگ جنہوں نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہیں اور ان کے لیے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہیں جن کے اندر نہریں جاری ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ  
أَعْظَمَ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ  
وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا. (۲)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ہے اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ  
الْعُسْرَةِ. (۳)

۱- التوبة / ۱۰۰

۲- ایضاً، ۲۰-۲۱

۳- ایضاً، ۱۱۷

اللہ تعالیٰ نے نبی کو اور ان مہاجرین و انصار پر اپنا فضل و کرم کیا جنہوں نے عسرت کی گھڑیوں میں نبی کا ساتھ دیا۔ نیز فرمایا:

والذین آمنوا و ہاجرنا و جاہدوا فی سبیل اللہ والذین آووا و نصرنا

اولئک ہم المؤمنون حقاً لهم مغفرة و رزق کریم . (۱)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور خدا کے راستے میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کی جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ بکے ایمان والے ہیں اور ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے، اور فرمایا:

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبہم

فانزل السکینة علیہم . (۲)

اے پیغمبر ﷺ جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسکین نازل فرمائی نیز فرمایا:

فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اہتدوا وان تولوا فانما ہم فی شقاق . (۳)

تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ مخالف ہیں۔

اس آخری آیت میں صحابہ کرام کو معیار اور ان کے کردار کو تقویٰ کی مثال قرار دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رفقاء کی پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ کردار کو رہنمائی قرار دیا کیونکہ یہ لوگ فیض نبوت سے فیض یاب ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے چند ارشادات پیش خدمت ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال قال النبی ﷺ: لا تسبوا أصحابی فلو ان

أحدکم أنفق مثل أحد ذہبا ما بلغ مد أحدہم ولا نصیفہ (۴)

ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میرے رفقاء کو برا نہ کہو، کیونکہ تم میں سے ایک آدمی احد جتنا سونا خرچ کرے تو بھی ان جیسا یا ان سے آدھا درجہ نہیں پاسکے گا۔

الانفال / ۷۴

الفتح / ۱۸

البقرہ / ۱۳۷

ترمذی، السنن، کتاب المناقب، ۵ / ۲۹۶؛ أبو داؤد، السنن، کتاب السنن، باب فی النهی عن سب اصحاب رسول اللہ، ۵ / ۳۵؛ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة، ۷ / ۱۸۸؛ بخاری، الجامع، کتاب الانبياء، باب فضائل اصحاب النبي ﷺ، ۳ / ۱۹۵

عن عمران بن حصين قال قال رسول الله ﷺ خير امتي قرني ثم

الذين يلونهم ثم الذين يلونهم . (۱)

عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کے بعد آنے والوں کا اور پھر بعد آنے والے لوگوں کا۔ ارشاد نبوی ہے:

اصحابي كالنجوم فبايهم اقتديتم اهتديتم . (۲)

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

کتب حدیث میں صحابہ کے مختلف طبقات کے بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں، مثلاً خلفاء راشدینؓ، مہاجرین و انصارؓ وغیرہم۔ صحابہ کو قرآن حکیم اور سنت رسول کریم ﷺ بہترین انسان، اعلیٰ مسلمان اور مخلص مومن کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، اس لیے یہ گروہ انسانیت کے لیے ایک مثال اور نمونہ ہے۔

### عدالت صحابہ

مذکورہ بالا فضائل سے صحابہ کرامؓ کی خصوصی حیثیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید کی آیات ”کنتم خیر امة اخرجت للناس“ (۳) اور ”و كذلك جعلناكم امة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس“ (۴) کے اولین مخاطب یہی حضرات تھے اس سے سب سے بہتر یہی لوگ تھے پھر مندرجہ ذیل آیت میں تو براہ راست معیت رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی صفات بیان کی ہیں:-

محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم

ركعاً سجداً يتغفون فضلاً من الله ورضواناً . (۵)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل تو ان کو دیکھتا ہے کہ رکوع کرنے والے سر بسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔

- ۱- مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، ۷ / ۱۸۳؛ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ماجاء في القرن الثالث، ۴ / ۵۰۰؛ ابو داؤد، السنن، کتاب السنة في فضل اصحاب رسول الله، ۵ / ۴۴
- ۲- مشکوة المصابيح، کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة، ۳ / ۲۱۹
- ۳- آل عمران / ۱۱۰
- ۴- البقرہ / ۱۴۳
- ۵- الفتح / ۲۹



جو لوگ حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور شرف صحبت سے مشرف ہوئے ان کی عدالت کے لیے یہی کافی ہے کہ صحابہ کی عدالت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:

قد كفيانا البحث عن احوالهم لا جماع اهل الحق من المسلمين وهم

اهل السنة والجماعة على انهم كلهم عدول. (۱)

یہ ثابت کرنے کے لیے ہم نے صحابہ کے احوال کی کافی تحقیق کی ہے کہ مسلمانوں کے اہل حق یعنی اہل سنت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

هذا مذهب كافة العلماء و من يعتمد بقوله من الفقهاء. (۲)

یہ تمام علماء کا مذہب ہے اور ان فقہاء کا بھی جن کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں:

ثم ان الامة مجمعة على تعديل جميع الصحابة، ومن لابس الفتن

منهم فكذلك باجماع العلماء الذين يعتد بهم في الاجماع، احساناً

للظن بهم، و نظراً الى ماتمهد لهم من المائر و كان الله سبحانه و تعالى

اتاح الاجماع على ذلك لكونهم نقلة الشريعة. (۳)

پھر امت مسلمہ کا تمام صحابہ کی عدالت پر اجماع ہے حتیٰ کہ ان کے بارے میں بھی جو دو فتن

میں مبتلا ہوئے اس طرح ان علماء کا اجماع ہے جن کے اجماع پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، ان کے

بارے میں حسن ظن کی وجہ سے اور کارناموں کو سامنے رکھتے ہوئے جو انھوں نے انجام دیے

اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اجماع مقدر کیا کیونکہ یہ حضرات شریعت کے ناقل تھے۔

محمد بن الوزیر الیمانی نے عدالت صحابہ پر اہل سنت، زید یہ اور معتزلہ کا اجماع نقل کیا ہے اور صنعانی نے اس کی

تائید کی ہے۔ (۴)

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ پیغمبر کے اولیں شاگرد و تبعین قابل اعتماد ہوں۔ اس سلسلے میں سب سے اچھی بات

خطیب بغدادی نے کی ہے۔ فرماتے ہیں:

۱- الاستیعاب، ۱/ ۸، فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۹۳

۲- الکفایة، ۳۹

۳- مقدمة ابن الصلاح، ۲۹۵

۴- توضیح الافکار، ۲/ ۳۶۳-۳۶۴

على انه لو لم يرد من الله عز وجل ورسوله فيهم شيء مما ذكرناه  
لاوجبت الحال التي كانوا عليها من الهجرة و الجهاد و النصره و بذل  
المهج و الاموال ، و قتل الآباء و الاولاد و المناصحة في الدين و قوة  
الايمان و اليقين القطع على عدالتهم و الاعتقاد لنزاهتهم و انهم افضل  
من جميع المعدلين و المزكين الذين يجيئون بعدهم ابدالاً بدين . (۱)  
جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس میں کوئی شے بھی اللہ اور اس کے رسول کی وارد نہ ہوتی تب بھی  
ان کا وہی مرتبہ ہوتا۔ اس کی وجہ ان کی ہجرت، ان کا جہاد، اللہ کے دین کی نصرت اور اس کی  
راہ میں جان و مال کی قربانی ہے۔ اسی طرح آباء و اولاد کا قتل، دین کے سلسلے میں نصیحت اور  
ایمان و یقین کی قوت ان کی عدالت اور ان کی پاکیزگی پر اعتماد کی قطعی دلیل ہے اور حضرات  
صحابہ اپنے بعد میں آنے والے ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جو عدالت کا فیصلہ کرنے والے  
اور پاکیزگی کی شہادت دینے والے ہیں۔

امام غزالی المستصفیٰ میں بعض آیات و احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فای تعدیل اصح من تعدیل علام الغیوب سبحانہ و تعالیٰ و تعدیل  
رسولہ؟ کیف و لو لم یزد الشاء لکان فیما اشتهرو تواتر من حالہم فی  
الهجرة و الجهاد، و بذل المهج و الاموال و قتل الآباء و الاہل فی  
موالاة رسول اللہ و نصرته، کفایة فی القطع بعد التهم . (۲)  
علام الغیوب سبحانہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعدیل سے زیادہ کس کی تعدیل صحیح ہو سکتی  
ہے؟ اگر یہ تعریف و ثناء بھی وارد ہوتی تو ان حضرات کے جو حالات مشہور متواتر ہیں ان میں  
ہجرت، جہاد، جان و مال کی قربانی اور رسول اللہ کی محبت اور اس کی نصرت میں آباء و اولاد کا  
قتل، ان کی عدالت کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے الاصابة کے مقدمہ میں ابن حزم کا قول نقل کیا ہے کہ تمام صحابہ اہل جنت میں سے ہیں کیونکہ  
اللہ نے فرمایا ہے:

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجۃ من

۱- الکفایة، ۴۹

۲- المستصفیٰ، ۱/ ۱۶۳



الذین انفقوا من بعد و قاتلوا و کلاً و عد اللہ الحسنیٰ واللہ بما  
تعملون خبیر۔ (۱)

تم سے جس شخص نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جنگ میں حصہ لیا ان لوگوں کا درجہ ان سے  
کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور قتال میں حصہ لیا اور اللہ نے سب سے  
اچھے ثواب کا وعدہ کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ ان سے واقف ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ اولئک عنها مبدون۔ (۲)

جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔

اس سے ثابت ہوا کہ تمام حضرات اہل جنت ہیں اور ان میں سے کوئی آگ میں نہیں داخل ہوگا، اس لیے کہ  
وہ ان آیات کے مخاطبین ہیں۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

و اصحاب النبی ﷺ۔ ولله الحمد۔ من اصدق الناس حدیثاً لا  
يعرف عنهم من تعمد علی النبی کذباً مع انه کان يقع مع احدہم  
الهنات ما يقع، ولهم ذنوب و ليسوا معصومین، مع هذا جرب  
اصحاب النقد و الامتحان احادیثہم و اعتبروها بما تعتبر الاحادیث  
فلم یوجد عن احد منهم تعمد کذباً، بخلاف القرن الثانی، فإنه کان  
فی اهل الکوفة جماعة يتعمدون الکذب ولہذا کان الصحابة کلہم  
ثقات باتفاق اهل العلم بالحدیث و الفقه۔ (۳)

اور نبی ﷺ کے اصحاب۔ الحمد للہ۔ حدیث میں تمام انسانوں سے زیادہ سچے ہیں۔ کسی ایک  
صحابی کے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں کہ اس نے جان بوجھ کر آنحضرت ﷺ کی طرف جھوٹی  
بات منسوب کی۔ حالانکہ ان میں سے بعض سے فرودگزشتیں ہوئی ہیں ان میں سے بعض سے  
گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں اور وہ معصوم نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود جب اصحاب نقد و امتحان

۱۰ / الحدید

۲- الانبیاء / ۱۰۱؛ الإصابة، ۱۰/۱

۳- منهاج السنة النبویة، ۲ / ۳۶۳

نے ان کی احادیث کا اس طرح جائزہ لیا جیسا کہ احادیث کا جائزہ لیا جاتا ہے تو انہوں نے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں پایا جس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہو۔ بخلاف دوسری صدی کے کہ اہل کوفہ میں ایسی جماعت موجود تھی جو جان بوجھ کر جھوٹی بات کرتے تھے۔ اس لیے حدیث و فقہ کے اہل علم کا اتفاق ہے کہ تمام صحابہ ثقہ تھے۔

جہاں تک ان حوادث و فتن کا تعلق ہے جو حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہوئے اور بعض صحابہ اس میں مبتلا ہوئے اور ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوئے تو اس سے عدالت میں فرق نہیں آتا کیونکہ عدالت کے معنی یہاں عصمت نہیں ہے۔ عدالت کا لفظ انبیاء کے سلسلے میں تو بمعنی عصمت استعمال ہوتا ہے لیکن صحابہ کے بارے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صحابی جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا اور اگر سرزد ہوا تو توبہ کی طرف مائل ہوگا کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے رسول کی صحبت کے لیے منتخب کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تربیت کی۔ اور ان سے اچھی تربیت کرنے والا کون ہے۔ تاکہ وہ دین کی دعوت کے حامل ہوں۔ عدالت کے معنی غلطی / خطا اور بھول چوک ہے عصمت مراد نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے فتن و حوادث کے سلسلے میں لکھا:

واما ما شجر بينهم بعده عليه الصلوة والسلام فمنه ما وقع عن غير قصد كيوم الجمل، ومنه ما كان من اجتهاد كيوم صفين. والاجتهاد يخطئ ويصيب، ولكن صاحبه معذور وان اخطاء فهو ما جوراً ايضاً واما المصيب فله اجران اثنان. و كان علي واصحابه اقرب الى الحق من معاوية واصحابه رضى الله عنهم اجمعين. وقد ثبت في صحيح البخاري عن رسول الله ﷺ انه قال قال عن ابن بنته الحسن بن علي و كان معه علي المنبر؛ ”ان ابني هذا سيد، و سيصلح الله به بين فتنين عظيمتين من المسلمين“ فسمى الجميع (مسلمين) قال تعالى: و ان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما. (١) فسامهم (مومنين) مع الاقتال. (٢)

اور یہ جو نبی اکرم ﷺ کے بعد اختلافات واقع ہوئے تو یہ بلا ارادہ تھے جیسے جنگ جمل، یا جو

۱- الحجرات / ۹

۲- اختصار علوم الحدیث ، ۱۴۲-۱۴۳

اجتہاد کی بنیاد پر پیش آئے جیسے جنگ صفین۔ اجتہاد میں خطا و صواب دونوں کا امکان ہوتا ہے اور صاحب اجتہاد معذور ہوتا ہے۔ اگر اس سے خطا سرزد ہو تو بھی اسے اجر ملے گا اور اگر اجتہاد صحیح ہے تو اس کو دو اجر ملیں گے۔ اور علیؑ، معاویہؓ اور ان کے اصحاب کے مقابلے میں حق کے قریب تر تھے۔ اور صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسے حسن بن علیؑ کے بارے میں، جب وہ منبر پر ان کے ساتھ تھے، فرمایا: یہ میرا بیٹا سید ہے اور اس کے ذریعہ اللہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا۔ سو آپ نے تمام لوگوں کو مسلمان کہا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر مومنوں کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ یہاں بھی باہمی جنگ کے باوجود دونوں کو مومن کہا۔

ابن الانباری کا کہنا ہے:

المراد من عدالة الصحابة قبول رواياتهم من غير تكلف البحث عن اسباب العدالة و طلب النزكية ، الا ان يثبت ارتكاب قاذح ، و لم يثبت ذلك ولله الحمد. (۱)

صحابہ کی عدالت سے مراد یہ ہے کہ ان کی روایت کو اسباب عدالت اور طلب شہادت کی بحث کا تکلف کیے بغیر قبول کیا جائے الا یہ کہ کوئی نقصان پہنچانے والا عامل ہو، جو بجز اللہ ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر روافض کے اس قول کا رد کرتے ہوئے کہ معاذ اللہ سوائے سترہ صحابیوں کے باقی تمام ارتداد کا شے گئے تھے، لکھتے ہیں:

واما طوائف الروافض و جهلهم و قلة عقلمهم ، و دعاويهم ان الصحابة كفروا الا سبعة عشر صحابياً و سموهم: فهو من الهديان بلا دليل، الا مجرد الراى الفاسد عن ذهن بارد و هوى متبع و هو اقل من أن يرد. والبرهان على خلافه أظهر و أشهر، مما علم من امثالهم لا و امره بعده عليه الصلاة والسلام و فتحهم الاقاليم و الآفاق، و تبليغهم عنه الكتاب و السنة و هدايتهم الناس الى طريق الجنة و مواظبتهم على الصلوات و الزكوات و انواع القربات فى سائر الاحيان مع الشجاعة و البراعة

والكرم والايثار والاخلاق الجميلة التي لم تكن في امة من الامم  
المتقدمة ولا يكون احد بعد هم مثلهم في ذلك فرضى الله عنهم  
اجمعين، ولعن من يتهم الصادق، ويصدق الكاذبين. (۱)

جہاں تک روافض کا تعلق ہے ان کی جہالت، کم عقلی اور ان دعووں کا کہ سترہ صحابہ کے سوا  
سب کافر ہو گئے تھے اور انہوں نے نام بھی گنوائے ہیں تو یہ بلا دلیل ہڈیان ہے اور ایک فاسد  
رائے ہے جو بخ بستہ ذہن کی پیداوار اور خواہش کی پیروی ہے یہ اس سے فرو ہے کہ اس کی  
تردید کی جائے۔ اس کے خلاف دلیل زیادہ واضح اور مشہور ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات  
کے بعد آپ کے احکام کی بجا آوری، اقاہم و آفاق کو فتح کرنے، کتاب و سنت کی تبلیغ  
کرنے، لوگوں کو جنت کی راہ کی ہدایت دینے، نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرنے اور ہر حال میں  
مختلف قسم کی عبادات، بجالانے کا اہتمام کیا وہ ایک معلوم حقیقت ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ  
جس شجاعت، مہارت، کرم، ایثار اور عمدہ اخلاق سے متصف تھے وہ سابقہ امتوں میں کسی  
امت کو بھی حاصل نہ تھے اور نہ ان کے بعد ان جیسے لوگ آئے، اللہ ان تمام سے راضی ہو اور  
ان پر رحمت کرے اور ان پر لعنت کرے جو سچے لوگوں کو متہم کرتے ہیں اور جھوٹوں کی تصدیق  
کرتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ العقیدۃ الواسطیۃ میں اہل سنت کے موقف کے بارے میں لکھتے ہیں:

و یترأون من طريقة الروافض الذين یغضون الصحابة و یسبونہم،  
و من طریقہ النواصب الذین یوذون اهل البيت بقول او عمل،  
و یمسکون عما شجر بین الصحابة و یقولون: ان هذه الآثار المروية فی  
مساویہم، منها ما هو کذب و منها ما قدزید فیہ و نقص و غیر عن  
وجهہ. و الصحیح منہم فیہ معذورون: اما مجتہدون مصیون و اما  
مجتہدون مخطئون و ہم مع ذلك لا یعتقدون ان کل واحد من  
الصحابة معصومون عن کبائر الائم و صفائره، بل تجوز علیہم  
الذنوب فی الجملة، ولہم من السوابق و الفضائل ما یوجب مغفرة ما  
یصدر منہم ان صدر، حتی انہم یغفر لہم السيئات ما لا یغفر لمن  
بعدهم: لان لہم من الحسنات التي تمحو السيئات ما لیس لمن بعدهم

وقد ثبت بقول رسول الله صلى الله عليه وسلم انهم خير القرون.  
وان المومن احدهم اذا تصدق به كان افضل من جبل احد ذهابا ممن  
بعدهم. ثم اذا كان قد صدر من احدهم ذنب فيكون قد تاب منه او اتى  
بحسنات تمحوه، او غفر الله بفضل مسابقتة او بشفاعه محمد صلى الله عليه وسلم  
الذى هم احق الناس بشفاعته، او ابتلى بلاء فى الدنيا كفر به عنه.

قال: كان هذا فى الذنوب المحققة، فكيف الامور التى كانوا  
مجتهدين. ان اصابوا فلهم اجران وان اخطاء فلهم اجر واحد و  
الخطاء مغفور، ثم القدر الذى ينكر من فعلهم قليل نزر مغفور فى  
جنب فضائل القوم و محاسنهم من الايمان بالله ورسوله والجهاد فى  
سبيله، والهجرة والنصرة والعلم النافع والعمل الصالح. ومن نظر فى  
سيرة القوم بعلم و بصيرة وما من الله عليهم به من الفضائل. علم يقيناً  
انهم خير الخلق بعد الانبياء، لا كان ولا يكون مثلهم. و انهم الصفوة  
من قرون هذه الامة التى هى خير الامم و اكرمها على الله. (۱)

اہل سنت روافض کے طریقہ سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جو صحابہ سے بغض رکھنے ہیں اور انہیں گالی دیتے ہیں اور نواصب کے طریقہ سے بھی جو اپنے قول و عمل سے اہل سنت کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ اور صحابہ کے اختلاف کے سلسلے میں خاموش رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: ان کے مصائب کے سلسلے میں جو آثار مروی ہیں ان میں کچھ تو جھوٹ ہے کچھ وہ ہے جس میں کمی بیشی کر دی گئی ہے اور بعض میں کچھ تبدیلی بھی۔ اور جو کچھ صحیح ہے اس بارے میں وہ معذور ہیں۔ وہ یا تو مبنی برحق مجتہدین ہیں یا مبنی برخطا۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ ہر صحابی کبیرہ و صغیرہ گناہ سے معصوم ہے۔ بلکہ مجموعی طور پر گناہ کا ارتکاب ممکن ہے لیکن ان کی نیکیاں اور ان کے فضائل ان کے گناہوں کی مغفرت کا باعث ہوں گے اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا۔ حتیٰ کہ ان کی وہ برائیاں بھی بخش جائیں گی جو بعد میں آنے والوں کو میسر نہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے ثابت ہے وہ خیر القرون ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی صدقہ کرے تو اس کا درجہ احد پہاڑ جتنے سونے سے بھی افضل ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو

بعد میں آنے والے ہیں۔ پھر ان میں سے کسی شخص سے گناہ کا صدور ہوا تو اس نے توبہ کر لی ہوگی یا اس کی اتنی نیکیاں ہوں گی کہ وہ اسے مٹا دیں گی۔ یا اللہ اس کی پچھلی نیکیوں کی وجہ سے یا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے باعث، جس کے وہ تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں، بخش دی جائیں گی یا وہ دنیا میں کسی تکلیف میں مبتلا کر دیا گیا ہوگا جس کے باعث اس کے گناہ مٹا دیے جائیں گے اگر واقعی گناہوں کا یہ معاملہ ہے تو ان امور کا کیا کہنا جو اجتہاد ہی ہیں۔ چونکہ وہ مجتہدین تھے اس لیے ثواب کی صورت میں دواجر اور خطا کی حالت میں ایک اجر اور خطا بھی معاف۔ پھر ان کے افعال میں سے وہ جو ناپسندیدہ ہے ان کے فضائل، محاسن، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اس کی راہ میں جہاد اور ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت و اعانت، نفع بخش علم اور عمل صالح کے مقابلے میں غیر اہم اور معمولی ہے جو شخص بھی علم و بصیرت کے ساتھ ان حضرات کی سیرت اور ان فضائل پر جو اللہ نے انہیں عطا کیے ہیں، نظر ڈالے گا تو اسے یقینی طور پر یہ معلوم ہوگا کہ یہ لوگ انبیاء کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں ان کی مانند نہ کوئی پہلے ہوا ہے نہ بعد میں ہوگا۔ یہ حضرات سب سے بہتر اس امت کی تاریخ کی چیدہ و پسندیدہ لوگ ہیں اور اللہ کے ہاں مکرم و محترم۔

امام رامہر مزنی نے براء سے صحابہ کرام کی صداقت پر جو روایت نقل کی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ صادقین کی جماعت تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

عن ابراهيم بن يوسف عن ابيه عن ابي اسحاق قال: سمعت البراء يقول: ليس كلنا يسمع حديث رسول الله كانت لنا ضيعة و اشغال، و لكن الناس لم يكونوا يكذبون يومئذ فيحدث الشاهد الغائب. (۱)  
 رامہر مزنی، ابراہیم بن یوسف سے وہ اپنے والد کے واسطے سے ابوالفتح سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے براء کو کہتے سنا کہ ہم سب حضور اکرم ﷺ کی احادیث نہیں سنتے تھے۔ ہماری کھیتیاں اور زمینیں تھیں اور دیگر مصروفیات بھی، لیکن لوگ اس وقت جھوٹ نہیں بولتے تھے لہذا جو حاضر ہوتا وہ غیر موجود لوگوں کو حدیثیں سنا دیتا۔

اس کی تصدیق طلحہ بن عبید اللہ اور عمر بن الخطاب کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ ہم اہل و عیال بھیڑ بکری اور کام کاج والے لوگ تھے ہم دن کے پچھلے پہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عمر بن الخطاب کہتے ہیں:

۱- المحدث الفاضل، ۲۳۵؛ الجامع لا خلاق الراوی و آداب السامع، ۱/ ۱۱۷؛ مقدمة الكامل، ۱/ ۱۲۳



كنت أنا و جارلي من الأنصار في بنى امية بن زيد (وهي من عوالي  
المدينه) و كنا نتاوب النزول على رسول الله و ينزل يوماً و انزل  
يوماً فاذا نزلت جئت بخبر ذلك اليوم من الوحي وغيره و اذا نزل  
فعل مثل ذلك. ( ۱ )

میں اور میرے انصاری پڑوسی نے جو بنی امیہ بن زید (عوالی مدینہ) کا رہنے والا تھا، نے  
باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں رہے گا اور ایک دن میں  
رہوں گا۔ جب میں حضور کی خدمت میں ہوتا تو وحی وغیرہ سے متعلق تمام معلومات اس کو  
پہنچاتا اور اگر وہ موجود ہوتا تو وہ بھی اس طرح کرتا۔

صحابہ کرام کی عدالت قطعی دلائل سے ثابت ہے اس لیے صحابہ کرام کے بارے میں زبان درازی ہمیشہ  
ناپسندیدہ رہی ہے۔

امام الحدیث ابو زرعدرازی نے وضاحت سے کہا:

اذا رأيت الرجل ينتقص احداً من اصحاب رسول الله ﷺ فاعلم انه  
زنديق، وذلك ان الرسول عندنا حق، والقرآن حق، و انما ادى الينا  
هذا القرآن والسنة الصحابة، وهؤلاء يريدون ان يجرحوا شهودنا  
ليبتلوا الكتاب والسنة. والجرح بهم اولي وهم زنادقة. (۲)  
جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ اصحاب رسول میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ  
زندیق ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ ہمارے نزدیک رسول حق ہے اور قرآن حق ہے۔ اور  
قرآن و سنت کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو  
مجروح کریں تاکہ کتاب و سنت کو غلط ثابت کر سکیں۔ ان پر جرح کرنا زیادہ بہتر ہے اور یہ  
لوگ زنادقہ ہیں۔

ہم اس بحث کو عبد اللہ بن مغفل کی روایت پر ختم کرتے ہیں:

قال: قال رسول الله ﷺ: الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم  
غرضاً بعدى، فمن احبهم فحبى احبهم و من ابغضهم فبغضى

- بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ۳۱/۱

- الکفاية، ۳۹



ابغضهم، و من آذاهم فقد اذاني، و من آذاني فقد آذى الله و من آذى  
الله فيو شك ان يأخذه. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں محتاط رہو۔ میرے بعد انھیں نشانہ نہ  
بنانا سو جو شخص بھی ان سے محبت رکھے گا وہ مجھ سے محبت کی وجہ سے رکھے گا اور جو ان سے  
بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہوگا۔ جو انھیں اذیت پہنچائے گا وہ مجھے اذیت  
دے گا اور جو مجھے اذیت دے گا وہ اللہ کو اذیت دے گا۔ اور جو شخص اللہ کو اذیت دے گا تو اس  
کا امکان ہے کہ اللہ اس پر گرفت کرے۔

### کتب تراجم صحابہ

صحابہ چونکہ حدیث رسول ﷺ کے ناقل ہیں اس لیے مسلمانوں کی علمی روایت میں انھیں بنیادی مقام حاصل  
ہے۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

وما أظن أهل دين من الأديان إلا و علماء هم معتنون بمعرفة اصحاب

انبياءهم لأنهم الواسطة بين النبي و بين امته. (۲)

میں نہیں سمجھتا کہ ادیان میں کسی دین کے ماننے والوں میں ان کے علماء نے اپنے انبیاء کے  
اصحاب کے ساتھ اس طرح اعتناء کیا ہو جس طرح مسلمان اہل علم نے کیا۔ کیونکہ یہ حضرات  
اور نبی اور اس کی امت کے درمیان واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بلاشبہ ابن عبد البر کی یہ رائے اہم ہے کسی مذہب کی علمی روایت میں نبی کے اصحاب کی زندگیوں اور ان کی علمی  
و دینی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات کو یکجا کرنے کا ایسا اہتمام نہیں کیا گیا۔ غیر مسلم دانشور مسلمانوں کی اس علمی  
روایت سے مرعوب ہیں۔ سپرینگر نے ابن حجر کی کتاب ایڈیٹ کی تو اس کے مقدمہ میں لکھا: نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی  
گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ  
لاکھ شخصیات کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ (۳)

اس سلسلے میں بے شمار کتب تالیف ہوئیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

- ۱- ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فی سب اصحاب النبی ﷺ، ۵ / ۶۹۶؛ احمد بن حنبل؛ المسند،  
۸۷ / ۱، الاصابة، ۱۰ / ۱
- ۲- الاستیعاب، ۱ / ۸-۹
- ۳- الاصابة کا کلکتہ سے مطبوعہ نسخہ کوشش کے باوجود نڈل سکا اس لیے علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی سے حوالہ دیا جا رہا ہے۔ ۱ / ۴۰

## ۱۔ الاستیعاب فی معرفة الأصحاب

اس کتاب کے مؤلف حافظ ابن عبدالبر الوعر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی (م ۴۶۳ھ) ہیں۔ اپنے وقت کے عظیم المرتبت محدث، فقیہ اور ماہر انساب تھے۔ حافظ ذہبیؒ انہیں العلامة، حافظ المغرب، شیخ الاسلام ایسے القابات سے یاد کرتے ہیں (۱)

حمیدی کہتے ہیں:

ابو عمر فقیہ، حافظ مكثر، عالم بالقراءات وبالخلاف، وبعلم

الحديث والرجال (۲)

ابن خلکان کہتے ہیں:

امام عصره فی الحديث والأثر وما يتعلق بهما (۳)

مختلف علوم و فنون بالخصوص علوم حدیث پر متعدد تالیفات ہیں۔ ان میں سے ایک اہم تالیف الاستیعاب ہے۔ کتاب کی اہمیت و افادیت کا اہل علم نے اعتراف کیا۔ ذہبیؒ کہتے ہیں:

جمع کتاباً جلیلاً مفیداً وهو الاستیعاب (۴)

حاجی خلیفہ کہتے ہیں:

کتاب جلیل القدر (۵)

ابن عبدالبرؒ مقدمہ کتاب میں کتاب کے مصادر، تالیف کا سبب اور منہج بیان کرتے ہیں۔ کتاب کا آغاز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کے حالات (پیدائش تا وفات) سے کیا ہے۔ کہتے ہیں:

ونقتصر من خبره و سيرته على النکت التي يجب الوقوف عليها،

ولا يلبق بذي علم جهلها... مختصراً ذلك أيضاً... ثم تتبعه ذكر

الصحابه رضی اللہ عنہم باباً علی حروف المعجم (۶)

آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کے حالات حروف معجم کی ترتیب پر بیان کرتے ہیں۔ ترتیب میں نام کے پہلے

۱- سیر اعلام، ۱۸۰/۱۵۳

۲- جذوة المقتبس، ۳۶۷

۳- شذرات الذهب، ۳/۳۱۵

۴- سیر اعلام، ۱۸۰/۱۵۸

۵- كشف الظنون، ۱۰/۸۱

۶- الاستیعاب (مقدمة)، ۱۰/۱۳۳

حرف کا اعتبار کیا ہے۔ ازاں بعد ان صحابہ کرام کا ذکر ہے جو کئیوں سے جانے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان صحابیوں کے تراجم ہیں جو اپنے ناموں سے معروف ہیں۔

ازاں بعد ان خواتین کا ذکر ہے جو کئیوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ مشترک ناموں کو ایک باب میں بیان کرے ہیں۔ اگر کسی نام کا ایک ہی راوی ہو تو متعلقہ حرف کے آخر میں باب الافراد کے تحت بیان کرتے ہیں۔ تراجم بالعموم نام و نسب، کنیت، شیوخ و تلامذہ، غزوات میں شرکت کا ذکر کرتے ہیں۔ مترجم صحابی سے مروی حدیث ہو تو بھی بیان کرتے ہیں۔ سن وفات اور بعض تراجم میں صاحب ترجمہ کی جائے تدفین کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ بعض واقعات کے سلسلے میں مختلف روایات کا ذکر کرتے ہیں اور ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔ بعض صحابہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بیان کرتے ہیں۔ مؤلف نے اپنی اس کتاب میں ان صحابہ کا بھی ذکر ہے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حالت ایمان میں صرف ایک بار ملاقات سے مشرف ہوئے۔ اور ان صحابہ تذکرہ بھی جو آپ ﷺ کی حین حیات پیدا ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (۱)

کتاب تقریباً تین ہزار پانچ سو (۳۵۰۰) صحابہ کرام کے تذکرہ پر مشتمل ہے، مؤلف نے یہ کتاب موضوع سابقہ مصادر سے استفادہ کر کے مرتب کی ہے۔ بعد میں آنے والے اہل علم مثلاً ابن الاثیر نے اسد الغابۃ میں، ذہبی نے تجرید اسماء الصحابة اور ابن حجر نے الاصابۃ میں اس کتاب سے استفادہ کیا۔ موضوع پر یہ کتاب مختلف ہے۔ کتاب پر نقد بھی کیا گیا ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں:

لظنه انه استوعب ما في كتب من قبله ومع ذلك وفاته شني كثير (۲)  
مؤلف کا خیال ہے انہوں نے اپنی کتاب میں تمام صحابہ کا احاطہ کیا ہے حالانکہ انہوں نے بہت سے صحابہ کو چھوڑ دیا ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے اپنی تنقید میں کہا ہے کہ مشاجرات صحابہ میں ان کی رائے متوازن نہیں۔ علاوہ ازیں معلومات کے لیے محدثین کی بجائے مؤرخین کی بیان کردہ حکایات و واقعات پر اعتبار کرتے ہیں اور محدثین، مؤرخین کی روایات سے مطمئن نہیں کیونکہ وہ روایات کہ خلط ملط کر دیتے ہیں اور بعض واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نقص نہ ہوتا تو یہ کتاب احلاہا و اکثرھا فوائد (۳)

۱- الاستيعاب، ۱۳۲/۱۰

۲- الاصابة، ۱۵۳/۱: ابن عبد البر خود کہتے ہیں کہ تمام صحابہ کو کتاب میں شامل کرنے کا دعویٰ نہیں بلکہ کوشش کی ہے کہ حتی الامکان کوئی صحابی رہ نہ جائے وارجو ان يكون كتابي هذا اكثر كتبهم تسمية و اعظمها فائدة، و اقلها مؤنة علي  
اني لا ادعي الادعى الاحاطة بل اعترف بالتقصير الذي هو الاغلب على الناس. (الاستيعاب، ۱۲۹/۱)

۳- ابن الصلاح، ۱۲۹۲؛ عصر حاضر کے بعض مؤلفین نے بھی یہ اعتراض کیا ہے۔ مثلاً دیکھیے محمود طحان، اصول التخریج، ۱۷

تاہم یہ کتاب تذکرہ صحابہ پر ایک اہم مصدر کی حیثیت سے مسلم ہے۔ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کے مختصرات اور ذیول لکھے گئے۔ ابن عبدالبر کے ایک عدنی معاصر ابواسحاق بن الامین نے ایک ذیل مرتب کیا۔ (۱) قاضی عیاض کے شیخ ابو بکر محمد بن ابی القاسم خلف بن سلیمان ابن فتحون اندلسی (م ۵۱۹ھ) نے بھی ایک ذیل مرتب کیا۔ بقول کتابی ابن فتحون نے اس میں کچھ ایسے رواۃ کا اضافہ کیا جو ابن عبدالبر کی شرط پر پورے اترتے ہیں۔

کتابی کہتے ہیں:

هو ذیل حافل احسن من ذیل من قبله (۲)

ابن فتحون نے الاستیعاب ہی سے متعلق ایک اور کتاب التنبیہ علی النقص فی الاصحاب الواقع فی کتاب الاستیعاب تحریر کی۔ (۳) ابن الدوانقی ابوالحجاج یوسف بن محمد الجماہری التونسی (م ۵۵۸ھ) نے الإرتجال فی اسماء الرجال کے عنوان سے ایک ذیل تیار کیا۔ بقول کتابی ابن الدوانقی نے اس میں کچھ اضافے بھی کیے۔ (۴) محمد بن یعقوب بن محمد الخلیلی نے اعلام الاصابة بأعلام الصحابة فی مختصر الاستیعاب کے عنوان سے اختصار لکھا۔ (۵) شہاب الدین احمد بن یوسف بن ابراہیم الاذری المالکی نے ایک اختصار روضة الاحباب کے عنوان سے لکھا۔ (۶) اور اس کی تہذیب ابن ابی طیبی یحییٰ بن حمیدہ الخلیلی (م ۶۳۰ھ) نے کی۔ (۷) محمد بن عبدالواحد الغافقی الغرناطی (م ۶۱۹ھ) نے بھی ایک ذیل مرتب کیا۔ (۸) محمد بن محمد بن علی الطرابلسی (م ۱۱۷۷ھ) نے ایک اختصار الشمس المضیة کے نام سے مرتب کیا۔ (۹) ایک اختصار عبدالرؤف مناوی (م ۱۰۳۱ھ) کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ (۱۰)

عالم عرب میں متعدد طبقات شائع ہو چکے ہیں۔ عموماً الإصابة کے حاشیے پر کتاب چھپتی رہی۔ ہمارے سامنے وہ طبع ہے جو اہل علم کی ایک جماعت نے تحقیق سے تیار کیا ہے۔ مفید حواشی و تعلیقات بھی ہیں۔ مکتبہ دارالباز، مکہ المکرمہ نے ۱۳۱۵ھ/۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔

- ۱- الرسالة، ۱۶۵؛ كشف الظنون، ۸۱/۱
- ۲- كشف الظنون، ۸۱/۱؛ الرسالة، ۱۶۵
- ۳- ایضاً، ۱۶۶
- ۴- ایضاً، ۱۶۶
- ۵- ایضاً، ۱: ۵
- ۶- ایضاً، ۱۶۵؛ كشف الظنون، ۸۱/۱
- ۷- كشف الظنون، ۸۱/۱؛ الرسالة، ۱۶۵
- ۸- كشف الظنون، ۸۱/۱؛ الرسالة، ۱۶۶
- ۹- الفهرس الشامل، ۱۰۳۲/۲
- ۱۰- ایضاً، ۱۳۹۸/۳

## ۲۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ

کتاب کے مولف امام حافظ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری معروف بابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) ہیں۔ اہل علم نے ان کی علمی جلالت و شان کا اعتراف کیا ہے۔ امام ذہبی نے انہیں العلامة المحدث الادیب النسابۃ کے القابات سے نوازا۔ (۱) عماد الدین الحسینی ان کے تبحر علمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کان اماماً نسابۃ منور خاً اخبار یا ادیباً نبیلاً محتشماً (۲) مفید کتب تالیف کیں جن میں ایک اسد الغابۃ ہے۔ تراجم صحابہ کرامؓ پر لکھی گئی کتب میں اہم اور مفید تالیف شمار ہوتی ہے۔ عماد الدین کہتے ہیں:

صنف کتاباً حافظاً فی معرفۃ الصحابۃ جمع فیہ بین کتاب ابن مندۃ و

کتاب ابی نعیم و کتاب ابن عبدالبر و کتاب ابی موسی وزاد و أفاد۔ (۳)

ذہبی تجرید میں کہتے ہیں:

کتابہ نفیس مستقص لاسماء الصحابۃ الذین ذکروا فی الکتب

الاربعۃ المصنفة فی معرفۃ الصحابۃ (۴)

نووی فرماتے ہیں:

وقد جمع الشیخ عز الدین ابن الاثیر الجزری فی الصحابۃ کتاباً حسناً

جمع کتاباً کثیرۃ و ضبط و حقق اشیاء حسنة وقد اختصرته۔ (۵)

ایک معاصر عالم حدیث ابوسنہ عبدالفتاح اسد الغابۃ کی تقدیم میں فرماتے ہیں:

فہو کتاب عمدۃ فی کتب التراجم يعتمد علیہ کثیر ممن یورخون

لرجال الاسلام و یرجع الیہ کل من اراد أن یکتب عن الصحابۃ، و وثقہ

کل من نقلوا عنہ (۶)

کتاب کی ابتدا میں ایک سو دو صفحات پر مشتمل محققین کا مقدمہ ہے اس کے بعد مولف کتاب کا مقدمہ ہے

۱۔ سیر اعلام، ۲۱/۳۵۳

۲۔ شذرات الذهب، ۵/۱۳۷

۳۔ ایضاً، ۵/۱۳۷

۴۔ کشف الظنون، ۱/۸۲

۵۔ التقریب، ۳۳

۶۔ اسد الغابۃ، ۱/۷

میں انھوں نے کتاب کی تالیف کا سبب، منہج اور اس کے امتیازات پر روشنی ڈالی ہے۔

مؤلف وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس بات کی طرف توجہ نہیں دی کہ تراجم صحابہ پر لکھی گئی کتب میں بعض واقعات و حالات و نسب وغیرہ کے بارے میں متفق علیہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ لہذا انھوں نے اس بات پر مجھے آمادہ کیا کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جو ماقبل کتب کی جامع ہو اور اس میں اختلافی روایات کی تحقیق کے بعد درست اور صحیح روایت کا تعین کیا جائے۔ (۱) مؤلف نے محدثین کی خواہش کے پیش نظر اس کتاب کی تالیف کی اور اس میں مذکورۃ الصدر چار کتب کو بطور خاص اسد الغابۃ کی تالیف سے وقت مد نظر رکھا، مفید اضافے کیے، روایات کی تحقیق کی اور یہ اہم تصنیف مرتب کی۔ (۲) انھوں نے اپنے عہد کے تمام مصادر کتب صحابہ سے استفادہ کرتے ہوئے سات ہزار پانچ سو (۷۵۰۰) صحابہ کرام کے تراجم و حالات رقم کیے۔ کتاب کی ترتیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

واما ترتیبہ و وضعہ فاننی جعلتہ علی حروف الف، ب، ت، ث، لزمت

فی الاسم الحرف الاول والثانی والثالث و كذلك الى آخر الاسم

و كذلك فی اسم الأب و الجد و من بعد ہما والقبائل ایضاً (۳)

ابن الاثیر نے وقت نظر سے صحابہ کرام کے تراجم کو جمع کیا ہے اور صحابہ کے اپنے ناموں کے علاوہ آباء و اجداد کے نام میں بھی حروف تہجی کی ترتیب کا التزام کر کے اس سے استفادہ آسان بنا دیا ہے۔ مؤلف نے ناموں کو اس ترتیب پر مرتب کیا ہے جس طرح وہ بولے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

و اذکر الاسماء علی صورہا التی ینطق بہا لا علی أصولہا، مثل أحمر

أذکرہ فی الهمزة ولا أذکرہ فی الحاء (۴)

ابن الاثیر اپنی کتاب میں ان صحابہ کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا یا ملاقات کی۔ کہتے ہیں کہ ان میں مولفین نے ایسے حضرات کو بھی شامل کر لیا جنہوں نے آپ کی روایت نہیں کی۔ جبکہ ایسے بے شمار حضرات کو چھوڑ دیا۔ آپ کی حیات مبارکہ میں موجود تھے۔ کہتے ہیں کہ اس اصول کی بنیاد پر ان کو بھی صحابہ کی فہرست میں شامل کرنا چاہیے تھا۔ (۵)

۱- اسد الغابۃ، ۱/۱۱۰-۱۱۱

۲- ایضاً، ۱/۱۱۲

۳- ایضاً، ۱/۱۱۲

۴- ایضاً، ۱/۱۱۳

۵- ایضاً، ۱/۱۱۳



صحابہ کے ناموں کو ضبط کیا ہے تاکہ متشابہ ناموں میں التباس نہ ہو۔ احادیث میں وارد غریب الفاظ کی تشریح بھی کرتے ہیں۔ (۱)

اسد الغابۃ کی ترتیب الاستیعاب سے زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ تاہم حافظ ابن حجر کا کہنا ہے:

ألا انه تبع من قبله فخلط من ليس صحابياً بهم، واغفل كثيراً من

التنبیه علی كثير من الاوهام الواقعة فی كتبهم (۲)

انہوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کا تتبع کیا لہذا کئی غیر صحابہ کو صحابہ سے مخلط کر دیا اور ان

مصنفین کی کتابوں میں واقع بہت سے اوہام سے بھی صرف نظر کیا۔

ابن الاثیر نے کتاب میں پہلے ان صحابہ کرام کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے ناموں سے معروف ہیں اس کے بعد

ان صحابہ کا ذکر ہے جو کنتوں سے معروف ہیں۔ آخر میں ان صحابیات کا ذکر ہے جو اپنے ناموں سے پہچانی جاتی ہیں

اور اس کے بعد ان صحابیات کے تراجم ہیں جو کنتوں سے معروف ہیں۔ غیر منسوب ناموں کو حرف کے آخر میں رکھ

ہے۔ مثلاً زید جس کی نسبت مجھول ہے تو اس کو زید نامی رواد کے تراجم کے آخر میں بیان کیا ہے۔ (۳)

اہل علم نے کتاب کی خدمت کی، اس کے اختصارات لکھے گئے۔ علامہ ذہبی نے کتاب کا خلاصہ تجزیہ

اسماء الصحابة کے نام سے تالیف کیا۔ (۴) ابوزکریا المقدسی نے بھی درر الانوار و غرر الاخبار کے

عنوان سے اختصار کیا۔ (۵) امام نووی نے بھی التقریب میں اپنے ایک اختصار کا ذکر کیا ہے۔ (۶) محمد بن محمد بن علی

انجوی الکاشفی/الکاشف (م ۷۰۵ھ) نے بھی ایک اختصار تالیف کیا۔ (۷)

کتاب کے متعدد طبعات شائع ہو چکے ہیں۔ غالباً قریب ترین طبعہ وہ ہے جو الشیخ علی محمد معوض نے بعض اجل

علماء کی معیت میں مفید تعلیقات و حواشی کے ساتھ مرتب کیا۔ یہ دارالکتب العلمیہ، بیروت سے ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔

### ۳۔ الاصابة فی تمييز الصحابة

کتاب کے مولف حافظ عصر، احمد بن علی بن حجر العسقلانی المصری (م ۸۵۲ھ) ہیں۔ علوم دینیہ بالخصوص علوم

۱۔ اسد الغابۃ، ۱/۳۳

۲۔ الإصابة، ۱/۱۵۳

۳۔ اسد الغابۃ، ۱/۳۳

۴۔ كشف الظنون، ۱/۳۵۱، ۸۲

۵۔ ایضاً، ۱/۸۲

۶۔ التقریب، ۳۳

۷۔ كشف الظنون، ۱/۸۲



حدیث پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ (۱) اہل علم نے ان کی عظمت اور جلالت علمی کا اعتراف کیا ہے۔ عماد الدین اُحسبلی نے انہیں علم الاعلام، امیر المومنین فی الحدیث، حافظ العصر ایسے عظیم القابات سے نوازا ہے۔ آگے چل کر کہتے ہیں:

انتهی الیہ معرفة الرجال واستحضارہم و معرفة العالی والنازل و علل  
الحدیث و غیر ذلك و صار هو المعول علیہ فی هذا الشأن فی سائر  
الاقطار (۲)

ابن حجرؒ نے متعدد مفید اور نافع کتب تالیف کیں جن میں بخاری کی الجامع الصحیح کی ضخیم شرح فتح الباری ہے۔ رجال پر متعدد تالیفات ہیں جن میں لسان المیزان اور تبصیر المنتبه بیش قیمت ہیں۔ حاجی خلیفہ کتاب کی جامعیت کے بارے میں کہتے ہیں:

جمع فیہ مافی الاستیعاب و ذیولاتہ و اسد الغابۃ و استدرک علیہم کثیراً (۳)

کتاب کے آغاز میں محققین کا طویل مقدمہ ہے۔ ازاں بعد مولف کا مقدمہ ہے جس میں وہ صحابہ کے حالات پر لکھنے والوں کا ذکر کرتے ہیں اور صحابہ کرامؓ سے متعلقہ بحوث، مثلاً صحابی ہونے کی شروط اور ان کی عدالت وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز کتاب میں اپنے منہج کو بھی بیان کیا ہے۔ (۴) مختلف مقامات کا استقصاء کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ کچھ معلومات وہ باب المبہمات/باب الکنی میں بیان کرنا چاہتے تھے لیکن لوگوں کے اصرار پر تکمیل سے پہلے مسودہ شائع کرنا پڑا۔ (۵) حاجی خلیفہ کا بیان ہے:

... لکنہ مات قبل عمل المبہمات (۶)

حافظ ابن حجر نے موضوع پر لکھی گئی تمام کتب کی معلومات کو جمع کر دیا۔ صحابہ کے حالات جمع کرتے وقت کتب حدیث، تاریخ الرواۃ اور کتب سیر و مغازی کی روشنی میں تحقیق کرنے کے بعد حالات لکھے اور ان صحابہ کرامؓ کو بھی شامل کیا جو متقدمین مصنفین سے رہ گئے تھے۔

یہ کتاب انھوں نے چالیس سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب کی۔ کتاب کی ترتیب کے بارے میں کہتے ہیں:

- |    |  |    |                   |
|----|--|----|-------------------|
| ۱- | الضوء اللامع، ۲/۳۷   | ۲- | شذرات، ۷/۲۷۰، ۲۷۱ |
| ۳- | کشف الظنون، ۱/۱۰۶؛ الرسالة، ۱۶۶؛ السیدقام المصباح میں کہتے ہیں اکثر من الجمع والتحریر، ۲۲۷ |    |                   |
| ۴- | الاصابة، ۱/۱۵۸-۱۶۶   |    |                   |
| ۵- | تفصیل کے لیے دیکھیے الاصابة، مقدمة المحقق، ۱/۳۳-۳۴   |    |                   |
| ۶- | کشف الظنون، ۱/۱۰۶؛ الرسالة، ۱۶۶  |    |                   |

رقتہ علی اربعة اقسام فی کل حرف منه (۱)

کتاب کو حروف معجم پر مرتب کیا اور ہر حرف کو چار اقسام میں تقسیم کیا یعنی وہ تراجم جو حرف الف سے شروع ہوتے تھے ان کو چار قسموں میں رکھا اور یہی طریقہ آخری حرف تک جاری رکھا۔

پہلی قسم میں ان صحابہ کو شامل کیا جن کے صحابی ہونے کی وضاحت موجود ہو خواہ یہ وضاحت خود صحابی کی طرف سے ہو یا کسی اور نے وضاحت کی ہو۔

دوسری قسم صحابہ کرامؓ کے بچوں کے بارے میں ہے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے اور آپ کے وصال کے وقت وہ عمر کے چھوٹے تھے۔ اس مفروضے پر کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرور زیارت کی ہوگی کیونکہ صحابہ کرامؓ بالعموم اپنے بچوں کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں دعا کے لیے یا نام تجویز کرنے کے لیے لاتے تھے۔

تیسری قسم میں مختصر میں کے تراجم شامل ہیں جنہوں نے اسلام اور جاہلیت دونوں زمانے پائے۔ آپ ﷺ سے ملاقات ثابت ہونے کے بارے میں کوئی روایت بھی ملے تو یہ بالاتفاق صحابی نہیں، اگرچہ بعض مؤلفین نے ان کو کتب معرفۃ الصحابہ میں قرب طبقہ کی وجہ سے شامل کیا ہے۔

چوتھی قسم ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو غلطی اور وہم کی بنا پر صحابہ کرامؓ میں شامل کر لیا گیا ہے۔ کتاب کو حروف تہجی کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ اور دادا کے ناموں میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ سب سے پہلے مرد صحابہ کا ذکر کیا اور ان کے بعد ان صحابہ کا جو کنتوں سے معروف ہیں۔ اس کے بعد ان صحابیات کا جو اپنے ناموں سے معروف ہیں، اور پھر ان کا جو اپنی کنیت سے پہچانی جاتی ہیں۔

ابن حجر تراجم بیان کرتے ہوئے راوی کا نام و نسب، کنیت، لقب اور مشہور نسبت بیان کرتے ہیں۔ موقعہ محل کی مناسبت سے ہجرت، غزوات میں شرکت، کوئی اہم خدمت اور سن وفات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اگر صحابی کو روایت کتب ستہ میں سے کسی کتاب میں ہے تو اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ مشکل اسماء کو ضبط آیا ہے۔

ابن حجر نے تراجم بیان کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا ہے کیونکہ ان کا بنیادی مقصد صحابہ کرامؓ کی صحبت و عدم صحبت کی تعیین کرنا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں:

هذا زبدة ما يخصصه من هذا الفن اللبيب الماهر، وقد وقع فيه التنبيه على

عجائب يستغرب وقوع مثلها (۲)

۱- الاصابة، مقدمة المؤلف، ۱/۱۵۵ - ۱۵۷

۲- ايضاً، ۱/۱۵۷

یہ وہ مکھن ہے جو ایک ذہین اور ماہر شخص اس فن سے حاصل کرے گا اور ایسے عجائب سے آگاہی ہوگی جس کا واقع ہونا عجیب لگے گا۔

اس کتاب میں بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) سے زیادہ رداۃ کے حالات محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ (۱)

امام سیوطی نے کتاب کا اختصار بعنوان عین الاصابۃ تحریر کیا۔ (۲)

سب سے پہلے جرمن مستشرق سپرنگر کی کوششوں سے یہ کتاب لکھنؤ سے شائع ہوئی، اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہمارے سامنے دارالکتب العلمیہ، بیروت کا ایڈیشن ہے جسے اہل علم کی ایک جماعت نے مع مفید حواشی شائع کیا۔

### ۴ حیاة الصحابة

اس کتاب کے مولف مشہور ہندوستانی محدث اور داعی شیخ محمد یوسف کاندھلوی (م ۱۳۸۳ھ) ہیں۔ یہ کتاب سابقہ کتابوں کی طرح محض تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس میں سیرت صحابہ کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ حضرات علم، عمل، دین اور تقویٰ ایک روشن مثال تھے۔ کتاب کو ابواب پر مرتب کیا ہے مثلاً:

تحمل الشدائد فی اللہ، باب الهجرة، باب الجهاد وغیرہ۔

یہ کتاب ایک داعی کے لیے بہترین سامان ہے۔ صحابہ کی زندگیوں کی اعلیٰ مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔



www.KitaboSunnat.com

۱۔ دیکھیے: محمود الطحان، اصول التخریج و دراسة الامانید، ۱۴۲-۱۴۳

۲۔ کشف الظنون، ۱/۱۰۶؛ الرسالة، ۱۲۶

## تابعین عظام

### تابعی کی تعریف

تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا۔ ان سے ملاقات ہوئی یا ان سے اکتساب فیض کیا اور ان سے احادیث روایت کیں۔ صحابہ کرامؓ کے بعد یہی وہ گروہ ہے جو علوم نبوت کو آگے پہنچانے والا ہے۔ چونکہ ان کا تعلق قرون مشہود لہا سے ہے اس لیے علم حدیث میں ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ صحابہ کے بعد یہی وہ عظیم الشان لوگ ہیں جنہوں نے روایت حدیث کی شمع کو روشن کیا۔

خطیب بغدادیؒ تابعی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: التابعی من صحب صحابياً (۱) یعنی تابعی وہ ہے جس کو صحابی کی رفاقت حاصل ہو۔ ان کے نزدیک مجرد ملاقات کافی نہیں حالانکہ صحابی کے بارے میں مطلق ملاقات کو کافی تصور کیا گیا ہے، کیونکہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا، ان کی بات سننا یا ان کے پاس بیٹھنا بہت بڑی سعادت تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کا تزکیہ نفوس اور اصلاح قلوب کے سلسلے میں جو خصوصی اثر تھا وہ رویت اور اجتماع میں بھی ظاہر ہو جاتا تھا۔ جب کہ صحابی کے بارے میں ضروری ہے کہ اس کی صحبت میں وقت گزارا جائے۔ اکثر محدثین کی رائے کے مطابق: ان التابعی من لقی واحداً من الصحابة فاکثر (۲) بلاشبہ تابعی وہ ہے جس نے صحابہ میں سے ایک یا زیادہ کو دیکھا ہو۔

امام نوویؒ کہتے ہیں: وقيل من لقيه وهو الأظهر (۳) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تابعی وہ ہے جو صحابی سے ملا ہو اور یہی زیادہ ظاہر بات ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

هو من لقی الصحابی كذلك و هذا متعلق باللقى و ما ذکر معہ الا  
قید الایمان بہ فذلک خاص بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و هذا هو  
المختار ، خلافاً لمن اشترط فی التابعی طول الملازمة او صحة  
السمع او التمییز (۴)

۱- ابن الصلاح، ۳۰۲؛ تدریب الراوی، ۲/۲۰۶

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۵۷

۳- تدریب الراوی، ۲/۲۰۶

۴- نزہة النظر، ۵۸

ان کے نزدیک طویل صحبت شرط نہیں اسی لیے مسلم اور ابن حبان نے سلیمان بن مهران، اور الأعمش (م ۱۴۸ھ) تابعی قرار دیا ہے۔

قال ابن حبان: اخر جناه في هذه الطبقة لأن له لقيا و حفظاً رأى أنس بن مالك و ان لم يصح له سماع المسند عنه. (۱)

ابن حبان کہتے ہیں کہ ہم نے ان کا ذکر اس طبقہ میں کیا ہے کیونکہ ان کی ملاقات اور حفظ ثابت ہے۔ انہوں نے انس بن مالک کو دیکھا اگرچہ ان سے سماع ثابت نہیں۔

اسی طرح حافظ عبدالغنی بن سعید کے نزدیک یحییٰ بن ابی کثیر (م ۱۴۹ھ) تابعی ہیں، کیونکہ وہ انس سے ملے۔ ابن حبان نے یہ شرط لگائی ہے کہ تابعی نے اچھی عمر میں صحابہ کو دیکھا ہو کیونکہ چھوٹی عمر میں سننا اور محفوظ رکھنا ممکن نہیں۔ عراقی نے کہا کہ ابن حبان نے جو مسلک اختیار کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی کے لیے یہ شرط ہے کہ اس نے نبوت کے بعد زیارت کی ہو اور نبی کریم نے صحابی اور تابعی کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

طوبى لمن رأى و آمن به و طوبى لمن رأى من رأى من رآنى (۲)

خوش بخت ہے وہ شخص جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس آدمی کو بھی سعادت حاصل ہے جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔

امام حاکم نے تابعی کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

وهو من شافه اصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم (۳)

تابعی وہ ہے جس نے اصحاب رسول ﷺ سے بات کی ہو۔

امام حاکم کی تعریف اس لیے بہتر ہے کہ اس میں صحابی سے اخذ کرنے کا پہلو لگتا ہے جو محدثین کے ہاں اتنا سال سند کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ محض ملاقات بابرکت ہے اور ایک شرف و اعزاز ہے لیکن گفتگو کرنا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ ڈاکٹر صفحی صالح نے کہا: من لقی صحابياً مؤمناً بالنبي ومات على الايمان (۴) تابعی وہ ہے جو کسی صحابی سے اس حالت میں ملا ہو کہ وہ مؤمن ہو اور اس کی موت بھی اس حالت میں واقع ہوئی ہو کہ وہ ایمان والا ہو۔

فذا بطل تابعين

تابعین نے صحابہ کے علم کو آگے پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ ہی وہ لوگ تھے جو ان سے دعوت اسلامی کو

تدريب الراوى، ۲/ ۲۰۷؛ فتح المغيب للعراقى، ۳/ ۳۵۷

حاكم، مستدرک، كتاب معرفة الصحابة، ۳/ ۸۶؛ تدريب الراوى، ۲/ ۲۰۷؛ فتح المغيب للعراقى،

۳/ ۳۵۷-۳۵۸

معرفة علوم الحديث، ۴۲

علوم الحديث و مصطلحه، ۳۵۷

لے کر آگے بڑھے۔ صحابہ کے بعد ان ہی کا مرتبہ ہے اور ان ہی کو فضیلت حاصل ہے۔

قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی تابعین کی مدح و ستائش کا پہلو نکلتا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الْأُولُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (۱)

اور مہاجرین انصار میں سے سابقین اولین اور وہ (تابعین) جو بھلائی کرنے میں ان کے

بعد تھے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

احادیث میں تابعین کی حیثیت کے بارے میں واضح اشارات ملتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خَيْرِ أُمَّتِي الْقُرْنُ الَّذِينَ يَلُونِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ (۲)

میری امت میں اس زمانے کے لوگ (صحابہ) بہتر ہیں جو مجھ سے ملے پھر وہ لوگ (یعنی تابعین) جو ان

سے ملے ہوئے ہیں پھر وہ لوگ (تابعین) جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔

ایک اور روایت میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

خَيْرِ النَّاسِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ (۳)

سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ (یعنی صحابہ کرام) ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں

(یعنی تابعین) پھر وہ جو ان سے متصل ہیں (یعنی تابعین)۔

ان ہی زمانوں کی خیر و برکت کے متعلق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ الفاظ بھی بیان کیے گئے ہیں:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَغْزُو وَامِنَ النَّاسِ فَيَقَالُ لَهُمْ فَيَكُمُ مِنْ رَأْيِ رَسُولِ

اللَّهِ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ يَغْزُو. فَيَقَامُ مِنَ النَّاسِ فَيَقَالُ لَهُمْ فَيَكُمُ مِنْ

رَأْيِ مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُونَ نَعَمْ

فَيَفْتَحُ لَهُمْ... (۴)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک جماعت جہاد کرے گی۔ اس سے پوچھا جائے گا تم

میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو؟ وہ لوگ کہیں گے کہ ہاں۔

۱- التوبة / ۱۰۰

۲- مسلم، الجامع، کتاب الفضائل، باب فضائل الصحابة، ۷ / ۱۸۳ - ۱۸۵؛ بخاری، الجامع، کتاب الانبياء،

باب فضائل اصحاب النبي، ۳ / ۱۸۹

۳- ايضاً، ۷ / ۱۸۳؛ ايضاً، ۳ / ۱۸۹؛ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ما جاء في القرن الثالث، ۳ / ۵۰

۴- مسلم، الجامع، کتاب الفضائل، باب فضائل الصحابة، ۷ / ۱۸۳؛ بخاری، کتاب الانبياء، باب فضائل

اصحاب النبي، ۳ / ۱۸۸-۱۸۹



ان کی برکت سے ان کو فتح دی جائے گی پھر ایک جماعت جہاد کرے گی۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی ہے جس نے اس کو دیکھا ہو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا۔ اس پر وہ کہیں گے ہاں۔ تو (ان کی برکت سے) فتح دی جائے گی۔

## طبقات التابعین

نبی کریم ﷺ کے اس دارفانی سے رخصت ہونے کے وقت ایک لاکھ سے زیادہ ایسے شخص تھے جنہوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کی زیارت کی تھی۔ یہ لوگ تمام اطراف میں پھیل گئے تو ایسے لوگوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا جنہوں نے ان صحابہ کرام کو دیکھا، سنا ملاقات کی یا ان سے استفادہ کیا۔ اہل علم نے تابعین کو طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ امام مسلم نے تابعین کو پندرہ طبقات میں تقسیم کیا اور ان میں سے صرف تین طبقات کا ذکر کیا ہے۔ (۱) افضل التابعین۔ سلسلے میں مختلف روایات ہیں اور طویل کلام کیا گیا ہے۔ (۲) ہر شہر کے لوگوں نے تابعین میں سے اپنے امام کو کس قدر دیا ہے۔ اکثر علماء نے سعید بن المسیب کو افضل قرار دیا ہے۔ (۳) جب کہ بعض لوگوں نے اویس قرنیؓ کو افضل بتایا ہے۔ (۴) حافظ عراقی کہتے ہیں:

الصحيح بل الصواب... لماروى مسلم فى صحيحه من حديث عمر  
بن الخطاب قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول:  
ان خير التابعين رجل يقال له اويس. (۵)

یہ بات درست بلکہ بہت درست ہے اس لیے امام مسلم نے اپنی اس صحیح میں عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: تابعین میں اچھا وہ شخص ہے جسے اویسؓ کہا جاتا ہے۔

خواتین تابعین میں سرکردہ حفصہ بنت سیرینؓ (م ۱۰۰ھ) عمرہ بنت عبد الرحمنؓ (م قبل ۱۰۰ھ) اور ام الدرداءؓ (۸۰ھ) ہیں۔ (۶)

احمد بن حنبلؓ (م ۲۴۱ھ) سے منقول ہے افضل التابعین ابن المسیب ہیں کسی نے ان سے کہا کہ علقمہ اور دے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو کہا ہو و ہما یعنی وہ بھی اور یہ دونوں بھی۔ ان ہی سے مروی ہے کہ تابعین

حاکم، معرفة علوم الحديث، ۴۲

علوم الحديث و مصطلحه، ۳۵۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۵۹-۳۶۱

فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۵۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۱۶۰

فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۱۶۱

مسلم، الجامع، کتاب الفضائل، باب فضیلة اویس، ۷ / ۱۸۸-۱۸۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۶۰

تدریب، ۳۲۲؛ مقدمة ابن الصلاح، ۳۰۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۱۶۳-۱۶۴



میں سے ابو عثمان النہدی اور قیس جیسا کسی اور کو نہیں جانتے۔ (۱) اکابر تابعین میں فقہاء سب سے کو شمار کیا گیا ہے۔ سعید بن المسیب (م ۹۰ھ) خارجہ بن زید (م ۱۰۰ھ) ابوسلمہ بن عبد الرحمن (م ۹۳ھ) عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ (م ۹۴ھ) سلیمان بن ایسار (م ۱۰۰ھ کے بعد)، کوفہ میں علقمہ بن قیس الخثعمی (م بعد ۶۰ھ) مسروق بن الاعدع (م ۶۲ھ) بصرہ میں حسن بصری (م ۱۱۰ھ)، محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) شام میں ابودریس الخولانی (م ۸۰ھ)، قبیصہ بن ذؤیب الخزاعی (م ۸۰ھ)، مصر میں یزید بن حبیب (م ۱۲۸ھ)، بکیر بن عبد اللہ الأشجعی (م ۲) وغیرہم

امام حاکم کے نزدیک سب سے مقدم وہ ہیں جو عشرہ مبشرہ سے ملے اور استفادہ کیا جیسے قیس بن حازم، انہوں نے عشرہ مبشرہ سے سماع کیا اور ان سے روایت بھی کی۔ تابعین میں غالباً ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے جس نے ان حضرات سے روایت کی ہو۔ حاکم نے سعید بن المسیب کا ذکر کیا لیکن ابن الصلاح نے اس کی تردید کی ہے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں:

وغلط فی ابن المسیب فانہ ولد فی خلافة عمر و لم یسمع اکثر العشرة (۳)  
ابن المسیب کے بارے میں ان سے غلطی ہوئی ہے اس لیے کہ ان کی پیدائش سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی اس لیے عشرہ مبشرہ میں سے اکثر حضرات سے ان کا سماع ثابت نہیں۔

امام حاکم آخری طبقہ میں ان کو شمار کرتے ہیں اہل بصرہ میں جنہوں نے انس بن مالک کو دیکھا۔ کوفہ میں عبد اللہ بن ابی اوفی (م ۸۸ھ) اہل مدینہ سے سائب بن یزید (م ۹۰ھ) اہل مصر میں سے عبد اللہ بن حارث (م ۴۳ھ) اور اہل شام سے ابو امامہ الباہلی (م ۸۶ھ) کو۔ (۴) اس آخری طبقے سے امام ابو حنیفہؒ کا بھی تعلق ہے کیونکہ آپ کی ملاقات صحابہ میں سے عبد اللہ بن انیس (م ۸۰ھ)، عبد اللہ بن جزء الزبیدی، انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ اور عائشہ بنت عجرؓ سے بھی ہوئی ہے اور ان سے آپ نے روایت بھی کی ہے۔

بعض علماء نے تابعین کے تین طبقے قرار دیئے ہیں۔ کبار التابعین جنہوں نے کبار صحابہ سے روایت کی۔ متوسط التابعین جنہوں نے کبار التابعین کا دور دیکھا اور صحابہ و تابعین سے روایت کی۔ صغار التابعین جنہوں نے ان صغار صحابہ کا عہد دیکھا جن کی عمریں بڑی تھیں اور یہ لوگ کم عمر تھے۔ (۵)

امام حاکم نے ان کے علاوہ اور بھی صحابہ کا ذکر کیا ہے جو دوسرے شہروں میں رہتے تھے۔ (۶) خلف بن خلیفہ (م ۱۸۱ھ) کو آخری تابعی تصور کیا جاتا ہے کیونکہ موصوف نے آخری صحابی ابوالطفیل عامر بن وائلؓ سے مکہ

۱- تدریب، ۳۲۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۶۰؛ مقدمة ابن الصلاح، ۳۰۵

۲- المختصر فی علم رجال الاثر، ۴۱

۳- تدریب، ۳۱۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۵۹؛ فتح المغیث للسخای، ۳ / ۱۵۹

۴- معرفة علوم الحدیث، ۴۲ - ۴۳

۵- مسئلہ العلو والنزول لابن طاہر المقدسی، ق ۷ آ بحوالہ منهج النقد فی علوم الحدیث، ۱۳۸

۶- معرفة علوم الحدیث، ۴۳

میں ملاقات کی تھی۔ (۱) اس لیے کہا گیا ہے کہ تابعین کا عہد ۱۸۱ھ میں ختم ہو گیا تھا۔ علماء نے افضل التابعین کے سلسلے میں طویل کلام کیا ہے۔ (۲) ابن سعد نے طبقات میں چند مرکزی شہروں کے جن تابعین کے حالات درج کیے ہیں ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔ (۳) مدینہ منورہ چار سو چوراسی (۴۸۴)، مکہ میں ایک سو اکتیس (۱۳۱)، کوفہ چار سو تیرہ (۴۱۳)، بصرہ میں ایک سو چونسٹھ (۱۶۴)۔ ان میں سے جن اکابر تابعین نے حدیث کے علم کو حاصل کرنے، محفوظ کرنے اور آگے پہنچانے کا سب سے بڑھ کر اہتمام کیا ہے ان کی مختصر فہرست حسب ذیل ہے۔ سعید بن المسیب (۵۱۳-۹۳ھ) حسن بصری (۵۲۱-۱۱۰ھ)، ابن سیرین (۲۳-۱۱۰ھ)، عروہ بن الزبیر (۲۲-۹۴ھ) سیرت رسول کے پہلے مؤلف۔ علی بن حسین (۳۸-۹۴ھ)، مجاہد (۲۱-۱۰۴ھ)، قاضی شریح م ۷۷۸ھ، قاسم بن محمد بن ابی بکر (۳۷-۱۰۶ھ)، مسروق، ۶۲ھ (ابوبکر کے عہد خلافت میں مدینہ آئے، اسود بن یزید (م ۷۷۵ھ)، کھول الشامی (۱۱۲ھ)، رجاء ابن حیوۃ (م ۱۱۳ھ)، ہمام بن منبہ (۴۰-۱۳۱ھ)، شاگرد ابو ہریرہ جنہوں نے احادیث کا مجموعہ مرتب کیا جو صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔) سالم بن عبد اللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)، نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر (م ۱۱۷ھ)، سعید بن جبیر (۴۵-۹۵ھ)، سلیمان بن الاعمش (۶۱-۱۴۸ھ)، ابن شہاب زہری (۵۸-۱۲۳ھ)، احادیث کا بڑا ذخیرہ مرتب کیا، عکرمہ مولیٰ ابن عباس (۲۲-۱۰۵ھ)، قتادہ بن دعامہ السدوسی (۶۱-۱۱۷ھ)، عامر الشعمسی (۱۷-۱۰۴ھ)، (علقمہ ۶۲ھ، یہ آپ ﷺ کے زمانے میں جوان تھے لیکن آپ ﷺ سے نزل سکے)، ابراہیم الخثعمی ۴۶-۹۶ھ، یزید بن ابی حبیب (۵۳-۱۲۸ھ)

بقول سید مودودی ان حضرات کی تواریخ پیدائش و وفات پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کے عہد کا ایک بڑا حصہ دیکھا ہے ان میں سے بیشتر وہ تھے جنہوں نے صحابہ کے گھروں میں صحابیات کی گودوں میں پرورش پائی ہے اور بعض وہ تھے جن کی عمر کسی نہ کسی صحابی کی خدمت میں بسر ہوئی ہے۔ ان کے حالات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے ایک ایک شخص نے بکثرت صحابہ کرام سے مل کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات معلوم کیے ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات اور فیصلوں کے متعلق وسیع واقفیت بہم پہنچائی۔

اسی وجہ سے روایت حدیث کا بڑا ذخیرہ ان ہی لوگوں سے بعد کی نسلوں کو پہنچا ہے۔ تا وقتیکہ کوئی شخص یہ فرض نہ کرے کہ پہلی صدی ہجری سے تمام مسلمان منافق تھے۔ اس بات کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا کہ ان لوگوں نے گھر بیٹھے حدیثیں سننی ہوگی اور پھر بھی پوری امت نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا ہوگا اور ان کو اپنے اکابر علماء میں شمار کیا ہوگا۔ (۴)

۱- صبحی صالح، علوم الحدیث و مصطلحہ، ۳۵۷

۲- تدریب، ۲/ ۳۱۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۵۹-۳۶۰

۳- یہ فہرست سید مودودی نے ترجمان القرآن کے منصب رسالت نمبر کے صفحات ۲۴۲-۲۴۳ میں نقل کی ہے۔

۴- ترجمان القرآن (ماہنامہ) منصب رسالت نمبر، ۳۴۴

تابعین نے صحابہ کرامؓ سے علوم حاصل کیے اور حدیث کے متعلق ان کے طرز عمل کو ٹھیک طور پر اپنایا۔ انہیں ان تمام پہلوؤں کا بھی علم تھا کہ روایت حدیث میں احتیاط کا کیا مفہوم ہے اور اسے عام کرنے میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ اس لیے تابعین میں کچھ لوگ کتابت حدیث میں کراہت کے قائل نظر آتے ہیں اور بعض دوسرے حفاظت کے لیے بہت اہتمام کرتے دکھائی دیتے ہیں مثلاً عبیدہ بن عمرو السلمانی المرادی (م ۷۲ھ)، ابراہیم بن یزید النخعی (م ۹۲ھ)، جابر بن زید (م ۹۳ھ) وغیرہم کتابت سے منع کرتے تھے۔ (۱)

## مخضرمین

تابعین کی جماعت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کا عہد دیکھا اور جاہلیت سے اسلام میں داخل ہوئے لیکن انہیں رسول اکرم ﷺ کی صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

المخضرمون من التابعين هم الذين ادركوا الجاهلية و حياة الرسول ﷺ و اسلموا و لا صحبة لهم. و احدهم مخضرم بفتح الراء كانه خضرم اى قطع عن نظرائه الذين ادركوا الصحبة و غيرها. (۲)

تابعین میں مخضرمین وہ ہیں جنہوں نے دور جاہلیت اور عہد نبوی پایا، اسلام لے آئے لیکن حضور اکرم ﷺ کی صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا واحد را کے فتح کے ساتھ مخضرم گویا وہ کٹ گیا۔ یعنی وہ اپنے ان ہم عصر لوگوں سے کٹ گیا جنہیں شرف صحبت نبوی حاصل ہوا۔ امام نوویؒ نے اس کی تلخیص کرتے ہوئے کہا:

وهو الذى ادرك الجاهلية و زمن النبى ﷺ و اسلم و لم يرہ. (۳)

یہ وہ شخص ہے جس نے دور جاہلیت اور عہد نبوی کو پایا، اسلام لے آیا لیکن رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ حافظ سخاویؒ۔ (۴)، علامہ سیوطی (۵) نے بھی ان ہی الفاظ میں تعریف کی ہے۔ دونوں نے الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ایک ہی طرح کا بیان نقل کیا ہے۔ دونوں کی عبارات کے تقابل سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کے مآخذ یکساں ہیں۔ ہم یہاں قلوب الراوی سے اقتباس نقل کرتے ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے فتح المغیث سے مقارنہ کر سکتے ہیں۔ (۶)

۱- جامع بیان العلم، ۱/ ۶۷؛ دارمی، السنن، مقدمة، باب من لم یر کتابة الحدیث، ۱/ ۱۲۱-۱۲۲

۲- ابن الصلاح، ۳۰۳

۳- تقریب مع تدریب، ۲۱۹

۴- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۳۶۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۱۴۲

۵- تدریب الراوی، ۲۱۹

۶- فتح المغیث، ۳/ ۱۴۲-۱۴۳

هذا مصطلح اهل الحديث فيه لانه متردد بين طبقتين لا يدري من ايهما هو، من قوله: كم مخضرم لا يدري من ذكرا وانثى كمافى المحكم والصحاح، و طعام مخضرم ليس بحلو ولا مر، حكاة ابن الاعرابى..... اما المخضرم فى اصطلاح اهل اللغة: فهو الذى عاش نصف عمره فى الجاهلية، ونصفه فى الاسلام، سواء ادرك الصحابة ام لا. فبين الاصطلاحين عموم و خصوص من وجه، فحكيم بن حزام مخضرم باصطلاح اللغة لا الحديث، و بشير بن عمرو مخضرم باصطلاح الحديث لا اللغة. (۱)

یہ اصحاب حدیث کی اصطلاح ہے اس لیے یہ دو طبقوں کے درمیان لوٹ رہا ہے یہ معلوم نہیں کہ اس کا تعلق کس طبقے سے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے مخضرم گوشت جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ زجاج نور کا ہے یا مادہ کا۔۔۔۔ اہل لغت کی اصطلاح میں مخضرم وہ ہے جس نے آدھی عمر جاہلیت میں گزاری ہو اور آدھی اسلام میں خواہ اس کی ملاقات صحابہ سے ہوئی یا نہ ہوئی ہو۔ دو اصطلاحوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کا تعلق ہے، لہذا حکیم بن حزام اہل لغت کے مطابق مخضرم ہوگا اور اصحاب حدیث کے مطابق نہیں ہوگا، اور بشیر بن عمرو اصحاب حدیث کی اصطلاح میں مخضرم ہوگا لیکن اہل لغت کے ہاں شمار نہیں ہوگا۔

حافظ ابن حجر مخضرمین کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبقى بين الصحابة والتابعين طبقة اختلف فى الحاقهم باى القسمين وهم المخضرمون الذين ادركوا الجاهلية والاسلام، ولم يروا النبى ﷺ فعدهم ابن عبد البر فى الصحابة. وادعى عياض وغيره ان ابن عبد البر يقول انهم صحابة و فيه نظر لانه اوضح فى خطبة كتابه بأنه إنما اوردهم ليكون كتابه جامعاً مستوعباً لأهل القرن الأول، والصحيح أنهم معدودون فى كبار التابعين سواء عرف ان الواحد منهم كان مسلماً فى زمن النبى كالنجاشى أم لا - لكن ان ثبت ان النبى

صلى الله عليه وآله وسلم ليلة الاسراء كشف له عن جميع من فى الارض فرآهم فينبغى ان يعد من كان مؤمناً به فى حياته اذ ذاك وان لم يلاقه فى الصحابة لحصول الرؤية فى حياته صلى الله عليه وآله وسلم۔ (۱)

اور صحابہ و تابعین کے درمیان ایک طبقہ ہے جس کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ اسے کس طبقے کے ساتھ ملحق کیا جائے اور وہ طبقہ مخضرمون کا ہے۔ جنہوں نے جاہلیت اور اسلام، دونوں ادوار پائے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کو دیکھا نہیں۔ ابن عبدالبر نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ قاضی عیاض وغیرہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب کے خطبہ میں واضح طور پر کہا ہے کہ اس نے ان حضرات کو اس لیے بیان کیا ہے کہ ان کی کتاب جامع اور قرن اول کے لوگ اس میں شامل ہوں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ لوگ کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں خواہ یہ معلوم ہو کہ ان میں سے کوئی حضور اکرم ﷺ کے عہد میں مسلمان ہو جیسا کہ نجاشی اس طبقہ میں شمار ہو گا یا نہیں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اسراء کی رات نبی ﷺ کے سامنے تمام روئے زمین کے لوگ منکشف کیے گئے تھے اور آپ ﷺ نے انہیں دیکھا تو مناسب ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی زندگی میں ایمان لایا تو اسے صحابہ میں شمار کیا جائے گو کہ وہ صحابہ کے ساتھ آپ ﷺ سے نہ ملا ہو (ملاقات نہ کی ہو) بسبب اس روایت کے جو حضور ﷺ کو حاصل ہوئی۔

امام مسلم نے ایسے بیس (۲۰) افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲) برہان طہی نے اپنی خاص تالیف میں مزید ایک سو پچاس (۱۵۰) حضرات کو شامل کیا ہے۔ (۳) حافظ ابن حجر نے الاصابة میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن الصلاح نے بعض افراد کے نام دیے ہیں۔ (۴) علامہ سیوطی اور حافظ سخادی نے امام مسلم کے حوالے سے کچھ ناموں کی فہرست دی ہے۔ ذیل میں ہم تدریب کی فہرست نقل کرتے ہیں۔ علامہ سیوطی نے تقریب کی عبارت و عدہم مسلم کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(و عدہم مسلم) بن الحجاج فبلغ بهم (عشرین نفساً) وهم أبو

۱- نزہة النظر، ۵۸-۵۹

۲- تدریب الراوی، ۳۱۹-۳۲۰؛ فتح المغیث للسعاوی، ۳ / ۱۴۵-۱۴۶؛ ابن الصلاح، ۳۰۳

۳- تذکرة الطالب المعلم بمن یقال انه مخضرم، ۲-۶

۴- ابن الصلاح، ۳۰۳

عمرو و سعد بن اياس الشيباني ، و سويد بن غفلة ، و شريح بن هاني ،  
و بشير بن عمرو بن جابر ، و عمرو بن ميمون الأزدي ، و الأسود بن  
يزيد النخعي ، و الاسود بن هلال المحاربي ، و المعروف بن سويد ،  
و عبد خير بن يزيد الخيواني و شبيل بن عوف الأحمسي و مسعود بن  
حراش اخور بعي ، و مالك بن عمير و أبو عثمان النهدي ، و أبو رجاء  
العطاردى ، و غنيم بن قيس ، و أبو رافع الصائغ ، و أبو الحلال العتكي  
و اسمه ربيعة بن زرارة ، و خالد بن عمير العدوي ، و ثمامة بن حزن  
القشيري ، و جبير ابن نفيير الحضرمي (وهم أكثر) من ذلك (و ممن  
لم يذكره) مسلم (أبو مسلم) عبدالله ابن ثوب ، بوزن عمر .  
(الخولاني و الاحنف) و اسمه الضحاك بن قيس ، و عبدالله بن عكيم ،  
و عمرو بن عبدالله بن الأصم ، و أبو امية الشعباني ، و أسلم مولى عمر ،  
و اويس القرني ، و اوسط البجلي ، و جبير بن الحويرث ، و جابر  
اليماني و شريح بن الحرث القاضي ، و أبو وائل شقيق بن سلمة ، و  
عبدالرحمن بن عسيلة الصنابحي ، و عبدالرحمن بن غنم ، و  
عبدالرحمن بن يربوع ، و عبيدة بن عمرو السلماني ، و علقمة بن  
قيس بن أبي حازم ، و كعب الاحبار ، و مرة بن شراحيل ، و مسروق  
بن الاجدع و أبو صالح الانماري ، قيل و أبو عتبة الخولاني ، هذا ما  
ذكره العراقي ، و منهم من لم يذكره : الاحنف بن قيس الاسدي و  
الاجدع بن مالك الهمداني و الدمسروق ، و أبو رهم احزاب بن اسيد  
السمعي ، و أرطاة بن سمية ، و هي امه ، و أبوه زفر بن عبدالله  
الغطفاني المزني ، و أرطاة المزني جد عبدالله بن عوف ، و أرطاة بن  
عوف ، و أرطاة بن كعب الفزاري ، في خلائق آخرين ذكرهم شيخ  
الاسلام ابن حجر في كتاب الإصابة ، و أرجوان الفردهم في مؤلف  
إن شاء الله تعالى . (1)



## اتباع التابعین

تابع التابعی وہ شخص ہے جس نے تابعی سے حضور اکرم ﷺ پر ایمان کی صورت میں ملاقات کی ہو۔ امام حاکم (۱) نے اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن وضاحت نہیں کی۔ علامہ طاہر بن صالح الجزائری اس طبقہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و هم الطبقة الثالثة بعد النبي ﷺ و فيهم جماعة من ائمة المسلمين و فقهاء الأمصار. (۲)

یہ نبی ﷺ کے بعد تیسرا طبقہ ہے اور اس میں ائمہ مسلمین اور فقہاء الامصار میں سے ایک جماعت شامل ہے۔

علوم الحدیث کے تمام مآخذ میں اس طبقہ کا تذکرہ ہے لیکن ایسی وضاحت نہیں ہے جیسے تابعی کی ہے زیادہ بحث اس امر سے متعلق ہے کہ تابعین و اتباع تابعین میں غلط فہمی کی وجہ سے حدیث کے طالب انہیں غلط مرتبہ پر متعین کرتے ہیں۔ امام حاکم کہتے ہیں:

و طبقة عدادهم عند الناس في اتباع التابعين و قد لقوا الصحابة منهم أبو الزناد عبد الله بن ذكوان و قد لقي عبد الله بن عمر و أنساً و هشام بن عروة و قد دخل على عبد الله بن عمر و و جابر بن عبد الله و موسى بن عقبه و قد أدرك أنس بن مالك (۳).

ایک طبقہ ہے جو لوگوں کے نزدیک اتباع التابعین میں شمار ہوتا ہے حالانکہ صحابہ سے ان کی ملاقات ثابت ہے ان میں ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان ہیں جو عبد اللہ بن عمر اور انس بن مالک سے مل چکے ہی، هشام بن عروہ جو عبد اللہ بن عمر اور جابر بن عبد اللہ سے ملے ہیں اور موسیٰ بن عقبہ جنہوں نے انس بن مالک کا زمانہ پایا۔

الجزائری اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و في هذه الطبقة جماعة يشبه على المتعلم أسامهم فيتوهم من التابعين لنسب يجمعهم أو غير ذلك منهم الحسين بن علي بن الحسين

- 
- ۱- معرفة علوم الحديث، ۴۶  
 ۲- توجيه النظر الى اصول الاثر، ۱۷۵  
 ۳- معرفة علوم الحديث، ۴۵-۴۶، مقدمة ابن الصلاح، ۳۰۶؛ حافظ سخاوی نے خلیفہ بن خیاط کے حوالے سے اسے نقل کیا ہے۔ فتح المغیث، ۱۷۷/۳



بن علی ابن ابی طالب و هو الذی يعرف بالحسین الأصغر یروی عنه  
عبدالله بن المبارک و غیرہ و ربما قال الراوی عن حسین بن علی  
عن ابيه فيشبهه علي من لا يتحقق أنه مرسل ويتوهمه من التابعين و  
ليس كذلك- (۱)

اور اس طبقہ میں ایک جماعت ہے جو اپنے ناموں کی وجہ سے حدیث کے طالب پر مشتبہ  
ہوتے ہیں اور تابعین میں خیال کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک حسین بن علی بن الحسین  
بن علی بن ابی طالب ہیں۔ یہ حسین الاصغر کے نام سے معروف ہیں عبد اللہ بن مبارک وغیرہ  
نے ان سے روایت کی ہے۔ بعض اوقات راوی کہتا ہے حسین بن علی اپنے والد سے روایت  
کرتے ہیں۔ اس سے اس شخص کو شبہ ہوتا جسے معاملہ کی معرفت حاصل نہیں اور اسے یہ  
بزرگ تابعین میں سے لگتے ہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

الجزائری نے مزید نام بھی لکھے ہیں، ابن الصلاح، سخاوی اور سیوطی نے بھی کئی نام گنوائے ہیں۔ (۲) مثلاً  
بن بن انس الاصبیحی، عبدالرحمن بن عمرو والاوزاعی وسفیان بن سعید الثوری، شعبہ بن الحجاج العتکی اور ابن  
تج وغیرہ اس میں ان حضرات کے وہ شاگرد بھی شامل ہیں جنہوں نے تابعین سے ملاقات کی جیسے یحییٰ بن سعید  
بنان جن کی ملاقات انس بن مالک کے اصحاب سے ہوئی اور عبد اللہ بن المبارک جنہیں تابعین کی ایک جماعت  
ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور محمد بن الحسن الشیبانی جنہوں نے موطا کی روایت کی۔ انہیں بھی کئی تابعین سے  
ملاقات کا شرف حاصل تھا۔

تابعین اور تبع تابعین کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کے بارے میں ابن الصلاح لکھتے ہیں:

قوم عدو امن التابعین و هم من الصحابة و من أعجب ذلك عد الحاکم  
أبى عبد الله النعمان و سویدا ابني مقرن المزني في التابعين و هما  
صحابيان معروفان في الصحابة (۳)۔

کچھ لوگ تابعین میں شمار کئے گئے ہیں حالانکہ وہ صحابی ہیں۔ اور سب سے عجیب بات امام  
حاکم ابو عبد اللہ کانعمان اور سویدا بن مقرن المزنی کو تابعین میں شمار کرنا ہے حالانکہ وہ صحابی  
ہیں اور صحابہ میں معروف ہیں۔

توجه النظر ، ۱۷۵

ابن الصلاح، ۳۰۶؛ فتح المغیث، ۲/۱۷۷؛ تدریب، ۲۲۳، ۵۳۲

ایضاً، ۳۰۷، ان حضرات کے ترجمہ کے لیے دیکھئے: الاستیعاب، ۲/۱۱۲؛ ۳/۵۱۶؛ اسد الغابۃ، ۲/۳۸۱؛ ۵/۳۰

الاصابة، ۲/۳۹۹، ۳/۵۳۵

علامہ سیوطی نے امام بلقینی کے حوالے سے لکھا ہے کہ تابعین میں سب سے پہلے فوت ہونے والے ابو زید معمر بن یزید ہیں جو خراسان یا آذربائیجان میں قتل ہوئے اور سب سے آخر میں فوت ہونے والے خلف بن خلیفہ ہیں جو ایک سو اسی (۱۸۰ھ) میں فوت ہوئے۔ (۱)

## مصادر التابعین

تابعین و تبع تابعین کے احوال پر مصنفات موجود ہیں جو طبقات اور متعدد دوسرے عنوانات سے معروف ہیں۔ ان میں مشہور مندرجہ ذیل ہیں۔

### ۱۔ طبقات ابن سعد ☆

اس کتاب کے مولف محمد بن سعد بن منیع الزہری (ولایت) البصری ہیں۔ بصرہ میں ۱۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ صاحب طبقات اور مغازی، الواقدی سے ایک طویل عرصے تک وابستہ رہے لہذا صاحب الواقدی کہلائے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انھوں نے تراجم پر تین کتابیں لکھیں۔ پہلی الطبقات الکبریٰ، دوسری الطبقات الصغیر اور تیسری اخبار النبی ﷺ و مغازیہ و سراہہ، ابن ندیم نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔ (۱) لیکن بعض محققین کی رائے ہے کہ فی الحقیقت ایک ہی کتاب الطبقات الکبریٰ ہے باقی دونوں اس کے اجزاء ہیں۔ اکثر اہل علم نے ابن سعد کو ثقہ اور مستند تسلیم کیا ہے جبکہ بعض علما نے واقدی، کلبی وغیرہ کمزور اور غیر ثقہ رواۃ سے روایت کرنے کی وجہ سے انہیں ضعیف کہا ہے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں:

ابن سعد عندنا من اهل العدالة و حدیثه يدل على صدقه۔ (۲)

معروف ناقد فن ابو حاتم نے بھی ان کی ثقاہت کا اعتراف کیا ہے۔ (۳)

حقیقت یہ ہے کہ ابن سعد روایات کو قبول کرنے میں حد درجہ محتاط تھے، جب کوئی روایت ان تک پہنچتی تو وہ مختلف طریقوں سے تحقیق کرتے اور پھر اسے اپنی کتاب میں جگہ دیتے۔ یہ کتاب ابن سعد کے تلامذہ جن میں ممتاز اسامہ بن ابی حارثہ ہیں ان کے ذریعے ہم تک پہنچتی۔ ابن سعد نے اپنی اس کتاب کی تحریر میں واقدی کی طبقات کو سامنے رکھا (جواب ناپید ہیں) اور اپنے دیگر ہم عصر اہل علم کی تصنیفات سے بھی فائدہ اٹھایا۔ (۴) واقدی کی الطبقات

☆ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا کا باب طبقات الرواة

۱۔ تدریب، ۲۲۳

۲۔ تاریخ بغداد، ۳۲۱/۵

۳۔ الجرح و التعديل، ۳/ ii/ ۲۶۲؛ سير اعلام، ۶۶۵/۱۰

۴۔ ابن ندیم کہتے ہیں: الفہ ابن سعد من كتب الواقدی والکلبی والہیثم بن عدی والمدائنی (الفہرست، ۱۵۹)

کے بعد ابن سعد کی یہ کتاب تراجم رجال پر ابتدائی کتب میں سے ہے۔ انہوں نے بڑی تحقیق اور جستجو کے بعد اپنی اس کتاب میں صحابہ کرامؓ اور تابعین محترم کی بڑی تعداد کے حالات کو محفوظ کر دیا ہے۔ ابن سعد چونکہ ان عظیم ہستیوں سے قریب العہد تھے لہذا ان جیسے ایک معتبر اور سنجیدہ مولف کے لیے ان ہستیوں کے حالات و واقعات کو جمع کرنا اور اہل تک پہنچانا آسان تھا۔ کتاب اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اس فن پر بعد میں لکھنے والوں کے لیے بنیادی مرجع کی حیثیت اختیار کر گئی۔

کتاب کی پہلی دو جلدیں آپ ﷺ کی سیرت کے لیے مختص ہیں۔ تیسری جلد ان صحابہ کے تذکرے پر مشتمل ہے جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ چوتھی جلد ان صحابہ کے تذکرہ پر مشتمل ہے جو قدیم الاسلام تھے۔ لیکن غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ پانچویں جلد صحابہ کرام، تابعین اور اتباع تابعین کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس میں صاحب تراجم کو ان کے علاقوں کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً مدینہ، مکہ، طائف، یمن، ینامہ، بحرین کے صحابہ و تابعین کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ چھٹی جلد میں کوفہ میں آنے والے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نیز ابن سعد کے اپنے زمانے تک کے اس علاقے کے اہل علم کے تراجم پر مشتمل ہے۔ ساتویں جلد بصرہ، واسط، مدائن، بغداد، خراسان، ہمدان، شام، مصر وغیرہ میں رہنے والے اہل علم کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ آٹھویں جلد صرف صحابیات کے لیے مختص ہے۔

صحابہ کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ تراجم کی تقسیم نسب اور علاقوں کی بنیادوں پر کی۔

ابن سعد نے اپنی اس کتاب میں تراجم بیان کرتے وقت مترجمین کے سلسلہ نسب اور قبیلے کے ذکر کا بھی بطور خاص اہتمام کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور بعض تابعین کے تراجم تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ تراجم بیان کرتے وقت صاحب ترجمہ کا علمی مقام، زہد و تقویٰ، فکری رجحان اور اس کی ثقاہت وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے اپنے ہم عصر اہل علم کے حالات نسبتاً اختصار سے بیان کیے ہیں۔

ابن سعد کی یہ کتاب صحابہ کرام، تابعین عظام و تبع تابعین کے حالات کے ساتھ ساتھ اسلام کی ابتدائی دو صدیوں کی ثقافت و حضارت پر مفید معلومات فراہم کرتی ہے۔

ابن سعد نے صاحب تراجم کی ثقاہت و ضعف کو بیان کیا ہے اور ان کے لیے جرح و تعدیل کے مختص الفاظ استعمال کیے ہیں۔ الطبقات الكبرى میں تقریباً تین ہزار روایات کے تراجم محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ بعد میں آنے والے اہل علم نے ابن سعد کی الطبقات کی اہمیت کو تسلیم کیا اور اس کی تعریف کی ہے۔ خطیب کہتے ہیں:

صنف کتاباً کبیراً فی الصحابة والتابعین الی وقتہ فاجاد و احسن (۱)

ذہبی کا قول ہے:

كان من اوعية العلم و من نظر في الطبقات خضع لعلمه (۱)

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر سیوطی نے ایک اختصار بعنوان انجاز الوعد المتقی من طبقات ابن سعد

مرتب کیا۔ (۲)

القاضی ابوبکر الطوسی نے بھی ایک اختصار مرتب کیا۔ (۳)

کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اولاً مستشرقین کی ایک جماعت کی توجہ اور عنایت سے، جس کے نگران

ایڈورڈ زخاؤتھے، ہم تک پہنچی۔ اس کے بعد عالم عرب سے کئی طبقات شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے، جو نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی سے شائع ہوا۔

## ۲۔ طبقات خلیفہ بن خیاط

کتاب کے مولف ابو عمر و خلیفہ بن خیاط اللیشی العصری الملقب بشباب (م ۲۴۰ھ) ہیں۔ اپنے وقت کے

اجل علماء سے اکتساب کیا۔ علم قرأت، حدیث، رجال، تاریخ، علم انساب میں دسترس حاصل کی اور اپنے ہم عصر علماء پر فائق تسلیم کئے گئے۔ مختلف موضوعات بالخصوص انساب، اخبار و واقعات پر مفید کتب تالیف کیں۔ ذہبی کہتے ہیں:

كان صدوقا نسابه، عالم بالسير و الأعلام و الأيام و الرجال (۴)

خلیفہ کی کتاب الطبقات بھی موضوع پر لکھی گئی بنیادی کتب میں شمار ہوتی ہے۔ کتاب کا تقریباً ایک تہائی

حصہ صحابہ کرامؓ کے تراجم پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات سے کرتے ہیں۔ ازاں

بعد صحابہ کرامؓ اور تابعین کے تراجم مذکور ہیں۔ مولف نے تراجم کو صاحب تراجم کے رہائش پذیر علاقوں یعنی بلدان کی

ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ جن شہروں میں اہل علم کی تعداد زیادہ تھی اور ان سے مروی احادیث مشہور تھیں ان کو پہلے

لائے ہیں۔ جملہ صحابہ کرامؓ کو ایک طبقے اور پھر تابعین و تبع تابعین کو الگ الگ طبقات میں ذکر کرتے ہیں۔

خلیفہ نے تراجم کی ترتیب میں نسب کو بنیاد بنایا ہے، سبقت اسلام یا وفات میں تقدم نہیں۔ ایک قبیلے سے تعلق

رکھنے والے مختلف علاقوں میں رہائش پذیر صحابہ کو یکجا کر دیا ہے۔ تابعین کے تراجم میں بھی وہ نسب اور قبیلے کو اولیت

دیتے ہیں جس کا بنیادی مقصد مختلف قبائل کا آپ ﷺ سے تعلق اور قرب ثابت کرنا ہے۔ تبع تابعین اور اس کے بعد

۱- سیر اعلام، ۱۰/۶۶۵

۲- كشف الظنون، ۱/۱۷۵؛ ۲/۱۱۰۳

۳- ایضاً، ۲/۱۱۰۳

۴- سیر اعلام، ۱۱/۴۷۳

طبقات کے روادے میں یہ رجحان کمزور پڑ گیا ہے کیونکہ اس دور میں لوگ نسب سے زیادہ صنعت و حرفت اور رہائش پذیر ملاقوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے لگے تھے۔

صحابیات کے تراجم میں خلیفہ نے اپنے اسی منہج کو اختیار کیا یعنی نسب اور قبیلے کے ذکر کو بنیاد بنایا۔

روادے کے نسب (ماں اور باپ دونوں طرف سے قبل از اسلام تک) کے علاوہ کنیت، عارضی اور مستقل مقام کونت، طلب علم کے لیے اسفار کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض وقت بصرہ کے روادے کی رہائش گاہوں کے پتے درج کرتے ہیں۔ مترجمین کے سنین وفات کے ساتھ ساتھ بعض مواقع پر یہ بھی بتاتے ہیں کہ نماز جنازہ کس نے پڑھائی۔ صحابہ کرام سے مروی احادیث کے ذکر کے علاوہ اس پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ آیا راوی نے وہ حدیث بالواسطہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کی یا بلاواسطہ۔ صاحب ترجمہ کے شیوخ و تلامذہ کا کم ہی ذکر کرتے ہیں۔ جرح و تعدیل کی عبارات شاذ ہی استعمال کرتے ہیں۔ روادے کے حالات میں اختصار اختیار کیا ہے۔

مترجم صحابہ کی غزوات میں شرکت اور ان کی بعض دیگر ذمہ داریوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

رجال پر تالیفات کے مولفین نے خلیفہ بن خیاط کی کتاب الطبقات سے روادے کے نسب اور تاریخ وفات وغیرہ کے بارے میں بالخصوص استفادہ کیا۔

ہمارے سامنے کتاب الطبقات کا وہ نسخہ ہے جس کے راوی ابو عمران موسیٰ بن زکریا التستری ہیں جب کہ کتاب کے محقق د/اکرم ضیاء العمری ہیں۔ دار طیبہ الریاض سے پہلی دفعہ ۱۹۶۷ء/۱۳۸۷ھ میں اور دوسری بار ۱۹۸۲ء/۱۴۰۲ھ میں شائع ہوئی۔

### ۳۔ کتاب الثقات

اس کتاب کے مولف ابو حاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ) ہیں۔ مولف نے مختلف علاقوں میں مقیم اہل شام سے استفادے کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ ابن حبان خداداد صلاحیتوں کی بنا پر بہت جلد مرجع خلایق بن گئے اور ان کا شمار اپنے وقت کے ممتاز محدثین فقہاء، ماہرین لغت اور طب میں ہونے لگا۔ اہل علم نے ان کی تبحر علمی کا اعتراف کیا ہے۔

امام حاکم کا کہنا ہے:

كان ابن حبان من أوعية العلم في الفقه، واللغة، والحديث (۱)

ذہبی کہتے ہیں:

كان رأساً في معرفة الحديث (۱)

ابن العماد کہتے ہیں:

كان حافظاً ثباتاً اماماً حجة أحد أوعية العلم، صاحب التصانيف (۲)

امام حاکم ان کی تالیفات کے بارے میں کہتے ہیں:

خرج له من التصنيف في الحديث ما لم يسبق إليه (۳)

سمرقند میں عہدہ قضاء پر بھی رہے۔ (۴) معرفت علل حدیث اور فن جرح و تعدیل میں خوب دسترس حاصل تھی۔ رواۃ کے حالات پر کئی کتب تالیف کیں۔ اس وقت ہمارے سامنے کتاب الثقات ہے جو اس فن پر لکھی گئی کتب میں اہم مقام کی حامل ہے۔

کتاب کی تالیف کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث صحیح و سقیم کی پہچان کرنا ہے جس کے لیے رواۃ کے حالات کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ ابن حبان نے اپنی کتاب کو ثقہ رواۃ کے ذکر کے لیے مختص کیا ہے۔ کہتے ہیں:

ولا أذكر في هذا الكتاب الأول إلا الثقات الذين يجوز الاحتجاج

بخبرهم ... إذا تعرى خبره عن الخصال الخمس التي ذكرتها فهو

عدل يجوز الاحتجاج بخبره۔ (۵)

ابن حبان نے کتاب میں ایسے رواۃ کا ذکر بھی کیا ہے جو دوسرے علماء کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن ابن حبان

نے بعض دلائل کی بنیاد پر ان کو قابل قبول قرار دیا۔ وہ کہتے ہیں:

إنما أذكر في هذا الكتاب الشيخ بعد الشيخ وقد ضعفه بعض أئمتنا و

وثقه بعضهم، فمن صح عندي منهم انه ثقة بالدلائل النيرة أدخلته في

هذا الكتاب لأنه يجوز الاحتجاج بخبره، ومن صح عندي منهم أنه

ضعيف بالبراهين الواضحة لم أذكره في هذا الكتاب. (۶)

۱- میزان الاعتدال، ۵۰۶/۳

۲- شذرات الذهب، ۱۶/۳

۳- لسان المیزان، ۱۳۰/۵؛ خطیب بغدادی نے کہا کہ ان کی کتب بہت مفید تھیں، معجم البلدان، ۱/۱، ۲۱۷

۴- میزان الاعتدال، ۵۰۶/۳؛ معجم البلدان، ۱/۱، ۲۱۷

۵- کتاب الثقات، ۱/۱، ۱۲

۶- ایضاً، ۱/۱، ۱۳



ابن حبان اپنی کتاب میں واقعات و حالات کے بیان میں سند کے ذکر کا اہتمام نہیں کرتے۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں: میں نے سہولت و حفظ میں آسانی کے لیے ایسا کیا ہے۔ (۱)

ابن حبان نے یہ کتاب طبقات پر مرتب کی ہے۔ رواۃ کو درج ذیل چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ (۲)

۱۔ طبقہ صحابہ ۲۔ طبقہ تابعین

۳۔ طبقہ تبع تابعین ۴۔ طبقہ تابع تبع تابعین

ان تمام طبقات کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ اس ترتیب میں صرف پہلے حرف کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لہذا ہر حرف سے شروع ہونے والے تراجم یکجا مل جاتے ہیں۔ چونکہ حرف میں داخلی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا، اس لیے کسی راوی کے ترجمہ کی تلاش میں اس حرف کے تمام تراجم کو دیکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً حرف ع میں عیسیٰ کا ترجمہ عمران سے ہے اور عمران کا عقبہ نامی رواۃ سے پہلے ہے۔ (۳) ہر حرف کے آخر میں ان خواتین کا تذکرہ ہے جن کا نام اس حرف سے شروع ہوتا ہے۔

اس طرح طبقہ کے بعد اگلے طبقے کو مذکورہ ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب طبقات اور حروف معجم پر مشتمل ہے۔ ہر طبقے کے آخر میں اس طبقے کے ان رواۃ (مرد و خواتین) کا ذکر ہے جو کئیوں سے معروف ہیں۔ طبقہ صحابہ (پہلا طبقہ) میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے احادیث مروی ہیں اور ان میں بھی عشرہ مبشرہ کو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

و نقصد منهم من روى عنهم الأخبار و نقصد في ذكر هو لاء إلى

المعجم في اسمائهم ليكون أسهل عند البغية لمن اراده (۴)

کتاب کا آغاز سیرت رسول ﷺ سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر خلفاء (اموی اور عباسی) کا مختصر ذکر ہے۔ وہ خلفاء اور ملوک کے نام و کنیت، وفات اور دور خلافت کے بعض اہم واقعات اور مدت خلافت کا ذکر کرتے ہیں، پھر عشرہ مبشرہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد کتاب مذکور چار طبقات پر مرتب ہے۔

ابن حبان تراجم میں رواۃ کے نام و نسب، کنیت و نسبت، مشہور شیوخ و تلامذہ کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔ تراجم بالعموم مختصر ہوتے ہیں بلکہ بعض وقت صرف چند سطور پر مشتمل ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام کے مقام سکونت کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کی روایات کس علاقے اور شہر میں زیادہ پھیلیں۔

۱۔ کتاب النقات، ۳/۱

۲۔ دیکھیے: کتاب النقات، ۱۰/۱-۱۱

۳۔ کتاب النقات، ۲۱۲/۵، ۲۱۴، ۲۲۳: ایسی مثالیں ہر حرف کے تراجم میں ملیں گی۔

۴۔ ایضاً، ۱/۳



ابن حبان کے رواد کی ثقاہت وضعف پر کھنے کے معیار و اصول پر نقد کیا گیا ہے۔ ابن حبان کا طریقہ ہے کہ اگر ان کے نزدیک کسی راوی کی عدالت ثابت ہو جائے تو اس کی جرح اس وقت تک مناسب نہیں جب تک صفت عدالت زائل نہیں ہوتی۔ (۱)

ابن حجر کہتے ہیں کہ انھوں نے بہت سے منکر روایات بیان کرنے والے مجہول رواد کی تعدیل کی۔  
 وهذا الذى ذهب اليه ابن حبان، من أن الرجل اذا انتفت جهالة عينه كان على العدالة، إلى أن يتبين جرحه مذهب عجيب والجمهور على خلافة هذا هو مساك ابن حبان فى كتاب الثقات الذى ألفه فانه يذكر خلفاً ممن نصّ عليه ابو حاتم و غيره على أنهم مجهولون و كان عند ابن حبان، جهالة العين، ترتفع برواية واحد مشهور. (۲)

وہ کہتے ہیں کہ ان کے شیخ ابن خزیمہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں ایک بڑی تعداد ایسے مجہول رواد کی بیان کی ہے کہ جن کے حالات و معاملات کو نہ وہ خود جانتے ہیں اور نہ ہی دوسرے ائمہ فن۔ (۳)  
 ابن حجر کا نقد بڑا اہم ہے لیکن اس کے باوجود کتاب اپنے موضوع پر بنیادی اہم کتب میں سے ہے۔ بعد میں آنے والوں نے اس سے استفادہ کیا اور اس پر اضافے بھی کیے۔ عالم عرب سے متعدد طبعات شائع ہو چکے ہیں۔ ہمارے سامنے طبع دار الفکر ہے جو مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن کا عکس ہے۔  
 کتاب سے استفادہ کو آسان کرنے کے لیے امام لہیثمی نے پوری کتاب کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔



- ۱- کتاب الثقات، ۱/۱۲، ۱۳
- ۲- لسان المیزان (مقدمة)، ۱/۲۵
- ۳- حافظ شمس الدین محمد بن عبد اللہ ہادی اور حافظ صلاح الدین علانی نے بھی اہل علم کو اس سے متنبہ کیا ہے۔ لسان المیزان، ۱/۵۵۱؛ الصارم المنکی فی الرد علی ابن السبکی، ۱۳۹

## اسناد عالی و نازل

اسناد چونکہ حدیث کی اساس ہے۔ اس پر متن کے ابلاغ کا دار و مدار ہے اس لیے اسناد کی بے حد اہمیت ہے۔ اس کا رخ نبی اکرم ﷺ کی ذات کی جانب ہے اسی لیے اسناد کی حیثیت اس پر موقوف ہے کہ آپ تک رسائی کیسی ہے۔ راوی اپنے سے حضور اکرم ﷺ تک تمام واسطوں کو کیسے پاتا ہے۔ اتصال اور تسلسل کی بحث سے واضح ہے کہ حدیث کی حیثیت کو متعین کرتا ہے۔ محدثین کے ہاں اس سلسلے میں یہ کوششیں رہی ہیں کہ روایت کم سے کم ہونے سے حضور اکرم ﷺ تک پہنچے۔ اسی نقطہ نظر سے اسناد کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اسناد عالی اور اسناد نازل۔ اس کے لیے علو اور نزول کی اصطلاحیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ علوم الحدیث کی تمام کتابوں میں اس پر مفصل بحثیں موجود ہیں۔ ذیل میں ان دونوں اقسام پر مختصر گفتگو کریں گے۔

### اسناد عالی

اسناد عالی وہ ہے جو متصل ہونے کے با وصف کم سے کم راویوں پر مشتمل ہو۔ علامہ قاسمی اسناد عالی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو ما قربت رجال سنده من رسول الله ﷺ بسبب قلة عددها،

بالنسبة الى سند آخر يرد بذلك الحديث بعينه بعدد كثير

أوبالنسبة لمطلق الأسانيد. (۱)

اسناد عالی جس میں سند کے رجال قلت تعداد کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچیں اور

یہ قرب بہ نسبت اسی حدیث کی دوسری سند کے ہو جس کے راویوں کی تعداد زیادہ ہو یا مطلق

اسانید کی نسبت سے ہو۔

گویا علو سند کے لیے اصل بات راویوں کی کم سے کم تعداد ہے۔ حافظ ابن حجر نے فان قل عدده (۲) سے

اس کو واضح کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے القرب من رسول الله (۳) کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان

قواعد التحديث، ۱۰۸

نزہة النظر، ۶۰

ابن الصلاح، ۲۵۶

کے تتبع میں نوویؒ (۱)، عراقیؒ (۲)، سیوطیؒ (۳)، سخاویؒ (۴) اور محمد الانصاریؒ نے بھی یہی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ امام حاکمؒ علو کے لیے تعداد کے بجائے صحت پر زور دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

والعالية من الاسناد ليس على مايتوهمه عوام الناس يعدون الاسانيد  
فما وجدوا منها اقرب عدداً الى رسول الله ﷺ يتوهمونه  
اعلى. (۵)... والعالي من الاسانيد التي تعرف بالفهم لا بعد الرجال  
غير هذا قرب اسناد يزيد عدده على السبعة والثمانية الى العشرة وهو  
اعلى مماينقص عن ذلك و مثاله ما حدثنا ابو العباس محمد بن  
يعقوب حدثنا الحسن بن علي بن عفان العامري حدثنا عبدالله بن  
نمير عن الاعمش عن عبدالله بن مره عن مسروق عن عبدالله بن  
عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: اربع من كن فيه كان منافقا خالصاً  
و من كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من نفاق حتى يدعها -  
إذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا وعد أخلف و إذا خاصم فجر -  
هذا اسناد صحيح مخرج في كتاب مسلم عن عبدالله بن نمير عن  
ابيه و قد بلغ عدد روايته سبعة وهو اعلى من الاربع الذي قدمنا ذكره،  
فان الغرض فيه القرب من سليمان بن مهران الاعمش فان الحديث له  
و هو امام من ائمة الحديث. (۶)

اسناد عالی وہ نہیں جسے لوگوں نے خیال کر رکھا ہے۔ وہ اسانید کی گنتی کرتے ہیں جسے تعداد کے لحاظ سے حضور اکرم ﷺ کے قریب سمجھتے ہیں اسے اعلیٰ خیال کرتے ہیں۔ اسناد عالی وہ ہے جو سمجھ آئے نہ کہ رجال کی گنتی سے طے ہو۔ کئی ایسے اسناد ہیں جن میں راویوں کی تعداد

- ۱- تقریب مع تدریب ، ۳۶۰
- ۲- عراقی نے قرب کے ساتھ عدد کا لفظ بھی استعمال کیا ہے؛ القرب من رسول الله من حيث العدد. (فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۹۸)
- ۳- تدریب ، ۳۶۰
- ۴- سخاوی اور محمد الانصاری نے عراقی کا تتبع کیا ہے، فتح المغیث، ۳/۲۸۶: فتح الباقي، ۲۸۱
- ۵- معرفة علوم الحديث، ۹، فتح الباقي، ۲۸۱
- ۶- ايضاً؛ توجیه النظر، ۲۳ (حدیث کے لیے دیکھیے: مسلم، الجامع، کتاب الايمان، باب آية المناق، ۵۶/۱)

سات اور آٹھ سے دس تک ہے اور اس کے باوجود وہ کم تعداد والے اسانید سے اعلیٰ ہیں۔ اس کی مثال وہ روایت جسے ہم سے ابو العباس محمد بن یعقوب نے ان سے حسن بن علی بن عفان العامری نے بیان کیا ان سے عبد اللہ بن نمیر نے اعمش سے بیان کیا انھوں نے عبد اللہ بن مرہ سے، انہوں نے مسروق سے اور انھوں نے عبد اللہ بن عمروؓ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

چار خصلتیں ہیں کہ جس شخص میں پائی گئیں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی خصلت پائی گئی وہ نفاق کی علامت ہوگی حتیٰ کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب معاہدہ کرے تو غداری کرے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔ یہ اسناد صحیح ہے مسلم کی کتاب میں اس کی تخریج ہوئی ہے۔ محمد بن عبد اللہ بن نمیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے رواۃ کی تعداد سات ہے اور وہ اس چار راویوں کی روایت، جسے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اعلیٰ ہے اس میں مقصد سلیمان بن مهران الاعمش سے قرب ہے کیونکہ اس حدیث کی روایت ان سے ہے اور وہ ائمہ حدیث میں سے ایک امام ہیں۔

## اسناد عالی کی اقسام

ابن الصلاح سے لے کر سخاوی تک سب نے اسناد عالی کی پانچ اقسام بیان کی ہیں۔ (۱) حافظ عراقی نے لکھا ہے۔ ابو الفضل محمد بن طاہر نے ایک جز میں اس پر خصوصی گفتگو کی ہے۔ (۲) بنیادی طور پر دو مرکزی اقسام ہیں۔ ایک کا تعلق واسطوں کی تعداد سے اور دوسری کا صفتِ علو سے۔

روایت بہ نسبت قرب من الرسول ﷺ

پہلی قسم وہ ہے جس کا تعلق حضور اکرم ﷺ کے ساتھ قرب کا ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

اولها: القرب من رسول الله ﷺ باسناد نظيف غير ضعيف (۳)

پہلی قسم جو نبی کریم ﷺ کے قریب ہے اور جس کی سند صاف ستھری اور غیر ضعیف ہے۔

امام نووی کہتے ہیں:

ابن الصلاح، ۲۵۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۸۲، ۲۸۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۹۷  
فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۹۷؛ ڈاکٹر نور الدین عتر نے محمد بن طاہر کی کتاب العلو والنزول کا حوالہ دیا ہے۔  
منہج السنہ، ۳۵۸

ابن الصلاح، ۲۵۶؛ المقنع، ۲ / ۲۲۲

اجلها القرب من رسول الله باسناد صحيح نظيف (۱)  
 سب سے بڑی وہ ہے جو صحیح اور صاف ستھری سند کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے قریب ہے۔  
 حافظ عراقی لکھتے ہیں:

القسم الأول القرب من رسول الله من حيث العدد باسناد نظيف غير  
 ضعيف. فاما اذا كان قرب الاسناد مع ضعف بعض الرواة فلا التفات  
 الي هذا العلو (۲)

پہلی قسم وہ ہے جو تعداد کے لحاظ سے حضور اکرم ﷺ کے قریب ہو اور اس کی سند صاف  
 ستھری ہو اور ضعیف نہ ہو اور اگر یہ قرب ضعف کے ساتھ ہو تو پھر اس علو کی طرف توجہ نہیں کی  
 جائے گی۔

ان سب حضرات نے قرب کے ساتھ سند کے نظیف اور صحیح ہونے کی شرط بھی لگائی ہے۔ حافظ ابن حجر بنیادی  
 طور پر دو اقسام کا ذکر کرتے ہوئے علو مطلق اور علو نسبی کی بات کرتے ہیں۔ وہ نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں:

فان قل عدده فاما ان ينتهي إلى النبي ﷺ أو إلى إمام ذي صفة عليّة  
 كشعبة فالأول: العلو المطلق والثاني النسبي. (۳)

شرح نخبۃ میں وہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:  
 فالاول وهو ما ينتهي إلى النبي ﷺ العلو المطلق. فان اتفق ان يكون  
 سنده صحيحا كان الغاية القصوى، الا فصورة العلو فيه موجودة مالم  
 يكن موضوعاً فهو كالعدم. (۴)

پہلی علو مطلق ہے جس کی سند نبی ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اگر اس پر اتفاق ہو کہ سند صحیح ہے تو یہی  
 مقصود اعلیٰ ہے ورنہ حدیث میں علو کی صورت موجود رہے گی جب تک وہ موضوع نہ ہو۔ اگر  
 روایت موضوع ہے تو وہ کالعدم ہے۔

اگر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ امام حاکم سے حافظ ابن حجر تک نقطہ نظر کا کچھ فرق آیا ہے۔ امام حاکم تعداد  
 کے بجائے صحت کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ ابن الصلاح سے عراقی تک قرب کے ساتھ صحت کی بات کی گئی ہے۔

۱- تقریب مع تدریب، ۳۶۰؛ ابن اسحاق بھی اس کو اجل انواع العلو کہتے ہیں۔ الشذ الفیاح، ۲۹۲

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۹۸؛ الشذ الفیاح، ۲۹۲

۳- نخبۃ الفکر مع نزہۃ النظر، ۶۰

۴- ایضاً، ۶۰

حافظ ابن حجر ضعف کے بجائے وضع کی بات کرتے ہیں ان کے نزدیک اگر حدیث موضوع نہیں ہے تو قلت تعداد کی وجہ سے اس کے علو کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

علو مطلق سب سے افضل اور علو کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ محمد بن اسلم الطوسی الزاہد (۱) کا قول ہے:

قرب الاسناد قرب أو قرباً إلى الله. (۲)

اسناد کا قریبی ہونا اللہ کے نزدیک ہونا ہے۔

علماء نے اس قسم پر کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں مشہور وہ ہیں جو ثلاثیات پر لکھی گئی ہیں جیسے ثلاثیات مسند اور

ثلاثیات بخاری وغیرہ۔ مثلاً مسند کی ثلاثیات میں مندرجہ ذیل حدیث:

قال الامام احمد: حدثنا سفیان، قال: قلت لعمر و اسمعت جابراً يقول:

مرّ رجل فی المسجد معه سهام فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

امسک بنصلها؟ قال: نعم (۳)

امام احمد کہتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا کہ میں نے عمرو سے کہا: میں نے جابر کو کہتے

سنا کہ ایک شخص مسجد میں سے گزرا، اس کے پاس تیر تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو

کہا کیا میں اس کے سرے کو پکڑ سکتا ہوں؟ اس نے کہا: ہاں

امام بخاری کی ثلاثیات میں سے مندرجہ ذیل حدیث بیان کی جاسکتی ہے۔

حدثنا مکی ابن ابراہیم، قال حدثنا یزید بن عیید عن سلمة، قال: سمعت النبی

صلی اللہ علیہ وسلم يقول: من یقل علی مالم أقل فلیتبا مقعده من النار. (۴)

بخاری کہتے ہیں کہ ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ان سے یزید بن عبید

نے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا کہ جس شخص نے میری

طرف سے ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو اسے اپنا ٹھکانہ آگ میں بنانا چاہیے۔

اس علو کو بعض جھوٹے لوگوں نے اپنے کذب کی ترویج کے لیے ایک وسیلہ کے طور پر بھی استعمال کیا جیسے رتن

۱- ابوالحسن محمد بن اسلم الطوسی (م ۲۳۲ھ) الامام الربانی الزاہد صاحب المسند والاربعین۔ یزید بن ہارون و یعلیٰ بن عبید اللہ اور

اس کے بھائی محمد جعفر بن عون اور عبید اللہ بن موسیٰ المقری سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ کا شمار ثقہ حفاظ اور اولیاء ابدال میں ہوتا

تھا۔ ذہبی نے تاریخ اسلام میں ان پر مفصل لکھا ہے۔ اسلخت کہتے ہیں کہ میں نے پچاس برسوں میں ان سے بڑا امام نہیں سنا۔

حلیۃ الاولیاء، ۹/۲۵۰ - ۲۲۶

۲- ابن الصلاح، ۲۵۶، فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۹۷؛ الشذال فیاح، ۲۹۲؛ المقنع، ۲/۳۲۲

۳- ثلاثیات المسند، ۱/۲۶۳

۴- ثلاثیات البخاری، ۳؛ الثلاثیات فی الحدیث النبوی، ۷۱-۷۲

ہندی، بعض نے صحابہ سے سماع کا جھوٹا دعویٰ کیا جیسے ابراہیم بن ہدبہ دینار بن عبداللہ اور ابوالدینا الاشجعی وغیرہم۔ محدثین نے ان پر اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ ان سے روایت ناجائز قرار دی گئی۔

## روایۃ بقرب من الامام

دوسری قسم وہ ہے جس کا ذکر امام حاکم نے کیا ہے۔ امام حاکم لکھتے ہیں:

و كذلك كل اسناد يقرب من الامام المذكور فيه فاذا صحت الرواية

الى ذلك الامام بالعدد اليسير فانه عالي. (۱)

اسی طرح ہر سند جو اس میں مندرج امام کے قریب ہے وہ سند عالی ہوگی بشرطیکہ کم سے کم تعداد کے ساتھ اس امام سے صحیح روایت ہو۔

حافظ ابن الصلاح امام حاکم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

القرب من امام من ائمة الحديث و ان كثر العدد من ذلك الامام الى

رسول الله ﷺ فاذا وجد ذلك في اسناد وُصف بالعلو نظراً الى قرينة

من ذلك الامام و ان لم يكن عالياً بالنسبة الى رسول الله ﷺ (۲)

ائمہ حدیث میں سے کسی امام کا قرب ہوا اگرچہ اس امام سے حضور اکرم ﷺ تک تعداد کثیر ہو جائے۔ اگر اسناد میں یہ خصوصیت موجود ہو تو اسے امام سے قربت کی وجہ سے علو سے متصف کیا جائے گا۔ گو وہ حضور اکرم ﷺ کی نسبت سے عالی نہ ہو۔

حافظ عراقی اس قسم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والقسم الثاني من اقسام العلو القرب الى امام من ائمة الحديث

كالاعمش و هشيم و ابن جريج و الاوزاعي و مالك و سفیان و زهير

و حماد بن زيد و اسماعيل بن عليه و غيرهم من ائمة الحديث. (۳)

علو کی اقسام میں دوسری قسم وہ ہے جس میں ائمہ حدیث میں سے کسی امام سے قرب ہو مثلاً اعمش،

ہشیم، ابن جریج، اوزاعی، مالک، سفیان، شعبہ، زہیر، ہمام، بن زید اور اسماعیل بن علیہ وغیرہ۔

حافظ عراقی امام حاکم کی رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكلام الحاكم يشير الى ترجيح هذا القسم على غيره وانه المفصود

۱- معرفة علوم الحديث ، ۱۱: توجيه النظر ، ۱۶۳؛ الشذائعي ، ۲۹۲

۲- ابن الصلاح ، ۲۵۷؛ الشذائعي ، ۲۹۲

۳- فتح المغيب للعراقي ، ۳ / ۲۹۸-۲۹۹؛ الشذائعي ، ۲۹۵



من العلو و انما يوصف بالعلو اذا صح الاسناد الى ذلك الامام بالعدد

اليسير كما صرح به الحاكم و هو كذلك. (۱)

اور حاکم کے کلام سے اس قسم کو دوسری اقسام پر ترجیح حاصل ہونے کا اشارہ ملتا ہے اور یہی علو سے مقصود ہے۔ حدیث علو سے اس وقت متصف ہوگی جب اس امام تک اسناد صحیح ہو، کم سے کم تعداد ہو جیسا کہ امام حاکم نے تصریح کی ہے اور ایسا ہی ہے۔

عراقی کے علی الرغم ابن الصلاح حاکم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و کلام الحاكم يوهم أن القرب من رسول الله ﷺ لا يعد من العلو

المطلوب اصلاً. وهذا غلط من قائله لأن القرب منه ﷺ باسناد

نظيف غير ضعيف أولى بذلك ولا ينازع في هذا من له مسكة من

معرفة، و كان الحاكم أراد بكلامه ذلك اثبات العلو للاسناد بقربة

من إمام وان لم يكن قريباً إلى رسول الله ﷺ. (۲)

حاکم کے کلام سے اشارہ ملتا ہے کہ سند میں رسول اللہ سے قرب مطلوبہ علو میں بالکل شمار نہیں

ہوتا اور یہ کہنے والے کی غلطی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ سے قرب جو صاف ستھرے اسناد

سے بغیر کسی ضعف سے حاصل ہوتا ہے وہ امام کے قرب سے بہتر ہے۔ اور جس شخص کو تھوڑی

سی بھی معرفت ہے وہ اس سے اختلاف نہیں کرے گا۔ اور حاکم اس بات سے امام کی قربت

سے اسناد عالی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں خواہ اسے حضور اکرم ﷺ کا قرب حاصل نہ ہو۔

حافظ ابن حجر سے علونسی کہتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والثاني العلو النسبي و هو ما يقل العدد فيه إلى ذلك الامام ولو كان

العدد من ذلك الإمام إلى منتهاه كثيراً۔ (۳)

دوسری قسم علونسی ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کی سند میں امام حدیث تک راویوں کی تعداد کم

ہوگا اس امام سے آخر سند تک یہ تعداد زیادہ ہو جائے۔

علونسی کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وقد عظمت رغبة المتأخرين فيه، حتى غلب ذلك على كثير منهم

فتح المغيث للعراقي، ۲۹۹/۳

ابن الصلاح، ۲۵۷؛ الشذا لفياح، ۲۹۲

نزهة النظر، ۶۰

بحيث اهملوا الاشتغال بما هو اهم منه. وانما كان ذلك العلو مرغوباً فيه، لكونه اقرب الى الصحة و قلة الخطأ، لانه ما من راوٍ من رجال الاسناد الا والخطأ جائز عليه. فلما كثرت الوسائط و طال السند كثرت مظان التجويز، و كلما قلت قلت. فان كان في النزول مزية ليست في العلو كان تكون رجاله اوثق منه أو أحفظ أو أفقه، أو الاتصال فيه اظهر، فلا تردد في أن النزول حينئذ اولی. و اما من رجح النزول مطلقاً، واحتج بأن كثرة البحث تقتضى المشقة فيعظم له الاجر -

فذلك ترجیح بامر اجنبی عما يتعلق بالتصحیح والتضعیف - (۱)

عالی اسناد حاصل کرنے کا متاخرین کو اس قدر شغف تھا کہ اس کی دھن میں جو امور اس سے بھی زیادہ اہم تھے ان کو اکثر نے نظر انداز کر دیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ عالی اسناد اقرب الی الصحت اور قلیل الخطا ہوتی ہے کیونکہ اسناد کے ہر ایک راوی میں خطا کا احتمال ہوتا ہے بنا بریں جس قدر راوی زیادہ ہوں گے اسی قدر خطا کا احتمال زیادہ ہوگا اور جس قدر راوی کم ہوں گے خطا کے احتمالات بھی کم ہوں گے تاہم اسناد نازل میں کوئی ایسی خصوصیت ہے جو عالی میں نہیں ہو سکتی ہے جیسے نازل کے رجال بہ نسبت عالی کے ثقاہت، حفظ یا ثقاہت میں زیادہ ہوں یا نازل کا اتصال بہ نسبت عالی زیادہ ظاہر ہو تو بلاشبہ اس صورت میں نازل عالی سے افضل ہوگی۔ گو بعض لوگوں نے نازل کو عموماً ترجیح دی ہے بایں دلیل کہ نازل کے چونکہ رجال زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ان پر غور و پرداخت کرنے میں زیادہ کدو کاوش کرنی پڑے گی اور جس قدر زیادہ کدو کاوش کی جائے گی اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا۔ لیکن اس ترجیح کا دارودار ایک ایسے امر پر ہے جس کا حدیث کی تصحیح و تضعیف سے کوئی تعلق نہیں۔

### علو بہ نسبت روایت صحیحین

حافظ ابن الصلاح کے نزدیک تیسری قسم وہ ہے جس کے علو کا تعلق صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی روایت کی نسبت کی وجہ سے ہے یا دیگر قابل اعتماد کتب حدیث کی نسبت سے ہو اور وہ اسے چار مختلف ناموں پر مشتمل قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

الثالث: العلو بالنسبة الى رواية الصحيحين أو أحدهما أو غيرهما من الكتب المعتمدة، وذلك ما اشتهر آخراً من الموافقات والابدال والمساواة والمصافحة. (۱)

سند عالی کی تیسری قسم وہ حدیث ہے جو صحیحین، ان میں سے ایک یا ان کے علاوہ دیگر قابل اعتماد کتابوں کی نسبت سے ہو اور یہ وہ قسم ہے جو بعد میں موافقات، ابدال، مساوات اور مصافحہ کے ناموں سے مشہور ہوئی۔

حافظ عراقی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والقسم الثالث العلو المقيد بالنسبة الى رواية الصحيحين وبقية الكتب الستة و سماه ابن دقيق العيد علو التنزيل ولم يذكر ابن طاهر هذا القسم وجعل القسم الثالث علو تقدم السماع و جمع بينه وبين قسم تقدم الوفاة فجعلهما قسماً واحداً (۲)

تیسری قسم وہ علو ہے جو صحیحین اور بقیہ چھ کتابوں کی نسبت سے مقید ہے۔ ابن دقیق العید نے اس کا نام علو التنزیل رکھا۔ ابن الطاہر نے اس قسم کا ذکر نہیں کیا ہے۔ انہوں نے تیسری قسم علو تقدم السماع قرار دی۔ اسے تقدم الوفاة کی قسم کو جمع کر کے ایک قسم بنا دیا۔

حافظ عراقی مزید لکھتے ہیں:

لكن هذا القسم يوخذ من كلام ابن طاهر في آخر الجزء المذكور وإن لم يذكره في الاقسام. (۳)

لیکن اسی قسم کو ابن طاہر کے کلام سے جو اس نے اس جزء کے آخر میں کیا ہے، اخذ کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس نے اقسام میں اسے ذکر نہیں کیا۔

یہ علو مطلق نہیں ہے بلکہ ان کتابوں کی نسبت سے ہے کیونکہ ایک راوی جب حدیث کو کتاب کے طریق سے دایت کرتا ہے گو اس نے اس طریق سے نزول کیا ہے اگر اس کے علاوہ روایت کرے۔ لیکن مطلق عالی بھی ہو سکتی ہے جسے ترمذی کی روایت جو ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے:

كان علي موسى يوم كلمه ربه كساء صوف و جبة صوف. (۴)

ابن الصلاح، ۲۵۸؛ المقنع، ۲/۲۲۲

فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۹۹

ایضاً، ۳/۲۹۹

ترمذی، السنن، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الصوف، ۳/۲۲۲۔ اسے نقل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جب موسیٰ اللہ سے ہم کلام ہوئے تو انھوں نے ان کا جبہ پہن رکھا تھا۔

حافظ عراقی کہتے ہیں: رواہ الترمذی عن علی بن حجر (۱) عن خلف بن خلیفة (۲) فلورویناہ من طریق الترمذی وقع بیننا و بین خلف تسعة فاذا رویناہ من جزء ابن عرفة (۳) وقع بیننا و بینہ سبعة بعلو درجتین فہذا مع کونہ علوا بالنسبة فهو ایضاً علو مطلق ولا يقع عن شیخہ بالسماع من الجزء المذكور و قول ابن الصلاح ان هذا النوع من العلو علو تابع لنزول محمول علی الغالب والا فہذا الحدیث عال للترمذی و عال لنا و لیس هو عالیاً بالنسبة فقط، و هذا النوع الذی يقع فیہ الموافقات والابدال و المساوات و المصافحات علی ماسیاتی بیانہا. (۴)

اس حدیث کو ترمذی نے علی بن حجر سے، انھوں نے خلف بن خلیفہ سے روایت کیا۔ اگر ہم اسے ترمذی کے طریقہ سے روایت کریں تو ہمارے بعد خلف کے درمیان نورادی ہیں اور اگر ہم جز ابن عرفہ سے روایت کریں ہمارے بعد اس کے درمیان سات واسطے بنتے ہیں اس

کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: هذا غریب لا نعرفہ الا من حدیث حمید الاعرج، و حمید ہر ابن علی الکوفی. قال سمعت محمداً یقول: حمید بن علی الاعرج منکر الحدیث۔ (۲۲۵/۳)

۱- علی بن حجر، ابوالحسن الروزی (م ۲۳۳ھ) پہلے بغداد میں رہے پھر مرو منتقل ہو گئے۔ اپنے والد، نیر خلف بن خلیفہ عیسیٰ بن یونس، ابن علیہ اور ابن المبارک جیسے جید اہل علم سے استفادہ کیا۔ ازاں بعد ان سے امام بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہم نے روایت کیا۔

تاریخ بغداد، ۱۱/ ۳۱۶ بعد؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۳۵۰؛ خلاصۃ تذهیب الکمال، ۲۷۲

۲- خلف بن خلیفہ بن صاعد الأشجعی بطریق ولاء (م ۱۸۱ھ یا ۱۷۱ھ) ابوالاحمد کوفہ میں رہے پھر واسط منتقل ہوئے اور وہاں ایک مدت رہنے کے بعد بغداد آ گئے اور وفات تک وہیں رہے۔ صحابی رسول عمرو بن حریش کو دیکھا اپنے والد سے اور انس بن مالک کے بھتیجے حفص، اسماعیل ابن ابی خالد، ابومالک الأشجعی اور مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے سر تاج بن نعمان، سعید بن منصور، داؤد ابن رشید، ابن ابی شیبہ، قتیبہ اور علی بن حجر وغیرہ نے روایت کی۔ عمرو بن حریش کی روایت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابن معین اور نسائی کا کہنا ہے۔ لا بأس بہ ابن ہار سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے۔ خلاصۃ تذهیب الکمال،

۲۷۸؛ الجرح، ۶/ ۴۰۷؛ سیر، ۸/ ۳۳۲

۳- الحسن ابن عرفہ، ابوعلی العبدی البغدادی المودب (م ۲۵۷ھ) انھوں نے ثوری کے بھانجے عمار بن محمد، عیسیٰ بن یونس، ابن المبارک، ابوبکر بن عیاش، ابن علیہ، خلف بن خلیفہ، مبارک بن سعید الثوری وغیرہم سے روایت کی اور ان سے ترمذی، ابن ماجہ نے روایت کی۔ نسائی نے ان سے بواسطہ زکریا الساجی روایت کی اور ابوبکر بن ابی الدنیا، ابو یعلیٰ، ابن ابی حاتم وغیرہ نے روایت کی۔ ابن معین کہتے ہیں۔ لیس بہ باس۔ کئی اور محدثین نے کہا: صدوق، نسائی نے بھی کہا: "لا بأس بہ"۔ تساریخ

بغداد، ۷/ ۳۹۳؛ شذرات، ۳/ ۱۳۶؛ سیر اعلام، ۱۱/ ۵۳۷

۴- فتح المعیث للعرفی، ۳/ ۲۹۹-۳۰۰؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۲۹۰

طرح یہ وہ درجہ عالی سند بنتی ہے اور علونسی کے ساتھ علو مطلق کی حامل بھی ہے اور آج کسی شخص کے پاس اس سے اعلیٰ حدیث نہیں ہے۔ اور ہمارے شیخ کے بعد خلف تک آخری راوی ہے جس نے اپنے شیخ سے اس جزء کی بطریق سماع روایت کی اور ابن الصلاح کا اسے تابع للنزول کہنا محمول علی الغالب ہے ورنہ یہ حدیث ترمذی کے ہاں بھی عالی اور ہمارے ہاں بھی عالی ہے اور یہ فقط نسبت کی وجہ سے عالی نہیں ہے۔ یہ وہ قسم ہے جس میں موافقات، ابدال، مساواة اور مصافحات واقع ہوتی ہیں۔

امام نووی تیسری قسم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الثالث: العلو بالنسبة إلى رواية أحد الكتب الخمسة أو غيرها من المعتمدة (۱) وهو ما كثر اعتناء المتأخرين به من الموافقة والابدال والمصافحة (۲)

تیسری قسم قابل اعتماد کتب خمسہ وغیرہ کی روایت کی طرف نسبت ہے۔ متاخرین کے ہاں موافقت، ابدال مساوات اور مصافحہ کی صورت میں بکثرت اعتنا پایا جاتا ہے۔

علامہ اصول حدیث نے اسناد عالی کی اقسام بیان کرتے ہوئے ان اقسام کا مسلسل ذکر تیسری قسم کے تحت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان اقسام کو علونسی کے تحت ذکر کیا ہے۔ (۳) انھوں نے موافقت، مساوات، بدل اور مصافحہ کو علونسی کے تحت ذکر کیا ہے۔

موافقة

ابن حجر لکھتے ہیں:

وهي الوصول الى شيخ احد المصنفين من غير طريقه اى الطريقة التي تصل الى ذلك المصنف المعين. (۴)

ابن الصلاح نے "الكتب المعتمدة المعروفة" کی اصطلاح استعمال کی (ابن الصلاح ۲۵۸) امام نووی نے "الكتب الخمسة او غيرها من الكتب المعتمدة" کا جملہ استعمال کیا (تقریب مع تدریب ۳۶۳) حافظ عراقی نے "الكتب الستة" لکھا (فتح المغیث ۳۰۰/۳) جب کہ حافظ ابن حجر نے اس قسم کا سرے سے ذکر نہیں کیا۔ ابن الملقن نے "الصحيحين او غيرهما من الكتب المعروفة المعتمدة" کہا (المقنع ۲/۴۲۲)

تدریب ۳۶۳

نرہ النظر ۶۰

ایضاً ۶۰

کسی مصنف کے شیخ تک ایسی سند پہنچانا جو اس معین مصنف کی سند سے مغائر ہو۔

حافظ ابن الصلاح موافقت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما الموافقة فهي ان يقع لك الحديث عن شيخ مسلم فيه مثلاً عالياً بعدد اقل من العدد الذي يقع لك به ذلك الحديث عن ذلك الشيخ اذا

رويته عن مسلم عنه (۱)

موافقت یہ ہے کہ ایک مسلم شیخ سے ایک حدیث اس طرح واقع ہو کہ وہ عالی ہو اور راویوں کی تعداد اس سے کم ہو جو اس شیخ سے مروی حدیث میں ہوں بشرطیکہ آپ نے اس مسلم شیخ سے روایت کی ہو۔

حافظ عراقی موافقت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالموافقة ان يروى الراوى حديثاً في أحد الكتب الستة باسناد لنفسه من غير طريقها بحيث يجتمع مع أهل السنة في شيخه مع علو هذا الطريق الذي رواه منه على ما لو رواه من طريق أحد الكتب الستة. (۲)

موافقت یہ ہے کہ راوی کتب ستہ میں سے کسی ایک حدیث کو اپنی سند سے اس طرح روایت کرے جو اس کتاب کی سند سے مختلف ہو اور مصنف کے شیخ سے ملا دے۔ اس کا طریق روایت کتب ستہ کی کتاب کی روایت سے عالی ہو۔

امام نووی اور ابن الملقن ابن الصلاح کی عبارت تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

والموافقة ان يقع لك حديث عن شيخ مسلم من غير جهة بعدد اقل من عددك إذا رويته عن مسلم عنه. (۳)

موافقت یہ ہے کہ تمہیں ایک حدیث شیخ مسلم سے ملے جو اس کے طریق سے نہ ہو اس کی تعداد بھی اس سے کم ہو اگر تم اس مسلم شیخ سے روایت کرو۔

ان تعریفات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن الصلاح کی تعریف گنجلک ہے۔ امام نووی نے اسے سہل کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظ عراقی کی تعریف زیادہ واضح اور حافظ ابن حجر کی مختصر اور واضح۔

حافظ عراقی نے اس کی مثال دی ہے فرماتے ہیں:

۱- ابن الصلاح، ۲۵۸؛ ابن الملقن، المقنع، ۲/ ۳۲۲-۳۲۳

۲- فتح المغيب للعراقي ۳/ ۳۰۰

۳- تقریب مع تدريب، ۳۶۳؛ المقنع، ۲/ ۳۲۲-۳۲۳



مثالہ حدیث رواہ البخاری (۱) عن محمد بن عبد اللہ الانصاری (۲)  
 عن حمید عن انس مرفوعاً (کتاب اللہ القصاص) فاذا روينا من جزء  
 الانصاری تقع موافقة للبخاری فی شیخہ مع علو درجۃ (۳)  
 اس کی مثال حدیث جسے بخاری نے مرفوعاً محمد بن عبد اللہ الانصاری سے انھوں نے حمید سے اور  
 انھوں نے انس سے روایت کی ہے کتاب القصاص۔ اگر ہم اسے جزء الانصاری سے  
 روایت کریں تو یہ بخاری کے لیے اپنے شیخ سے درجہ علو میں موافقت ہوگی۔  
 حافظ ابن حجر اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مثالہ: روی البخاری عن قتیبۃ (۴) عن مالک حدیثاً. فلو روينا من  
 طریقہ کان بینا و بین قتیبۃ ثمانیۃ ولوروينا ذلك الحدیث بعینہ من طریق  
 ابی العباس سراج (۵) عن قتیبۃ مثلاً لکان بینا و بین قتیبۃ فیہ سبعة  
 فقد حصلت لنا الموافقة مع البخاری فی شیخہ بعینہ مع علو الإسناد  
 علی الإسناد إلیہ. (۶)

مثلاً ایک حدیث کی اسناد بخاری تک پہنچتی ہے اور بخاری نے قتیبہ سے اور قتیبہ نے مالک  
 سے روایت کی پس اگر اس اسناد سے حدیث مذکور کی روایت کی جائے گی تو قتیبہ تک اس

بخاری، الجامع، کتاب التفسیر، ۵ / ۱۵۳؛ ایضاً، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدیۃ، ۳ / ۱۶۹:  
 حدثنا محمد بن عبد اللہ الانصاری قال: حدثنی حمید أن أنساً حدثهم أن الربیع. وهی ابنة النضر.  
 كسرت ثنية جارية، فطلبوا الارش و طلبوا العفو فأبوا، فأتوا النبي ﷺ فأمرهم بالقصاص فقال أنس  
 ابن النبصر: أتكسر ثنية الربيع يا رسول الله؟ لا والذي بعثك بالحق لا تكسر ثنتها، فقال: يا انس  
 كتاب الله القصاص فرضى القوم. وعفوا فقال النبي ﷺ ان من عباد الله من لو أقسم على الله لأبره.  
 محمد بن عبد اللہ الانصاری ابو عبد اللہ البصری القاضی (م ۲۱۴ھ)۔ انھوں نے اپنے والد، سلیمان التیمی حمید الطویل، ابن جریج اور  
 سعید بن ابی عمرو وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے روایت کی۔ یحییٰ بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا۔ ابو حاتم نے  
 ”صدوق“ کہا اور ایک مرتبہ کہا میں تین ائمہ کے سوا کسی کو نہیں مانتا۔ یعنی احمد بن حنبل، سلیمان بن داؤد الهاشمی اور محمد بن عبد اللہ  
 الانصاری۔ طبقات ابن سعد، ۷ / ۲۹۳؛ تاریخ بغداد، ۵ / ۳۰۸؛ شذرات، ۲ / ۳۵؛ سیر اعلام، ۹ / ۵۳۲

فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۰

قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف بن عبد اللہ ثقفی مولاہم ابورجاہ (م ۲۳۰ھ) مالک، لیث اور ابن لہیعہ وغیرہ سے روایت کیا  
 اور ان سے بخاری اور مسلم نے روایت کی۔ الفرہبانی کہتے ہیں کہ وہ ”صدوق“ تھے۔ حاکم کے بقول ”ثقة مامون“ تھے۔  
 تہذیب التہذیب، ۸ / ۳۵۰-۳۶۱؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲ / ۳۳۳؛ سیر اعلام، ۱۱ / ۱۳

ابو العباس محمد بن اسحاق السراج انیساپوری (م ۳۱۳ھ) اپنے وقت کے اجل علماء میں سے تھے۔ صاحب تصانیف تھے۔ ثقہ محدث  
 تھے اور زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ الجرح، ۳ / ۱۹۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲ / ۷۳۱؛ سیر اعلام، ۱۳ / ۳۸۸ و یبعد

نزہۃ النظر، ۶۰



کے آٹھ رجال ہوں گے۔ اگر وہی حدیث ابو العباس سراج عن قتیبہ سے روایت کریں تو قتیبہ تک اس کے رجال سات ہونگے۔ اس سند کے رجال پہلی سند سے کم ہیں۔ اور یہ سند بخاری کی اسناد کے ساتھ قتیبہ میں جو بخاری کے شیخ ہیں جا کے مل گئی۔ اس لیے علو کے ساتھ اس اسناد میں موافقت پائی جائے گی۔

بدل

حافظ ابن الصلاح بدل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما البدل فمثل أن يقع لك مثل هذا العلو عن شيخ غير شيخ مسلم  
هو مثل شيخ مسلم في ذلك الحديث. (۱)  
بدل یہ ہے کہ ایک حدیث ایسے ہی علو کے ساتھ شیخ مسلم کے علاوہ کسی شیخ سے مروی ہو اور وہ اس حدیث میں شیخ مسلم کی طرح ہو۔

امام نووی کے الفاظ میں:

والبدل أن يقع هذا العلو عن مثل شيخ مسلم. (۲)  
اور بدل یہ ہے کہ حدیث اس علو کے ساتھ شیخ مسلم جیسے اور شیخ سے مروی ہو۔

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

وأما البدل فهو أن يقع توافقاً في شيخ شيخه مع العلو أيضاً - (۳)  
ومثاله حديث ابن مسعود الذي رواه الترمذي وقد تقدم (۴)  
اور جہاں تک بدل کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ اس کے شیخ کے شیخ سے علو کے ساتھ توافق ہو۔  
اور اس کی مثال ابن مسعود کی حدیث ہے جسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

البدل وهو الوصول إلى شيخ شيخه كذلك. كان يقع لنا ذلك بعينه من  
طريق أخرى إلى القعبي عن مالك فيكون القعبي بدلاً من قتيبة (۵)

۱- ابن الصلاح، ۲۵۸-۲۵۹؛ المقنع، ۲/۲۲۳

۲- تقریب مع تدریب، ۳۶۳

۳- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۰

۴- ترمذی، السنن، کتاب اللباس، ماجاء فی لبس الصوف، ۳/۲۲۳

۵- نزہة النظر، ۶۱

بدل یہ ہے کہ کسی مصنف کے شیخ الشیخ کے علو کے ساتھ ملا دی جائے۔ مثلاً یہی حدیث ایک اور طریق سے القحطی عن مانک سے مروی ہو سوتی ہے۔

تبعنی بخاری کے شیخ الشیخ ہیں روایت کی یہ سند ان کے ساتھ مل گئی ہے۔ چونکہ اس اسناد میں قتیبہ کی جگہ پر تعنبی مع ہیں لہذا اس میں علو کے ساتھ بدل بھی پایا جائے گا۔ اس کو موافقہ بھی کہتے ہیں۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

وقد يرد البديل الى الموافقة فيقال فيما ذكرناه انه موافقة عالية في شيخ شيخ مسلم ولولم يكن ذلك عالياً فهو ايضاً موافقة و بدل لكن لا يطلق عليه اسم الموافقة و البديل لعدم الالتفات اليه. (۱)

کبھی بدل کا اطلاق موافقہ پر بھی ہوتا ہے لہذا یہ کہا جاتا ہے کہ یہ موافقہ عالیہ شیخ مسلم کے شیخ میں واقع ہوئی ہے اور اگر سند عالی نہ ہو تو بھی موافقہ اور بدل واقع ہوتے ہیں لیکن اس کے لیے موافقت اور بدل کے نام کا اطلاق نہیں ہوتا بہ سبب عدم التفات کے۔ امام نووی نے عبارت کو نکھارا۔ وہ لکھتے ہیں:

وقد يسمى هذا موافقة بالنسبة الى شيخ شيخ مسلم. (۲)  
اور کبھی اسے موافقت بھی کہا جاتا ہے بوجہ اس نسبت کے جو اسے شیخ مسلم کے شیخ سے ہوتی ہے۔ حافظ عراقی اس موافقت کو موافقت مقیدہ کہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

وقد يسمونه موافقة مقيدة فيقال: هو موافقة في شيخ شيخ الترمذي مثلاً (۳)  
اور کبھی اسے موافقہ مقیدہ کا نام بھی دیا جاتا ہے سو مثال کے طور پر یہ کہا گیا: وہ شیخ الترمذی کے شیخ۔ بہ موافقت ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے کہا تھا کہ سند عالی نہ ہو تو بھی وہ موافقت اور بدل ہوگی تاہم اس پر موافقت و بدل کے کا اطلاق نہیں کیا جائے گا بوجہ عدم التفات کے۔ حافظ عراقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: و في كلام غيره من المخرجين اطلاق اسم الموافقة والبديل مع عدم العلو. فان علا قالوا موافقة عالية او بدلاً عالياً كذا رأيت في كلام الشيخ جمال الدين الظاهري وغيره. ورايت في كلام الظاهري والذهبي

ابن الصلاح، ۲۵۹

تقريب مع تدريب، ۳۶۳؛ المقنع، ۲ / ۲۲۲

فتح المغيب للعراقي، ۳ / ۳۰۰

فوافقناه بنزول فسمياه مع النزول موافقة و لكن مقيدة بالنزول كما  
قيدها غيرهما بالعلو (۱).

میں کہتا ہوں: ابن الصلاح کے علاوہ دوسرے تخریج کرنے والوں کے کلام میں سند عالی کے  
بغیر موافقت اور بدل کے نام کا اطلاق کیا گیا ہے اور اگر سند عالی ہو تو اسے موافقہ عالیہ یا بدل  
عالی کہا جائے گا۔ اور میں نے شیخ جمال الدین الظاہری وغیرہ کے کلام میں ایسا ہی دیکھا اور  
میں نے ظاہری اور ذہبی کے کلام میں دیکھا تو ہم نے اسے نزول کہنے میں ان سے موافقت  
کی۔ ان دونوں نے اسے موافقہ مع النزول کہا جیسے دوسرے لوگوں نے علو کے ساتھ مقید کیا۔

## مساوات

مساوات سے مراد یہ ہے کہ ایک حدیث جو دوسری سے عالی تھی روایت کی گئی اور کسی مصنف کی اس حدیث  
کی سند کے رجال کی تعداد اس کے برابر ہو۔ حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما المساواة فهي في أعصارنا ان يقل العدد في اسنادك لآلى  
شيخ مسلم و أمثاله ولا إلى شيخ شيخه بل إلى من هو أبعد من ذلك  
كالصحابي أو من قاربه، وربما كان إلى رسول الله ﷺ بحيث يقع  
بينك و بين الصحابي مثلاً من العدد مثل ما وقع من العدد بين مسلم  
و بين ذلك الصحابي فتكون بذلك مساوياً لمسلم مثلاً في قرب  
الاسناد و عدد رجاله. (۲)

اور جہاں تک مساوات کا تعلق ہے تو ہمارے زمانے میں یہ ہے کہ تمہاری سند میں رجال کی  
تعداد کم ہو۔ اور یہ شیخ مسلم یا اس جیسے اشخاص تک کی بات نہیں اور نہ ہی شیخ الشیخ تک کے  
رجال کی بات ہے بلکہ اس سے دور صحابی یا اس کے قریب کے لوگوں تک بلکہ بعض اوقات  
رسول اللہ ﷺ تک بھی شامل ہیں۔ یہ تعداد مثلاً آپ کے صحابی کے درمیان اتنی واقع ہو جتنی  
مسلم اور اس صحابی کے درمیان ہے تو یہ سند قرب اسناد اور رجال کی تعداد کے لحاظ سے مسلم  
کے مساوی ہوگی۔

امام نووی نے حسب معمول ابن الصلاح کی عبارت کو آسان بنایا۔ وہ لکھتے ہیں:

۱- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۰۰-۳۰۱: مقابلہ کیجیے: ابن الصلاح، ۲۵۹

۲- ابن الصلاح، ۲۵۹

والمساواة في أعصارنا قلة عدد اسنادك إلى الصحابي أو من قاربه  
بحيث يقع بينك و بين صحابي مثلاً من العدد مثل ما وقع بين مسلم  
وبينه (۱).

اور ہمارے زمانے میں مساوات کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اسناد جو صحابی یا اس کے قریب  
شخص تک پہنچتی ہے اس میں مثال کے طور پر رجال کی کم تعداد جو تمہارے اور صحابی کے  
درمیان واقع ہے وہ اس تعداد جیسی ہو جو مسلم اور صحابی کے درمیان واقع ہے۔  
حافظ عراقی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما المساواة فهو أن يكون بين الراوي و بين الصحابي أو من قبل  
الصحابي إلى شيخ أحد الستة و بين ذلك الصحابي أو من قبله على  
ما ذكرنا و يكون بينه و بين النبي ﷺ كما بين أحد الائمة الستة و بين  
النبي ﷺ من العدد. وهذا كله كان يوجد قديما و اما اليوم فلا توجد  
المساواة الا ان يكون عدد ما بين الراوي الآن و بين النبي ﷺ كعدد  
ما بين أحد الائمة الستة و بين النبي ﷺ. (۲)

مساوات یہ ہے کہ راوی اور صحابی یا صحابی سے ائمہ ستہ کے شیوخ تک اور اس صحابی یا اس  
سے پہلے تک جیسا ذکر کیا گیا ہے۔ یا اس کے درمیان اور نبی ﷺ کے درمیان جیسا کہ ائمہ  
ستہ میں سے کسی ایک اور نبی ﷺ کے درمیان رجال کی تعداد ویسی ہو۔ یہ سب کچھ قدیم  
زمانے میں تھا جہاں تک آج کے دور کا تعلق ہے تو اس میں مساوات نہیں پائی جاتی الا یہ کہ  
اب ایک راوی اور نبی ﷺ کے درمیان اتنی تعداد ہو جتنی ائمہ ستہ میں سے کسی ایک اور نبی  
ﷺ کے درمیان ہو۔

حافظ ابن حجر مساوات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المساواة: وهي استواء عدد الإسناد من الراوي الى آخره أي الإسناد  
مع إسناد أحد المصنفين. (۳)

مساواة یہ ہے کہ ایک راوی کے اسناد میں رجال کی تعداد آخر سند تک مصنفین کتب حدیث  
میں سے کسی ایک کی سند کی تعداد کے برابر ہو۔  
حافظ ابن حجر اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

تقریب مع تدریب ، ۳۶۴

فتح المغیث للعراقی ، ۳۰۱/۳

نزهة النظر ، ۶۱

كان يروى النسائي مثلاً حديثاً يقع بينه وبين النبي ﷺ فيه احد عشر نفساً، فيقع لنا ذلك الحديث بعينه آخر باسناد الى النبي ﷺ يقع بيننا فيه وبين النبي ﷺ احد عشر نفساً فتساوى النسائي من حيث العدد مع قطع النظر من ملاحظة ذلك الاسناد الخاص. (۱)

گویا ایک حدیث کو جس طرح نسائی نے ایک اسناد سے روایت کیا ہم نے بھی ایک عالی اسناد سے اس کو روایت کیا ہے۔ جس طرح نسائی اور آنحضرت ﷺ کے درمیان گیارہ رجال ہیں اسی طرح ہمارے بعد آنحضرت کے درمیان گیارہ ہی رجال ہیں چونکہ یہ اسناد نسائی کے اسناد کے ساتھ مساوی ہے، لہذا اس میں مساوات پائی گئی۔

حافظ عراقی نے اس کی مثال دیتے ہوئے لکھا ہے:

و مثال المساواة لشيوخنا حديث النهي عن نكاح المتعة. (۲) أخبرنا به محمد بن اسماعيل بن عبدالعزيز قال أنا عبدالعزيز بن عبد المنعم الحراني قال أنبأنا أسعد بن سعيد بن روح و عفيفة بنت أحمد الفارقانية و اللفظ لها قالوا أخبرتنا فاطمة بنت عبد الله الجوز ذانية قالت: أخبرنا أبو بكر بن زيدة قال أخبرنا سليمان بن أحمد الطبراني قال حدثنا أبو الزنباغ روح بن الفرج حدثنا يحيى بن بكير حدثني الليث قال الطبراني و ثنا يوسف القاضي ثنا أبو الوليد الطيالسي ثنا ليث بن سعد حدثني الربيع بن سبرة الجهني عن أبيه سبرة انه قال "أذن لنا رسول الله بالمتعة" الحديث و فيه: ثم ان رسول الله قال: (من كان عنده شيء من هذه النساء اللاتي يتمتع بهن فليخل سبيلها) واللفظ لحديث يحيى بن بكير هذا حديث صحيح أخرجه مسلم (۳) و النسائي (۴) عن قتيبة عن الليث فوقع لنا بدلاً لهما عالياً من حديثه وورد حديث

۱- نزہة النظر، ۶۱

۲- بخاری، الجامع، کتاب النکاح، باب تحریم المتعة، ۲۰۹/۶

۳- مسلم، الجامع، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة، ۳/۱۳۱؛ حدیث، ۳۳۱۹

۴- نسائی، السنن، کتاب النکاح، باب تحریم المتعة، ۶/۱۲۷؛ حدیث، ۲۳۷۹

النهي عن نكاح المتعة من حديث جماعة من الصحابة منهم علي بن  
 ابي طالب وهو متفق عليه من حديثه من طريق مالك، رقدرواه  
 النسائي في جمعه لحديث مالك عن زكريا ابن يحيى خياط السنة عن  
 ابراهيم بن عبدالله الهروي عن سعيد بن محبوب عن عثر بن القاسم  
 عن سفیان الثوري عن مالك عن ابن شهاب عن عبدالله والحسن ابني  
 محمد بن علي بن أبيهما عن علي. فباستبار هذا العدد كان شيخنا  
 ساوي فيه النسائي و كآني لقيت النسائي وصا فحته به ولله الحمد (۱)

اور ہمارے شیوخ کے ساتھ مساوات کی نکاح متعہ سے ممانعت کی حدیث ہے۔ ہمیں محمد بن  
 اسماعیل بن عبدالعزیز نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ مجھے عبدالعزیز بن عبدالمنعم الحرانی نے خبر دی  
 وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسعد بن سعید بن روح اور عقیفہ بنت احمد الفارقانیہ نے خبر دی اور الفاظ  
 اس خاتون کے ہیں انھوں نے کہا کہ ہمیں فاطمہ بنت عبداللہ الجوزدانیہ نے خبر دی۔ وہ کہتی  
 ہیں کہ ہمیں ابوبکر بن زیدہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ سلیمان بن احمد الطبرانی نے خبر دی۔ وہ  
 کہتے ہیں کہ ہم سے ابوالزبایغ روح بن الفرج نے حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے  
 یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں مجھ سے لیث نے حدیث بیان کی۔ طبرانی  
 کہتے ہیں کہ ہم سے یوسف القاضی نے بیان کیا انھوں نے کہا کہ ہم سے ابوالولید الطیالسی  
 نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے الربیع  
 بن سبرہ الجبلی نے اپنے والد سے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ نے ہمیں متعہ کی  
 اجازت دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس کوئی ایسی عورت سے جس  
 سے متعہ کیا اسے فارغ کر دیا جائے اور اس حدیث کے الفاظ یحییٰ بن بکیر کے ہیں۔ یہ صحیح  
 حدیث ہے جسے مسلم اور نسائی نے ترمذیہ بن لیث سے تخریج کی ہے سو ہمیں ان دونوں کا بدل  
 بسند عالی میسر ہے اور نکاح متعہ کی ممانعت پر وارد حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت  
 کیا ہے ان میں علی بن ابی طالب بھی ہیں۔ ان کی یہ حدیث بہ روایت مالک متفق علیہ ہے اور  
 نسائی نے یہ حدیث مالک بذریعہ زکریا بن یحییٰ خياط السنة، ابراهيم بن عبداللہ الهروي سے وہ  
 سعید بن محبوب سے اور وہ عبقر بن القاسم سے وہ سفیان ثوری سے وہ مالک سے وہ ابن شہاب

سے اور وہ عبداللہ اور حسن بن محمد بن علی سے اور وہ اپنے والد علی سے روایت کرتے ہیں۔ اس تعداد کے اعتبار سے ہمارے شیخ نسائی کے مساوی ہیں۔ ایسے لگا کہ میں نسائی سے ملا ہوں اور ان سے مصافحہ کیا ہے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

## المصافحہ

مصافحہ کے معنی ہاتھ ملانے کے ہیں جب کوئی شاگرد اپنے استا کی سند میں برابر ہو تو گویا اس نے اپنے سے مصافحہ کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما المصافحة: فهي أن تقع هذه المساوات التي و صفناها

لشيخك لا لك فيقع ذلك لك مصافحة إذ تكون كانك

لقت مسلما في ذلك الحديث و صافحته به لكونك قد لقت

شيخك المساوي لمسلم. فإن كانت المساواة لشيخك

كانت المصافحة لشيخك، فتقول كأن شيخك مسلما

وصافحه. وإن كانت المساواة لشيخك فالمصافحة

لشيخك فتقول فيها: كأن شيخك مسلما وصافحه.

ولك ان لا تذكر لك في ذلك نسبة، بل تقول: كان فلانا سمعه

من مسلم، من غير ان تقول فيه "شيخك" او "شيخك". (۱)

اور مصافحہ یہ ہے کہ مساوات جسے ہم بیان کر آئے ہیں آپ کے لیے نہیں، آپ کے شیخ کے

لیے واقع ہو تو تمہارے لیے مصافحہ کے وقوع کی طرح ہے گویا تو اس حدیث میں مسلم سے ملا

ہے اور اس سے مصافحہ کیا ہے کیونکہ اپنے شیخ سے ملا ہے جو مسلم کے مساوی ہے۔ پھر اگر یہ

مساوات آپ کے شیخ کے شیخ سے ہو تو یہ مصافحہ آپ کے شیخ کے لیے ہوگا۔ سو تم کہہ سکتے ہو کہ

گویا میرے شیخ نے مسلم کو سنا اور اس سے مصافحہ کیا۔ اور اگر مساوات تمہارے شیخ کے شیخ کے شیخ

سے ہو تو مصافحہ تمہارے شیخ کے شیخ کا ہوگا۔ سو تم کہہ سکتے ہو کہ گویا میرے شیخ نے مسلم

سے سنا اور مصافحہ کیا۔ تمہارے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ تم اس میں نسبت کا ذکر نہ کرو بلکہ کہو کہ گویا

فلاں شخص نے مسلم سے سنا، بجائے اس کے کہ یہ کہو کہ میرے شیخ یا میرے شیخ کے شیخ نے سنا۔



امام نوویؒ، حافظ ابن الصلاحؒ کی عبارت کو مختصر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

والمصافحة ان تقع هذه المساواة لشيخك، فيكون لك مصافحة  
كانك صافحت مسلماً فآخذته عنه، فان كانت المساواة لشيخ  
شيخك كانت المصافحة لشيخك وان كانت المساواة لشيخ  
شيخك فالمصافحة لشيخ شيخك- (۱)

اور مصافحہ یہ ہے کہ یہ مساواة آپ کے شیخ سے واقع ہو تو یہ تمہارے لیے مصافحہ ہوگی گویا تم  
نے مسلم سے مصافحہ کیا اور ان سے اخذ کیا۔ اور اگر یہ مساوات آپ کے شیخ کے شیخ سے ہو تو  
مصافحت تمہارے شیخ کی ہوگی اور اگر مساوات آپ کے شیخ کے شیخ سے ہو تو یہ مصافحت آپ  
کے شیخ کے شیخ کی ہوگی۔

حافظ عراقیؒ مصافحت کی وضاحت اپنے انداز میں کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

وأما المصافحة فهو أن تعلق طريق أحد الكتب الستة عن المساواة  
بدرجة فيكون الراوي كأنه سمع الحديث من البخاري أو مسلم مثلاً  
وهو المراد بقولي: وحيث راجحه الاصل أي وحيث رجع أحد من  
الائمة الستة براً واحداً على الراوي الذي وقع له ذلك الحديث  
سموه مصافحة بمعنى أن الراوي كأنه لقي أحد الائمة الستة وصافحه  
بذلك الحديث و مثلت بالكتب الستة لان الغالب على المخرجين  
استعمال ذلك بالنسبة اليهم فقط و قد استعمله الظاهري وغيره  
بالنسبة الي مسند احمد ولا مشاحة في ذلك. (۲)

اور مصافحت یہ ہے کہ کتب ستہ میں کسی ایک میں سند عالی کے ساتھ مساوات کے اس درجہ پر  
ہو کہ گویا اس نے حدیث بخاری یا مسلم سے سنی ہے۔ میرے قول حیث راجحه الاصل  
سے یہی مراد ہے یعنی ائمہ ستہ میں سے کسی ایک نے ایک راوی کو اس راوی پر ترجیح دی جس  
سے یہ حدیث واقع ہو۔ مصافحہ کا نام اس لیے دیا کہ گویا وہ ائمہ ستہ میں سے کسی ایک سے ملا  
اور اس حدیث کے ساتھ اس نے مصافحہ کیا۔ میں نے کتب ستہ کی مثال اس لیے دی کہ تخریج

۱- تقریب مع تدریب، ۳۶۴-۳۶۵

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۰۱-۳۰۲؛ محمد الانصاری، فتح الباقي، ۴۸۳

کرنے والوں میں صرف ان ہی پر یہی غالب استعمال ہوتا ہے اور ظاہری وغیرہ نے مسند احمد کی نسبت سے بھی استعمال کیا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔  
حافظ ابن حجر مصنف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المصافحة وهى الاستواء مع تلميذ ذلك المصنف على الوجه المشروح أولاً وسميت مصافحة لان العادة جرت فى الغالب بالمصافحة بين من تلاقيا. ونحن فى هذه الصورة كانا لقينا النسائي فكانا صافحناه (۱).

مصنف اس مصنف کے شاگرد کا علوسند میں (جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے) مساوی ہونا ہے۔ اسے مصنف اس لیے کہا گیا کہ غالب عادت یہ ہے کہ جب دو شخص ملتے ہیں تو مصنف کرتے ہیں۔ اور ہم اس حالت میں گونساہی سے ملے ہیں تو گویا ہم نے ان سے مصنف کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ سند عالی کے مقابلے میں سند نازل ہوتی ہے گو بعض کا خیال ہے کہ ہر عالی سند کے مقابل میں نازل نہیں ہوتی۔ مگر ہمارے بیان سے ثابت ہوا ہے کہ ہر ایک عالی کے مقابلے میں نازل ضرور ہوتی ہے (۲)۔

پچھلی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنی تقسیم میں سند عالی کو علو مطلق اور علونسی میں تقسیم کیا اور پھر علونسی کے تحت مذکورہ بالا چار اقسام کو بیان کیا جب کہ ابن الصلاح کے تتبع میں حافظ عراقی، امام نووی اور ان کے شارحین سخاوی اور سیوطی وغیرہ نے سند عالی کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ علو مطلق اور علونسی اور پھر علونسی میں صحاح ستہ کی نسبت سے تیسری قسم جس کے ضمن میں مندرجہ بالا چار اقسام بیان ہوئی ہیں۔ حافظ ابن حجر اس پر اکتفا کرتے ہیں جب کہ باقی مصنفین نے دو اور اقسام کو بیان کیا ہے۔ معاصر مصنف ڈاکٹر نور الدین عتر نے پانچ اقسام اور ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱- علو مسافة بقلة الوسائط ۲- علو صفة

علو بالمسافة کو وہ تین اقسام میں بیان کرتے ہیں۔ نظیف صحیح سند کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کا قرب، امر حدیث میں سے کسی امام کا قرب، علو بہ نسبت کتب مشہورہ۔  
علو کی دوسری قسم علو الصفة کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱- العلو بتقدم الراوى ۲- العلو بتقدم السماع من الشيخ (۳)

۱- نزہة النظر، ۶۱

۲- ایضاً، ۶۱

۳- منهج النقد فى علوم الحديث، ۳۵۹-۳۶۱

## علو بتقدم الراوی

حافظ ابن الصلاح کے نزدیک چوتھی قسم کا تعلق تقدم الراوی سے ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

الرابع: من انواع العلو العلو المستفاد من تقدم وفاة الراوی. (۱)  
 علو کی اقسام میں سے چوتھی قسم وہ علو ہے جو راوی کی وفات کے تقدم سے مستفاد ہے۔  
 امام نووی اور ابن ملقن ابن الصلاح کی عبارت کو مختصر کر کے کہتے ہیں:

الرابع: العلو بتقدم وفات الراوی (۲)  
 چوتھی قسم وہ علو ہے جو راوی کی وفات کے تقدم سے حاصل ہوتا ہے۔  
 حافظ عراقی اسے ذرا وضاحت سے لکھتے ہیں:

هذا القسم الرابع من اقسام العلو و هو تقدم وفاة الراوی عن شيخ  
 على وفاة راو آخر عن ذلك الشيخ. (۳)  
 سند عالی کی اقسام میں چوتھی قسم یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے دوسرے راوی سے پہلے  
 وفات پا جائے۔

حافظ ابن الصلاح اور حافظ عراقی نے دونوں مثالیں دی ہیں۔ ذیل میں ہم ان دونوں  
 مثالوں کو نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

مثاله ما ارويہ عن شيخ أخبرني به عن واحد عن البيهقي الحافظ عن  
 الحاكم ابى عبدالله الحافظ اعلى من روايتي لذلك عن شيخ أخبرني  
 به عن واحد عن ابى بكر عبدالله بن خلف (۴) عن الحاكم. وان  
 تساوى الاسناد ان فى العدد. لتقدم الوفاة البيهقي على وفات ابن  
 خلف. لأن البيهقي مات سنة ثمان و خمسين و اربعمائة ومات ابن  
 خلف سنة سبع و ثمانين و اربعمائة وروينا عن ابى يعلى الخليل بن

ابن الصلاح، ۲۶۱

تقريب مع تدریب، ۳۶۵؛ المقنع، ۲/۲۲۳

فتح المغیث، ۳/۳۰۲

ابى بكر بن خلف الشيرازى، انيسا پوری (م ۲۸۷ھ)، صاحب معرفة علوم الحديث امام حاکم اور دوسرے اجل علماء سے  
 سماع کیا۔ ثقہ متقن راوی تھے۔ اہل علم کی کثیر تعداد دوسرے علاقوں سے ان کے پاس استفادہ کے لیے آئی۔ العبر، ۳/۳۱۵؛

شذارت، ۳/۳۷۹

عبدالله الخليلي الحافظ الحنبلي (۱) قال: قد يكون الاسناد يعلوا  
على غيره بتقدم موت راويه وان كانا متساويين في العدد. و مثل  
ذلك من حديث نفسه بمثل ما ذكرناه (۲).

اس کی مثال وہ ہے جسے میں نے ایک شیخ سے روایت کی جس نے مجھے ایک شخص سے خبر دی  
کہ اس نے بیہوشی سے اور انہوں نے ابو عبد اللہ حاکم سے روایت کی۔ میری یہ روایت میری  
اس روایت سے اعلیٰ ہے جو میں نے اس شیخ سے کی جس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک شخص کے  
ذریعہ ابو بکر عبد اللہ خلف سے اور وہ حاکم سے روایت کرتے ہیں اگرچہ تعداد میں دونوں اسناد  
برابر ہیں لیکن بیہوشی کو وفات میں ابن خلف پر تقدم حاصل ہے۔ بیہوشی چار سو اٹھاون ہجری میں  
فوت ہوئے جب کہ ابن خلف نے چار سو ستاسی میں وفات پائی۔ اور ہم نے حافظ ابو یعلیٰ  
خلیل بن عبد اللہ الخليلي الحنبلي سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: کبھی راوی کی موت کے  
تقدم کی وجہ سے سند عالی ہو جاتی ہے اگرچہ تعداد رجال میں دونوں مساوی ہوتی ہیں اور اس  
کی مثال وہی حدیث ہے جسے ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

امام نووی نے حافظ کی مثال ہی کو نقل کیا ہے۔ حافظ عراقی اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مثاله من سمع سنن ابی داؤد علی الزکی عبد العظیم (۳) اعلیٰ ممن  
سمعه علی النجیب الحرانی (۴) ومن سمعه علی النجیب اعلیٰ ممن  
سمعه علی ابن خطیب المزہ (۵) والفخر بن البخاری (۶) و ان اشترك

- ۱- ابو یعلیٰ خلیل بن عبد اللہ الخليلي القزويني (م ۴۳۶ھ) اپنے وقت کے ثقہ حافظ اور متقن محدث تھے۔ اجل اساتذہ سے سماع کیا اور بعض کی اجازت سے روایت کیا۔ حدیث کے علل اور رجال کے حالات سے خوب آگاہ تھے۔ شذرات، ۳/۲۷۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۱۲۳؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۲۲۶
- ۲- ابن الصلاح، ۳۶۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۲-۳۰۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۹۸
- ۳- الزکی عبد العظیم بن عبد القوی المنذری ابو محمد شامی الاصل مصری (م ۶۵۶ھ) اپنے وقت کے اجل علماء سے استفادہ کیا اور اس مقصد کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ حدیث کے بحر عالم تھے، حدیث کے علل و سقم خوب سمجھنے والے تھے۔ اپنے وقت کے امام اور حجت تھے۔ صاحب تصانیف تھے، سیر اعلام النبلاء، ۲۳/۳۱۹
- ۴- النجیب الحرانی، ابو الفرج عبد اللطیف بن عبد المعتم بن الصقل الحرانی التاجر۔ محدث مصر (م ۵۸۷ھ) میں حران میں پیدا ہوئے اور اس کے والد سے لے کر وہاں سے منتقل ہوئے۔ ابن کلیب ابن المعطوس اور ابن الجوزی سے سماع حدیث کیا۔ دار الحدیث کا علیہ میں شیخ الحدیث متعین ہوئے ۶۷۲ھ میں پچاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ شذرات الذهب، ۵/۳۳۶
- ۵- ابن خطیب المزہ صحاب الدین عبد الرحیم بن یوسف بن یحییٰ الموصلی ثم الدمشقی نزیل قاہرہ (م ۶۸۷ھ) حنبلی ابن عبد اللہ اور ابن طبرزد سے سماع حدیث کیا۔ وہ ایک فاضل محدث متقی اور ثقہ تھے۔ شذرات الذهب، ۵/۳۰۱
- ۶- فخر بن البخاری، مسند الدین، ابو الحسن علی بن احمد بن عبد الواحد السعدی المقدسی الصالحی الحنبلی (م ۶۹۰ھ) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الأربعة في رواية الكتاب عن شيخ واحد وهو ابن طبرزد (١) لتقدم

وفاة الزكي على النجيب و تقدم وفاة النجيب على من بعده. (٢)

اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے سنن ابی داؤد کو زکی عبد العظیم سے سنا یہ اس سے اعلیٰ ہے جس نے نجیب الحمرانی سے سماع کیا اور جس نے نجیب الحمرانی سے سنا تو یہ سماع اس سے اعلیٰ ہے جس نے خطیب المزمہ اور فخر بن بخاری سے سنا۔ اگرچہ یہ چاروں ایک شیخ سے سماع میں مشترک ہیں اور وہ ابن طبرزد ہیں اس لیے زکی کی وفات کو نجیب کی وفات پر تقدم حاصل ہے اسی طرح نجیب کو اپنے بعد مرنے والے لوگوں پر تقدم حاصل ہے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

یہ علو جو وفات کے تقدم پر مبنی ہے ایک شیخ سے دوسرے شیخ کی نسبت سے مستفاد ہے اور ایک راوی سے دوسرے راوی پر قیاس سے متعلق ہے لیکن وہ علو جو مجرد وفات شیخ کے تقدم سے مستفاد ہے اور جس میں ایک راوی کے دوسرے راوی پر قیاس کو پیش نظر نہیں رکھا گیا تو اس کی حد بعض اہل علم نے پچاس برس رکھی ہے۔ (٣)

اور یہ رائے اس بات پر مبنی ہے جو حافظ ابوعلی النیسا بوری سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن

عمیر الدمشقی (٤) کو، جو حدیث کے ائمہ میں سے تھے، یہ کہتے سنا!

اسناد خمسين سنة من موت الشيخ علو. (٥)

شیخ کی موت کے پچاس سال بعد کی اسناد عالی ہے۔

حنبل، ابن طبرزد اور الکنذی وغیرہ سے سماع کیا۔ ابوالکارم الملبان اور ابن الجوزی وغیرہ نے انہیں روایت کی اجازت دی۔ ابن رجب نے طبقات میں کہا ہے کہ وہ روایت عالیہ میں اپنے وقت کے منفرد محدث تھے۔ بڑے بڑے ائمہ نے ان سے سماع کیا۔ انھوں نے لمبی عمر پائی تھی۔ طبقات الحنابلة، ٣/٣٢٥

١- ابن طبرزد، ابو حفص، موفق الدین عمر بن محمد بن معمر الدارقزی المؤدب (م ٦٠٤ھ) ابن حسین اور ابو غالب البنا سے سماع کیا۔ آخری عمر میں دمشق گئے تو سننے کے لیے لوگوں کا اژدحام ہوتا تھا۔ جامع منصور میں مجلس الملاء منعقد ہوتی اور لوگوں کی بڑی تعداد استفادہ کرتی۔ ظریف تھے اور اکثر مزاح کرتے۔ شذرات، ٥/٢٦٦؛ العبر، ٥/٣٢؛ سیر اعلام، ٢١/٥٠٤

٢- فتح المغیث، ٣/٣٠٢

٣- ابن الصلاح، ٢٦١

٤- احمد بن عمیر بن یوسف ابوالحسن الکلابی الدمشقی (م ٣٢٠ھ) جو ابن جوصاء کے نام سے معروف تھے۔ شام کے ممتاز محدث تھے۔ صاحب تالیف تھے۔ اخذ حدیث کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ حافظہ بہت عمدہ تھا۔ ثقہ تھے۔ تذکرۃ الحفاظ،

٣/٥٩٤؛ میزان، ١/١٣٥؛ شذرات، ٢/٢٨٥؛ سیر اعلام النبلاء، ١٥/١٥

٥- ابن الصلاح، ٢٦٢؛ فتح المغیث، ٣/٣٠٣؛ سیر اعلام، ١٥/١٢؛ الإرشاد، ٤٤١

اور حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

إذا مر على الاسناد ثلاثون سنة فهو عالي (۱)

جب ایک اسناد پرتیس سال گزر جائیں تو وہ عالی ہے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ پہلے سے زیادہ وسیع ہے (و هذا اوسع من الاول) (۲)

### العلو بتقدم السماع

علو کی پانچویں قسم وہ ہے جو سماع کے تقدم سے حاصل ہو۔ یعنی جس شخص نے شیخ سے پہلے سنا وہ بعد میں سننے والے سے اعلیٰ سند کا حامل ہوگا۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

الخامس: العلو المستفاد من تقدم السماع. ابونا عن محمد بن

ناصر الحافظ قال: من العلو تقدم السماع. (۳)

پانچویں قسم وہ علو ہے جو تقدم سماع سے مستفاد ہے۔ ہم کو حافظ محمد بن ناصر سے یہ خبر پہنچی ہے

کہ انھوں نے کہا: تقدم سماع علوی سے ہے۔

امام نووی اور ابن الملقن کہتے ہیں: العلو متقدم السماع. (۴) علو کا تعلق تقدم سماع سے ہے۔

حافظ عراقی اسی قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

القسم الخامس من اقسام العلو و هو تقدم السماع من الشيخ فمن

تقدم سماعه من شيخ كان اعلى ممن سمع من ذلك الشيخ نفسه

بعده. (۵)

علو کی اقسام میں سے پانچویں قسم وہ ہے جس کو شیخ سے سماع کا تقدم حاصل ہے سو جس شخص کو

شیخ سے سماع میں تقدم حاصل ہے وہ اعلیٰ ہوگا بہ نسبت اس شخص کے جس نے اس شیخ سے بعد

میں سماع کیا۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ محمد بن طاہر بھی تقدم سماع کو علو کا ذریعہ سمجھتے ہیں، تاہم ابن طاہر اور اس کی متابعت

میں ابن دقیق العید مذکورہ بالا دونوں قسموں کو ایک قرار دیتے ہیں۔ (۶)

۱- ابن الصلاح، ۲۶۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۳؛ ارشاد طلاب الحقائق، ۱۷۷

۲- ایضاً، ۲۶۲

۳- ایضاً، ۲۶۲

۴- تقریب مع تدریب، ۳۶۵؛ المقنع، ۲ / ۲۲۶

۵- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۳

۶- ایضاً، ۳ / ۳۰۳



حافظ ابن الصلاح نے بھی اسی طرح کا اشارہ دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

و كثير من هذا يدخل في النوع المذكور. (۱)

اور اس قسم کا بہت حصہ مذکورہ بالا قسم میں داخل ہے۔

تاہم وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس قسم کا کچھ حصہ مذکورہ بالا قسم میں داخل نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وفيه مالا يدخل في ذلك بل يمتاز عنه مثل أن يسمع شخصان من شيخ واحد، وسماع احدهما من ستين سنة مثلاً وسماع الآخر من أربعين سنة. فاذا تساوى السند إليهما في العدد فالإسناد الى الأول الذي تقدم سماعه أعلى. (۲)

اور اس قسم میں ایسی صورتیں بھی ہیں جو پہلی قسم میں داخل نہیں بلکہ اس سے ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص سے دو شخص سماع کرتے ہیں اور ان میں سے ایک کا سماع ساٹھ سال سے ہے جب کہ دوسرے کا چالیس سال جب ان دونوں کی سند تعداد رجال کے لحاظ سے مساوی ہوگی تو جسے سماع میں تقدم حاصل ہوگا اس کی اسناد اعلیٰ ہوگی۔

حافظ عراقی اسے بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

قلت: و أهل الحديث مجمعون على أفضلية المتقدم في حق من اختلط شيخه او خرف لهرم او مرض وهو واضح، اما من لم يحصل له ذلك فربما كان السماع المتأخر أرجح بأن يكون تحديته الاول قبل ان يبلغ درجة الاتقان و الضبط ثم كان الشيخ متصفاً بذلك في حالة سماع الراوى المتأخر السماع فلهذا مزية و فضل على السماع المتقدم وهو أرفع و أعلى لكنه علو معنوى على ما سيأتى. (۳)

میں کہتا ہوں کہ تمام اصحاب حدیث اس شخص کی افضلیت پر متفق ہیں جسے سماع کا تقدم حاصل ہے اپنے اس شیخ سے جو مختلط ہو گیا یا بڑھاپے کی وجہ سے حافظہ خراب ہو گیا یا بیمار ہو گیا۔ یہ بات واضح ہے لیکن جس شیخ کو ان میں سے کوئی چیز لاحق نہیں ہوئی تو بعض اوقات

ابن الصلاح، ۲۶۲

ایضاً، ۲۶۲

فتح المغیث للعراقی، ۳۰۳/۳



بعد کا سماع زیادہ قابل ترجیح ہے اس لیے کہ پہلا بیان حدیث اتقان اور ضبط کے حصول سے قبل کا ہے اور پھر وہ شیخ متاخر سماع حدیث کے لیے اتقان ضبط سے متصف ہو گیا لہذا اس کی فضیلت ہے اور یہ سماع متقدم سے افضل ہوگا۔ اس طرح سماع متاخر اعلیٰ وارفع ہے لیکن یہ علو معنوی ہوگا جیسا کہ آگے ہم بیان کریں گے۔

یہ پانچ اقسام ہیں جنہیں جامعیت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (۱) حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ ابن طاہر اور ابن دقیق العید نے تقدم الوفاة اور تقدم السماع کو ایک قسم قرار دیا لیکن جس قسم کو حذف کیا اس کی جگہ پر نئی قسم کا اضافہ کیا جس کا تعلق مشہور مصنفین کتب کی نسبت سے علو سے ہے۔ ابن طاہر نے اس قسم کو مزید دو میں تقسیم کیا ایک کا تعلق بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوحاتم اور ابوزرعہ کی نسبت سے ہے اور دوسری کا تعلق دیگر مصنفین کی نسبت سے ہے جیسے ابن ابی الدنیا، خطابی اور ان جیسے دیگر مصنفین سے ہے۔ (۲)

### سند عالی کی اہمیت

اسناد اس امت کی ایک خصوصیت ہے اور یہ سنن مؤکدہ میں سے ایک سنت ہے عبداللہ بن المبارک کا مشہور

قول ہے:

الإسناد من الدين لولا الإسناد لقال من شاء ما شاء.

اسناد دین میں سے ہے اگر اسناد نہ ہو تو جس کا جی چاہے وہ کہے۔

اور سند عالی کا طلب کرنا بھی سنت ہے اس لیے تو اسے حاصل کرنے کے لیے سفر کئے گئے۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں؛

طلب الإسناد العالی سنة عن سلف. (۳)

اسناد عالی کا طلب کرنا اسلاف کی سنت ہے۔

یحییٰ بن معین کے بارے میں روایت ہے کہ مرض وفات میں ان سے پوچھا گیا کہ کسی شے کی خواہش ہے؟

انہوں نے کہا!

خالی گھر اور عالی سند۔

بیت خالی و اسناد عالی. (۴)

۱- ابن الصلاح، ۲۶۲

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۴

۳- ابن الصلاح، ۲۵۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۹۷

۴- ایضاً، ۲۵۶

سند کا علو اس کے ظل کو دور کرتا ہے۔ رجال میں سے ہر راوی کے بارے میں اس بات کا احتمال ہے کہ غلطی سے یا عمدہً ظل واقع ہو۔ سو جتنے راوی کم ہوں گے اتنا ظل کا احتمال بھی کم ہوگا اور جس قدر راوی زیادہ ہوں گے اس کا احتمال زیادہ ہوگا۔ (۱)

حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی کہتے ہیں:

اجمع اهل النقل على طلبهم العلو و مدحه اذ لو اقتصروا على سماعه

بنزول لم ير حل احد منهم. (۲)

سند عالی کی طلب اور اس کی تعریف پر علمائے حدیث کا اجماع اس لیے ہے کہ اگر وہ سماع نازل پراکتفا کر لیں تو ان میں کوئی شخص بھی طلب حدیث کے لیے سفر نہیں کرے گا۔

علم حدیث سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ طلب حدیث نے حصول علم کے کتنے تھکا دینے والے سفر کئے۔ صرف ایک حدیث سننے کے لیے طویل سفر اختیار کئے ابن خلاد اور پھر خطیب نے بعض اہل نظر کی یہ رائے نقل کی ہے کہ اسناد میں نزول افضل ہے کیونکہ اس میں زیادہ محنت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے پھر متن اور اس کا تنقیدی جائزہ اس میں شامل ہوتا ہے۔ جتنا اجتہاد زیادہ ہوگا اتنا ثواب بڑھے گا۔ ابن خلاد کہتے ہیں کہ جو لوگ حدیث کو قیاس سے قوی سمجھتے ہیں وہ اس رائے کے حامل ہیں حافظ ابن الصلاح کا خیال ہے کہ یہ کمزور نقطہ نظر ہے۔ (۳) ابن دقیق العید کا کہنا ہے کہ محنت و مشقت فی نفسہ کوئی مطلوب شئی نہیں۔ روایت سے اصل مقصود تو صحت و ثقاہت ہے۔ (۴)

حافظ سیوطی نے اس سلسلے میں علامہ ابن حزم کا قول نقل کیا ہے جو قابل توجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

نقل الثقة عن الثقة يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم مع الإتصال.

خص الله به المسلمین دون سائر الملل، وأمامع الإرسال والإعضال

فيوجد في كثير من اليهود، لكن لا يقربون فيه من موسى قربنا من

محمد صلى الله عليه وسلم بل يقفون بحيث يكون بينهم وبين

موسى أكثر من ثلاثين عصراً، وإنما يبلغون إلى شمعون ونحوه - قال:

وأما النصارى فليس عندهم من صفة هذا النقل إلا تحريم الطلاق فقط

ابن الصلاح، ۲۵۶

مسئلة العلو و النزول، بحوالہ منهج النقد، ۳۵۸

ابن الصلاح، ۲۶۲؛ تدریب، ۳۶۸؛ توضیح الافکار، ۲/۳۰۰

فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۹۷

وأما النقل بالطريق المشتملة على كذاب او مجهول العين. فكثير في نقل اليهود والنصارى. قال: وأما اقوال الصحابة والتابعين: فلا يمكن اليهود أن يبلغوا إلى صاحب نبين اصلاً، ولا إلى تابعين له ولا يمكن نصارى ان يصلوا أعلى من شمعون و بولص (۱)

ابن حزم کہتے ہیں کہ ثقہ سے ثقہ کی روایت جو نبی کریم تک موصول پہنچے یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام ملتوں میں صرف مسلمانوں کے لیے مختص کی ہے۔ جہاں تک مرسل اور معطل روایت کا تعلق ہے تو یہود کے ہاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ لیکن ہمیں روایت میں جو قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے وہ انہیں موسیٰ سے حاصل نہیں بلکہ وہ اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں ان کے اور موسیٰ کے درمیان تیس زمانوں کا فاصلہ ہے۔ وہ صرف شمعون وغیرہ تک پہنچتے ہیں جہاں تک نصاریٰ کا تعلق ہے تو ان کے ہاں اس طرح کی روایت صرف تحریم طلاق تک محدود ہے۔ جہاں تک ایسی روایتوں کا تعلق ہے جس میں کذاب اور مجهول العین راوی ہیں تو وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ صحابہ و تابعین کے اقوال کے سلسلے میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہودی کسی نبی کے صحابی یا تابعی تک نہیں پہنچے اور نصاریٰ کے لیے بھی اس بات کا امکان نہیں کہ وہ شمعون اور پال سے آگے جاسکیں۔

ابوعلی الجبائی کہتے ہیں:

خصّ الله تعالى هذه الأمة بثلاثة اشياء لم يعطها من قبلها. الإسناد

والأنساب والإعراب. (۲)

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین خصوصیات سے نوازا ہے جو اس سے پہلے کسی امت کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اسناد، انساب اور اعراب۔

قرآن مجید کی آیت ”او آثرۃ من علم“ (۳) سے امام حاکم وغیرہ نے اسناد حدیث مراد لیا ہے۔ امام

کہتے ہیں کہ انس کی حدیث جس میں بیان ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا:

۱- تدریب، ۳۵۹

۲- ایضاً، ۳۵۹

۳- الاحقاف/۴

يا محمد! أتانا رسولك فزعم أنك تزعم ان الله أرسلك؟ قال:  
 صدق قال: فمن خلق السماء؟ قال: الله. قال: فمن خلق الارض؟  
 قال: الله. قال: فمن نصب هذه الجبال، وجعل فيها ما جعل؟ قال:  
 الله. قال: فبالذی خلق السماء وخلق الارض و نصب هذه الجبال،  
 آله أرسلك؟ قال: نعم. قال: وزعم رسولك ان علينا خمس  
 صلوات في يومنا و ليلتنا، قال: صدق قال؛ فبالذی أرسلك آله  
 امرک بهذا؟ قال: نعم. قال: وزعم رسولك ان علينا زكوة في  
 أموالنا قال: صدق. قال: فبالذی أرسلك الله امرک بهذا؟ قال:  
 نعم قال وزعم رسولك ان علينا صوم شهر رمضان في سنتنا؟ قال:  
 صدق. قال: فبالذی أرسلك، آله امرک بهذا؟ قال: نعم قال:  
 وزعم رسولك أن علينا حج البيت من استطاع اليه سبيلا. قال:  
 صدق. قال: ثم ولى قال: والذي بعثك بالحق: لا أزيد عليهن ولا

أنقص منهن قال النبي ﷺ. لئن صدق ليدخلن الجنة. (۱)

اے محمد ﷺ! آپ کا ایلچی ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا آپ ﷺ کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ  
 ﷺ کو بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس ایلچی نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا تو آسمان کس نے پیدا  
 کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے پھر اس نے کہا زمین کس نے پیدا کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا  
 اللہ نے۔ پھر اس نے کہا پہاڑوں کو کس نے کھڑا کیا اور ان میں جو چیزیں ہیں وہ کس نے پیدا  
 کیں؟ آپ نے فرمایا اللہ نے۔ تب اس شخص نے کہا تم ہے اس کی جس نے آسمان کو پیدا کیا  
 اور زمین بنائی اور پہاڑوں کو کھڑا کیا اللہ تعالیٰ نے سچ سچ آپ ﷺ کو بھیجا ہے؟ آپ ﷺ  
 نے فرمایا۔ ہاں پھر وہ شخص بولا آپ کے ایلچی نے ہم سے کہا کہ ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں  
 ہر دن اور رات میں، آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا تم ہے اس کی جس نے  
 آپ ﷺ کو بھیجا کیا اللہ نے آپ کو ان نمازوں کا حکم کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ پھر  
 وہ شخص بولا آپ ﷺ کے ایلچی نے کہا کہ ہم پر ہمارے مالوں کی زکوٰۃ ہے۔ آپ ﷺ نے

فرمایا اس نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے زکوٰۃ کا حکم کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر وہ شخص بولا آپ کے ایلچی نے کہا ہم پر رمضان کے روزے فرض ہیں ہر سال۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو بھیجا اللہ نے آپ کو ان روزوں کا حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر وہ شخص بولا آپ کے ایلچی نے کہا کہ ہم پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو کوئی راہ چلنے کی طاقت رکھے (یعنی خرچ راہ اور سواری ہو اور راستہ میں امن ہو) آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ یہ سن کر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا اور کہنے لگا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو سچا پیغمبر کر کے بھیجا میں ان باتوں سے زیادہ کروں گا نہ کم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ سچا ہے تو جنت میں جائے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر علو اسناد کا طلب کرنا غیر مستحب ہوتا تو اس کے سوال کو ناپسند کیا جاتا (۱) حاکم سے علو سند حاصل کرنے کے خلاف کچھ منقول نہیں۔ (۲)

### السند النازل

سند نازل سے مراد وہ سند ہے جس میں حضور اکرم ﷺ سے روایت کرنے والی تعداد زیادہ ہے۔ عام طور پر اس کی تعریف علو کے مقابلے میں کی جاتی ہے، چنانچہ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

اما النزول فهو ضد العلو (۳) نزول علو کی ضد ہے۔

امام حاکم نزول کی تعریف کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

و لعل قائلًا يقول للنزول ضد العلو فمن عرف العلو فقد عرف ضده  
وليس كذلك فان للنزول مراتب لا يعرفها الا أهل الصنعة فمنها ما  
تؤدي الضرورة الى سماعه نازلًا و منها ما يحتاج طالب العلم الى  
معرفة و تبحر فيه فلا يكتب النازل وهو موجود باسناد أعلى منه. (۴)

شاید کہنے والا کہے کہ نزول علو کی ضد ہے سو جو علو کو پہچاننے لگا وہ اس کی ضد کو بھی پہچان لے گا حالانکہ معاملہ ایسا نہیں کیونکہ نزول کے بھی مراتب ہیں جنہیں اہل فن کے سوا کوئی نہیں جانتا ان میں سے ایک تو وہ ہے جو سماع نازل کو ضروری بناتا ہے اور وہ بھی جس کی معرفت اور اس

۱- معرفة علوم الحديث، ۶، فتح المغيب للعراقي، ۳/۲۹۷، تدریب، ۳۵۹

۲- فتح المغيب للعراقي، ۳/۲۹۷

۳- ابن الصلاح، ۲۶۳؛ تقریب مع تدریب، ۳۶۷

۴- معرفة علوم الحديث، ۱۳؛ توجیه النظر، ۱۲۳

میں تبحر طالب علم کی احتیاج ہے۔ لہذا سماع نازل اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک اس سے اعلیٰ اسناد موجود ہے۔

حافظ ابن الصلاح امام حاکم کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فهذا ليس نفيًا لكون النزول ضدًا للعلو على الوجه الذي ذكرته، بل نفيًا لكونه يعرف بمعرفة العلو. وذلك يليق بما ذكره هو في معرفة العلو فإنه قصر في بيانه و تفصيله، وليس كذلك ما ذكرناه نحن في معرفة العلو، فإنه مفصل تفصيلًا مفهوماً لمراتب النزول (۱)

امام حاکم کی یہ بات اس قول کی نفی نہیں ہے کہ نزول علو کی ضد ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ اس کی نفی ہے کہ نزول کی معرفت علو کی معرفت سے متعلق ہے۔ اور یہ مناسب ہے جیسا کہ انہوں نے علو کی معرفت میں ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تفصیل اور بیان میں کمی کی ہے۔ اور ہم نے علو کی معرفت میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ایسا نہیں بلکہ وہ اتنا مفصل ہے کہ اس سے مراتب نزول کا فہم حاصل ہوتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ہم تک علی ابن المدینی اور ابو عمرو المستملی النیسابوری کا یہ قول پہنچا ہے کہ: النزول شؤم یعنی نزول بدقالی ہے۔ تو یہ اسی طرح کے اور اقوال جو نزول کی مذمت میں وارد ہوئے ہیں وہ نزول کی بعض قسموں سے مخصوص ہیں۔ اگر علو کے تحت نزول کا تعین ہو جائے تو علو کی افادیت کی ترجیح کے لیے ایک مفید حجت ہے اور یہ پسندیدہ ہے اور مردود نہیں ہے (۲)۔

## نزول کی اقسام

نزول کی اقسام بھی علو کی طرح پانچ ہیں۔ ہر مرتبہ علو کے مقابل میں مرتبہ نزول ہے۔ اسی ترتیب اور اسی تفصیل کے ساتھ نزول کی اقسام کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

وما من قسم من اقسام العلو الخمسة الا و ضده قسم من اقسام

النزول . فهو اذا خمسة اقسام . وتفصيلها يدرك من تفصيل اقسام

العلو على نحو ما تقدم شرحه . (۳)

علو کی پانچ قسموں میں کوئی ایسی قسم نہیں جس کے مقابل اقسام النزول میں سے کوئی قسم

۱۔ ابن الصلاح، ۲۶۳-۲۶۴

۲۔ ایضاً، ۲۶۳-۲۶۴

۳۔ ایضاً، ۲۶۳

موجود نہ ہو لہذا اس کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ اور اس کی تفصیل علو کی اقسام کی شرح میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے حسب معمول اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھا:

و يقابل العلو باقسامه المذكورة النزول فيكون كل قسم من اقسام العلو يقابله قسم من اقسام النزول خلافاً لمن زعم ان العلو قد يقع غير تابع النزول. (۱)

علو بمع مذکورہ اقسام کے مقابل نزول ہوگا۔ لہذا اقسام علو کی ہر قسم کے مقابلے میں نزول کی اقسام میں سے ایک قسم ہوگی۔ یہ رائے اس شخص کے خلاف ہے جس کا خیال ہے کبھی علو نزول کے بغیر بھی واقع ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک کا قول ہے:

ليس جودة الحديث قرب الاسناد بل جودة الحديث صحة

الرجال. (۲)

حدیث کے جمید ہونے کا مطلب قرب اسناد نہیں بلکہ حدیث کی عمدگی رجال کی صحت پر مبنی ہے۔

حافظ سلفی سے منقول ہے:

قال: الاصل الاخذ عن العلماء فنزولهم اولی من العلو عن الجهلة عن

مذهب المحققين من النقلة. والنازل حينئذ هو العالی فی المعنی

عند النظر والتحقيق (۳)

انہوں نے کہا کہ اصحاب روایت میں سے محققین کے مذہب میں اصل یہ ہے کہ علماء سے

بند نازل اخذ کرنا اس علو سے اولیٰ ہے جس میں جاہل شامل ہوں۔ اہل نظر و تحقیق کے

مطابق ایسے میں سند نازل علو معنوی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

نظام الملک سے منقول ہے کہ:

۱- نزہة النظر، ۶۱

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۳۰۴؛ شرح علل الترمذی، ۶۲ / ۱

۳- ایضاً، ۳ / ۳۰۵؛ ایضاً، ۳ / ۳۰۴



عندى ان الحديث العالى ماصح عن رسول الله ﷺ و ان بلغت رواته  
مائة. (۱)

میرے نزدیک وہ حدیث عالی ہے جو صحیح ہے گو اس کے راویوں کی تعداد سو تک پہنچ جائے۔  
حافظ سلفی نے یہی بات اپنے ابیات میں کہی ہے:

ليس حسن الحديث قرب رجال      عند ارباب علمه النقاد  
بل علو الحديث بين اولى الحفم      ظ والاتقان صحة الاسناد  
واذا ما تجمعا فى حديث      فاغتنمه فذاك اقصى المراد. (۲)

ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ متعارف معنوں میں علو نہیں ہے جس کا اطلاق اصحاب حدیث کے  
ہاں ہوتا ہے۔ بلکہ معنوی لحاظ سے علو ہے (۳)۔



۱- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۵؛ ابن الصلاح، ۲۶۳

۲- ایضاً، ۳/۳۰۵؛ فتح المغیث للسخاری، ۳/۳۰۵

۳- ابن الصلاح، ۲۶۳

## بیان روایت (الاقران والمدنج)

روایت کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کبھی دو اشخاص (راوی و مروی عنہ) ایک روایت میں مشترک صفات حامل ہوتے ہیں۔ کبھی عمر میں بڑا شخص اپنے سے کم عمر راوی سے روایت کرتا ہے اور کبھی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کم عمر اب سے بڑی عمر والے شخص سے روایت کرتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو راوی ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں لیکن ایک پہلے مر جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک راوی دو شیوخ سے روایت کرتا ہے جو ہم نام ہوتے ہیں اور کوئی راوی کو شیخ سے روایت کرتا ہے اور شیخ اس روایت سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ سب پہلو بیان روایت کے ہیں۔ ذیل میں انواع کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق بیان روایت سے ہے۔

### اشتراک صفت

اشتراک صفت کا مطلب یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ ایک ہی روایت میں شریک ہیں اور دونوں میں قدر مشترک ہے اس طرح ایسی روایت کو روایۃ الاقران کہا جاتا ہے۔

### روایۃ الاقران

اقران قرین کی جمع ہے جس کے معنی ساتھی کے ہیں۔ جب دو شخص عمر اور اسناد میں ایک دوسرے سے متقارب ہوں تو یہ روایۃ الاقران ہوگی۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

وہم المتقاربون فی السن و الاسناد و ربما اکتفی الحاکم أبو عبد اللہ

فیہ بالتقارب فی الاسناد و إن لم یوجد التقارب فی السن. (۱)

یہ عمر اور اسناد باہم مگر متقارب ہیں۔ امام حاکم ابو عبد اللہ نے شاید تقارب فی الاسناد پر اکتفا کیا ہے گو تقارب فی السن موجود نہ ہو۔

امام نووی نے اس عبارت کو مختصر کر کے لکھا:

القرینان ہما المتقاربان فی السن و الاسناد و ربما اکتفی الحاکم

بالاسناد. (۲)

۱ - ابن الصلاح، ۳۰۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۶۸

۲ - تقریب مع تدریب، ۳۲۶؛ حافظ عراقی نے امام حاکم کے الفاظ نقل کئے ہیں "اذا تقارب سنہما و اسنادہما"

فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۶۸؛ معرفة علوم الحدیث، ۲۱۵

قرینان سے مراد وہ لوگ ہیں جو عمر اور اسناد میں متقارب ہوں۔ امام حاکم نے اسناد پر اکتفا کیا ہے۔

حافظ ابن حجر اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان تشارك الراوى ومن روى عنه فى امر من الأمور المتعلقة بالرواية مثل السنن و اللقى، وهو الأخذ من المشائخ فهو النوع الذى يقال له رواية الاقران. (۱)

اگر راوی اور مروی عنہ روایت سے متعلق امور میں سے کسی ایک امر جیسے عمر، ملاقات یعنی مشائخ سے اخذ کرنے کا عمل میں اشتراک رکھتے ہوں۔ یہ وہ نوع ہے جسے روایت الاقران کہا جاتا ہے۔

### روایت الاقران کی اقسام

حافظ ابن الصلاح نے روایت الاقران کی دو قسمیں قرار دی ہیں (۲) اور ان کے تتبع میں امام نووی وغیرہ نے بھی دو قسمیں قرار دی ہیں (۳)۔ حافظ ابن حجر نے روایت الاقران کو ایک قسم قرار دیا ہے اور اس کی تقسیم نہیں کی (۴)۔ ابن الصلاح کی تقسیم کے مطابق اس کی مندرجہ ذیل دو قسمیں ہیں: المدبج اور غیر المدبج (۵)

#### ۱۔ المدبج

المدبج م کے ضمہ، وال کی فتح اور باء کی تشدید سے پڑھا جاتا ہے جس کے معنی مزین کے ہیں۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: والتدبيج ماخوذ من ديباجتى الوجه. (۶)

تدبج ماخوذ ہے چہرے کے دونوں رخساروں سے۔

حافظ سخاوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و بذلك سماه الدار قطنى اخذاً من ديباجتى الوجه، وهما الخدان:

لتساويهما و تقابلهما (۷)

۱۔ نزہة النظر، ۶۲

۲۔ ابن الصلاح، ۳۰۹، ۳۱۰

۳۔ تدريب الراوى، ۴۲۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۶۸؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۱۸۲

۴۔ نزہة النظر، ۶۲

۵۔ ابن الصلاح، ۳۰۹، ۳۱۰

۶۔ نزہة النظر، ۶۲

۷۔ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۱۸۲؛ تدريب، ۴۲۶؛ فتح الباقي، ۵۵۳

اسی لیے وار قطنی نے اسے چہروں کے دونوں رخساروں سے جو ایک جیسے اور ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں۔ اخذ کرتے ہوئے یہ نام دیا۔

حافظ عراقیؒ کہتے ہیں:

ان الظاهر انه سمي به لحسنه ، لانه لغة: المزين (۱)

ظاہر یہ ہے کہ اسے یہ نام اس کی خوبی کی وجہ سے دیا گیا ہے کیونکہ لغت میں اس کے معانی مزين کے ہیں۔ حافظ ابن الصلاحؒ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمنها المدبج و هو ان يروى القرينان كل واحد من الآخر. (۲)

اور ان میں سے ایک مدبج ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں ساتھی ایک دوسرے سے روایت کریں۔

حافظ ابن حجرؒ کے الفاظ میں: وان روى كل منهما عن الآخر. (۳)

اگر ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے روایت کرے۔

حافظ ابن الصلاحؒ اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مثاله في الصحابة: عائشة و أبو هريرة روى كل واحد منهما عن الآخر.

وفي التابعين رواية الزهري عن عمر بن عبدالعزيز ورواية عمر عن

الزهري. وفي اتباع التابعين رواية مالك عن الأوزاعي ورواية الأوزاعي

عن مالك و في اتباع الاتباع رواية احمد بن حنبل عن علي بن المديني

ورواية علي عن احمد. و ذكر الحاكم في هذا رواية احمد بن حنبل عن

عبدالرزاق ورواية عبدالرزاق عن احمد و ليس هذا بمرضى. (۴)

صحابہ میں اس کی مثال عائشہ صدیقہ اور ابو ہریرہ کی ہے دونوں ایک دوسرے سے روایت

کرتے ہیں۔ تابعین میں زہری عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں اور عمر زہری سے۔

تابع تابعین میں مالک اوزاعیؒ سے اور اوزاعیؒ مالک سے روایت کرتے ہیں اور اتباع الاتباع

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۸

۲- ابن الصلاح، ۳۰۹

۳- نزہة النظر، ۶۲

۴- ابن الصلاح، ۳۰۹-۳۱۰؛ تلخیص، ۴۲۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۸، عراقی نے لیس هذا بمرضى کی جگہ سے

بعید کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۸۳؛ معرفة علوم الحدیث، ۲۱۵-۲۱۸

میں احمد بن حنبل، علی بن المدینی سے اور ابن المدینی احمد بن حنبل سے۔ حاکم نے اس طبقہ میں مثال جو بیان کی ہے وہ احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں عبدالرزاق سے اور عبدالرزاق بیان کرتے ہیں احمد بن حنبل سے اور یہ مثال اتنی اچھی نہیں۔

## ۴۔ غیر المدنی

غیر المدنی وہ روایت ہے جس میں قرینین میں سے صرف ایک دوسرے سے روایت کرے۔ حافظ ابن اسحاق اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و منها غیر المدبج و هو أن یروی أحد القرینین عن الآخر و لا یروی الآخر عنه فیما نعلم. مثاله: رواية سليمان التیمی عن مسعروهما قرینان و لا نعلم لمسعر رواية عن التیمی. (۱)

دوسری قسم غیر مدنی کہلاتی ہے۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ ساتھیوں میں سے ایک دوسرے سے روایت کرے لیکن دوسرا اس سے روایت نہ کرے۔ اس کی مثال سلیمان التیمی عن مسعر ہے۔ یہ دونوں ساتھی ہیں لیکن ہمیں علم نہیں ہے کہ مسعر نے التیمی سے روایت کی ہو۔ (۲)

حاکم کہتے ہیں:

ولا احفظ لمسعر عن سليمان رواية. (۳)

مجھے مسعر عن سلیمان کی روایت یاد نہیں۔

علامہ سیوطی نے ایک اور مثال دی ہے۔ زائدة بن قدامة عن زهير بن معاوية روایت ثابت ہے جب زہیر کی زائدہ سے روایت معلوم نہیں۔ (۴)

یہی وہ روایت ہے جسے حافظ ابن حجر روایت الاقران کہتے ہیں۔ انھوں نے دو ہی قسمیں بیان کی ہیں ایک روایت الاقران دوسری مدنی۔ وہ مدنی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو الأخص من الأول فكل مدبج اقران وليس كل اقران مدبجاً. (۵)

۱۔ ابن الصلاح، ۳۱۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۸

۲۔ ایضاً، ۳۱۰؛ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں کیونکہ مسعر نے سلیمان سے روایت کی ہے۔ تدریب، ۴۳۰؛

فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۸؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۱۸۳

۳۔ معرفة علوم الحدیث، ۲۲۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۸

۴۔ تدریب الراوی، ۲۲۷

۵۔ نزہة النظر، ۶۲

یہ پہلی قسم سے انحصار ہے لہذا ہر مدنی قرآن ہوگی لیکن ہر قرآن مدنی نہیں ہوگی۔  
حافظ ابن حجر استاد اور شاگرد کی مشترک روایت کو مدنی نہیں مانتے وہ لکھتے ہیں:

واذا روى الشيخ عن تلميذ صدق ان كلا منها يروى عن الآخر فهل  
يسمى مدبجاً؟ فيه بحث، والظاهر لا. لانه من رواية الاكابر عن  
الصاغرو التدبيج ماخوذ من دياجتي الوجه فيقتضى ان يكون ذلك  
مستويًا من الجانبين فلا يجبي في هذا. (۱)

جب شیخ اپنے راست گوشا گرد سے روایت کرے بایں صورت کہ دونوں ایک دوسرے سے  
روایت کریں تو کیا یہ مدنی کہلائے گی؟ یہ غور طلب مسئلہ ہے۔ بظاہر مدنی نہیں ہو سکتی۔ اس  
لیے کہ یہ روایت الاکابر عن الصاغرو کے قبیل سے ہے۔ اور تدبیج، دیاجتی الوجه  
سے ماخوذ ہے جس کا مطلب چہرے کے دو رخسار ہیں اور یہ اس بات کی مقتضی ہے کہ جانبین  
برابر ہوں اور اس میں ایسا نہیں کیونکہ شاگرد ہمسر نہیں ہوتا۔

حافظ عراقی کہتے ہیں:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں قرآن کی ایک جماعت جمع ہو جاتی ہے مثلاً:  
كحديث رواية أحمد بن حنبل عن أبي خيثمة زهير بن حرب عن  
يحيى بن معين عن علي بن المديني عن عبيد الله بن معاذ عن ابيه عن  
شعبة عن ابي بكر بن حفص عن ابي سلمة عن عائشة قالت: كن  
أزواج النبي ﷺ يأخذن من شعورهن حتى يكون كالوفره. (۲)  
فأحمد و الأربعة فوقه خمستهم اقران كما قال الخطيب. (۳)  
جیسے حدیث جسے احمد بن حنبل نے ابو خيثمة زهير بن حرب سے انھوں نے یحییٰ بن معين سے  
انھوں نے علی بن المدینی سے انھوں نے عبید اللہ بن معاذ سے انھوں نے اپنے والد سے،  
انھوں نے شعبہ سے اور وہ ابو بکر بن حفص سے وہ ابو سلمہ سے اور وہ عائشہ سے روایت کرتے  
ہیں کہ انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی ازواج مطہرات اپنے بال اس طرح کاشتیں کہ گچھا  
لگتے۔ سو جیسا خطیب نے کہا ہے احمد اور ان کے اوپر کے چار مل کر پانچ قرآن بنتے ہیں۔  
حافظ سخاوی نے ایک اور مثال دی ہے:

- ۱- نزہة النظر، ۶۲
- ۲- مسلم، الجامع، کتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، ۱۷۶/۱
- ۳- فتح المغیث، ۳ / ۳۶۸؛ تدریب، ۳۲۷

رواية ابن المسيب عن ابن عمر، عن عمر، عن عثمان، عن أبي بكر  
 لحديث "ما لجة هذا الأمر" (۱) ففيه اربعة من الصحابة في نسق.  
 وكذا اجتمع اربعة من الصحابة في عدة احاديث بعضها في  
 الصحيحين وغيرهما. (۲)

ابن المسيب ابن عمر سے، وہ عمر، عثمان اور ابو بکر سے حدیث ما نجاۃ هذا الامر روایت  
 کرتے ہیں اس میں چار صحابہ ایک ترتیب میں ہیں۔ اسی طرح چار صحابہ صحیحین وغیرہ کی کئی  
 احادیث میں جمع ہو گئے ہیں۔

حافظ سخاوی کے ہاں اس پر مزید بحث بھی موجود ہے۔ دلچسپی رکھنے والے دیکھ سکتے ہیں۔ (۳)  
 حافظ سیوطی کہتے ہیں (۴) کہ اس نوع کی معرفت کا فائدہ یہ ہے کہ سند میں دو ساتھیوں کے ذکر سے کسی شخص  
 دیکھو، ہم نہ ہو کہ سند میں کوئی غلطی واقع ہوئی ہے اور اس میں واقع حرف عن غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ واؤ عطف ہونی  
 ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ دونوں اس روایت حدیث میں شریک ہیں جس کے راوی کا ذکر پہلی سند میں  
 ہے۔

## صا اور اقران و مدنیج

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اقران پر ابو الشیخ اصفہانی اور مدنیج پر دارقطنی نے کتابیں لکھیں (۵) حافظ عراقی کے  
 لائق دارقطنی نے ہی اس روایت کو مدنیج کا نام دیا اور اسی نے سب سے پہلے جامع کتاب لکھی۔ (۶)



احمد بن حنبل، المسند، ۶/۱

فتح المغیث، ۱۸۲/۴

ایضاً، ۱۸۳/۴ - ۱۸۵

تدریب، ۴۲۶

نزہة النظر، ۶۲

فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۸؛ تدریب، ۴۲۷



## روایۃ الاکابر عن الأصاغر

اکابر، اکبر کی جمع ہے اور اصاغر، اصغر کی جمع ہے۔ روایۃ الاکابر عن الأصاغر کے لفظی معنی ہیں: ”بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا“ اور محدثین کی اصطلاح میں اس سے ایسی روایت مراد ہے جس میں راوی عمر یا علم اور ضبط کے اعتبار سے بڑا اور اونچا ہو، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

قد یروی الکبیر القدرأ والسن أوهما عن دونہ فی کل منہما أوفیہما. (۱)  
کبھی مرتبے یا عمر میں یا دونوں میں بڑا شخص اپنے سے کسی ایک یا دونوں میں کم درجہ کے شخص سے روایت کرے۔

حافظ ابن حجر اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

وان روی عن دونہ فی السن أوفی اللقی أوفی المقدار فهذا النوع هو  
روایۃ الاکابر عن الأصاغر. (۲)

اگر راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو عمر میں یا معین مشائخ سے روایت کرنے میں یا ضبط وغیرہ امور میں اس سے کمتر ہو تو اسے روایت الاکابر عن الأصاغر کیا جاتا ہے۔

معاصر مؤلفین نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً مناع القطان کہتے ہیں:

روایۃ الشخص عن دونہ فی السن والطبقة أوفی العلم  
والحفظ. (۳)

ایک شخص کا ایسے شخص سے روایت کرنا جو عمر، درجہ یا علم و حفظ میں اس سے کم ہو۔

### اہمیت

حافظ ابن الصلاح اس کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

ومن الفائدة فیہ أن لا یوهم کون المروری عنہ اکبر و أفضل من الراوی

نظراً الی ان الاغلب کون المروری عنہ كذلك فیجہل بذلك منزلتہما

و قد صح عن عائشة أنها قالت: ”امرنا ان نزل الناس منازلہم“. (۴)

۲ - نزہة النظر، ۶۲

۱ - الباعث الحثیث، ۱۸۲

۳ - مباحث فی علوم الحدیث، ۱۵۷؛ محمود الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ۱۸۸

۴ - ابن الصلاح، ۳۰۷؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، ۳/۲۶۱، ابو داؤد نے اسے منقطع قرار دیا ہے جب کہ امام حاکم سے تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے معرفۃ علوم الحدیث (۴۹) میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن الصلاح اور ابن کثیر نے ان کا تتبع کیا ہے۔ البتہ حافظ عراقی نے النکت میں حدیث کے ضعیف ہونے پر متنبہ کیا ہے۔

اور اس کی معرفت حاصل کرنے میں قائدہ یہ ہے کہ یہ خیال نہ رہے کہ مروی عنہ راوی سے بڑا اور افضل ہوتا ہے کیونکہ اغلباً مروی عنہ ایسا ہی ہوتا ہے اور اس طرح دونوں کے مقام و مرتبہ سے ناواقفیت رہے۔ اور عائشہؓ سے صحیح روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق رکھیں۔

حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:

وهو نوع مهم تدعوا إليه الهمم العلية، والأنفس الزكية، ولذا قيل كما تقدم في محله: لا يكون الرجل محدثاً حتى ياخذ عن فوقه و مثله و دونه . وفائدة ضبطه الخوف من ظن الانقلاب في السند مع ما فيه من العمل فقولہ صلی اللہ علیہ وسلم انزلوا الناس منازلہم . (۱)

اقسام

روایۃ الاکابر عن الاصاغر کی کئی اقسام ہیں اور ان کا تعلق مختلف نسبتوں سے ہے مثلاً:

۱۔ عمر اور طبقہ کا فرق

حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

أن يكون الراوی أكبر سناً و أقدم طبقة من المروی عنه... والخطیب اذا ذاك في عنفوان شبابه و طلبه (۲)

راوی مروی عنہ سے عمر میں اور طبقے میں مقدم ہو جیسے زہری اور یحییٰ بن سعید الانصاری کی امام مالک سے روایت یا ابی القاسم عبداللہ بن احمد الازہری کی متاخرین میں سے خطیب کے شیوخ کی روایت۔ انھوں نے بعض تصانیف میں خطیب سے روایت کی حالانکہ خطیب اس وقت جوان تھے اور طلب علم کے مراحل میں تھے۔

۲۔ راوی مرتبہ میں بڑا ہو

حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں:

ان يكون الراوی أكبر قدراً من المروی عنه... عبید اللہ بن موسیٰ . (۳)

۱۔ فتح المغیث للسخاوی، ۱۷۹/۳

۲۔ ابن الصلاح، ۳۰۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳۶۶/۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۷۹/۳؛ تدریب، ۳۲۳

۳۔ ایضاً، ۳۰۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۳۶۶/۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۷۹/۳؛ تدریب، ۳۲۳

یہ کہ راوی مروی عنہ سے مرتبہ میں بڑا ہو یعنی حافظ و عالم ہو اور مروی عنہ صرف راوی ہو۔  
جیسے مالک عبداللہ بن دینار سے روایت کریں اور احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ عبید اللہ  
بن موسیٰ سے روایت کریں۔

### ۳۔ راوی بہمہ وجوہ بڑا ہو

حافظ ابن الصلاح کے الفاظ میں:

و منها ان يكون الراوى اكبر من الوجهين جميعاً... و نظائر ذلك كثيرة. (۱)  
اور ان میں ایک قسم یہ ہے کہ راوی بہمہ وجوہ مروی عنہ سے بڑا ہو۔ اور اس کی مثال وہ  
روایات ہیں جن میں بہت سے علماء و حفاظ اپنے رفقا اور تلامذہ سے روایت کرتے ہیں۔  
جیسے: حافظ عبدالغنی (۲) محمد بن علی الصوری (۳) سے روایت کریں یا ابو بکر البرقانی (۴)  
خطیب سے اور خطیب ابو نصر بن ماکولا (۵) سے روایت کرے۔

ابن الصلاح کے بقول اس کے نظائر کثیر ہیں۔ (۶)

اس کے تحت وہ روایات بھی آتی ہیں جن میں کسی صحابی نے کسی تابعی سے روایت کی ہو یا تابعی نے تبع تابعی  
سے کی ہو۔ حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ويندرج تحت هذا النوع ما يذکر من رواية الصحابي عن التابعي كرواية

- ۱۔ ابن الصلاح، ۳۰۸
- ۲۔ حافظ عبدالغنی بن سعید ابو محمد الازدی المصري (م ۳۰۹ھ) اپنے وقت کے اجل محدثین سے سماع کیا اور ازاں بعد ایک کثیر تعداد  
نے ان سے استفادہ کیا۔ صاحب تصانیف تھے۔ اپنے وقت کے حفظ حدیث میں امام تھے۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۳۴۷؛  
وفیات الاعیان، ۳/۲۲۳؛ شذرات الذهب، ۳/۱۸۸؛ سیر، ۱۴/۲۶۸
- ۳۔ محمد بن علی الصوری ابو عبداللہ الساطی الشامی (م ۳۴۰ھ) اپنے وقت کے حافظ حدیث تھے۔ ثقاہت اور عدالت میں ممتاز  
تھے۔ ان کے اساتذہ حافظ عبدالغنی بن سعید نے ان سے سماع کیا۔ خطیب بغدادی نے ان سے کسب فیض کیا۔ العبر  
۳/۲۹۷؛ تاریخ بغداد، ۳/۱۰۳؛ شذرات، ۳/۲۶۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۴/۲۷۷
- ۴۔ ابو بکر البرقانی احمد بن محمد الخوارزمی (م ۳۲۵ھ) اپنے وقت کے اجل حافظ حدیث۔ کثرت سے سفریے۔ فقہ میں خصوصی  
دسترس تھی۔ حدیث اور فقہ میں تصانیف مرتب کیں۔ تاریخ بغداد، ۳/۳۷۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۰۷۳؛  
شذرات، ۳/۲۲۸؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۴/۳۶۲
- ۵۔ ابو نصر بن ماکولا الجعفی البغدادی (م ۳۷۴ھ) اپنے وقت کے ثقہ محدث تھے۔ علم حدیث پر کئی تالیفات مرتب کیں۔ ہم عصر کبار  
محدثین ان کی تعظیم کرتے اور ان کی مجالس عملی میں شریک ہوتے۔ وفیات الاعیان، ۳/۳۰۵؛ شذرات الذهب،  
۳/۳۸۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۵۶۹
- ۶۔ ابن الصلاح، ۳۰۸

العبادلة وغيرهم من الصحابة عن كعب الاحبار (۱) وكذلك رواية  
 التابعي عن تابع التابعي، كما قد مناه من رواية الزهري والانصاري عن  
 مالك و كعمرو و بن شعيب (۲) بن محمد بن عبد الله بن عمرو بن  
 العاص لم يكن من التابعين، و روى عنه اكثر من عشرين نفساً من  
 التابعين جمعهم عبدالغنى بن سعيد الحافظ في كتيب له. و قرأت بخط  
 الحافظ أبو محمد الطبسي (۳) في تخريج له قال: عمرو بن شعيب ليس  
 بتابعي و قد روى عنه نيف و سبعون رجلاً من التابعين (۴) والله اعلم.  
 اور اس نوع کے تحت وہ روایت آئے گی جس میں صحابی تابعی سے روایت کرتا ہے جیسے عبادہ  
 (عبداللہ بن عباس، ابن عمر اور ابن عمرو بن العاص) وغیرہ جو صحابہ ہیں اور کعب احبار سے  
 روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح تابعی کی تبع تابعی سے روایت جیسا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

۱۔ ایسی ہی روایات سے مستشرقین نے اور ان کی متابعت میں مسلمان معاشروں کے منکرین حدیث نے استدلال کیا ہے کہ صحابہ  
 نے کعب احبار سے کہانیاں سن کر انہیں حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ استدلال بددیانتی اور تحریف پر مبنی ہے۔ ایسا  
 کبھی نہیں ہوا ایک حوالہ جو دیا گیا ہے اس میں بددیانتی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ فتح الباری میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کے  
 بارے میں نقل کیا گیا:

أصاب زاملتين من كعب اهل الكتاب و كان يرويها للناس عن النبي - (فتح الباری، ۱/۱۶۶) یعنی ان کے ہاں  
 اہل کتاب کی تحریریں تھیں اور ان میں سے وہ بیان کرتے تھے۔ معترض نے عن النبی کا جملہ اپنی طرف سے اضافہ کر کے یہ  
 ظاہر کیا کہ وہ اہل کتاب کی کہانیاں حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے حالانکہ یہ خیانت ہے۔ ابن حجر کی عبارت میں  
 عن النبی کے الفاظ موجود ہی نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد محمد اسماعیل، المنهج الحديث في علوم الحديث  
 (قسم التاريخ الحديث) ۲۰۹-۲۵۷۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ کعب الاحبار سے عمر اور علی سمیت صحابہ کی ایک جماعت  
 نے روایت کی ہے: (الباعث الحثيث، ۱۸۴)

۲۔ عمرو بن شعيب بن محمد عبداللہ بن عمرو بن العاص (م ۱۱۸ھ) جلیل القدر عالم اپنے والد سے روایت کی اسی طرح سعید بن  
 المسیب، طاووس، سلیمان بن یسار اور عمرو بن الزبیر وغیرہم سے اور ان سے زہری، قتادہ، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار  
 اور کھول وغیرہ نے روایت کی۔ ترمذی بخاری سے نقل کرتے ہیں احمد، علی، اسحاق اور ابو عبیدہ ان کی روایت جو والد اور دادا سے ہے  
 اسے قبول کرتے ہیں۔ محدثین کے ہاں ان کے سلسلے میں مختلف آراء ہیں تہذیب الاسماء، ۲/۲۸؛ تاریخ اسلام للہب،  
 ۳/۲۸۵؛ سیر اعلام النبلاء ۵/ ۱۶۵-۱۸۰؛ میزان الاعتدال، ۳/ ۲۶۳؛ تہذیب التہذیب، ۸/۳۱؛ شذرات  
 الذهب، ۱۷/۱۵۵

۳۔ میسر مصادر میں تعین نہ ہو سکا۔

۴۔ ابن الصلاح، ۳۰۸-۳۰۹؛ فتح المغیث، ۳/ ۱۸۰؛ حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ میں نے ایک جزء میں ان کے نام جمع  
 کئے ہیں اور وہ پچاس ہیں۔ حافظ عراقی نے پچاس سے اوپر شمار کئے ہیں۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۶۷۔  
 علامہ سیوطی نے ان کے نام دیے ہیں۔ تدریب، ۳۲۵-۳۲۶؛ توضیح الافکار، ۲/ ۴۷۳

زہری اور انصاری کی مالک سے روایت اور جیسے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص جن کا شمار تابعین میں نہیں ہوتا اور ان سے بیس سے زیادہ تابعین نے روایت کی ہے۔ حافظ عبدالغنی بن سعید نے ایک کتابچہ میں انہیں جمع کیا ہے اور میں نے حافظ ابو محمد الطہسی کے خط میں ان کی تخریج میں یہ پڑھا ہے کہ عمرو بن شعیب تابعی نہیں حالانکہ ان سے ستر سے اوپر تابعین نے روایت کی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے روایت الاکابر کے تحت لکھا ہے:

ومن اجل ما يدكر في هذا الباب ما ذكره رسول الله ﷺ في خطبته عن تميم الداري (١) لما أخبره به عن رؤية الدجال في تلك الجزيرة التي في البحر. والحديث في الصحيح. (٢) وكذلك في صحيح البخاري رواية معاوية بن أبي سفيان عن مالك بن يخامر (٣) عن معاذ، وهم بالشام، في حديث: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق (٤) اس سلسلے میں سب سے اہم مثال جو ذکر کی جاتی ہے وہ روایت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں تميم الداري سے ذکر کیا جو اس نے سمندر کے ایک جزیرے میں دجال کو دیکھنے کے بارے میں بیان کی۔ اسی طرح صحیح بخاری میں وہ حدیث جسے معاویہ بن ابی سفیان، مالک بن یخامر سے بذریعہ معاذ روایت کرتے ہیں اور وہ سب شام میں تھے۔ آپ کی حدیث یہ ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔

علامہ احمد محمد شاہ اس نوع میں ایک اور مثال کا ذکر کرتے ہیں جس میں صحابی تابعی سے اور صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ایسی کوئی مثال نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ صحابہ نے تابعین سے فقط اسرائیلیات اور موقوفات روایت کی ہیں لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ نوع موجود ہے۔

- ۱- تميم بن اوس بن خارجة الداري البوقية (م ۳۵ھ) مشہور صحابی جو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بیت المقدس میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ تقریب التہذیب، ۱/ ۱۱۳
- ۲- الباعث الحثیث، ۱۸۳؛ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی الجامع میں نقل کیا ہے۔ کتاب الفتن باب خروج الدجال، ۲۰۳/۸-۲۰۴؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب فی أمارات الملاحم ۳/۳۸۲، ۵۰۰؛ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، ۳/۵۲۱-۵۲۲ ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب طلوع الشمس ..... ۲/۳۵۳
- ۳- مالک بن یخامر تابعی۔ بعض لوگوں نے انہیں صحابہ میں شمار کیا لیکن یہ ثابت نہیں۔ الجرح و التعديل، ۳/ ۲۰۳ / ابن سعد، ۴/ ۳۴۱
- ۴- بخاری، الجامع، کتاب الاعتصام، باب قول النبی لا تزال طائفة من امتی .....، ۸/ ۱۳۹، حدیث ۴۳۱۱؛ مسلم، الجامع، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ، ۱/ ۹۵

حافظ خطیب بغدادی نے اس موضوع پر تالیف چھوڑی ہے اور حافظ عراقی نے ایسی بیس حدیثیں جمع کی ہیں (۱) اس ایک مثال مندرجہ ذیل روایت ہے:

السائب بن يزيد الصحابي عن عبدالرحمن بن عبدالقاري التابعي عن عمر بن الخطاب عن النبي ﷺ قال: من نام عن حزبه اوشىء منه فقراه فيما بين صلوة الفجر و صلوة الظهر كتب له كانما قرأه من الليل. رواه مسلم في صحيحه (۲)

سائب بن یزید صحابی عبدالرحمن بن عبدالقادر تابعی سے اور وہ عمر بن الخطاب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنی تلاوت یا اس کا کچھ حصہ پڑھنے سے پہلے سو گیا اور پھر اسے صبح اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا کہ گویا اس نے رات ہی کو پڑھ لیا۔

دوسری مثال:

سهل بن سعد الساعدي الصحابي عن مروان بن الحكم التابعي عن زيد بن ثابت: أن رسول الله ﷺ ألقى عليه: لا يستوي القاعدون من المؤمنين و المجاهدون في سبيل الله فجاء ابن أم مكتوم و هو يملأ على قال: يا رسول الله: والله لو أستطيع لجاهدت، و كان اعمى، فأنزل الله على رسوله و فخذ به على فخذى فثقلت علي حتى خفت ان ترض فخذى، ثم سرى عنه. فانزل الله: غير أولى الضرر. رواه البخاري (۳)

سہل بن سعد الساعدی صحابی جو تابعی مروان بن حکم سے اور وہ زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انہیں قرآن مجید کی آیت ”لا يستوي القاعدون“ الخ اٹھا کر ارہے تھے کہ ان ابن ام مکتوم آئے اور کہا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم اگر مجھ میں استطاعت ہوتی میں جہاد کرتا سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل کی۔ آپ کی رائے

الباعث الحثيث، ۱۸۳

ایضاً، ۱۸۳-۱۸۵؛ مسلم، الجامع، کتاب المسافرین، باب جامع الصلوٰۃ و من نام عنه، ۱۷۱/۲؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الصلوٰۃ، باب من نام عن حزبه، ۷۵/۲-۷۶؛ نسائی، السنن، کتاب قیام اللیل، باب من یقضی من نام عن حزبه من اللیل، ۲۵۹/۳، حدیث: ۱۷۹۱؛ ابن ماجہ، السنن، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی من نام عن حزبه، ۳۲۶/۱، حدیث: ۱۳۳۳

بخاری، الجامع، کتاب الجہاد، باب قول اللہ عز و جل: لا يستوي القاعدون، ۲۱۱/۳-۲۱۳؛ مسند احمد، ۱۳۸/۵؛ ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، تفسیر سورة النساء، ۲۲۲/۵

میری ران پر تھی مجھ پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ میری ٹانگ کچلی جائے گی پھر یہ ختم ہو گیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے غیر اولی الضرر نازل کیا یعنی سوائے معذور لوگوں کے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

روایۃ الأصابغ عن الأکابر یہ وہ روایت ہے جس میں چھوٹے بڑوں سے روایت کرتے ہیں۔ روایات کی بڑی تعداد اسی قسم کے متعلق ہے اس لیے اس کے بارے میں زیادہ بحثیں نہیں ہوئیں۔

مصادر

اس موضوع پر ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم المنجینی (۳۰۴ھ) نے ایک کتاب مارواہ الأکابر عن الأصابغ تالیف کی۔





## روایۃ الآباء عن الابناء

تعریف

ایسی حدیث جس کی سند میں باپ بیٹے سے روایت کرے باپ کی بیٹے سے روایت کہلاتی ہے۔  
حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

و منه الآباء عن الابناء. والصحابة عن التابعين و الشيخ عن تلميذه  
ونحو ذلك. (۱)

باپ کی بیٹے سے صحابہ کی تابعین سے اور شیخ کی شاگرد سے روایت اسی قبیل سے ہے۔  
صحابہ کی تابعین سے اور شیخ کی شاگرد سے روایت کے متعلق ہم پچھلی فصل میں مفصل لکھ آئے ہیں۔ یہاں ہم  
باپ کی بیٹے سے روایت کی مثالیں بیان کرتے ہیں۔

مثال

حافظ ابن الصلاح نے خطیب سے نقل کرتے ہوئے اس کی کئی مثالیں دی ہیں ہم ان میں سے چند ایک ان  
س کے الفاظ میں یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

روينا فيه عن العباس بن عبد المطلب عن ابنه الفضل "ان رسول الله ﷺ

جمع بين الصلوتين بالمزدلفة" (۲)

عباس بن عبد المطلب اپنے بیٹے فضل سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ  
میں دو نمازیں جمع کیں۔

وروينا فيه عن وائل بن داؤد عن ابنه بكر عن الزهري عن سعيد بن

المسيب عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: اخر وا (۳)

نزہة النظر، ۶۲

ابن الصلاح، ۳۳۳، فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۱۹۳-۱۹۴: بخاری، الجامع، کتاب الحج، باب الجمع

بین الصلاتین، ۴ / ۱۷۳، ۱۷۷

یعنی جانور کی پشت پر درمیان میں بوجھ لادو اور بہت پیچھے نہ کرو تا کہ اسے بوجھ اٹھانا آسان ہو۔ فیض القدیر، ۱ / ۲۱۳

الاحمال فان اليد مغلقة (۱) والرجل موثقة (۲) - قال الخطيب: لا

يروى عن النبي ﷺ فيما نعلمه الا من جهة بكر وابه (۳)

ہم سے روایت کی گئی ہے کہ وائل بن داؤد اپنے بیٹے بکر سے روایت کرتے ہیں وہ زہری

سے بذریعہ سعید بن المسیب ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جانوروں پر بوجھ پیچھے ڈالو کیونکہ ہاتھ بند ہیں اور پاؤں بندھے ہوئے ہوں۔ خطیب کہتے

ہیں کہ ہمارے علم تک یہ حدیث بکر اور اس کے والد کے علاوہ کسی اور طریق سے مروی نہیں۔

وروینا فیہ عن معتمر بن سلیمان التیمی قال: حدثنی ابی قال: حدثتنی

انت عنی عن ایوب عن الحسن قال: "ویح" کلمة رحمة. وهذا

طریف یجمع انواعاً (۴)

اور ہم نے معتمر بن سلیمان التیمی سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ میرے والد نے مجھ سے

حدیث بیان کرتے ہوئے کہا: تم مجھ سے روایت کرتے ہوئے بذریعہ ایوب، بذریعہ الحسن

یہ کہا کہ ویح کلمہ رحمت ہے ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ دلچسپ حدیث ہے کہ اس میں کئی انواع

جمع ہیں۔

و آخر مارویناہ من هذا النوع وأقر به عهداً ما حدثني أبو المظفر

عبدالرحيم بن الحافظ أبي سعد المروزي. رحمهما الله بها من لفظه

قال: أنبأني والدي عنی فیما قرأت بنخذه قال: حدثنی ولدی ابو

۱- یعنی جانور کی اگلی، ٹانگ بوجھ کی وجہ سے آسانی سے متحرک نہیں ہوتی اس لیے اسے بند دروازے سے مثال کے طور پر بیان کیا

گیا ہے۔ فیض القدیر، ۱/ ۲۱۳

۲- پاؤں بندھا ہوا ہے یعنی بوجھ سے لدا ہے۔ اس لیے بوجھ اگر اگلے حصے پر رکھا جائے تو اگلی ٹانگوں کو تکلیف اور اگر بالکل پیچھے

رکھا جائے تو پاؤں کو تکلیف ہوتی ہے اس لیے درمیان میں ہونا چاہیے۔ فیض القدیر، ۱/ ۲۱۳؛ المقنع، ۲/ ۵۳۶

۳- سیوطی نے اس حدیث کو ابوداؤد کی مراسیل سے منسوب کیا ہے اور زہری سے روایت کیا ہے۔ اور اسے حسن کہا ہے۔ حدیث

۲۹۲۔ طبرانی نے الاوسط میں سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ روایت کی ہے۔ الباعث الحثیث، ۱۸۹

ابن الصلاح، ۳۱۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۱۹۴

۴- ابن الصلاح، ۳۳۳؛ امام نووی الارشاد میں کہتے ہیں کہ اس میں زوایۃ الاب عن الابن ہے بروایۃ الاکبر عن الاصغر

ہے بروایۃ السابع عن تابعہ ہے۔ تین تابعین ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں اور کئی ایک نے اپنے آپ سے

روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں انتہائی درجہ کا حسن اور غرابت پائی جاتی ہے۔ تدریب، ۲۳۲؛ فتح المغیث

۳۷۲/۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۱۹۴

المظفر عبدالرحيم من لفظه واصله، فذكر باسناده عن ابي امامة أن رسول الله ﷺ قال: "احضروا موائدكم البقل فانه مطردة للشيطان مع التسمية" (۱)

اور آخری چیز اور ہمارے عہد کے قریب جو ہم نے اس نوع سے روایت کی ہے وہ روایت ہے جو مجھ سے ابوالمظفر عبدالرحيم بن الحافظ ابوسعید المرزوقی نے اپنے الفاظ میں بیان کی۔ کہتے ہیں کہ میرے والد مجھ سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ میں نے ان کی تحریر میں پڑھا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے سے میرے بیٹے ابوالمظفر نے اپنے الفاظ اور اپنی سند سے ابو امامہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی کھیتی میں محافظ جانور کو رکھو اس لیے کہ وہ تسمیہ کے ساتھ شیطان کو بھگانے والا ہے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جسے ابو بکر کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ غلط ہے وہ حدیث یہ ہے:

عن ابي بكر الصديق عن عائشة عن رسول الله ﷺ أنه قال: في الحبة السوداء شفاء لكل داء الا من السام (۳)

ابو بکر صدیق بذریعہ عائشہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا لے دانے میں ہر بیماری کی شفا ہے سوائے موت کے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ یہ روایت ابو بکر بن ابی عتیق عن عائشہ ہے اور وہ عبداللہ بن محمد بن عمر بن ابی بکر صدیق ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں موسیٰ بن عقبہ نے کہا:

لا نعرف أربعة ادر كوا النبي ﷺ هم و ابناءهم الا هؤلاء الأربعة فذكر ابا بكر الصديق، و اباہ، و ابنه عبدالرحمن و ابنه محمداً ابا عتيق (۴)

ابن الصلاح، ۳۱۴: حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ شیخ ابو عمرو نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے حالانکہ ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا وہ مزید کہتے ہیں: و اخلق به ان يكون كذلك. یعنی اسی لائق ہے کہ اسے موضوع کہا جائے۔ الباعث الحثیث، ۱۸۹، ابن ملقن اور حافظ عراقی نے بھی اسے موضوع کہا ہے۔ المقنع، ۲/۵۳۸

ابن الصلاح، ۳۱۴  
بخاری، الجامع، کتاب الطب، باب الحبة السوداء، ۴/۱۴، ۱۵ حدیث ۵۶۸۷، مسلم الجامع، کتاب السلام، باب التداوی بالحبة السوداء، ۴/۲۵  
ابن الصلاح، ۳۱۴: فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۷۳

ہمارے علم میں ایسے چار لوگ نہیں جنہوں نے خود اور ان کے بیٹوں نے نبی اکرم ﷺ کا عہد پایا ہو سوائے ان چاروں کے۔ اس کے بعد ابو بکر صدیق، ان کے والد، ان کے بیٹے عبدالرحمن اور ان کے بیٹے محمد ابو عتیق کا ذکر کیا۔

حافظ ابن کثیر نے مزید مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ ان کے ساتھ عبداللہ بن زبیر، ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر بن ابی قحافہ شامل کئے جاسکتے ہیں اور وہ عمر میں بڑے اور صحابہ میں عبدالرحمن بن ابی بکر سے زیادہ مشہور ہیں۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ حمزہ اور عباسؓ نے اپنے بھتیجے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی ہے۔ (۱)

مصادر

۱۔ روایۃ الآباء عن الابناء

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

وللخطیب الحافظ فیہ کتاب. (۲)

یعنی خطیب بغدادی کی اس موضوع پر کتاب ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

وقد صنف الخطیب فی روایۃ الآباء عن الابناء تصنیفاً وافرود جزء

لطیفاً فی روایۃ الصحابة عن التابعین. (۳)

روایۃ الآباء عن الابناء کے متعلق خطیب نے ایک کتاب لکھی ہے اور روایۃ الصحابة عن التابعین کے بارے میں مستقل رسالہ لکھا ہے۔

۲۔ مارواہ الکبار عن الصغار، والآباء عن الابناء

اس کتاب کے مولف اسحاق بن ابراہیم بن یونس النخعی (م ۳۰۲ھ) ہیں۔ (۴)



۱۔ الباعث الحثیث، ۱۸۹

۲۔ ابن الصلاح، ۳۱۳؛ المقنع، ۲/۵۳۵؛ الرسالة، ۱۳۴

۳۔ نزہة النظر، ۶۲

۴۔ الرسالة، ۱۳۴

## روایۃ الابناء عن الآباء

جب سند حدیث میں بیٹا باپ سے روایت کرے تو وہ روایۃ الابناء عن الآباء ہوگی۔ حافظ ابن کثیر

لکھتے ہیں:

روایۃ الأبناء عن الآباء كثيرة جداً۔ (۱)

حافظ ابن حجر روایۃ الآباء عن الابناء کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفي عكسه كثرة لانه هو الجادة المسلوكة الغالبة۔ (۲)

اور اس کا عکس یعنی روایۃ الابناء عن الآباء بہ کثرت ہے اور یہی روایت کا غالب طریق ہے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ روایۃ الابن عن الأب عن الجد۔

بیٹے کی بذریعہ باپ دادا سے روایت۔

۲۔ روایۃ الابن عن الاب عن الجد۔

دادا کی نسبت کے بغیر بیٹے کی باپ سے روایت

ابن الصلاح پہلی قسم کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

نحو عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده۔ وله بهذا الاسناد نسخة

كبيره اكثرها فقهيات جواد. و شعيب هو ابن محمد بن عبدالله بن

عمرو بن العاص۔ وقد احتج أكثر أهل الحديث بحديثه حملاً لمطلق

الجد فيه على الصحابي عبدالله بن عمرو بن العاص دون ابنه محمد

والد شعيب، لما ظهر لهم من اطلاقه ذلك۔ (۳)

مثال کے طور پر عمرو بن شعیب اپنے والد کے ذریعہ اپنے دادا سے۔ اس سند کا ان کا ایک بڑا

۱۔ الباعث الحثيث، ۱۹۰

۲۔ نزہۃ النظر، ۶۲

۳۔ ابن الصلاح، ۳۱۵

رسالہ ہے جس میں اکثر عمدہ مسائل ہیں اور شعیب، محمد بن عبداللہ بن عمرو العاص کے بیٹے ہیں۔ اکثر اصحاب حدیث نے ان کے باپ محمد کا خیال کئے بغیر محض ان کے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص کی موجودگی کے باعث ان کی حدیث کو قابل حجت مانا ہے۔

اسی طرح بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی سند۔ بہز نے اس سند کے ساتھ ایک بڑا رسالہ روایت کیا۔ جو بہت اچھا ہے۔ بہز کے دادا معاویہ بن حیدہ (۱) القشیری ہیں۔

تیسری مثال طلحہ بن مصرف (۲) عن ابیہ عن جدہ کی ہے۔ اور اس کے دادا کا نام عمرو بن کعب الیامی ہے۔ بعض نے کعب بن عمرو کہا ہے۔ (۳) ابوالقاسم منصور بن محمد العلوی کہتے ہیں کہ بعض اسناد عالی ہیں اور بعض معالی ہیں اور حدیثی ابی عن جدی معالی میں سے ہے (۴) اس طرح کی روایت کے قابل حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ حافظ عراقی نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ (۵)

حافظ سخاوی نے عمرو بن شعیب کی روایت کے بارے میں مفصل بحث کی ہے شیخ احمد محمد شاہ نے الباعث الحثیث میں اسے مختصراً پیش کیا ہے۔ عمرو عن ابیہ عن جدہ کے سلسلے میں محدثین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ سخاوی نے چار اقوال نقل کئے ہیں (۶) جنہیں حافظ عراقی سے نقل کیا گیا ہے۔

۱۔ مطلقاً حجت ہے۔

اس سلسلے میں انہوں نے امام بخاری کا قول نقل کیا ہے:

قال البخاری: رايت احمد بن حنبل و علي بن المديني و اسحاق بن راهويه و ابا عبيد و عامة اصحابنا يحتجون بحديث عمرو بن شعيب

- ۱۔ حاء کے فتح اور یا کے سکون کے ساتھ: معاویہ بن حیدہ بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن معصم القشیری (بصرہ میں مقیم ہوئے) نبی اکرم ﷺ سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے حکیم اور عروہ بن رویم اللخمی اور حمید الیزنی نے روایت کی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور شرف صحبت حاصل کیا۔ خراسان میں فوت ہوئے۔ بخاری نے کتاب الشہادۃ اور کتاب النکاح میں روایت نقل کی۔ تہذیب، ۱۱۰/۱۸۷، الاصابۃ، ۶/۳۹
- ۲۔ میم کے ضمہ، صاد کے فتح اور را کے کسرہ مشدد کے ساتھ مصرف پڑھا جائے گا۔ طلحہ بن مصرف بن عمرو بن کعب بن حجب بن معاویہ بن سعد بن الحارث الہمدانی الیامی ابو الحسن (م ۱۱۲ھ) انس، عبداللہ بن ابی اوفی، قرہ بن شراحیل اور خیمہ بن عبدالرحمن وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابواسحاق السبئی (جوان سے عمر میں بڑے تھے) اسماعیل بن ابی خالد اور زبید بن الحارث الیامی اور اعش (جوان کے اقران تھے) نے روایت کی۔ ابن معین، ابوحاتم اور المعلی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں اکنان ثقہ ولہ احادیث صالحہ۔ تہذیب التہذیب، ۵/۳۵۔ ۲۶، سیر اعلام النبلاء، ۵/۱۹۱
- ۳۔ ابن الصلاح، ۳۱۵-۳۱۶
- ۴۔ ایضاً، ۳۱۶-۳۱۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۱۹۹
- ۵۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۷۵
- ۶۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۰۱-۲۰۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۷۵-۳۷۶

عن أبيه عن جدّه ما تركه أحد من المسلمين (۱) وقال مرة: اجتمع  
 عليّ و يحيى بن معين و أبو خيثمة و شيوخ من أهل العلم فتذاكروا  
 حديث عمرو بن شعيب فثبتوه و ذكروا أنه حجة (۲)  
 بخاری کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل و علی بن المدینی و اسحاق بن راہویہ، ابو عبیدہ اور اپنے  
 عام اصحاب حدیث کو عمرو بن شعیب عن ابيہ عن جدہ سے استدلال کرتے  
 دیکھا۔ مسلمانوں میں کسی نے اسے ترک نہیں کیا۔۔۔۔ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ علی، یحییٰ  
 بن معین، ابو خيثمة اور اہل علم میں سے شیوخ جمع ہوئے اور عمرو بن شعیب کی حدیث کے  
 بارے میں گفتگو کی۔ سب نے اس کی تثبیت کی اور اسے حجت قرار دیا۔

### ۔ عدم استدلال

ابوداؤد کی رائے ہے کہ اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ ابو عبیدہ آجری ان سے نقل کرتے ہیں:

قيل له: عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه حجة عندك؟ قال: لا

ولا نصف حجة (۳)

ان سے کہا گیا کہ عمرو بن شعیب عن ابيہ عن جدہ آپ کے نزدیک حجت ہے تو کہا کہ نہیں بلکہ  
 آدھی دلیل بھی نہیں۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ والد کے ذریعہ دادا سے ان کی روایت مرسل ہے کیونکہ اس کے دادا محمد کو شرف صحبت  
 مل نہ تھا۔ ابن حبان الضعفاء میں عمرو کے ذکر میں کہتے ہیں۔ اگر وہ والد کے علاوہ ثقات سے روایت کریں تو  
 ہیں اور اگر والد کے ذریعہ دادا سے روایت کریں تو چونکہ شعیب عبد اللہ سے نہیں ملے لہذا روایت متقطع ہوگی اور  
 دادا سے مراد محمد ہو تو اسے شرف صحبت حاصل نہیں لہذا مرسل ہوگی۔ حافظ عراقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: قد صح سماع شعيب من عبدالله بن عمرو كما صرح به البخاري

في التاريخ و احمد و كما رواه الدار قطني و البيهقي في السنن باسناد

صحيح (۴)

التاريخ الكبير، ۳/۱/۲۳۱؛ فتح المغيب للسخاوي، ۳/۲۰۱

فتح المغيب للعراقي، ۳/۳۷۵؛ فتح المغيب للسخاوي، ۳/۲۰۱؛ تدریب، ۳۳۵

إيضاً، ۲/۱۶۱؛ فتح المغيب للسخاوي، ۳/۲۰۲

فتح المغيب للعراقي، ۳/۳۷۶؛ تدریب، ۳۳۵؛ فتح المغيب للسخاوي، ۳/۲۰۱



میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن عمرو سے شعیب کا سماع ثابت ہے جیسا کہ بخاری نے تاریخ میں اور احمد نے تصریح کی ہے اور جیسا کہ دارقطنی اور بیہقی نے سنن میں صحیح اسناد سے روایت کیا ہے۔

### ۳۔ دادا کا تعین

تیسرا قول یہ ہے کہ دادا کے بارے میں وضاحت ہو کہ وہ عبد اللہ ہے یا نہیں۔ یہ دارقطنی کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کے تین اجداد میں سب سے نیچے محمد ہے درمیان میں عبد اللہ ہے اور سب سے اوپر عمرو ہے۔ شعیب نے محمد سے سماع کیا اور محمد نبی اکرم ﷺ سے نہیں ملا اور اس نے اپنے دادا عبد اللہ سے سنا جو ظاہر ہے کہ صحابی ہے اگر وہ واضح کریں اور ظاہر کریں تو اس صورت میں حدیث صحیح ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس کی روایت کو ترک نہیں کیا۔ اور شعیب کا سماع اپنے دادا عمرو سے ثابت نہیں ہے۔ لہذا اگر وہ کہے کہ میں نے اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو سے سنا تو یہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کہے: عن جدہ فان سمعت النبی ﷺ اور اس کی مراد عبد اللہ بن عمرو ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ اس طرح کی کئی احادیث کتب سنن میں موجود ہیں۔ (۱)

### ۴۔ آباء کا مفصل ذکر

یہ فرق کہ سب آباؤ اجداد کا ذکر ہے۔ یا عن ابیہ عن جدہ پر اقتصار ہے۔ اگر سب کی تصریح ہے تو حجت ہے وگرنہ نہیں۔ یہ رائے ابو حاتم بن حبان البستی کی ہے۔ انہوں نے اپنی صحیح میں ایک حدیث اس طرح نقل کی ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن محمد بن عبد اللہ بن عمرو عن ابیہ مرفوعاً: (ألا احدثکم با حکم الی و اقر بکم منی مجلساً یوم القیامۃ؟) الحدیث. قال الحافظ أبو سعید العلانی فی کتاب الوشی المعلم فیما قرأته علیہ بیت المقدس ما جاء فیہ التصریح بروایة محمد عن ابیہ فی السند فهو شاذ نادر. (۲)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے محمد بن عبد اللہ بن عمرو سے اور وہ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور قیامت کے دن نشست میں مجھ سے قریب تر ہوگا۔ الحدیث۔ حافظ ابو سعید العلانی اپنی کتاب الوشی المعلم میں، جسے میں نے ان کے سامنے بیت المقدس میں پڑھا، لکھتے ہیں کہ جس سند میں محمد عن ابیہ کی تصریح نہیں ہے وہ شاذ و نادر ہے۔

- ۱۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۷۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۰۱
- ۲۔ ایضاً، ۳/۳۷۶؛ تدریب، ۳۳۵؛ ابن حجر نے اس کا نسخ کیا ہے اور ابو الفضل بن طاہر نے اپنی کتاب المبہمات کے آخر میں ایک بڑی فصل میں اسے بیان کیا ہے۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۰۵

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ سب سے زیادہ دلچسپ روایت ابو الفرج عبد الوہاب التیمی الفقیہ الحنبلی کی ہے۔ بغداد کی جامع المنصور میں ان کا وعظ و فتویٰ کا حلقہ تھا۔ انھوں نے اپنے والد کے ذریعے نو آباء سے روایت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اخبرني بذلك الشيخ ابو الحسن مويد بن محمد بن علي النيسابوري بقراءتي عليه بها، قال: اخبرنا ابو منصور عبدالرحمن بن محمد الشيباني في كتابه إلينا، قال: اخبرنا الحافظ ابو بكر احمد بن علي، قال: حدثنا عبدالوهاب بن عبدالعزيز ابن الحارث بن اسد بن ليث بن سليمان بن الأسود بن سفیان بن يزيد بن اكينه (۱) بن عبدالله التميمي من لفظه: قال سمعت ابي يقول: سمعت ابي يقول: سمعت ابي يقول: سمعت ابي يقول: سمعت ابي يقول: سمعت ابي طالب و قد سئل عن الحنان المنان، فقال: الحنان الذي يقبل على من اعرض عنه و المنان الذي يبدأ بالنوال قبل السؤال. (۲)

مجھے شیخ ابو الحسن موید بن محمد بن علی النیسابوری نے اپنے سامنے میری قرأت پر مجھے بتاتے ہوئے کہا: ابو منصور عبدالرحمن بن محمد الشیبانی نے ہماری طرف لکھے ہوئے مکتوب کے ذریعہ خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں حافظ ابو بکر احمد بن علی نے خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں عبدالوہاب بن عبدالعزیز بن الحارث بن اسد بن لیث بن سفیان بن الاسود بن سفیان بن یزید بن اکینہ بن عبداللہ التیمی نے اپنے لفظوں میں بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو کہتے سنا: میں نے علی بن ابی طالب سے سنا ہے جب ان سے الحنان المنان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا: الحنان وہ ہے جو اعراض کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور المنان وہ ہے جو سوال سے پہلے عطا کرتا ہے۔

۱۔ روایۃ الابن عن الاب فقط

دوسری قسم وہ ہے جس میں بیٹا صرف باپ سے روایت کرتا ہے۔ (۳) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

اکینہ: مصغر

ابن الصلاح نے اسے مختصر کیا ہے جب کہ یہ تسلسل بارہ تک پہنچتا ہے، ابن الصلاح، ۳۱۶؛ حافظ عراقی نے رزق اللہ بن عبید کی مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں بارہ آباء کا ذکر ہے۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۷۷ - ۳۷۸؛ سخاوی نے ان روایات کا بھی ذکر کیا جن میں چودہ آباء کا ذکر ہے۔ فتح المغیث، ۴ / ۲۰۳ - ۲۰۵

ابن الصلاح، ۳۱۷

وذلك باب واسع. (۱) اور یہ بہت وسیع باب ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: وذلك كثير جداً. (۲) ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

امام نووی کہتے ہیں: وهو كثير. (۳)

مثال

حافظ ابن الصلاح اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو نحو رواية أبي العشاء الدارمي عن ابيه عن رسول الله و حديثه

معروف. (۴)

اس کی مثال ابو العشاء الدارمی عن ابيه عن رسول الله ﷺ کی روایت ہے اور مشہور حدیث ہے۔

مصادر

۱۔ رواية الابیاء عن آباؤهم

اس کتاب کے مولف ابونصر الواہلی / الواہلی ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ حافظ ابونصر الواہلی / الواہلی نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے اور اس میں اہم پہلو وہ ہے جس میں وہ لوگ ہیں جو صرف الاب یا السجد کے عنوان سے آئے ہیں اور ان کے نام مذکور نہیں ہیں۔ (۵) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حافظ ابونصر الواہلی نے جامع کتاب لکھی اور بعض متاخرین نے اس پر عمدہ اشیاء کا اضافہ کیا ہے۔ (۶)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وجمع الحافظ صلاح الدين العلاتي من المتأخرين مجلداً كبيراً في معرفة من روى عن ابيه عن جده عن النبي ﷺ و قسمه اقساماً، فمنه

۱۔ ابن الصلاح، ۳۱۷

۲۔ الباعث الحثيث، ۱۹۰

۳۔ تدریب، ۲۳۳

۴۔ ابن الصلاح، ۳۱۷؛ فتح المغیث، ۳/۲۰۰؛ تدریب، ۲۳۳؛ حافظ ابن الصلاح ابوالشراء کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اسامہ بن مالک ابن قحطلم بکسر القاف ہے جو میں نے بیعتی وغیرہ کے خط میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اسے قحطلم (بالحاء) بھی پڑھا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا نام عطار دین بن یزید بکسر الراء و بتحریر کھا کچھ لوگوں نے اسے لام کے ساتھ ابن بلز پڑھا ہے۔ اس کے نام اور اس کے والد کے نام پر کافی اختلاف منقول ہے۔ ابن الصلاح، ۳۱۷؛

فتح المغیث للسعاوی ۳/۲۰۰؛ تدریب، ۲۳۳

۵۔ ابن الصلاح، ۳۱۷

۶۔ الباعث الحثيث، ۱۹۲

ما يعود الضمير في قوله عن جده على الراوى، ومنه ما يعود الضمير فيه على ابيه، وبين ذلك وحققه وخرج في كل ترجمة حديثاً من مرويه - وقد لخصت كتابه المذكور وزدت عليه تراجم كثيرة جداً اكثر ما وقع فيه الرواية عن الآباء باربعة عشر أباً - (۱)

اور متاخرين میں سے حافظ صلاح الدين العلائی نے ایک بڑی کتاب ان راویوں کے بارے میں لکھی جنہوں نے دادا سے بذریعہ والد روایت کی۔ اس کو کئی اقسام پر تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس میں اس کی روایت عن جده میں ضمیر راوی کی طرف راجع ہوتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس میں ضمیر اس کے والد کی طرف راجع ہوتی ہے۔ مصنف نے اسے وضاحت کے ساتھ لکھا اور محققانہ بحث کی اور حدیث کے راویوں میں سے ہر ایک کے احوال کی تخریج کی۔ میں نے اس کتاب کی تلخیص کی اور اس میں بہت سے تراجم کا اضافہ کیا۔ اور زیادہ سے زیادہ جو آباء روایت میں آئے ہیں وہ چودہ ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بعض اسانید میں فلان عن ابيه عن ابيه آتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ منقول ہے تاہم یہ کم واقع ہوا ہے۔ اور اس میں بھی صحیح کم ہے۔ (۲)

## ۲۔ کتاب من روى عن ابيه عن جده

اس کے مولف قاسم بن قطلوبغا (م ۸۷۹ھ) ہیں۔ مولف نے کتاب کو دو ابواب میں اور ہر باب کو چار سول میں تقسیم کیا ہے۔ فصل اول نہایت اہم ہے۔ یہ کتاب ہم تک مکمل نہیں پہنچی۔ استاذ ہاسم فیصل نے کتاب کی تحقیق کی اور آخر میں ضمیر کا اضافہ کیا جس میں بعض رواۃ کے حالات اور باب اول سے جو چیزیں رہ گئی تھیں ان کو شامل کیا۔ موضوع پر اہم کتاب ہے۔ (۳)

## ۲۔ الوشى للمعلم في من روى عن ابيه عن جده

اس کتاب کے مولف صلاح الدين خليل بن كيركلى العلائی ہیں۔ کتابی کہتے ہیں:

هو أجمع مصنف صنف في هذا (۴)

ابن حجر نے اس کی تلخیص بھی لکھی۔ (۵)



۲- الباعث الحثيث، ۱۹۲

۳- المدخل إلى دراسة علوم الحديث، ۳۶۵ سے ماخوذ

۴- الرسالة، ۳۳

۵- الرسالة، ۳۳؛ كشف الظنون، ۲/۲۰۳

## سابق ولاحق

سابق لغوی اعتبار سے السبق سے اسم فاعل ہے جس کے معنی آگے بڑھنے والے کے ہیں (المتقدم) الاحق، اللحاق سے اسم فاعل ہے جس کے معنی متاخر کے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سابق وہ راوی ہے جو پہلے مر جاتا ہے اور للاحق وہ ہے جو بعد میں مرتا ہے، اصطلاحاً اس سے مراد ایسے دو راوی ہیں جو ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں لیکن ان دونوں میں موت کی وجہ سے بعد زمانی ہے۔ امام نووی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من اشترك في الرواية عنه اثنان تباعد ما بين وفاتهما. (۱)  
 شیخ سے روایت میں دو ایسے راویوں کا اشتراک جن کی وفات میں بعد زمانی ہو۔  
 حافظ عراقی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان يشترك راويان في الرواية عن شخص واحد، واحد الراويين متقدم  
 والآخر متاخر بحيث يكون بين وفاتهما أمد بعيد. (۲)  
 یہ کہ دو راوی ایک شخص سے روایت میں مشترک ہوں۔ ایک راوی متقدم ہو اور دوسرا متاخر  
 ہو اس طرح کہ دونوں کی وفات میں بہت زمانے کا فرق ہو۔  
 حافظ ابن حجر سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وان اشترك اثنان عن شيخ و تقدم موت احدهما على الآخر فهو  
 السابق واللاحق (۳)  
 اگر دو راوی ایک شیخ سے روایت کرنے میں شریک ہوں اور ایک دوسرے سے پہلے مر گیا تو  
 پہلے مرنے والے کی روایت کو سابق اور مقابل کی روایت کو للاحق کہا جاتا ہے۔

مثال

حافظ ابن الصلاح نے اس کی دو مثالیں دی ہیں وہ لکھتے ہیں:

- ۱- تقریب مع التدریب، ۴۳۸
- ۲- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۷۸؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۰۶
- ۳- نزہة النظر، ۶۲

و من أمثلة أن محمد بن إسحاق الشافعي النيسابوري روى عنه البخاري الإمام في تاريخه وروى عنه أبو الحسين أحمد بن محمد الخفاف النيسابوري و بين وفاتيهما مائة وسبع و ثلاثون سنة أو أكثر. و ذلك أن البخاري مات سنة ست و خمسين و مائتين و مات الخفاف سنة ثلاث و تسعين و ثلاثمائة. و قيل مات في سنة أربع أو خمس و تسعين و ثلاثمائة. و كذلك مالك بن أنس الإمام حدث عنه الزهري و زكريا بن دويد الكندي و بين وفاتيهما مائة و سبع و ثلاثون سنة أو أكثر إذ مات مالك بن أنس سنة تسع و سبعين و مائة و مات الزهري سنة أربع و عشرين و مائة. (۱)

اور اس کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے محمد بن اسحاق النيسابوري ہیں ان سے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے اور ان سے ابوالحسن احمد بن محمد الخفاف النيسابوري نے بھی روایت کی ہے۔ ان دونوں کی وفات میں ایک سو ستتیس سال یا زیادہ کا وقفہ ہے کیونکہ بخاری دو سو چھپن میں فوت ہوئے اور خفاف تین سو ترانوے، پچانوے یا چورانوے ہجری میں فوت ہوئے۔ اسی طرح امام مالک ابن انس ہیں۔ ان سے زہری اور زکریا بن دويد؛ لکندی نے روایت کی ہے اور ان کی وفات میں ایک سو ستتیس برسوں کا یا اس سے بھی زیادہ کا فرق ہے، کیونکہ مالک بن انس ایک سو اناسی میں فوت ہوئے جب کہ زہری نے ایک سو چوبیس میں وفات پائی۔

حافظ ابن کثیر اختصار میں لکھتے ہیں:

وممن روى عن مالك زكريا بن دويد الكندي . و كانت وفاته بعد وفاة

الزهري بمائة وسبع و ثلاثين سنة أو أكثر. (۲)

اور جن لوگوں نے مالک سے روایت کی ان میں سے زکریا بن دويد لکندی ہے اس کی وفات

زہری کی وفات کے ایک سو ستتیس سال یا زیادہ بعد واقع ہوئی۔

شیخ احمد شاہ کرنے اسی مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مولف نے جو مثال دی ہے وہ عمدہ نہیں ہے کیونکہ



زکریا بن دوید کے بارے میں حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ وہ ”کذاب“ ہے اور مالک، ثوری اور دیگر بڑے ائمہ سے سماع کا دعویٰ کیا ہے اور اسے گمان تھا کہ وہ ایک سو میں سال کا ہے۔ (۱)

حافظ عراقی کہتے ہیں:

قلت: هكذا مثل ابن الصلاح تبعاً للخطيب بزكريا بن دويد و هو ان كان روى عن مالك فإنه احد الكذابين - قال ابن حبان: كان يضع الحديث و ادعى انه سمع من حميد الطويل و روى عنه نسخة موضوعة فلا ينبغي حينئذ ان يمثل به - (۲)

میں کہتا ہوں کہ ابن الصلاح نے خطیب کی متابعت میں زکریا کی مثال دی ہے، اگرچہ اس نے مالک سے روایت کی تاہم اس کا شمار کذابوں میں ہوتا ہے۔ ابن حبان کا کہنا ہے کہ زکریا حدیثیں وضع کرتا تھا۔ اس نے حمید الطویل سے سماع کا دعویٰ کیا ہے اور اس نسخہ موضوعہ کی روایت کی ہے اس صورت حال میں اس کی مثال دینا مناسب نہیں۔

ابن حجر نے اس کی مثال دیتے ہوئے لکھا:

وأكثر ما وقفنا عليه من ذلك ما بين الراويين فيه في الوفاة مائة وخمسون سنة - و ذلك أن الحافظ السلفي سمع منه أبو علي البرداني أحد مشائخه حديثاً و رواه عنه و مات علي رأس الخمس مائة - ثم كان آخر أصحاب السلفي بالسماع سبطه أبا القاسم عبد الرحمن بن مكي و كانت وفاته سنة خمسين و ستمائة - و من قديم ذلك أن البخاري حدث عن تلميذه أبي العباس السراج شيئا في التاريخ و غيره - و مات سنة ست و خمسين و مائتين و آخر من حدث عن السراج بالسماع أبو الحسين الخفاف و مات سنة ثلاث و تسعين و ثلثمائة، و غالب ما يقع من ذلك ان المسموع منه قد يتأخر بعد أحد الراويين عنه زماناً

۱- الباعث الحثيث، ۱۹۲

۲- فتح المغيب العراقي، ۳/ ۳۷۸-۳۷۹؛ لسان الميزان ۳/ ۱۳۹؛ ميزان الاعتدال، ۲/ ۷۲ (ترجمة: ۲۸۷۳)؛ المغني في الضعفاء ۱/ ۲۳۹ (ترجمة: ۲۹۱)؛ الضعفاء والمتروكين لابن

الجزوي، ۱/ ۲۹۳ (ترجمة ۲۰۲)؛ تنزيه الشريعة، ۱/ ۶۰ رقم: ۵



حتى يسمع منه بعض الاحداث ويعيش بعد السماع منه دهرًا طويلا.

فيحصل من مجموع ذلك هذه المدة والله الموفق. (۱)

میری دانست میں ایسے دور ادیوں کا بنظر دقات زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو سال کا فاصلہ ثابت ہوتا ہے جیسے حافظ سلفی ہیں۔ ان سے ابوعلی البردانی جو سلفی کے مشائخ میں سے بھی ہیں، سماع کر کے ان سے روایت کی ان کی دقات اوائل پانچ سو (۵۰۰) ہجری میں ہوئی اور سب سے آخر میں سلفی سے ان کے پوتے ابوالقاسم عبدالرحمن بن مکی نے سماع کر کے ان سے روایت کی۔ ان کی وفات چھ سو پچاس (۶۵۰ھ) میں ہوئی۔ بنا بریں ابوعلی اور ابوالقاسم کی وفات کے درمیان ڈیڑھ سو سال کا فاصلہ ثابت ہوتا ہے۔ سلفی سے آگے بخاری کے شاگرد ابوالعباس سراج گزرے ہیں۔ امام بخاری نے ان سے کئی ایک روایتیں نقل کی ہیں اور بخاری کی وفات دو سو تھپن (۲۵۶ھ) میں ہوئی ہے اور سب سے آخر سراج سے ابوالحسن خفاف نے حدیث کی سماعت کر کے روایت کی ہے اور خفاف کی وفات تین سو ترانوے (۳۹۳ھ) میں ہوئی اس بنیاد پر امام بخاری اور خفاف کے درمیان ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال کا فاصلہ ہوتا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ شیخ جس سے دور ادیوں نے حدیث سنی ایک راوی کے فوت ہو جانے کے بعد بھی ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ پھر شیخ کی آخری عمر میں دوسرا راوی جو کم عمر ہو اس سے حدیث سن کر مدت مدید تک زندہ رہے۔ اس بنا پر دونوں کے درمیان بڑا فاصلہ واقع ہوگا۔

ابن الصلاح اس کے فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن فوائده ذلك تقرير حلاوة علو الاسناد في القلوب. (۲)

امام سخاوی لکھتے ہیں:

الأمّن من ظن سقوط شئ في اسناد المتأخر و تفقه الطالب في معرفة العالی و النازل، والأقدم من الرواة عن الشيخ، و من به ختم حدیثه، و

تقرير حلاوة علو الإسناد في القلوب. (۳)

۱- نزہة النظر، ۶۳

۲- ابن الصلاح، ۳۱۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۲۰۶

۳- فتح المغیث للسخاوی، ۲/۲۰۶

## ۱۔ السابق واللاحق فی تباعد ما بین وفاة راوین عن شیخ واحد

حافظ ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ خطیب نے اس پر کتاب لکھی جس کا نام السابق واللاحق ہے۔ (۱)  
حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:

وقد اكثر من التعرض لذلك شيخنا الحافظ الكبير ابو الحجاج المزني  
في كتابه "التهديب" وهو مما يتحلى به كثير من المحدثين ، وليس من  
المهمات فيه . (۲)

ہمارے شیخ حافظ کبیر ابو الحجاج المزنی نے اپنی کتاب التہذیب میں اس سے بحث کی ہے  
اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے اکثر محدثین متصف ہیں اور بڑی اہم چیز نہیں ہے۔



- 
- ۱- ابن الصلاح ، ۳۱۸؛ فتح المغیث للسخاوی ، ۲۰۶ / ۴ ، سخاوی نے اس فن پر ذہبی کی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ  
کتاب شائع ہو چکی ہے۔ الباعث الحثیث ، ۱۹۳
- ۲- الباعث الحثیث ، ۱۹۳؛ فتح المغیث للسخاوی ، ۲۰۶ / ۴

## دو شیخوں کا ہم نام وہم و صف ہونا

اگر ایک راوی دو شخصوں سے روایت کرتا ہو اور دونوں کے باپ دادا بھی ہم نام ہوں اور دونوں کی نسبت بھی ایک ہو تو اس میں تعین کیسے ہو۔ حافظ ابن حجر نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

وان روى الراوى عن اثنين متفقى الاسم او مع اسم الأب او مع اسم الجد، او مع النسبة ولم يتميزا بما يخص كلا منهما، فان كانا ثقتين لم يضر و من ذلك ما وقع فى البخارى فى روايته عن أحمد غير منسوب عن ابن وهب فإنه إما أحمد بن صالح او أحمد بن عيسى. او عن محمد غير منسوب عن اهل العراق، فإنه إما محمد بن سلام او محمد بن يحيى الذهلى. و قد استوعبت ذلك فى مقدمة شرح البخارى. و من أراد ذلك ضابطاً كلياً يمتاز به أحدهما عن الآخر فباختصاصه أى الشيخ المروى عنه بأحدهما يتبين المهمل. و متى لم يتبين ذلك، أو كان مختصاً بهما معاً فاشكاله شديد. فيرجع فيه الى القرائن والظن الغالب. (۱)

اگر ایک راوی دو شخصوں سے روایت کرتا ہو اور دونوں کے باپ دادا بھی ہم نام ہوں اور دونوں کی نسبت بھی ایک ہی ہو اور دوسری کسی صفت سے بھی دونوں میں امتیاز نہ ہوتا ہو تو اگر دونوں ثقہ ہیں تو کوئی مضرت نہیں جیسا کہ بخاری نے احمد بن وہب سے روایت کی ہے چونکہ احمد غیر منسوب ہے اس لیے اس سے مراد یا تو احمد بن صالح ہے یا احمد بن عیسیٰ اسی طرح بخاری کی روایت محمد بن اہل العراق میں محمد غیر منسوب ہے اس لیے اس سے یا تو محمد بن سلام مراد ہے یا محمد بن یحییٰ الذہلی۔ میں نے مقدمہ شرح بخاری میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ جو شخص ان میں ایک کو دوسرے سے مکمل طور ممتاز دیکھنا چاہے تو کسی اختصاص سے تعین کر سکے گا یعنی مروی عنہ شیخ کے ذریعہ ان میں سے ایک کو واضح کیا جاسکے گا۔ اور جب یہ واضح نہ ہو یا دونوں شیخ سے اختصاص رکھتے ہوں تو پھر یہ زیادہ مشکل ہو جائے گا ان حالات میں قرآن یا ظن غالب سے کام لیا جائے گا۔

## شیخ کا انکار کرنا

اگر مروی عنہ راوی کی روایت کا انکار کرے تو اس روایت کی کیا حیثیت ہوگی؟ حافظ ابن حجر نے اس پر محققانہ بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں:

و إن روى عن شيخ حديثاً فجدد الشيخ مرويه: فإن كان جزماً كان يقول: كذب علي أو مارويت له هذا، أو نحو ذلك. فإن وقع منه ذلك ردّ ذلك الخبر، لكذب واحد منهما لا بعينه، ولا يكون ذلك قادحاً في واحد منهما، للتعارض، أو كان جرده احتمالاً، كأن يقول: ما اذكر هذا، أو لا أعرفه. قبل ذلك الحديث في الأصح لأن ذلك يحمل على نسيان الشيخ. وقيل: لا يقبل. لأن الفرع تبع للأصل في إثبات الحديث، بحيث إذا ثبت الأصل الحديث ثبتت رواية الفرع. فكذلك ينبغي أن يكون فرعاً عليه وتبعاً له في التحقيق. وهذا متعقب بان عدالة الفرع تقتضي صدقه، وعدم علم الأصل لا ينافيه - فالمثبت مقدم على النافي - وأما قياس ذلك بالشهادة ففاسد، لأن شهادة الفرع لا تسمع مع القدرة على شهادة الأصل بخلاف الرواية فافتراقاً. وفيه أي في هذا النوع صنف الدارقطني كتاب "من حدث ونسى" وفيه ما يدل على تقوية المذهب الصحيح، لكون كثير منهم حدثوا بأحاديث فلما عرضت عليهم لم يتذكروها؛ لكنهم لا اعتمادهم على الرواية عنهم صاروا يروونها عن الذي رووها عنهم عن أنفسهم. كحديث سهيل بن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة مرفوعاً في قصة الشاهد واليمين، قال عبدالعزيز بن محمد الدراوردي: "حدثني به ربعة بن أبي عبد الرحمن عن سهيل، قال: فلقيت سهيلاً فسألته عنه فلم

يعرفه، فقلت: ان ربيعة حدثني عنك بكذا، فكان سهيل بعد ذلك

يقول: حدثني ربيعة عني أني حدثته عن أبي به - ونظائره كثيرة (۱) اگر راوی نے ایک حدیث ایک شیخ سے روایت کی اور شیخ نے اس روایت کا انکار کر دیا اگر یہ انکار یقین پر مبنی ہے جیسے وہ یہ کہتا ہے کہ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے یا میں نے یہ روایت نہیں بیان کی یا اسی طرح کی کوئی اور بات تو یہ حدیث مردود ہوگی کیونکہ اس صورت میں ان دونوں میں سے ایک بلا تعین جھوٹا ہے لیکن تعارض کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی مجروح شمار نہیں ہوگا اور اگر یہ انکار بطور احتمال ہے جیسے وہ یہ کہے: مجھے یاد نہیں ہے یا میں اسے نہیں پہچانتا۔ تو اصح مسلک یہ ہے کہ وہ حدیث مقبول ہوگی کیونکہ اسے شیخ کے نسیان پر محمول کیا جائے گا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ اس صورت میں بھی حدیث کو قبول نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ اثبات حدیث میں شیخ اصل اور راوی فرع ہے جب اصل سے حدیث ثابت ہوگی تو تب فرع کی روایت ثابت ہوگی۔ اسی طرح مناسب ہے کہ راوی مروی عنہ کے لیے فرع کی حیثیت ہو اور تحقیق میں اس کے تابع ہو۔ مگر یہ استدلال قابل گرفت ہے کیونکہ فرع کی عدالت اس کے صدق کی متقاضی ہے اور اصل کا لاعلم ہونا اس کے منافی نہیں ہے لہذا مثبت منفی پر مقدم ہے۔ جہاں تک اس کو شہادت پر قیاس کرنے کا تعلق ہے۔ (۲) تو یہ قیاس فاسد ہے اس لیے کہ شہادت میں اصل کی شہادت پر قدرت ہوتے ہوئے فرع کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے جب کہ روایت میں ایسا نہیں ہے، سو دونوں میں فرق ہے اس بحث کے متعلق دارقطنی نے ایک کتاب بعنوان من حدث و نسی لکھی ہے۔ اس کتاب میں صحیح قول کی تائید کی گئی ہے اس لیے کہ اس میں بہت سے ایسے مشائخ کا ذکر ہے جنہوں نے احادیث روایت کیں اور جب ان کے سامنے پیش کی گئیں تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ چونکہ ان کو اپنے تلامذہ پر کامل وثوق تھا اس لیے پھر ان احادیث کو انہوں نے بایں الفاظ روایت کیا کہ ان احادیث کو ہم ان سے اس لیے روایت کرتے ہیں کہ وہ قائل ہیں کہ ہم نے انہیں یہ حدیثیں بیان کی ہیں۔

اس کی مثال قصۃ شاہد والیمین ہے جسے سهیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ

۱- نزہۃ النظر، ۶۴

۲- یعنی اصل اگر شہادت سے انکار کرے تو فرع کی شہادت نامقبول ہوگی۔

مرفوعاً روایت کیا ہے۔ عبدالعزیز بن محمد الدرادر دی کہتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے ربیعہ بن عبدالرحمن نے سہیل سے روایت کی۔ جب سہیل سے میری ملاقات ہوئی تو ان سے میں نے اس حدیث کے متعلق سوال کیا۔ ان کا جواب تھا کہ مجھے یاد نہیں تب میں نے سہیل سے کہا کہ یہ حدیث ربیعہ نے مجھے تم سے روایت کی ہے۔ اس وقت سے سہیل اس حدیث کو یوں روایت کرتے ہیں کہ ربیعہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی اور ربیعہ مجھ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ان کو اپنے والد سے روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر نظائر بھی بکثرت موجود ہیں۔



# المسلسل

تعریف:

مسلسل التسلسلہ سے ماخوذ ہے جس کا لغوی مفہوم ہے دو یا چند چیزوں کا باہم ملا ہوا ہونا۔ (۱)  
حافظ ابن الصلاح "المسلسل من الحدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

التسلسل من نعوت الاسانید و هو عبارة عن تتابع رجال الاسناد

وتواردہم فیہ و احداً بعد واحدٍ علی صفة أو حالة واحدة. (۲)

تسلسل کا تعلق اسانید کی صفات سے ہے اور مسلسل نام ہے سند کے راویوں کے تتابع کا اور وہ

ایک دوسرے کے بعد ایک ہی صفت یا ایک ہی حالت میں وارد ہوں۔

امام نووی نے ابن الصلاح کی تلخیص کرتے ہوئے لکھا:

المسلسل: هو ما تتابع رجال إسنادہ علی صفة أو حالة للرواة تارة وللرواية

تارة أخرى. (۳)

مسلسل وہ روایت جس کی سند کے راوی ایک صفت یا حالت پر تتابع ہوں۔ یہ تتابع کبھی  
راویوں میں ہو اور کبھی روایت میں۔

حافظ عراقی المسلسل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

التسلسل من صفات الاسانید - فالحدیث المسلسل هو ما توارد

رجال إسنادہ واحداً فواحداً علی حالة واحدة أو صفة واحدة سواء

كانت الصفة للرواة أو الاسناد و سواء كان ما وقع منه فی الاسناد فی

صیغ الاداء أو متعلقاً بزمن الرواية أو بالمكان و سواء كانت أحوال

الرواة أو صفاتهم أقوالاً أو أفعالاً۔ (۴)

تسلسل کا تعلق اسناد کی صفات سے ہے۔ سو حدیث المسلسل وہ ہے جس کی سند کے رجال

۱- لسان العرب، ۱۱/۳۳۵

۲- ابن الصلاح، ۲۷۵

۳- تقریب مع تدریب، ۲۸۰

۴- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۱۹-۳۲۰



میں ایک کا دوسرے سے ایک حالت یا ایک صفت پر تو ارد ہو یہ صفت راویوں کی ہو یا اسناد کی، اور اسناد میں یہ وقوع صیغہ، ادا میں یا روایت کے زمانہ سے متعلق ہو یا مکان سے اور راویوں کے احوال و صفات کا تعلق اقوال سے ہو یا افعال سے۔

ان تعریفات کا جائزہ لیں تو ان میں اختصار اور تطویل کا فرق ہے بنیادی تصور ایک ہے۔ ابن الصلاح نے جو تعریف کی ہے بعد میں آنے والوں نے اس کو الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ایک معاصر مؤلف د/عجاج الخطیب مسلسل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المسلسل هو الحديث الذي يتصل إسناده بحال هيئة أو وصف -

قولی أو فعلی - يتكرر فی الرواة أو الروایة أو يتعلق بزمن الروایة أو

مکانها (۱)

حافظ ابن حجر نے حدیث المسلسل کی تعریف کرتے ہوئے جو انداز اختیار کیا ہے اس میں تعریف بھی ہے اور

تشریح بھی۔ وہ لکھتے ہیں:

و ان اتفق الرواة فی اسناد من الأسانید فی صیغ الأداء کسمعت فلانا،

أو حدثنا فلان، قال حدثنا فلان، وغيره ذلك من الصیغ أو غيرها من

الحالات القولية کسمعت فلانا یقول: أشهد بالله لقد حدثنی فلان

الخ، أو الفعلية کقوله: دخلنا علی فلان فاطعمنا تمرًا الخ، أو القولية

والفعلية معًا کقوله: حدثنی فلان وهو آخذ بلحيته، قال: آمنت بالقدر

الخ، فهو المسلسل وهو من صفات الإسناد - (۲)

اور اگر اسانید میں سے کسی سند میں روایت کے الفاظ پر اتفاق ہو جائے جیسے سمعت فلانا

یا ”حدثنا فلان“، قال حدثنا فلان وغیرہ۔ یہ اتفاق الفاظ یا حالات پر ہو سکتا ہے اور

پھر یہ حالت قولی ہو سکتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے: ”میں نے فلاں شخص کو کہتے سنا: اس پر میں

اللہ کو گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ فلاں شخص نے مجھ سے حدیث بیان کی۔“ یا یہ حالت فعلی ہو سکتی

ہے جیسے کوئی شخص کہے: ”فلاں شخص کے پاس ہم گئے پھر اس نے ہمیں کھجوریں کھلائیں۔“ یا

حالت قولی و فعلی کا مجموعہ ہو سکتی ہے جیسے کوئی شخص کہے: ”مجھ سے فلاں شخص نے حدیث بیان

کی دریاں حالے کہ وہ اپنی داڑھی کو پکڑے ہوئے تھا، اس نے کہا: میں قدر پر ایمان لایا“ تو

وہ حدیث مسلسل ہوگی اور اس کا تعلق اسناد کی صفات سے ہے۔

۱- اصول الحدیث علومہ و مصطلحہ، ۳۹۹

۲- نزہة النظر، ۶۳

## حدیث مسلسل کی اقسام

حافظ ابن حجرؒ نے تو تعریف ہی میں اقسام کو سودیا ہے البتہ دوسرے مصنفین نے ان صفات کو الگ بیان کیا ہے۔ حدیث مسلسل کی کئی اقسام ہیں۔ حافظ ابن الصلاح اقسام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تنقسم الی مالا تحصیہ. ونوعه الحاکم أبو عبدالله الحافظ إلی ثمانية أنواع، والذي ذكره فيها إنما هو صور و أمثلة ثمانية ولا انحصار لذلك في ثمانية كما ذكرناه. (۱)

اور یہ بے شمار انواع پر منقسم ہے۔ امام ابو عبد اللہ نے اسے آٹھ انواع پر تقسیم کیا ہے اور اس میں جو کچھ انھوں نے ذکر کیا ہے وہ صرف آٹھ صورتیں اور مثالیں ہیں۔ ان انواع کو جیسا کہ ہم نے کہا ہے آٹھ میں منحصر نہیں کیا جاسکتا۔

امام نووی اقوال و افعال کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وانواع كثيرة غيرها. (۲) یعنی ان کے علاوہ بہت سی اقسام ہیں۔

صاحب توجیہ النظر مسلسل کی تعریف و انواع کے سلسلے میں امام حاکم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولم يذكر الحاکم تعريف المسلسل و انما نوعه الی ثمانية انواع اکتفی فیها بذكر امثلتها ثم قال فی آخرها: فهذه انواع المسلسل من الأسانید المتصلة التي لا يشوبها تدليس و آثار السماع بین الراویین ظاهرة غير أن رسم الجرح و التعديل عليهما محکم و إنی لا أحکم لبعض هذه الأسانید بالصحة فانما ذکرتها لیستدل بشواهدها علیها. (۳)

امام حاکم نے مسلسل کی تعریف نہیں بیان کی صرف آٹھ (۸) انواع کی تقسیم بیان کی اور صرف مثالوں پر اکتفا کیا اس کے بعد کہا: یہ اسناد متصلہ میں سے مسلسل کی اقسام ہیں جن میں تدلیس کا دخل نہیں ہے اور درواریوں کے درمیان سماع کے آثار ظاہر ہیں سوائے اس کے کہ ان پر جرح و تعدیل کا ضابطہ جاری ہوگا۔ میں ان اسانید کی صحت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیتا۔ میں نے صرف اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ ان سے شواہد کے طور پر استدلال کیا جاسکے۔

۱- ابن الصلاح، ۲۷۵، معرفة علوم الحدیث، ۲۹-۳۳

۲- تقریب مع تدریب، ۳۸۰

۳- توجیہ النظر، ۱۲۸

الجزائری نے اس کے بعد ابن الصلاح کا پورا اقتباس نقل کیا ہے جس کا کچھ حصہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ ابن الصلاح کے مطابق یہ صرف مثالیں ہیں جنہیں بیان کیا گیا ہے (۱)۔ ذیل میں ان اقسام کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

### المسلسل باحوال الرواة القولية

وہ حدیث جس کا تعلق راویوں کے توارق قوی سے ہے اس کی مثال معاذ بن جبل کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يا معاذ إنني أحبك ، فقل في دبر كل صلوة : اللهم أعني ذكرك  
وشكرك و حسن عبادتك . (۲)

معاذ میں تم سے محبت رکھتا ہوں سو ہر نماز کے بعد کہا کریں: اے اللہ! اپنے ذکر شکر اور حسن عبادت پر میری مدد فرما۔

یہ دو راویوں پر مشتمل مسلسل حدیث ہے جس میں انسی احبک فقل دہرایا گیا ہے۔ (۳) نسائی نے یہ مسلسل حدیث کے طور پر نقل کیا ہے۔ (۴)

### المسلسل باحوال الفعلية

وہ مسلسل حدیث جس میں راویوں کے تابع فعلی کا اظہار ہے۔ اس کی مثال ابو ہریرہ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں:

قال شبك بيدي أبو القاسم و قال :خلق الله الأرض يوم السبت ( ۵ )

اس حدیث کی روایت میں راویوں نے ”تشبيك يد“ کا تسلسل قائم رکھا۔ (۶)

### المسلسل باحوال القولية والفعلية

وہ حدیث جس میں قوی و فعلی دونوں حالتوں کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ اس کی مثال حدیث انس بن مالک ہے۔

۱- ابن الصلاح ، ۲۷۵ ، توجہ النظر ، ۱۸۸

۲- ابو داؤد ، السنن ، کتاب الصلاة ، باب فی الاستغفار ، ۱۸۱ / ۲

۳- ایضاً ، المناهل السلسلة فی الاحادیث المسلسلة ، ۱۳-۱۵ ؛ محمد السماحي ، ۲۸۶

۴- نسائی ، السنن ، کتاب الصلوة ، باب الدعاء بعد الذكر ، ۱۹۲ / ۱

۵- معرفة علوم الحديث ، ۳۳-۳۴ ؛ فتح المغیث للعراقی ، ۳ / ۳۲۰ ؛ فتح المغیث للسخاوی ، ۳۹ / ۳

۶- ایضاً ؛ المناهل السلسلة ، ۳۱-۳۲ ؛ شیخ محمد السامی نے قسم المصطلح میں مفصل ذکر کیا ہے ، ۲۸۵-۲۹۴

حدثنا محمد بن عبدالله الحاكم ثنا الزبير بن عبدالواحد قال: حدثنا شهاب بن خراش قال: سمعت يزيد الرقاشي يحدث عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: لا يجد العبد حلاوة الإيمان حتى يؤمن بالقدر خيره وشره، حلوه ومره. قال: وقبض رسول الله ﷺ على لحيته وقال: آمنت بالقدر خيره وشره، حلوه ومره. قال: وقبض أنس على لحيته وقال: آمنت بالقدر خيره وشره، حلوه ومره. قال: وأخذ شهاب بلحيته وقال: آمنت بالقدر خيره وشره، حلوه ومره، وأخذ سعيد بلحيته وقال: آمنت بالقدر خيره وشره، حلوه ومره، قال: وأخذ سليمان بلحيته وقال: آمنت بالقدر خيره وشره، حلوه ومره. قال: وأخذ الزبير بلحيته وقال: آمنت بالقدر خيره وشره، حلوه ومره، قال: وأخذ الحاكم بلحيته وقال: آمنت بالقدر خيره وشره، حلوه ومره. (۱)

یزید الرقاشی انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ ایمان کی حلاوت نہیں پاسکتا جب تک وہ قدر پر ایمان نہ لائے، وہ اچھی ہو یا بری، میٹھی ہو یا کڑوی۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی واڑھی کو منھی میں لیا اور فرمایا: میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں۔ اچھی بھی اور بری بھی اور میٹھی بھی اور کڑوی بھی۔ کہتے ہیں کہ شہاب نے اسی طرح کیا اور کہا کہ میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں اچھی بھی اور بری بھی اور کڑوی بھی۔ اسی طرح سعید نے کیا اور کہا میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں، اچھی بھی اور بری بھی، میٹھی بھی اور کڑوی بھی۔ اسی طرح سلیمان نے کیا اور کہا کہ میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں اچھی بھی اور بری بھی اور کڑوی بھی۔ اسی طرح زبیر نے کیا اور کہا کہ میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں، اچھی بھی اور بری بھی اور کڑوی بھی۔ اسی طرح حاکم نے بھی کیا اور کہا کہ میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں اچھی بھی اور بری بھی اور کڑوی بھی۔

۱- فتح المغیث للعراقی ۳ / ۳۲۰-۳۲۱؛ المناہل السلسلۃ، ۳۵-۳۸؛ معرفة علوم الحدیث، ۳۱-۳۲۔ حاکم نے اسے مکمل تسلسل کے ساتھ نقل کیا، اسی طرح عراقی نے بھی یہ سلسلہ اسی طرح حدیث کے آخری راوی ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم الانصاری تک جاری رہا۔

وہ حدیث جس میں راویوں کی صفات قولیہ کا توارد ہو۔ عراقی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

واحوال الرواة القولية متقاربة بل متماثلة - (۱)

اور اس کی مثال وہ حدیث مسلسل ہے جو سورة الصف کی قراءت سے متعلق ہے۔ اسے امام ترمذی (۲) نے

اپنی جامع میں نقل کیا ہے:

قال: حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن أخبرنا محمد بن كثير عن

الأوزاعي عن يحيى بن أبي كثير عن أبي سلمة عن عبد الله بن سلام

قال: قعدنا نقرأ من أصحاب رسول الله ﷺ فتذاكرنا فقلنا: لو نعلم

أى الاعمال أحب إلى الله تعالى لعملائه فأنزل الله عز وجل: "سبح لله

ما فى السموات وما فى الارض و هو العزيز الحكيم يا ايها الذين

آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون" - (۳) قال: ابن سلام فقرأها علينا

رسول الله ﷺ قال أبو سلمة: فقرأه علينا عبد الله بن سلام - قال

يحيى: فقرأ علينا أبو سلمة - قال ابن كثير: فقرأها علينا الأوزاعي -

قال عبد الله: فقرأها علينا ابن كثير - (۴)

عبد اللہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ انہیں محمد بن کثیر نے الاوزاعی سے انہوں نے یحییٰ

بن کثیر سے انہوں نے ابوسلمہ سے اور انہوں نے عبد اللہ بن سلام سے روایت کی کہ انہوں

نے کہا: ہم اصحاب رسول میں سے چند لوگ بیٹھے ہوئے تذکرہ کر رہے تھے۔ ہم نے کہا کہ

اگر ہمیں علم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم عمل کرتے۔ اس پر

اللہ تعالیٰ نے سورة الصف نازل کی "جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح

بیان کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ اہل ایمان تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جو کیا

نہیں کرتے۔" ابن سلام نے کہا کہ رسول اللہ نے ہمارے سامنے اسے پڑھا۔ ابوسلمہ نے کہا

۱- فتح المغیث للعراقی ۳ / ۳۲۱

۲- ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، باب سورة الصف، ۵ / ۴۱۲-۴۱۳

۳- الصف / ۲-۱

۴- المنہج الحدیث، ۲۸۷

کہ ہمارے سامنے عبداللہ بن سلام نے اسے پڑھا۔ یحییٰ نے کہا کہ ابوسلمہ نے ہمارے سامنے اسے پڑھا ابن کثیر نے کہا کہ اوزاعی نے اسے ہمارے سامنے پڑھا۔ عبداللہ نے کہا کہ ابن کثیر نے اسے ہمارے سامنے پڑھا۔

### المسلسل بصفات الرواة الفعلية

یہ وہ حدیث ہے جس میں راویوں کی صفات فعلیہ کا توارد ہو مثلاً جیسے راویوں کے ناموں کا اتفاق جیسے محمد تسلسل کے ساتھ آئے، صفات کا اتفاق جیسے مسلسل بالفقہاء، حفاظ، معمرین یا صوفیا وغیرہ یا جیسے کوفیوں، عراقیوں، دمشق یا مصریوں نے روایت کیا ہو۔ (۱) مسلسل بالفقہاء کی مثال کے لیے ابن عمر کی مرفوع روایت:

”البیعان بالخيار“ (۲) اس کی روایت میں فقہاء کا تسلسل ہے (۳)

### المسلسل بصفات الروایة

وہ مسلسل حدیث جس میں روایت کی صفات کا توارد ہو جیسے روایت کی ادائیگی کے الفاظ کا تابع، یا زمانے اور مکان کا توارد ہو۔ صیغ الاداء کے متعلق روایت کی مثال وہ مسلسل حدیث ہے جس میں ایک لفظ دہرایا جا رہا ہو جیسے سمعت فلانا یا أخبر فلان یا أخبر فلان یا شهدت علی فلان (۴)

روایت کی زمانی صفت کی مثال وہ روایت ہے جس میں یوم العید، وقص الاظفار کو دہرایا گیا (۵)

روایت کی مکانی صفت کی مثال وہ روایت ہے جس کا تعلق ملتزم میں اجابت دعا کے ساتھ ہے (۶: اجابة الدعاء فی الملتزم) وغیرہ۔

حافظ ابن الصلاح نے امام حاکم کے حوالے سے لکھا تھا کہ انھوں نے آٹھ انواع کا ذکر کیا ہے لیکن اسے آٹھ میں منحصر نہیں کیا جاسکتا۔ حافظ عراقی نے ابن الصلاح کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

لم يقل الحاكم انه منحصر في ثمانية أنواع كما فهمه ابن الصلاح  
وإنما قال بعد ذكره الثمانية ”فهذه انواع المسلسل من الأسانيد  
المتصلة التي لا تشوبها تدليس و اثار السماع بين الراويين ظاهرة“

- ۱- فتح المغیث للعراقی ۳/۳۲۱؛ تدریب، ۳۸۱
- ۲- بخاری، الجامع، کتاب البیوع، باب البیعان علی الخیار، ۳/۱۸؛ مسلم، الجامع، کتاب البیوع، باب نبوت خیار المجلس، ۵/۹؛ فتح المغیث للعراقی ۳/۳۲۱
- ۳- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۲۱
- ۴- ایضاً، ۳/۳۲۱
- ۵- ایضاً، ۳/۳۲۱؛ تدریب، ۳۸۱
- ۶- ایضاً، ۳/۳۲۱



فالحاكم انما ذكر من انواع المسلسل ما يدل على الاتصال . فالاول  
المسلسل بسمعت و الثانى المسلسل بقولهم قم فصب على حتى  
اريك وضوء فلان و الثالث المسلسل بمطلق ما يدل على الاتصال  
من سمعت أو أخبرنا أو حدثنا، و ان اختلفت الفاظ الرواة، والرابع  
المسلسل بقولهم فان قيل لفلان من أمرك بهذا قال يقول: أمرنى  
فلان . والخامس المسلسل بالاخذ باللحية وقولهم آمنت بالقدر  
الحديث و قد تقدم و السادس المسلسل بقولهم و عدهن فى يدي و  
السابع المسلسل بقولهم شهدت على فلان و الثامن المسلسل  
تشبيك باليد مع ان من أمثلة ما يدل على الاتصال ولم يذكره  
كالمسلسل بقولهم: اطعمنا و سقانا. والمسلسل بقولهم: اضافنا بالا  
سودين التمر و الماء. والمسلسل بقولهم: اخذ فلان بيدي و المسلسل  
بالمصافحة و المسلسل بقص الاظفار يوم الخميس و نحو ذلك. (1)

جیسا کہ ابن الصلاح نے سمجھا ہے امام حاکم نے یہ نہیں کہا کہ حدیث مسلسل صرف آٹھ انواع  
میں منحصر ہے۔ انھوں نے آٹھ انواع ذکر کرنے کے بعد صرف یہ کہا کہ یہ ان احادیث مسلسل  
کی انواع ہیں جن کی اسناد متصل ہیں جن میں تالیس کا دخل نہیں اور جہاں دو راویوں کے  
سماع کے آثار واضح ہیں۔ سو حاکم نے مسلسل کی صرف ان انواع کا ذکر کیا ہے جو اتصال پر  
مبنی ہیں۔ سو ان کے نزدیک مسلسل کی پہلی قسم وہ ہے جس میں سمعت ہے دوسری وہ ہے  
جس میں ان کا قول ہے: ”کفرے ہو جائیے اور پانی ڈالیے میں تمہیں وضو کر کے دکھاتا  
ہوں“ تیسری مسلسل وہ ہے جو مطلق اتصال پر دلالت کرتی ہے جیسے سمعت، أخبرنا یا  
حدثنا ہے گوراویوں کے الفاظ میں اختلاف واقع ہو۔ چوتھی مسلسل وہ ہے جس میں ان کا  
قول ہے: تمہیں ایسا کرنے کے لیے کس نے کہا؟ اور وہ کہے! مجھے فلاں شخص نے حکم دیا ہے  
پانچویں مسلسل جس میں داڑھی کوٹھی میں لینے اور قدر پر ایمان رکھنے کا تذکرہ ہے چھٹی وہ جس  
میں ہے: انہیں میرے ہاتھ پر گنا۔ ساتویں مسلسل وہ ہے جس میں ہے: میں نے فلان کے  
خلاف گواہی دی۔ اور آٹھویں مسلسل وہ ہے جس میں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں ڈالنے کا ذکر



ہے۔ اگرچہ ایسی مثالیں موجود ہیں جو اتصال سند پر دلالت کرتی ہیں لیکن امام حاکم نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ جیسے مسلسل جس میں اطعمنا و سقانا کا ذکر ہے یا وہ مسلسل جس میں اضافنا بالاسودین التمر و الماء منقول ہے۔ یا وہ مسلسل جس میں اخذ فلان بیدی وارد ہوا ہے اسی طرح مسلسل بالمصافحہ اور مسلسل جس میں جمعرات کے دن ناخنوں کے کاٹنے کا ذکر ہے۔

حدیث مسلسل میں اصل اہمیت اتصال سند کی ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و خیر ہا ما کان فیہ دلالة علی اتصال السماع وعدم التذلیس ، ومن فضیلة التسلسل اشتماله علی مزید الضبط من الرواة. (۱)

حدیث مسلسل میں سب سے اچھی وہ ہے جس میں اتصال سماع کی نشاندہی ہوتی ہے اور تذلیس سے بھی محفوظ ہے۔ اور تسلسل کی خوبی ہے کہ وہ رواد کے زیادہ ضبط پر مشتمل ہو۔

مسلسل روایات کی خوبیوں کے باوجود بعض میں ضعف کے امکانات موجود ہوتے ہیں اسی طرح کوئی مسلسل مرفوع ہونے کے باوجود کس سطح پر منقطع ہو جاتی ہے اور یہ اسناد کا نقص ہے۔ جیسے عبداللہ بن عمرو کی مرفوع حدیث ہے!

الراحمون یرحمہم الرحمن. (۲)

حدیث کے آغاز میں سمعہ کی وجہ سے مسلسل ہے۔ سند کے آغاز سے سفیان بن عیینہ تک تسلسل ہے لیکن اس سے اوپر نبی اکرم ﷺ تک یہ تسلسل منقطع ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

ومن رواہ مسلسلاً الی منتہاہ فقد وہم (۳)

جس نے اسے آخر تک مسلسل روایت کیا اسے وہم ہوا۔

مسلسل کی اقسام میں صحیح ترین وہ ہے جو المسلسل بالحفاظ ہے جیسے حدیث مالک عن نافع عن ابن عمر

حافظ ابن حجر المسلسل بالائتمة الحفاظ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مفید علم نظری ہے:

و منها المسلسل بالائتمة الحفاظ حیث لا یکون غریباً کالحدیث الذی

رواہ احمد بن حنبل مثلاً و یشار کہ فیہ غیرہ عن الشافعی و یشار کہ فیہ

غیرہ عن مالک بن انس. فانہ یفید العلم عند سامعہ بالاستدلال من

۱- ابن الصلاح، ۲۷۶

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۲۲۔ حدیث کے الفاظ ہیں: الراحمون یرحمہم الرحمن ارحموا من فی الارض

یرحمکم من فی السماء: بخاری، الادب المفرد، ۱۳۷؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی

الرحمة، ۵ / ۲۳۱؛ ترمذی، السنن کتاب البر، باب ماجاء فی رحمة المسلمین، ۳ / ۳۲۳

۳- نزہة النظر، ۶۳

جہاں جلالہ روایتہ وان فیہم من الصفات الاثقة الموجبة للقبول ما يقوم مقام العدد الكثير من غیرہم۔ (۱)

وہ حدیث جو غریب نہ ہو جس کے سلسلہ سند میں تمام روایات ائمہ حفاظ ہوں مثلاً ایک حدیث کی روایت امام احمد بن حنبل نے ایک اور شخص کے ساتھ امام شافعی سے کی اور پھر امام شافعی نے اور شخص کے ساتھ امام مالک سے اس کی روایت کی۔ یہ سامع کے لیے مفید علم نظری ہوگی بوجہ اس کے رواۃ کی جلالت شان اس لیے کہ ان رواۃ میں ایسے قابل قبول اوصاف موجود ہیں جن کے سبب یہ راوی ایک جم غفیر کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔

ہم اپنی اس بات کو امام نووی کے اقتباس پر ختم کرتے ہیں جو مختصر اور جامع ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و صفات الرواة اما أقوال أو أفعال و أنواع كثيرة غیرہما؛ کمسلسل التشبيك باليد والعد فيهما، و كاتفاق أسماء الرواة أو صفاتهم أو نسبتهم كأحاديث رويناها كل رجالها دمشقيون. و کمسلسل الفقهاء. و صفات الرواية كالمسلسل "بسمعت" أو "بأخبرنا" أو "أخبرنا فلان" واللہ. وأفضله ما دل على الاتصال، و من فوائدہ زيادة الضبط، و قلما يسلم عن خلل في التسلسل، و قد ينقطع تسلسله في وسطه كمسلسل أول حدیث سمعته علی ما هو الصحيح فيه. (۲)

اور راویوں کی صفات قوی ہوں گی یا فعلی اور ان کے علاوہ بھی بڑی اقسام ہیں۔ جیسے وہ مسلسل جس میں ہاتھوں کا ایک دوسرے میں جوڑنا ہے یا راویوں کے ناموں کا ایک جیسا ہونا یا ان کی صفات اور نسبتوں کا یکساں ہونا جیسے وہ احادیث جنہیں ہم نے روایت کیا جس کے تمام راوی دمشق ہیں یا مسلسل الفقہاء۔ اور روایت کی صفات پر مبنی حدیث مسلسل جیسے: سمعت، أخبرنا یا أخبرنا فلان واللہ اور ان سب سے افضل وہ ہے جو اتصال سند پر مبنی ہے اور اگر راویوں کا ضبط ہو تو یہ اس کے لیے مفید ہے اور کم ہی ایسی مسلسل احادیث ہیں جن کے تسلسل میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ کبھی یہ تسلسل درمیان میں منقطع ہو جاتا ہے جیسے وہ مسلسل جس کے آغاز میں سمعته ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں انقطاع واقع ہوا ہے۔

اس روایت میں تسلسل عمرو بن دینار پر ختم ہوا ہے اور عمرو بن دینار کا ابوقابوس اور ابوقابوس کا عبداللہ بن عمرو

سے اور عبداللہ بن عمرو کا نبی اکرم ﷺ سے سامع منقطع ہے۔ (۳)

۱- نزہة النظر، ۲۷

۲- تقریب مع تدریب، ۳۸۰-۳۸۱

۳- تدریب، ۳۸۱: فتح المغیث للعراقی ۳/۳۲۲

## مصدر سلسل:

میسر مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی اس نوع پر اہل علم نے آغاز ہی سے توجہ دی اور کتب و رسائل میں مرتب کیے۔ ان میں سے اکثر تالیفات ضائع ہو گئیں جبکہ کچھ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں بصورت محفوظ وجود ہیں۔ الحمد للہ ان کی ایک بڑی تعداد زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

حدیث مسلسل پر قدیم ترین تالیف ابن شاذان ابو بکر احمد بن ابراہیم البغدادی (م ۳۸۳ھ) کی معلوم ہوتی ہے۔ ابو نعیم غیبانی (م ۴۳۰ھ) نے بھی المسلسلات کے نام سے ایک کتاب مرتب کی۔

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) جنہوں نے فنون حدیث کے تقریباً ہر فن پر تالیفات چھوڑیں، اس فن پر ان کی تالیف سلسل العیدین ہے جو شائع ہو چکی ہے۔

حافظ اندلس ابن الطلیسان القاسم بن محمد القرطبی (م ۶۴۲ھ) خلیل بن کیکلدی العلانی (م ۷۱۱ھ)، ابن ہشام محمد بن یوسف الازدی (م ۶۶۳ھ) وغیرہم کی طرف بھی تالیفات منسوب کی گئی ہیں (۱)۔

امام سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے "الجواهر المکملۃ فی الأخبار المسلسلۃ تالیف کی اور اس میں ایسی سو (۱۰۰) احادیث کا ذکر کیا۔ امام سخاوی نے اس فن پر پچاس تالیفات کی نشاندہی کی ہے۔ (۲)

سخاوی کے ہم عصر امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے المسلسلات الکبریٰ تالیف کی جس میں پچاسی (۸۵) احادیث مسطورہ کا ذکر کیا۔ بقول مصنف اسی تالیف سے عالی سند روایات کو منتخب کیا اور اسے جیاد المسلسلات کا نام دیا۔ (۳)

ابن عقیلہ محمد بن احمد الحنفی (م ۱۱۵۰ھ) جو اپنے والد کی طرح عقیلہ کے نام سے معروف ہوئے اس فن پر ان کی تالیفات میں عقد الجواهر فی سلسلۃ الأکابر اور الفوائد الجلیلة وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ (۴)

مرتضی زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) کی طرف اس فن پر متعدد تالیفات منسوب ہیں۔ جن میں سے التعلیقۃ الجلیلة علی سلسلات ابن عقیلہ، الاسعاف بالحدیث المسلسل، المرقاة العلیة وغیرہ ہیں۔ (۵)

برصغیر کے ممتاز عالم شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے الفضل المبین فی المسلسل من حدیث

۱- نرسالة المستطرفة، ۶۹-۷۲؛ الاعلام ۵/۱۸۱؛ ۶/۱۱۳؛ ۷/۱۵۰: تفصیل کے لیے دیکھیے: المدخل إلى دراسة علوم الحدیث، ۹۶۱-۹۷۰

۲- نرسالة، ۷۱؛ الضوء اللامع، ۱/۱۶

۳- یضاً، ۷۱؛ حسن المحاضر، ۵/۳۳۹؛ تدریب، ۳۸۱

۴- نرسالة، ۷۱؛ الاعلام، ۶/۱۳

۵- نرسالة، ۷۱

النبي الأمين ﷺ تحریر کی۔ مطبوع ہے۔ (۱)

۱ لشقیطی، محمد حبیب اللہ المدنی (م ۱۳۶۳ھ) نے اس فن پر دو تالیفات اكمال المنة اور الخلاصة

النافعة مرتب کیں۔ دونوں مطبوع ہیں۔ (۲)

محمد عبدالباقی الأیوبی (م ۱۳۶۴ھ) نے المناهل السلسلة فی الأحادیث المسلسلة تالیف کی۔

اس میں انھوں نے دو سو بارہ (۲۱۲) احادیث جمع کی ہیں۔ مطبوع ہے۔ (۳)



www.KitaboSunnat.com

۱- المدخل إلى دراسة علوم الحديث، ۹۶۸

۲- الأعلام، ۷/۹۹

۳- المدخل، ۹۶۹

## المعنعن والمؤمن

بعض اوقات راوی اپنے مروی عنہ کا نام لینے کے بجائے عن فلان کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ چونکہ اس میں عدم اتصال کا احتمال ہوتا ہے اس لیے علماء حدیث نے اس کا خصوصی مطالعہ کیا ہے۔

المعنعن

هو الذي يقال فيه: "فلان عن فلان" (۱) من غير تصريح بالتحديث

والسماع. (۲)

معنعن وہ حدیث ہے جس کی سند میں فلان عن فلان ہو اور اس میں حدیث بیان کرنے یا سننے کی تصریح نہ ہو۔

حافظ عراقی عنعنه کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العنعنة مصدر، عنعن الحديث إذا رواه بعن من غير بيان للتحديث

والاخبار و السماع. (۳)

العنعنة مصدر ہے۔ عنعنه الحدیث کا مطلب ہے جب راوی عن سے روایت کرے اور اس میں تحدیث، اخبار اور سماع کی وضاحت نہ ہو۔

المؤمن

المؤمن وہ حدیث ہے جس کی سند میں یہ الفاظ ہوں ان فلاناً قال كذا و كذا (۴) فلاں شخص نے ایسی

بات کہی۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اس کی حیثیت عن کی ہے اور اسے اتصال پر محمول کیا جائے گا اگر راویوں

کے درمیان ملاقات ثابت ہوگئی۔ اسی طرح جب تک انقطاع واضح نہ ہو جائے تو متصل شمار ہوگی اس کی مثال ایسی ہے جیسے:

۱- مقدمہ ابن الصلاح، ۶۱؛ تقریب مع تدریب، ۱۳۲

۲- توضیح الافکار، ۱/۳۳۰

۳- فتح المغیث للعراقی، ۱/۸۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱/۲۹۶؛ تدریب، ۱۳۲

۴- ابن الصلاح، ۶۲؛ قواعد التحدیث، ۱۲۳

”مالك عن الزهري ان سعيد بن المسيب قال كذا“

امام مالک سے مروی ہے کہ وہ عن فلان اور ان فلانا کو برابر سمجھتے تھے۔ احمد بن حنبل انہیں مساوی نہیں گردانتے تھے اور ابن عبدالبر نے جمہور اہل علم کی رائے نقل کرتے ہوئے کہا کہ عن اور ان سب مساوی ہیں۔  
مزید کہا:

وانه لا اعتبار بالحروف والألفاظ وإنما هو باللقاء والمجالسة  
والسماع والمشاهدة يعنى مع السلامة من التدليس. فإذا كان سماع  
بعضهم من بعض صحيحاً كان حديث بعضهم عن بعض باي لفظ ورد  
محمولاً على الاتصال حتى يتبين فيه الانقطاع. (۱)

حروف اور الفاظ معتبر نہیں ہیں جو چیز مطلوب ہے وہ ملاقات، مجلس اور مشاہدہ ہیں۔ بشرطیکہ  
راوی تدلیس سے محفوظ ہو۔ اگر ایک دوسرے سے سماع ثابت ہے تو حدیث کسی لفظ کے  
ساتھ بھی وارد ہوا اتصال پر محمول ہوگی تا آنکہ اس میں انقطاع واضح ہو جائے۔

ابن عبدالبر نے ابوبکر البردبجی (۲) سے نقل کیا ہے کہ حرف ان انقطاع پر محمول ہوگا حتیٰ کہ کسی اور جہت سے  
اس حدیث کے بارے میں سماع ثابت نہ ہو۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بے معنی بات ہے اس لیے کہ  
علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر سند صحابی سے متصل ہو تو الفاظ کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (۳) خواہ قال: قال رسول  
الله ہو یا ان رسول الله ﷺ قال ہو۔ ”عن رسول الله ﷺ انه قال“ ہو یا ”سمعت رسول  
الله ﷺ يقول“ یہ سب متصل ہیں (۴)

احمد بن حنبل کی رائے کو خطیب نے نقل کیا ہے:

سليمان بن الأشعث قال سمعت احمد قيل له ان رجلا قال: عروة ان

- ۱- ابن الصلاح، ۶۲
- ۲- ابوبکر البردبجی۔ حافظ ابوبکر، احمد بن ہارون البردبجی (م ۳۰۱ھ) آذربائجان کے گاؤن بردج سے تعلق تھا۔ یہ بستی بردع کے قریب تھی اس لیے انہیں بردعی بھی کہا جاتا ہے۔ ثقات رجال حدیث میں سے ہیں بغداد میں قیام پذیر رہے۔ ابوسعید اللہ بن علی بن اشکاب، ہارون اسحاق الحمدانی اور بحر بن نصر الخولانی وغیرہ سے احادیث بیان کیں اور ان سے ابوبکر الشافعی، ابن ابی الوراق، ابوعلی بن الصواف وغیرہ سے روایت کی۔ دارقطنی کہتے: ثقة جبل۔ حاکم کہتے ہیں کہ ان سے ہمارے شیخ ابوعلی نے ۳۰۳ھ میں مکہ میں سماع کیا لیکن ذہبی کہتے ہیں کہ ۳۰۱ھ میں بردج میں انتقال کیا۔ معجم البلدان، ۲ / ۱۱۸
- ۳- شذرات الذهب، ۲ / ۴۳۳؛ تاریخ بغداد، ۵ / ۱۹۳؛ سیر اعلام، ۱۳ / ۱۲۲
- ۳- ابن الصلاح، ۶۲-۶۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۱ / ۸۹
- ۳- فتح المغیث للعراقی، ۱ / ۸۸-۸۹؛ قواعد التحدیث، ۱۳۳

عائشة قالت يا رسول الله ، وعن عروه عن عائشة سواء قال كيف هذا سواء ليس هذا بسواء . (۱)

سليمان بن الأشعث کہتے ہیں کہ میں نے احمد کو سنا جب ان سے کہا گیا کہ ایک شخص کہتا ہے: عروہ نے کہا کہ عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ عروہ سے روایت ہے کہ وہ عائشہ سے روایت کرتے ہیں: کیا یہ دونوں برابر ہیں تو امام احمد نے کہا: یہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ یہ برابر نہیں ہے۔

## حدیث معتنعہ کی حیثیت

حافظ ابن الصلاح اس کی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

عده بعض الناس من قبيل المرسل و المنقطع حتى يتبين اتصاله بغيره و الصحيح و الذي عليه العمل انه من قبيل الإسناد المتصل . و إلى هذا ذهب الجماهير من أئمة الحديث و غيرهم و اودعه المشترطون للصحيح في تصانيفهم فيه و قبلوه ، و كاد ابو عمر بن عبد البر الحافظ يدعي . اجماع أئمة الحديث على ذلك و ادعى أبو عمرو الداني المقرئ الحافظ (۲) اجماع اهل النقل على ذلك . و هذا بشرط ان يكون الذين اضيفت العنينة اليهم قد ثبتت ملاقاتهم بعضهم بعضاً مع براءتهم من وصمة التدليس فحينئذ يحمل على ظاهر الاتصال الا ان يظهر فيه خلاف ذلك . و كثر في عصرنا و ما قاربه بين المنتسبين الى الحديث استعمال ”عن“ في الإجازة . فاذا قال احدهم: ”قرأت على فلان عن فلان“ او نحو ذلك فظنّ به انه رواه بالإجازة و لا يخرج ذلك من قبيل الإتصال على ما لا يخفى . (۳)

الكفاية ، ۳۰۸

ابو عمرو، عثمان بن سعيد القرطبي بن الصيرفي الداني جليل القدر علماء میں سے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ التيسير ان کی مشہور تصنیف ہے۔ ان کا تعلق اندلس کے شہر دانیہ سے تھا۔ قیروان اور مصر میں مقیم رہے۔ ذہبی کے بقول انہوں نے ابو مسلم کاتب، مکہ میں احمد بن فراس اور مغرب میں ابوالحسن القاسمی سے سماع کیا۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ علوم القرآن میں ان کا شمار ائمہ میں ہوتا ہے۔ انہیں قرآن کی روایت، تفسیر اور اس کے معانی پر عبور حاصل تھا۔ حدیث اور اس کے طرق و رجال میں بھی معرفت حاصل تھی۔ مالکی المذہب تھے اور اپنے شہر دانیہ میں ۳۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ النجوم الزاهرة ، ۵۳/۵؛

نفع الطيب ، ۱/۳۹۲؛ الصلاة ، ۳۹۸؛ مفتاح السعادة ، ۱/۳۸۶

ابن الصلاح ، ۶۱-۶۲؛ فتح المغيب للعراقي ، ۱/۸۸-۸۹



بعض لوگوں نے اسے مرسل اور منقطع میں شمار کیا ہے جب تک دوسرے راوی سے اس کا اتصال ثابت نہ ہو جائے۔ اور صحیح رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق اسناد متصل سے ہے اس رائے پر عمل بھی ہے اور جمہور ائمہ حدیث کی بھی یہی رائے ہے۔ جن مصنفین نے اپنی تصانیف میں صحت کی شرط رکھی انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے اور اسے قبولیت بخشی ہے۔ ابو عمر ابن عبدالبر کا تو تقریباً یہ دعویٰ ہے کہ اس پر ائمہ حدیث کا اجماع ہے اور حافظ قاری ابو عمر والدانی سے اس پر اہل نقل کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، لیکن یہ قبولیت اس شرط پر ہوگی کہ جن لوگوں کی طرف عنعنہ منسوب کیا ان کی آپس میں ملاقات ثابت ہو اور ان پر تالیس کا داغ بھی نہ ہو۔ اسی صورت میں ظاہری اتصال پر محمول کیا جائے گا ہمارے اور اس کے قریبی عہد میں حدیث سے نسبت رکھنے والے لوگوں میں اجازۃ میں عن کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔ لہذا جب کوئی شخص یہ کہے: قرأت علی فلان عن فلان یا اسی طرح کے کوئی اور الفاظ تو یہ گمان کیا جائے گا کہ یہ اس راوی سے بطریق اجازہ روایت کر رہا ہے۔ یہ طریقہ اسے اتصال کے دائرہ سے خارج نہیں کرتا۔

امام نووی نے ابن الصلاح کے بیان کو اپنے الفاظ میں ملخصاً نقل کیا ہے۔ (۱) حافظ عراقی نے بھی ابن الصلاح کی تائید میں لکھا ہے البتہ ابن عبدالبر کے دعویٰ اجماع میں لفظ کاد پر لکھا ہے لا حاجة الی قولہ کاد یعنی اس کی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے اجماع کا دعویٰ کہا ہے (۲) حافظ سخاوی (۳) اور علامہ سیوطی (۴) نے ان بات کو مزید وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔

ابو مظفر السمعانی (۵) نے ذکر کیا ہے کہ عنعنہ میں طویل صحبت شرط ہے۔ امام مسلم نے اسے ناپسند کیا ہے اور اپنی صحیح کے خطبہ میں حدیث معنعن کے موقوف ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

وهذا القول يرحمك الله في الطعن في الاسانيد مخترع مستحدث  
غير مسبوق صاحبه إليه و لا مساعد له من أهل العلم عليه و ذلك ان

۱- تقریب مع تدریب، ۱۳۲

۲- فتح المغیث للعراقی، ۱/ ۸۸

۳- فتح المغیث، ۱/ ۲۹۸-۲۹۹

۴- تدریب، ۱۳۲-۱۳۳

۵- ابوالمنظر منصور بن محمد التیمی السمعانی المرزوی، حنفی عالم فقیہ تھے بعد میں شافعی ہو گئے سمعان بن تمیم کی ایک شاخ ہے۔ ہجری میں وفات پائی۔ وہ صاحب الانساب عبدالکریم بن محمد السمعانی کے دادا تھے۔ النجوم الزاهرة، ۵/ ۱۶۰

مفتاح السعادة، ۲/ ۱۹۱، اللباب، ۱/ ۵۶۳

القول الشائع المتفق عليه بين اهل العلم بالاخبار و الروايات قديماً و حديثاً ان كل رجل ثقة روى عن مثله حديثاً و جائز ممكن له لقاءه و السماع منه لكونهما جميعاً كانا في عصر واحد و ان لم يات في خبر قط انهما اجتمعا و لا تشافها بكلام فالرواية ثابتة و الحجة بها لازمة الا ان تكون هناك دلالة بينة ان هذا الراوي لم يلق من روى عنه اولم يسمع منه شيئاً. فاما و الامر مبهم على الامكان الذي فسرنا فالرواية على السماع ابدأ حتى يكون الدلالة التي بيننا - (۱)

اللہ آپ پر رحم کرے اسناد کے بارے میں یہ قول نیا ایجاد کیا ہوا ہے جو پہلے کسی نے نہیں کیا اور نہ علماء حدیث نے اس کی موافقت کی۔ اس لیے مشہور مذہب جس پر اگلے اور پچھلے اہل علم کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ثقہ شخص سے ایک حدیث روایت کرے اور دونوں میں ملاقات جائز اور ممکن ہو اس لیے کہ دونوں ایک زمانے میں موجود تھے۔ گو کسی حدیث میں اس کی تصریح نہ ہو کہ وہ دونوں ملے تھے یا ان میں روبرو بات چیت ہوئی تھی تو وہ حدیث حجت ہے اور وہ روایت ثابت ہے۔ البتہ اگر وہاں اس امر کی کوئی کھلی دلیل ہو کہ درحقیقت یہ راوی اپنے مروی عنہ سے نہیں ملا یا اس سے کچھ نہیں سنا تو وہ حدیث حجت نہ ہوگی۔ لیکن جب تک یہ امر مبہم رہے تو صرف ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہوگا اور یہ سماع پر محمول کی جائے گی۔

حافظ ابن الصلاح نے امام مسلم کی عبارت کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

و فيما قاله مسلم نظر، قد قيل ان القول الذي رده مسلم هو الذي عليه ائمة هذا العلم على بن المديني و البخاري و غيرهما. (۲)

اور جو کچھ امام مسلم نے کہا ہے اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ جس رائے کو امام مسلم نے رد کیا وہی ہے جس پر حدیث کے ائمہ کا اتفاق ہے۔ علی بن المدینی اور بخاری وغیرہ۔

امام نووی نے اسی بات کو زیادہ مستح کر کے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

-۱ مسلم، الجامع، مقدمة، ۲۳/۱-۲۴

-۲ ابن الصلاح، ۶۶

و فی اشترط ثبوت اللقاء و طول الصحبة و معرفته بالرواية عنه  
 اختلاف ، منهم من لم يشترط شيئاً من ذلك وهو مذهب مسلم ابن  
 الحجاج و ادعى الا جماع فيه ، و منهم من يشترط اللقاء وحده وهو  
 قول البخاری و ابن المدینی و المحققین . و منهم من شرط طول  
 الصحبة و منهم من شرط معرفته بالرواية عنه . (۱)

ملاقات کے ثبوت ، طویل صحبت اور اس کی روایت کی معرفت کی شرائط کے سلسلے میں  
 اختلاف ہے۔ کچھ لوگ اس سلسلے میں کوئی شرط نہیں لگاتے اور یہ امام مسلم کا مذہب ہے اور  
 اس پر انھوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ کچھ لوگ صرف ملاقات کی شرط لگاتے ہیں اور یہ  
 رائے امام بخاری علی بن المدینی اور دیگر محققین کی ہے۔ کچھ لوگ جو طویل صحبت کی شرط  
 لگاتے ہیں (۲) اور کچھ وہ لوگ ہیں جو مروی عنہ کی روایات کی معرفت ضروری قرار  
 دیتے ہیں۔ (۳)

امام نووی نے شرح مسلم میں زیادہ وضاحت کے ساتھ امام مسلم کی رائے سے اختلاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں  
 و هذا الذي صار إليه مسلم قد أنكره المحققون وقالوا هذا الذي  
 صار إليه ضعيف - والذي رده هو المختار الصحيح الذي عليه ائمة  
 هذا الفن - (۴)

اور جو رائے امام مسلم نے اختیار کی ہے اسے محققین نے ناپسند کیا ہے اور کہا ہے کہ جو رائے  
 انہوں نے اختیار کی ہے وہ کمزور ہے اور جسے رد کیا وہی پسندیدہ اور صحیح ہے۔ اسی پر اس فن  
 کے ائمہ کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ جو لوگ مععن حدیث طویل صحبت کی شرط کی وجہ سے مطلقاً منقطع مانتے ہیں وہ  
 ہیں اور جو معاشرت پر اکتفا کرتے ہیں وہ متساہل ہیں اور درمیانی راہ وہ ہے جسے بخاری اور ان سے موافقت کرنے  
 والوں نے اختیار کی ہے۔ اس کے بعد ضد اور غرور ہی رہ جاتا ہے۔ (۵)  
 حافظ ابن حجر نے نزہة النظر میں جامع بات کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

- ۱- تقریب مع تدریب ، ۱۳۳۲؛ علامہ سیوطی نے ان آراء کی تفصیل دی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ تدریب متعلقہ صفحات
- ۲- جیسے ابوالمظفر السمعانی
- ۳- جیسے ابو عمرو الدانی اور ابوالحسن القاسمی
- ۴- شرح مسلم للنووی ، ۱/۲۳-۲۴
- ۵- تدریب ، ۱۳۳۲

و عنعنة المعاصر محمولة على السماع بخلاف غير المعاصر فانها تكون مرسلة أو منقطعة. فشرط حملها على السماع ثبوت المعاصرة، الامن المدلس، فانها ليست محمولة على السماع. وقيل: يشترط في حمل عنعنة المعاصر على السماع يشترط ثبوت لقائها اى الشيخ و الراوى عنه ولو مرة واحدة ليحصل الامن فى باقى العننة عن كونه من المرسل الخفى و هو المختار، تبعاً لعلی بن المدینى و البخارى و غيرها من النقاد. (۱)

جو راوی شیخ کا معاصر ہو اور بلفظ عن شیخ سے روایت کرے اس کی روایت سماع پر محمول ہوگی بشرطیکہ مدلس نہ ہو اور اگر راوی اس کا معاصر نہ ہو تو اس کی روایت مرسل یا منقطع سمجھی جائے گی۔ بعض کے نزدیک بلفظ عن معاصر کی روایت اس شرط پر سماع پر محمول کی جائے گی کہ دونوں کی ایک بار بھی ملاقات ثابت ہو، تاکہ بلفظ عن روایت کرنے میں مرسل خفی کا جو احتمال ہے وہ رفع ہو جائے۔ علی بن المدینی اور امام بخاری وغیرہ نقادان فن کا یہی مذہب ہے اور میرے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔

معنعن حدیثوں کی مثالیں بخاری و مسلم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ دونوں بزرگوں نے بکثرت معنعن احادیث کی ہیں۔ (۲) بالخصوص مسلم نے، لیکن علماء حدیث اس سلسلے میں یہ اعتذار پیش کرتے ہیں کہ ان کے ہاں طرق بڑے سے مروی مستخرجات ہیں (۳) ابن الصلاح اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و وجدت مثل ما حكاه عن البرديجى اسوبكر الحافظ للحافظ  
الفحل يعقوب بن شيبه (۴) فى سنده الفحل زاد ذكره

نزہة النظر، ۶۱

قواعد التحديث، ۵۳

ایضاً، ۱۰

یعقوب بن شیبہ ابو یوسف المدنی المصری نزیل بغداد صاحب مسند کبیر (م ۲۶۲ھ) عالم اور محدث تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں اگرچہ وہ مسند کی تکمیل نہیں کر پائے تھے لیکن ان سے بہتر مسند کسی نے تصنیف نہیں کی۔ علی بن عاصم اور یزید بن ہارون وغیرہ سے سماع کیا اور یحییٰ بن معین کے اصحاب اور اس طبقے کے لوگوں سے احادیث لکھیں۔ ان کے پوتے، نواسے سمیت کئی لوگوں نے ان سے روایت حدیث کی۔ خطیب نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ ان کا شمار بڑے علماء اور ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔ خطیب کہتے ہیں کہ ان کے گھر ۴۰ خانہ موجود رہتے جو ان و راقین کے لیے تھے جو مسند لکھتے تھے۔ مسند عشرہ، ابن مسعود، غمار عباس اور بعض موالی کی مسانید تکمیل کر سکے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۳۱؛ النجوم، ۳/۳۷، سیر اعلام، ۱۲/۳۷۶

أبو الزبير (١) عن ابن الحنفية (٢) عن عمار (٣) قال أتيت النبي ﷺ وهو يصلي فسلمت عليه فرد علي السلام (٤) وجعله مسنداً موصلاً. و ذكر رواية قيس بن سعد (٥) لذلك عن عطاء بن ابي رباح (٦) عن ابن

١- ابو الزبير: محمد بن مسلم بن تدرس (بفتح المشاه و ضم المهملة) الحكي الحافظ مولی حکیم بن حزام القرشي الاسدي (م ١٢٨ ابن عباس، ابن عمر، جابر، ابو الطفيل، سعيد بن جبیر، عائشة وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ایوب، شعبہ، سفیان، حماد بن سلمہ مالک، لیث اور لوگوں کی کثیر تعداد نے روایت کی ان سے روایت کرنے والوں میں آخری آدمی سفیان بن عیینہ تھے۔ عقل حافظہ کے لحاظ سے اپنے عہد کے سب سے بڑے انسان تھے۔ عطاء کہتے ہیں کہ ہم جابر کے پاس ہوتے وہ احادیث سناتے۔ جب باہر نکلتے تو مذاکرہ کرتے۔ ابو الزبير ہم میں سب سے زیادہ حدیث یاد رکھنے والے ہوتے۔ ابن معین اور نسائی نے ابو ثقہ کہا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ، ١/ ١٢٦؛ سیر اعلام، ٥/ ٣٨٠؛ ابن سعد، ٥/ ٣٨١؛ طبقات خلیفہ، ٢٨١؛

میزان الاعتدال، ٣/ ٣٤؛ تہذیب التہذیب، ٩/ ٣٣٠؛ شذرات، ١/ ١٤٥

٢- ابن الحنفیہ: ابوالقاسم محمد بن علی بن ابی طالب الهاشمی (م ٨١ھ) المعروف بابن الحنفیہ کیونکہ ان کی والدہ خولہ بنت جعفر بن قیس بن حنیفہ میں سے تھی۔ ان کی ذات میں حضور کا نام اور کنیت جمع تھیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اس کنیت کی اجازت تھی۔ ”فانہ قال لعلی: سیولذلك غلام بعدی و قد نحلته اسمی و کنیتی و لا یحل لا حد من امتی بعدی۔“ گواس کے بارے میں علماء کے تحفظات ہیں۔ بڑے صاحب علم اور بہت عبادت گزار۔ فرقہ کیسانہ ان کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ فوت نہیں ہوئے وہی مہدی منتظر ہیں۔ اپنے والد علی، عثمان، عمار، معاویہ، ابو ہریرہ اور ابن عباس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے اقرباء۔ کہ علاوہ عطاء بن ابی رباح، منحال بن عمرو، محمد بن قیس بن مخزوم اور ایک بڑی جماعت نے روایت کی۔ الجلی کہتے ہیں کہ وہ تابعی اور ثقہ تھے۔ ابن سعد، ٥/ ٦٦؛ صفة الصفوة، ٢/ ٣٢٢؛ حلیۃ الاولیاء، ٣/ ١٤٣؛ ولیات الاعیان، ١/ ٣٣٩؛ سیر اعلام، ٣/ ١١٠

٣- عمار ابن یاسر بن عامر بن مالک ابوالیقظان مولی بنی مخزوم (م ٣٤ھ) ابوحنیفہ نے انہیں آزاد کیا۔ وہ اور ان کے ماں باپ اولین اسلام لانے والوں میں ہیں۔ ابو جہل نے ان کی والدہ سمیہ کو قتل کیا تھا وہ اسلام کی پہلی شہید شمار ہوتی ہیں۔ مسدود کہتے ہیں کہ مہاجرین میں ان کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس کے ماں باپ مسلمان نہ ہوں۔ انہوں نے نبی ﷺ، حذیفہ بن الیمان سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے، پوتے، محمد اور سلمہ بن محمد، ابن عباس، ابوموسیٰ الاشعری عبد اللہ بن جعفر اور الطفیل وغیرہ نے روایت کی بدرسمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ان کے اور حذیفہ کے درمیان مواخات قائم کی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے اسلام کا اعلان کیا اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد بنائی اور ادا کی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ تقتله فنة باغیة۔ سیدنا علی کے ساتھ دیتے ہوئے صفین میں ٣٥ھ میں شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر ٩٣ برس تھی۔ تہذیب التہذیب؛ الاستیعاب بہامش الاصابة، ٢/ ٣٦٩؛ الطبروزی، ٦/ ٢١؛ حلیۃ الاولیاء، ١/ ١٣٩؛ صفة الصفوة، ١/ ١٤٥؛ الاصابة، ٣/ ٥٤٥

٣- ابن ابی شیبہ، المصنف، کتاب الصلاة، ٢/ ٤٥

٥- قیس بن سعد: ابو عبد الملک یا ابو عبد اللہ الحسبی الحکی (م ١١٩ھ) مولی تابع بن علقمہ یا مولی ام علقمہ طاؤس، عطاء بن ابی رباح، جابر بن عمرو بن دینار سے روایت کی اور ان سے ہشام بن حسان، جریر بن حازم اور حماد نے روایت کی۔ ان کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔ سعد کے مطابق وہ ثقہ تھے۔ ان کی روایات کی تعداد زیادہ نہیں۔ تہذیب الاسماء، ٢/ ٦٢؛ تہذیب التہذیب، ٨/ ٣٩٨؛ کتاب الثقات، ٤/ ٣٢٨

٦- عطاء بن ابی رباح: ابو محمد الحکی القرشی مولی ابن عظیم اللہمی (م ١١٥ھ) ان کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ چاروں عبادہ سمیہ کئی صحابہ سے روایت کی اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی جیسے عمرو بن دینار، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الحنفية ان عماراً مراً بنسبي وهو يصلي (۱) فجعله مرسلًا من حيث  
 كونه قال: ان عماراً فعل و لم يقل عن عمار. (۲)  
 میں نے اس کی مثال اس روایت میں پائی جسے یعقوب بن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں حافظ ابو بکر  
 البردیبی سے نقل کی ہے۔ ابوالزبیر نے محمد بن الحنفیہ سے اور انھوں نے عمار بن یاسر سے نقل کیا  
 کہ انھوں نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا درآن حالیکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے میں نے  
 انہیں سلام کیا اور انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے مسند کو موصول بنا دیا۔ اور قیس بن سعد  
 کی روایت کا ذکر بھی کیا۔ عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے وہ محمد بن الحنفیہ سے روایت کرتے  
 ہیں کہ عمار بن یاسر نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرے درآن حالیکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔  
 انھوں نے اس کو مرسل بنایا جب یہ کہا: عمار نے یہ کام کیا اور عمار سے کوئی بات نقل نہیں کی۔

معنعن اور مؤنن حدیث کے متصل ہونے کا مسئلہ وقت طلب ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث کے  
 نویں الفاظ اتصال کا منظر پیش کرتے ہیں لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اتصال نہیں اور اگر مزید غور کیا جائے تو اتصال  
 کی سورت نکل آتی ہے۔ خطیب نے الکفایہ میں کئی مثالیں دی ہیں (۳)

ایک مثال جسے علوم الحدیث کے علماء نے پیش کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

مالك عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ أدرك عمر بن الخطاب

ويسير في ركب يحلف بأبيه فقال: ألا ان الله ينهاكم أن تحلفوا بأبائكم.

من كان حالفاً فليحلف بالله اولىصمت. (۴)

زہری اور قتادہ وغیرہ وہ اپنے زمانے میں مفتی اہل مکہ اور مشہور ائمہ میں سے تھے۔ امام اوزاعی کہتے ہیں کہ ان عطاء ارضی الناس  
 عند الناس یعنی عطاء لوگوں کے نزدیک سب انسانوں سے پسندیدہ تھے ان کی جلالت شان، امامت اور ثقاہت پر سب کا اتفاق  
 ہے۔ ابن سعد، ۵ / ۳۶۷؛ طبقات خلیفہ / ۲۸۰؛ الجرح والتعديل، ۳ / ۱۱۳؛ تاریخ اسلام، ۳ / ۲۷۸؛

سیر اعلام النبلاء، ۵ / ۷۸؛ البدایہ، ۹ / ۳۰۶؛ تہذیب التہذیب، ۷ / ۱۹۹؛ شذرات الذهب، ۱ / ۱۳۷

نسائی، السنن، کتاب الصلوٰۃ، باب رد السلام، ۳ / ۶؛ عبدالرزاق، المصنف، کتاب الصلاۃ، باب السلام  
 فی الصلاۃ، ۲ / ۳۳۳

ابن الصلاح، ۶۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۱ / ۸۸

الكفاية، ۳۰۷ - ۳۰۷

بخاری، الجامع، کتاب الایمان، باب لا تحلفوا بابائکم، ۷ / ۲۲۱؛ مسند احمد، ۲ / ۷؛ ترمذی،  
 السنن، کتاب النذور، باب ما جاء فی کراهیۃ الحلف بغیر اللہ، ۳ / ۱۱۰؛ حدیث ۱۵۳۳، ترمذی نے  
 اولیصمت کے بجائے اولیسکت کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے۔



مالک نافع سے وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن الخطاب کو اس حالت میں پایا کہ وہ سواروں کے درمیان اپنے باپ کی قسم کھا رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ آباء کی قسموں سے منع فرماتا ہے۔ جو قسم کھانا چاہتا ہے اسے اللہ کی قسم کھانی چاہیے ورنہ خاموش رہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن سالم قال: قال ابن عمر: سمعت عمر يقول: قال لي رسول الله ﷺ

”ان الله ينهاكم أن تحلفوا بآباءكم“ (۱)

سالم سے روایت ہے کہ ابن عمر نے کہا کہ میں نے عمر کو کہتے سنا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات سے منع کیا ہے کہ اپنے آباء کی قسمیں کھاؤ۔

پہلی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عمر نبی ﷺ سے مسنداً بیان کر رہے ہیں دوسری روایت ظاہر کرتی ہے کہ ابن عمر کے ذریعے نبی ﷺ سے مسنداً بیان کر رہے ہیں اس لیے مؤمن کو کیسے متصل مانا جائے۔

اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں ابن عمر کا ادراک مشترک مترد ہے ان کا نبی کریم ﷺ اور عمر دونوں سے تعلق تھا۔ انھوں نے دونوں کا زمانہ پایا اور دونوں سے شرف صحبت حاصل تھا لہذا دونوں سے روایت کرنے میں ان کا حرف مناسب تھا گو اس طریقہ پر ان دونوں سے اتصال کے تعین میں ادراک قاصر ہے۔





## تحمل واداء حدیث کے الفاظ

تاریخ حدیث کے طلبہ سے یہ امر مخفی نہیں کہ حدیث رسول کا ابلاغ اور حصول اولیں مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں کا محور تھا۔ اس دور میں علم سے مراد علم رسالت تھا۔ آغاز میں کئی صدیوں تک اس کے لیے ”العلم“ کی اصطلاح استعمال ہوتی رہی۔ بعض مؤلفین نے اس عنوان سے تالیفات بھی مرتب کیں مثلاً زہیر بن ابی خثیمہ کی ”کتاب العلم“ اور خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کی کتاب تقييد العلم۔ رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کی حیثیت قیمتی موتیوں کی تھی جن سے ہر شخص اپنی جھولی بھرنا چاہتا تھا۔ ایک لفظ، چند الفاظ، بعض تشبیحات و تعبیرات غرض جو کچھ میسر آتا اسے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ قرن اول کے مسلمانوں کا علمی سرمایہ ذات رسالت کی زبان مبارک سے نکلے الفاظ اور آپ ﷺ کے اسوہ کا بیان تھا۔ آنجناب ﷺ نے خود حصول علم اور ابلاغ علم کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی اس لیے قرون اولیٰ میں ایک علمی تحریک پروان چڑھی جس میں علم حدیث کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابی بکرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: الا فليبلغ الشاهد الغائب فلعلم

بعض من يبلغه ان يكون اوعى له من بعض من سمعه. (۱)

ابوبکرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو حاضر ہے وہ ان لوگوں تک پہنچا دے جو حاضر نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی تک پہنچا دے جو اس سے زیادہ حفاظت کرتا ہے جو سننے والا ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال: قال رسول اللہ ﷺ: نضر الله امرأ سمع

منّا حديثا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى له من سامع. (۲)

عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس بندے کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے حدیث کو سنا اور جس طرح مجھ سے سنا تھا اسی طرح دوسروں تک پہنچایا۔ بسا اوقات مجھ سے سننے والے سے زیادہ حفاظت وہ کرتے ہیں جن تک پہنچائی جاتی ہے۔

۱ - ابن سعد، ۲ / ii / ۱۲۱ - ۱۲۲، بخاری، الجامع، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، ۵ / ۱۲۸؛ مسلم،

الجامع، کتاب القسامة، باب تغليظ تحريم الدماء، ۵ / ۱۰۸؛ ابن ماجه، السنن، مقدمة، ۱ / ۸۵

۲ - مسند، ۳ / ۳۲۵، ۳ / ۸۰، ۵ / ۱۸۳؛ ابن ماجه، السنن، مقدمة، ۱ / ۸۶

گویا حضور اکرم ﷺ نے ابلاغ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ صحابہ و تابعین کی جماعت نے اس ارشاد کو حکم کا درجہ دے کر احادیث رسول کے ابلاغ کی تحریک چلائی، صحابہ کرام کے حلقہ ہائے درس تھے جو اس سرگرمی کا مرکز تھے۔ ان حلقوں میں اساتذہ اور طلبہ اپنا اپنا کام کرتے۔ اساتذہ طالب علم تک اپنی معلومات پہنچاتے اور طلبہ انہیں سیکھتے۔ سیکھنے سکھانے کی یہ سرگرمی بعد کی نسلوں تک جاری رہی تاہم اس کا اولین تجربہ و مشاہدہ صحابہ و تابعین ہی نے کیا۔ اسی علمی سرگرمی کے دو پہلو ہیں ایک ابلاغ علم کا اور دوسرا حصول علم کا۔ ابلاغ علم کے لیے محدثین کے ہاں نقل اور اداء کی اصطلاحیں استعمال ہوئیں۔ ابلاغ علم کے کیا طریقے استعمال ہوئے؟ کون سے الفاظ اختیار کئے گئے؟ انہیں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ وصول علم کے لیے تحمل کی اصطلاح استعمال ہوئی۔ تحمل کے معنی بوجھ اٹھانے کے ہیں گویا ایک طالب علم بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھا رہا ہے۔ علوم الحدیث کے مصنفین کے ہاں نقل الحدیث و تحمله (۱) اور صیغ الاداء (۲) وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ عبداللہ بن عباس (۳) اور عروہ بن الزبیر (۴) سے احادیث روایت کرنے کا طریقہ ملتا ہے۔

بعض محدثین نے اپنے شیوخ کی احادیث کو روایت کرنے کا طریقہ اپنایا جو بہت مشہور ہوا لیکن علمی سرگرمیوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے دیگر طریقے بھی متعارف ہوئے۔ رامہرمزی (۵) سے لے کر ابن الصلاح (۶) اور ان سے ابن حجر تک سب نے ان طریقوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک ہی طریقہ استاد کی نسبت سے ادا اور شاگرد کے لیے تحمل قرار پاتا ہے۔ خطیب نے الکفایہ میں ان طریقوں پر مفصل بحث کی ہے۔ (۷) ابن الصلاح نے ان کی آٹھ قسمیں قرار دی ہیں۔ (۸) حافظ عراقی لکھتے ہیں: ووجوه الأخذ للحدیث و تحمله عن الشیوخ ثمانية (۹)



- ۱- الشذا لفياح، ۱۸۰؛ ابن الصلاح، ۱۳۲
- ۲- نزہة النظر، ۶۳
- ۳- بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب لیبلغ الشاهد الغائب، ۱/۳۳؛ ترمذی، السنن، کتاب الحج، باب ما جاء فی حرمة مكة، ۳/۱۷۴؛ ابن ماجہ، السنن، مقدمة، باب من بلغ علماً، ۱/۸۶
- ۴- کتاب المعرفة، ۱/۵۵۱
- ۵- المحدث الفاضل، ۴۳۵، ۵۱۳
- ۶- ابن الصلاح، ۱۳۲؛ الشذا لفياح، ۱۸۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۸۷
- ۷- نزہة النظر، ۶۳؛ الکفایة، ۳۵۵-۳۵۹
- ۸- ابن الصلاح، ۱۳۲
- ۹- فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۸۷؛ ۳/۲۱۷

## السماع

اخذ حدیث/تخل حدیث کی پہلی قسم سماع ہے۔ سماع یہ ہے کہ شیخ حدیث کو اپنی کتاب یا حافظے سے پڑھے اور  
ضرین (طلباء) اس کے الفاظ سنیں۔ یہ مجلس املاء کی مجلس ہو یا محض بیان کی۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

القسم الاول: السماع من لفظ الشيخ، وهو ينقسم الى املاء وتحديث

من غير املاء و سواء كان من حفظه أو من كتابه. (۱)

پہلی قسم شیخ کے الفاظ کا سماع ہے اور وہ منقسم ہے املاء کے حدیث بیان کرنے اور بغیر املاء کے  
بیان کرنے پر۔ حدیث کا یہ بیان حافظے سے ہو یا کتاب دونوں یکساں ہیں۔

حافظ عراقی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

السماع من لفظ الشيخ، سواء حدث من كتابه أو من حفظه إملاء أو

غير إملاء. (۲)

سماع، شیخ کے الفاظ کا سننا ہے خواہ وہ اپنی کتاب سے حدیث بیان کرے یا حفظ سے، املاء  
کے ذریعہ ہو یا بغیر املاء کے۔

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و هذا القسم أرفع الأقسام عند الجماهير (۳) و فيما نرويه عن

القاضي عياض بن موسى السبتي أحد المتأخرين المطلعين قوله:

”لاخلاف ان يجوز في هذا أن يقول السامع منه. حدثنا و أخبرنا و أنبأنا

و سمعت فلانا يقول و قال لنا فلان و ذكر لنا فلان.“ (۴)

اس کو حافظ ابن حجر نے بھی دہرایا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ابن الصلاح، ۱۳۲؛ ابن کثیر، الباعث الحثيث، ۱۱۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۱۸۸/۲

فتح المغیث للعراقی، ۱۸۸/۲

ابن الصلاح، ۱۳۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۱۸۸/۲

ایضاً، ۳۲؛ الاماع، ۶۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۱۸۷/۲؛ فتح المغیث للسخوی، ۱۲۱/۲؛ تدریب الراوی، ۳۹

www.kitaboSunnat.com

وصيغ الأداء المشار إليه على ثمان مراتب. ( ۱ )

حافظ ابن الصلاح قاضی عیاض کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: فی هذا نظر، و ینبغی فی ما ساع استعماله من هذه الألفاظ  
مخصوصاً بما سمع من غیر لفظ الشیخ، علی ما نبینہ إن شاء الله  
تعالی، ان لا یطلق فیما سمع من لفظ الشیخ لما فیہ من إیہام  
والإلتباس. (۲)

میں کہتا ہوں کہ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ ان الفاظ کا عام استعمال شیخ کے  
الفاظ کے بغیر سماع کے لیے مخصوص ہو جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اور اس کا  
اطلاق شیخ کے الفاظ کے سماع پر نہ ہو کیونکہ اس میں ایہام اور التباس کا امکان موجود ہے۔

حافظ ابو بکر خطیب (۳) نے ذکر کیا کہ اس سلسلے میں سب سے ارفع عبارتیں سمعت اور پھر حدثنا  
حدثنی ہیں کیونکہ کوئی اجازت اور مکاتبت کی احادیث میں سمعت کا لفظ نہیں استعمال کرے گا نہ عدم سماع کے  
تذلیس میں۔ بعض اہل علم حدثنا کے استعمال کو جائز گردانتے تھے۔ حسن سے مروی ہے کہ وہ حدثنا ابو ہریرہ  
جملہ استعمال کرتے اور اس سے مراد یہ لیتے کہ انھوں نے اہل مدینہ کے سامنے حدیث بیان کی کیونکہ حسن کا ابو ہریرہ  
سے سماع ثابت نہیں۔ (۴) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کی رائے میں ابو ہریرہ سے حسن کا سماع ثابت  
ہے۔ (۵)

عراقی لکھتے ہیں:

ابوزرعہ اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ جو شخص حسن بصری سے حدثنا ابو ہریرہ نقل کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ (۶)  
خطیب لکھتے ہیں:

ثم قول . أخبرنا وهو كثير في الاستعمال حتى ان جماعة من أهل  
العلم لم يكونوا يخبرون عما سمعوه من الشيخ إلا بقولهم: "أخبرنا"  
و منهم حماد بن سلمة، و ابن المبارك، و هشيم بن بشير، و عبيد الله

۱- نزہة النظر، ۶۴

۲- ابن الصلاح، ۱۳۲-۱۳۳

۳- الکفایة، ۲۸۴

۴- ایضاً، ۲۸۴، خطیب نے اہل مدینہ کی جگہ اہل بصرہ لکھا ہے۔ فتح المغیث للعراقی، ۱۸۳/۲؛ فتح المغیث

للسخاوی، ۱۶۸/۲؛ تدریب الراوی، ۲۳۹

۵- ابن الصلاح، ۱۳۳

۶- فتح المغیث للعراقی، ۱۸۸/۲؛ تدریب الراوی، ۲۴۰

بن موسیٰ، و عبدالرزاق بن ہمام، و یزید بن ہارون، و عمرو بن  
عون، و یحییٰ بن یحییٰ التمیمی، و اسحاق بن راہویۃ، و أبو مسعود  
احمد بن القرات، و محمد بن ایوب الرازیان و غیرہم۔ (۱)

اس کے بعد قول اخبارنا اکثر استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ اہل علم کی اپنے شیخ سے سماع کو اخبارنا  
کے سوا کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کرتے۔ ان میں حماد بن سلمہ، ابن المبارک ہشیم بن بشیر،  
عبید اللہ بن موسیٰ، عبدالرزاق بن ہمام، یزید بن ہارون، عمرو بن عون، یحییٰ بن یحییٰ التمیمی،  
اسحاق بن راہویۃ، ابو مسعود احمد بن القرات اور محمد بن ایوب الرازیان وغیرہم شامل ہیں۔

خطیب نے محمد بن رافع سے نقل کیا ہے کہ عبدالرزاق اخبارنا کہا کرتے تھے تا آنکہ احمد بن حنبل اور اسحاق بن  
رواد سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ان سے کہا کہ حدثنا کہا کرو سو جو کچھ اس نے ان سے سماع کیا اسے حدثنا کے  
ساتھ بیان کیا اور اس سے پہلے صرف اخبارنا کہتے تھے۔ (۲) اور حافظ محمد بن ابی الفوارس کہتے ہیں کہ ہشیم، یزید بن  
ہارون اور عبدالرزاق اخبارنا کے سوا کوئی اور اصطلاح استعمال نہیں کرتے تھے اور کہتے کہ اگر تم حدثنا لکھا ہو یا و تو اسے  
حدثنا لکھنا (۳) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

قلت: "حدثنا و أخبرنا" أرفع من "سمعت" من جهة أخرى وهي أنه ليس في

"سمعت" دلالة على أن الشيخ رواه الحديث و خاطبه به و في "حدثنا" و

"أخبرنا" دلالة على أنه خاطبه و رواه له أو هو ممن فعل به ذلك. (۴)

میں کہتا ہوں کہ حدثنا اور اخبارنا ایک اور جہت سے سمعت سے ارفع ہے اور یہ اس لیے  
ہے کہ سمعت میں اس امر پر دلالت نہیں ہے کہ شیخ نے اس سے حدیث بیان کی ہے اور  
اسے مخاطب کیا ہے جب کہ حدثنا اور اخبارنا میں اس امر پر دلالت ہے کہ شیخ نے اسے  
مخاطب کیا اور اس سے روایت بیان کی ہے یا وہی شخص ہے جس نے یہ روایت کی ہے۔

ابوبکر خطیب نے اپنے شیخ فقیہ و حافظ ابوبکر البرقانی سے اس حقیقت کے بارے میں کہ وہ ابوالقاسم عبداللہ بن  
ابی اسلم الجرجانی الابندونی سے روایت کرتے ہوئے حدثنا اور اخبارنا کے بجائے سمعت کا لفظ استعمال کرتے  
تھے انھوں نے کہا کہ ابوالقاسم اپنی ثقاہت و صلاح کے باوجود روایت میں مشکل پسند تھے سوال البرقانی ان کی مجلس میں اس

۱- ابن الصلاح، ۱۱۳۲؛ الکفایۃ، ۲۸۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۱۴۰، ۱۴۱، الباعث الحثیث، ۱۱۰

۲- الکفایۃ، ۲۸۶؛ ابن الصلاح، ۱۳۲-۱۳۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۸۹؛ فتح للسخاوی، ۲/ ۱۴۱

۳- ایضاً، ۲۸۶؛ ابن الصلاح، ۱۳۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۸۸-۱۸۹

۴- ابن الصلاح، ۱۳۵

طرح بیٹھتے کہ وہ انہیں دیکھ نہ سکیں اور نہ ہی انہیں ان کی موجودگی کا علم ہو۔ لہذا کسی بھی حاضر ہونے والے شخص سے جو حدیث وہ بیان کرتے تو یہ اسے سن لیتے اس لیے وہ سمعت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور حدثنا اور اخبرنا کے الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ روایت اس حاضر ہونے والے شخص کے لیے تھی۔ (۱)

اور جہاں تک قال لنا فلان یا ذکر لنا فلان کا تعلق ہے تو یہ حدثنا فلان کے قبیل سے ہے۔ ممکن ہے کہ اس مذاکرہ میں اسے اس سے سنا ہو تو اس صورت میں حدثنا کے زیادہ مشابہ ہوگا۔ (۲) ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ اکثر محدثین کے ہاں اس کا استعمال ہے مذاکرات و مناظرات وغیرہ میں ان کے درمیان جو باتیں ہوتیں انہیں وہ قال فلان یا ذکر فلان جیسی تعبیرات سے بیان کرتے۔ (۳) اور حجاج بن محمد بن الاعمور ابن جریج کی کتابوں سے روایت کرتے اور قال ابن جریج کے الفاظ استعمال کرتے لوگوں سے ان سے تحمل علم کیا اور ان کی روایات سے استدلال کیا کیونکہ ان کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ سماع کے بغیر روایت نہیں کرتے تھے۔ (۴) حافظ ابن کثیر اپنی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: والذي ينبغي أن يكون أعلى العبارات على هذا أن يقول  
 "حدثني" فإنه إذا قال: "حدثنا" أو "أخبرنا"، قد لا يكون قصده  
 الشيخ بذلك أيضاً، لا حتمال أن يكون في جمع كثير. (۵)

میں کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں اعلیٰ عبارات اس طرح مناسب ہوتی کہ وہ کہتے: حدثني اس لیے کہ جب وہ حدثنا یا اخبرنا کہتا ہے تو امکان ہے کہ اس سے کا مقصود شیخ نہ ہو کیونکہ اس میں بڑی جماعت کے شامل ہونے کا احتمال ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

فاللفظان الاولان من صيغ الاداء وهما سمعت و حدثني صالحان لمن  
 سمع وحده من لفظ الشيخ. هو شائع بين أهل الحديث اصطلاحاً  
 ولا فرق بين الحديث والاخبار من حيث اللغة و في ادعاء الفرق بينهما  
 تكلف شديد لكن لما تقرر الاصطلاح صار ذلك حقيقة عرفية فتقدم

- ۱- ابن الصلاح، ۱۳۵-۱۳۶؛ دیکھیے الکفاية، ۲۸۷؛ تدریب، ۲۳۱
- ۲- ایضاً، ۱۳۶؛ فتح المغیث، ۱۸۹/۲؛ تدریب، ۲۳۱
- ۳- ایضاً، ۱۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۱۸۹/۲؛ تدریب، ۲۳۱
- ۴- ایضاً، ۱۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۱۹۰/۲؛ تدریب، ۲۳۱؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۷۳/۲
- ۵- ابن کثیر، الباعث، ۱۱۰



على الحقيقة اللغوية، مع ان هذا الاصطلاح انما شاع عن المشاركة  
ومن تبعهم، وأما غالب المغاربة فلم يستعملوا هذا الاصطلاح بل  
الاخبار والتحديث عندهم بمعنى واحد. فان جمع الراوى أى اتى  
بصيغة الجمع فى الصيغة الاولى كان يقول حدثنا فلان أو سمعنا فلان  
يقول فهو دليل على انه سمع منه مع غيره وقد تكون النون العظمة  
لكن بقلة. (۱)

صیغ الاداء کے پہلے الفاظ سمعت و حدثنى اس راوى کے لیے موزوں ہیں جس نے تنہا  
شیخ کی زبانی حدیث سنی ہو۔ اور یہ اصطلاح اصحاب حدیث کے ہاں عام مستعمل ہے۔ ورنہ  
لغة تحديث اور اخبار میں کوئی فرق نہیں اور فرق کا ادعا شدید تکلف ہے۔ لیکن جب اصطلاح  
متعین ہوگئی تو یہ حقیقت عرفیہ بن گئی اور حقیقت لغویہ پر مقدم ہوگئی اس کے باوجود اس  
اصطلاح کا عام تعارف صرف اہل مشرق اور ان کے تبعین کے ہاں پایا جاتا ہے جہاں تک  
مغارہ کی اکثریت کا تعلق ہے تو وہ یہ اصطلاح استعمال ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے ہاں اخبار  
اور تحديث ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور اگر راوى جمع کا صیغہ استعمال کرے یعنی  
ان الفاظ کو حدثنا فلان یا سمعنا عن فلان کہے تو اس بات کی دلیل ہے کہ راوى نے اور  
لوگوں کے ساتھ مل کر حدیث سنی ہے۔ کبھی نون عظمت کے لیے بھی آتا ہے لیکن بہت کم۔





## القراءة

اخذ و تحمل کی دوسری قسم قراءت ہے اور اکثر محدثین اس کے لیے عرض کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس صورت میں طالب علم شیخ کی مرویات پڑھتا ہے اور شیخ سنتا ہے تاکہ اس کے لیے منضبط کرے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

القسم الثانی: من أقسام الأخذ و التحمل، القراءة علی الشیخ، و أكثر المحدثین یسمونها "عرضاً" من حیث إن القاری یرض علی الشیخ ما یقرأه كما یرض القرآن علی المقرئ. (۱) و سواء كنت أنت القاری، أو قرأ غیرك وأنت تسمع أو قرأت من کتاب أو من حفظك أو كان الشیخ یحفظ ما یقرأ علیه أو لا یحفظه لكن یمسك أصله أو ثقة غیره. (۲)

اخذ و تحمل کی اقسام میں سے دوسری قسم قراءت علی الشیخ ہے۔ اکثر محدثین اسے عرض کہتے ہیں اس لیے کہ قاری اپنے شخص کو پیش کرتا ہے جیسے قرآن مقرئ پر پیش کیا جاتا ہے۔ تم پڑھ رہے ہو یا تمہارے سوا کسی اور نے پڑھا ہے اور تم نے سنا ہے یہ دونوں برابر ہیں اسی طرح تم نے کتاب سے پڑھا ہے یا حافظ سے۔ اور شیخ پڑھی جانے والی چیز کا حافظ ہے یا نہیں لیکن اس کے پاس اصل محفوظ ہو یا کسی اور ثقہ کے پاس ہو۔ حافظ عراقی اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلافاً لبعض الاصولیین فیما إذا لم یمسك أصله بنفسه علی ما سیأتی فی التفریعات بعد هذه الترجمة؛ و هكذا ان كان ثقة من السامعین یحفظ ما یقرأ علی الشیخ، و الحافظ لذلك مستمع لما یقرأ غیر غافل

- ۱- سخاوی نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھا: و كان أصله من وضع عرض شی علی عرض شی آخر لی نظر فی استوائها وعدمه. فتح المغیث، ۲/ ۱۷۸
- ۲- ابن الصلاح، ۳۷؛ تقریب مع تدریب، ۲۳۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۹۰؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۱۷۸

عنه، فذاك كاف أيضاً. ولم يذكر ابن الصلاح هذه المسألة الأخيرة. والحكم فيها متجه، ولا فرق بين امسك الثقة لأصل الشيخ وبين حفظ الثقة لما يقرأ. وقد رأيت غير واحد من أهل الحديث وغيرهم اكتفى بذلك، سواء كان الحافظ لذلك هو الذي يقرأ أو غيره. (۱)

بعض اصولیوں نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ اگر اس کے پاس اصل محفوظ نہیں۔ اس کی تفصیل تفریعات میں آئے گی۔ اسی طرح اگر سامعین میں کوئی ثقہ شخص اس کا حافظ ہے جو کچھ شیخ کے سامنے پڑھا جا رہا ہے اور حافظ اسے سن رہا ہے اور اس سے غافل نہیں تو یہ بھی کافی ہے۔ ابن الصلاح نے اس مسئلہ کو نہیں بیان کیا۔ کسی ثقہ شخص کا شیخ کے اصل کو تھامے رکھنے اور کسی ثقہ شخص کے حافظے سے پڑھے جانے والے کے محفوظ رہنے میں کوئی فرق نہیں۔ اور میں نے کئی اصحاب حدیث کو اس پر اکتفا کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کے نزدیک پڑھنے والا حافظ اور نہ پڑھنے والا حافظ دونوں برابر ہیں۔

## روایت کی حیثیت

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ ایک صحیح روایت ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کا اختلاف بھی منقول ہے لیکن وہ قابل لحاظ نہیں۔ (۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

والرواية بها سائغة عند العلماء الا عنه شذاذ لا يعتد بخلافهم. (۳)

روایت علماء کے ہاں مقبول ہے سوائے چند لوگوں کے جن کے اختلاف چنداں حقیقت نہیں۔ حافظ عراقی اس کی وضاحت کرتے ہوئے مفصل بحث کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

واجمعوا على صحة الرواية بالعرض وردوا ما حكى عن بعض لا يعتد بخلافه انه كان لا يراها وهو ابو عاصم النبيل، رواه الرامهرمزي. (۴) وروى الخطيب (۵) عن وكيع قال: ما اخذنا حديثا

۱- فتح المغيب للعراقي، ۲ / ۱۹۰

۲- ابن الصلاح، ۱۳۷

۳- اختصار علوم الحديث، ۱۱۰

۴- المحدث الفاضل، ۴۲۰؛ حدثنا اسحاق بن سيار النسيبي، قال: سمعت ابا عاصم قال: سمعت سفيان و ابا حنيفة و مالكا و ابن جريج كل هؤلاء سمعتهم يقولون؛ لا بأس بها، يعنى القراءة، وانا لا آراه، وما حدثت بحديث عن احد من الفقهاء قراءة.

۵- الكفاية، ۲۷۱

قط عرضاً و عن محمد بن سلام انه ادرك مالك بن انس و الناس  
يقرأون عليه فلم يسمع منه ذلك. (۱) و كذلك عبدالرحمن بن سلام  
الجمحي لم يكتف بذلك فقال مالك: اخرجوه عني. (۲)

روایت بذریعہ عرض کی صحت پر اجماع ہے اور اس سے اختلاف کو ناقابل اعتبار اور قابل رد  
قرار دیا ہے۔ اختلاف کرنے والوں میں ابو عاصم النبیل ہیں جن کا قول رامهر مزی نے نقل  
کیا ہے اور خطیب نے وکیع سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ہم نے حدیث بذریعہ عرض کبھی  
قبول نہیں کی۔ محمد بن سلام سے منقول ہے کہ انھوں نے مالک بن انس کو پایا کہ ان کے  
سامنے حدیثیں پڑھی جا رہی تھیں لیکن انھوں نے سماع نہیں کیا۔ اسی طرح عبدالرحمن بن  
سلام الجمحي۔ ان کے بارے میں مالک نے کہا کہ اس کو میرے ہاں سے نکال دو۔  
خطیب اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ذهب بعض الناس الى كراهة العرض وهو القراءة على المحدث  
ورأوا أنه لا يعقد الا بما سمع من لفظه وقال جمهور الفقهاء والكافة  
من أئمة العلم بالاثار ان القراءة بمنزلة السماع منه في الحكم. (۳)  
بعض لوگ عرض کی کراہت کی جانب گئے ہیں اور عرض کے بعض محدث کے سامنے قراءت  
ہی کا نام ہے اور یہ قابل اعتماد نہیں جب تک شیخ کے الفاظ نہ سنے جائیں۔ اور جمہور فقہاء اور  
تمام ائمہ علم حدیث کا خیال ہے کہ حکم کے لحاظ سے قراءت سماع کے مرتبہ کی ہے۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ جو لوگ اس روایت کی صحت کو مانتے ہیں ان میں تابعین میں سے عطاء، نافع  
عروہ، شعبی، زہری، کھول (۴)، حسن (۵)، منصور اور ایوب ہیں اور ائمہ میں سے ابن جریج، ثوری،

۱- الکفاية، ۲۷۲

۲- ايضاً، ۲۷۳؛ فتح المغيث للعراقي، ۲ / ۱۹۱؛ المحدث الفاصل، ۳۲۱

۳- ايضاً، ۲۵۹-۲۶۰

۴- کھول الشامی (م ۱۱۲ھ) ابو عبد اللہ، ابو ایوب اور ابو مسلم الدمشقی کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ  
مرسلاً روایت کی۔ ابی بن کعب ثوبان، عبادہ بن الصامت وغیر ہم سے روایت کی اور ان سے اوزاعی، عبدالرحمن بن یزید، حبان  
بن ارطاة وغیر ہم نے روایت کی۔ العجلی کہتے ہیں: سمعی ثقہ۔ ابن عمار نے کہا کھول امام اہل الشام تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے  
ہیں کہ قدری تھے لیکن رجوع کر لیا۔ تہذیب التہذیب، ۱۰ / ۲۵۸-۲۶۰؛ سیر اعلام، ۵ / ۱۵۵

۵- الحسن ابن ابی الحسن المہری (م ۱۱۰ھ) ابو سعید الامام۔ ام سلمہ اور ربیع بنت انضر یا زید بن ثابت کے مولیٰ تھے ائمہ ہدی میں  
سے تھے۔ ان پر قدری ہونے کا الزام ہے جو غلط ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں: کان عالماً جامعاً ربيعاً ثقة مأموراً عادلاً  
ناسكاً كثير العلم لصيحاً. ما ارسله فليس بحجة: خلاصة تذهيب الكمال، ۷ / ۷۷؛ طبقات ابن سعد،  
۷ / ۱۵۶؛ تذكرة الحفاظ، ۱ / ۶۶

ابن ابی ذئب (۱)، شعبہ، ائمہ اربعہ، ابن مہدی، شریک، لیث، ابو عبید اور بخاری کے علاوہ ایک مخلوق ہے جن کی کتب کو شمار نہیں جاسکتا۔ (۲) بخاری (۳) نے اس پر ضمام بن ثعلبہ (۴) کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ خطیب نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے:

سمعت محمد بن اسماعیل يقول: قال بعض أهل العلم فقه هذا الحديث ان القراءة على العالم والعرض عليه جائز مثل السماع واحتج بأن الاعرابي عرض على النبي ﷺ فاقربه النبي ﷺ. (۵)

میں نے محمد بن اسماعیل کو کہتے سنا ہے کہ بعض اہل علم کے مطابق اس حدیث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عالم کے سامنے قراءت اور اس کے سامنے حدیث پیش کرنا سماع کی طرح جائز ہے اور استدلال میں کہا کہ اعرابی نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے رائے پیش کی اور آپ نے اس کی تصدیق کی۔

خطیب نے دیگر اقوال کے ساتھ احمد بن محمد بن عبید النیسابوری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

ابن ابی ذئب، محمد بن عبدالرحمن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب القرشی العامری ابو الحارث المدنی (م ۱۵۹ھ)۔ ائمہ اعلام میں سے تھے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ ابن المسیب کے مشابہ تھے۔ وہ اصلح و اورع و قوم بالحق من مالک۔ جب خلیفہ المہدی نے حج کیا اور مسجد میں داخل ہوا تو مسیب بن زہیر نے ابن ابی ذئب سے کہا: یہ امیر المؤمنین ہیں ان کے لیے کھڑے ہو جائیے تو ابن ابی ذئب نے کہا: لوگ صرف اللہ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس پر المہدی نے کہا: "دعه فليقد قامت كل شعره في راس" خلاصة تدهيب الكمال، ۳۳۸؛ التاريخ الكبير، ۱/۱۵۲؛ وفيات، ۳/۱۸۳

فتح المغيب للعراقي، ۲/۹۹-۱۰۰ عراقی کے الفاظ ہیں: "في خلق لا يحصون كثرة. فتح المغيب، ۲/۸۱ بخاری، الجامع، كتاب العلم، باب القراءة والعرض، ۱/۲۳؛ حدیث کے الفاظ ہیں:

"عن انس بن مالك قال: بينما نحن جلوس مع النبي ﷺ في المسجد دخل رجل على جمل، فاناخه في المسجد لم عقله، ثم قال لهم: أيكم محمد. والنبي ﷺ متكئ بين ظهرانيهم. فقلنا: هذا الرجل الابيض المتكئ. فقال له الرجل: ابن عبدالمطلب، فقال له انبي ﷺ قد احببتك. فقال الرجل للنبي ﷺ: اني سائلك، فمشد عليك في المسالة فملا جعد علي في نفسك، فقال: سل عما بدا لك، فقال اسئلك بربك ورب من قبلك، آله ارسلك إلى الناس كلهم؟ فقال: اللهم نعم. قال أنشدك بالله، آله أمرك أن تصلي الصلوات الخمس في اليوم والليل؟ قال: اللهم نعم. قال أنشدك بالله، آله أمرك أن ناخذ هذه الصدقة من اغنياننا فنقسمها على فقراءنا؟ فقال النبي ﷺ: اللهم نعم. فقال الرجل: آمنت بما جئت به وانا رسول من ورائي من قومي، وأنا ضمام بن ثعلبة اخو بني سعد بن بكر.

ضمام بن ثعلبہ سعدی بنی سعد بن بكر میں سے تھے۔ ان کے قبیلے نے انہیں حضور اکرم ﷺ کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کان رجلا جيد الشعر ذاغديرتين، الاصابة، ۲/۲۱۰؛ الاستيعاب، ۲/۲۱۳-۲۱۷

الكفاية، ۲۶۱؛ توضيح الافكار، ۲/۲۹۹

سمعت محمد بن اسمعيل البخارى يقول: ليس يروى عن النبي ﷺ فى

القراءة على العالم او قال لمحدث حديث أصح من حديث ضمام. (۱)

میں نے محمد بن اسمعيل البخاری کو کہتے سنا کہ قراءت علی العالم یا ایک محدث کے لیے ضمام کی حدیث سے زیادہ کوئی صحیح حدیث نہیں روایت کی گئی۔

حافظ ابن صلاح اور عراقی لکھتے ہیں کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قراءت علی الشیخ سماع لفظی کے برا

ہے، کم ہے یا زیادہ تو اس بارے میں اختلاف ہے اور تین اقوال منقول ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

اختلفوا فى انها مثل السماع من لفظ الشيخ فى المرتبة أو دونه

أو فوقه. (۲)

## ۱۔ مساوات

امام مالک اور ان کے اصحاب حجاز اور کوفہ کے اکثر علماء اور امام بخاری کی رائے کے مطابق ”قراءت علی

الشیخ“ اور ”سماع“ برابر ہیں (۳) ابو بکر الصیرفی نے کتاب الدلائل میں امام شافعی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے:

وباب الحديث عند الشافعي فى القراءة على المحدث و القراءة

منه سواء (۴)

خطیب نے حضرت علیؑ کا قول نقل کیا ہے۔

قراءة تك على العالم و قراءة العالم عليك سواء اذا أقرلك به (۵)

عالم کے سامنے تمہاری قراءت اور تمہارے لیے عالم کی قراءت برابر ہیں اگر وہ اس کی

تصدیق کرے۔

اسی طرح عکرمہ ابن عباسؓ سے بیان کرتے ہیں:

قال: انى قد قلت و ان اقرارى لكم كقراءتى عليكم. (۶)

- ۱- الكفاية، ۲۶۱
- ۲- ابن الصلاح، ۱۳۷، فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۲
- ۳- ایضاً، ۳۷-۱۳۸، ایضاً، ۲ / ۱۹۲، الكفاية، ۲۶۲، فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۱۸۱، ۱۸۶
- ۴- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۲، توضیح الافکار، ۲ / ۲۹۹
- ۵- الكفاية، ۲۶۳، ایک اور روایت میں زیادہ واضح الفاظ ہیں: اقرؤا علی فان قراءتکم علی کقراءتتى علیکم  
الكفاية، ۲۶۳
- ۶- ایضاً، ۲۶۳

ابن عباس نے کہا کہ میں بعض وقت غیر متوجہ ہوتا ہوں لیکن تمہاری باتوں کی تصدیق گویا تمہارے سامنے پڑھنے کے مترادف ہے۔

## ۲۔ قرأت کی ترجیح

ابن ابی ذئب اور ابو حنیفہ العمان بن ثابت کے نزدیک قراءۃ علی الشیخ سماع لفظی سے زیادہ بہتر ہے اور اسے ترجیح حاصل ہے۔ (۱) ابن فارس نے امام مالک کا قول اس کی تائید میں نقل کیا ہے (۲) ایسا ہی ابن جریج اور حسن بن علی سے نقل کیا گیا ہے۔ اور خطیب (۳) نے الکفایۃ میں مالک سے یہی قول نقل کیا ہے۔ لیف بن سعد، شعبہ، ابن حبیب، یحییٰ بن سعید الضحیٰ الخلقانی، ابو عبید قاسم بن سلام اور ابو حاتم سے بھی یہی رائے منقول ہے (۴) خطیب نے کئی بن ابراہیم کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

کان ابن ابی ذئب یری القراءۃ علی العالم افضل من قراءۃ العالم  
علیک۔ (۵)

سعید بن سابق امام ابو حنیفہ کے بارے میں امام ابو یوسف سے نقل کرتے ہیں:

قال أبو حنیفہ: لأن اقرأ علی المحدث أحب إلي من أن یقرأ علی. (۶)

## ۳۔ سماع کی قراءۃ علی الشیخ پر ترجیح

مشرق کے جمہور اہل علم سماع کو قراءۃ علی الشیخ پر ترجیح دیتے ہیں (۷) احمد بن الحواری کہتے ہیں:

سمعت و کبعا یقول ما أخذت حديثاً قط عرضاً. (۸)

وکبج کہتے ہیں کہ میں نے بطریق عرض کبھی حدیث اخذ نہیں کی۔

عیسیٰ بن اسحاق الطباع کہتے ہیں:

۱- ابن الصلاح، ۱۳۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۲؛ الکفایۃ، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۷۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۸۳ / ۲

۲- فتح المغیث للسخاوی، ۱۸۶ / ۲

۳- خطیب نے عبد اللہ بن مسلمہ القعقی سے نقل کیا ہے۔ ولکنی اقتصرت بقراءۃ علی علیہ لأن مالکا کان یذهب الی ان قراءۃ الرجل علی العالم اثبت من قراءۃ العالم علیہ، الکفایۃ، ۲۷۶

۴- الکفایۃ، ۲۷۶-۲۷۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۲؛ ابن الصلاح، ۱۳۷-۱۳۸

۵- ایضاً، ۲۷۶

۶- ایضاً، ۲۷۶؛ ابن الصلاح، ۱۳۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۸۳ / ۲؛ تدریب، ۲۳۲

۷- ایضاً، ۲۷۱؛ ابن الصلاح، ۱۳۸؛ ایضاً، ۱۹۲ / ۲

۸- ایضاً، ۲۷۱؛ توضیح الافکار، ۲ / ۲۹۹



لا اعد القراءة شيئا بعد ما رأيت مالكا يقرأ عليه و هو ينعس. (۱)  
 میں قراءۃ علی الشیخ کے لیے کبھی آمادہ نہ ہوا جب سے میں نے مالک کو دیکھا کہ ان کے  
 سامنے پڑھا جا رہا تھا اور وہ اونگھ رہے تھے۔

ابن صلاح اور حافظ عراقی کہتے ہیں کہ یہی صحیح مسلک ہے۔ (۲) حافظ ابن حجر نے اس پر مختصر گفتگو کی ہے  
 لکھتے ہیں:

القراءة على الشيخ احد وجوه التحمل عند الجمهور و ابعده من ابى  
 ذلك من اهل العراق و قد اشد انكار الامام مالك وغيره من المدنيين  
 عليهم في ذلك. حتى بالغ بعضهم فرجحها على السماع من لفظ  
 الشيخ. و ذهب جمع جم منهم البخارى. و حكاها في اول  
 صحيحه (۳) عن جماعة من الائمة. الى ان السماع من لفظ الشيخ  
 والقراءة عليه يعنى في الصحة و القوة سواء والله اعلم. (۴)

جمہور کے نزدیک شیخ سے حدیث حاصل کرنے کا یہ بھی ایک طریق ہے کہ شیخ کے سامنے  
 قراءت کی جائے۔ گو بعض اہل عراق نے اس کا انکار کیا ہے (مگر چونکہ یہ انکار مستبعد  
 تھا) اس لیے امام مالک وغیرہ اہل مدینہ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے یہاں تک  
 کہ بعض نے اس قدر مبالغہ کیا کہ سماع پر بھی قراءت کو ترجیح دے دی۔ امام بخاری وغیرہ  
 ایک فریق کا مسلک ہے کہ قراءت و سماع صحت و قوت میں دونوں برابر ہیں چنانچہ امام  
 بخاری نے اوائل حدیث میں چند ائمہ حدیث سے اسی قول کو نقل بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

وقد انقرض الخلاف في كون القراءة على الشيخ لا تجزئ وانما

كان يقوله بعض المتشددین من العراق (۵)

۱- الكفاية، ۲۷۲

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۹۳؛ ابن الصلاح، ۱۳۷

۳- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب القراءة و العرض، ۲۲/۱

۴- نزہة النظر، ۶۵

۵- فتح الباری، ۱/ ۱۳۷-۱۳۸؛ طبع بولاق



## راءة علی الشیخ کی روایت کے الفاظ

قراءۃ علی الشیخ پر مبنی روایت کو کس طرح بیان کیا جائے۔ محدثین کے ہاں اس کے کئی مراتب ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کے نزدیک اجود و اسلم یہ ہے کہ راوی کہے: قرأت علی فلان یا قرنی علی فلان و انا اسمع۔ قریبہ یہ عبارات بغیر کسی اشکال کے عام مستعمل ہیں۔ شیخ سے لفظی سماع میں وہ عبارات بھی مطلقاً جائز ہیں جو مقید پر بیان کی گئی ہو جیسے کوئی شخص کہے: حدثنا فلان قراءۃ علیہ یا خبرنا قراءۃ علیہ اسی طرح شعر کے لیے: حدثنا قراءۃ علیہ۔ (۱) جہاں تک قراءۃ علی الشیخ کے لیے مطلقاً حدثنا یا خبرنا کے استعمال کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

### مطلق ممنوع

بعض اصحاب حدیث نے مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ ابن المبارک، یحییٰ بن یحییٰ التمیمی، احمد بن حنبل اور نسائی وغیرہم کی رائے ہے۔ قاضی ابوبکر کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے قاضی عیاض کی متابعت میں اسے بیان کیا ہے۔

### مطلقاً جائز

کچھ لوگوں کی رائے ہے چونکہ یہ شیخ سے لفظی سماع کی طرح ہے اس لیے اس پر حدثنا، خبرنا اور انبانا اطلاق جائز ہے۔ کہا گیا ہے کہ اکثر حجازیوں اور کوفیوں کا مذہب ہے اور زہری، مالک، سفیان بن عیینہ متقدمین کی آخری عالم یحییٰ بن سعید القطان کا یہی قول ہے اور محدثین کی ایک جماعت کے ساتھ امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور ان میں کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو سمعت فلان کے استعمال کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ (۳)

### لفظوں میں فرق

تیسرا مسلک یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں فرق ہے حدثنا کا اطلاق ممنوع ہے جب کہ خبرنا کا استعمال جائز ہے۔ یہ مذہب امام شافعی اور ان کے اصحاب کا ہے اور یہی امام مسلم سے بھی منقول ہے اور تمام اہل مشرق بھی اسی مذہب کے حامل ہیں (۴) حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ابن الصلاح، ۱۳۸؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۱۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۱۹۶/۲؛ فتح المغیث للسخاوی،

۱۸۱/۲؛ تدریب، ۲۳۵/۲؛ توضیح الافکار، ۳۰۳/۲ - ۳۰۵

ابن الصلاح، ۱۳۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۱۹۳/۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۸۸/۲؛ تدریب، ۱۳۵؛

توضیح الافکار، ۳۰۵/۲

ابن الصلاح، ۱۳۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۱۹۳/۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۸۹/۲؛

تدریب، ۱۳۵؛ توضیح الافکار، ۳۰۵/۲

ایضاً، ۱۳۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۱۹۳/۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۹۰/۲؛ تدریب، ۱۳۵؛

توضیح الافکار، ۳۰۶/۲

و ذکر صاحب ”کتاب الانصاف“ محمد بن الحسن التمیمی  
الجوهری المصری ان هذا مذهب الاكثر من اصحاب الحديث الذين  
لا يحصيهم احد، وانهم جعلوا ”اخبرنا“ علماً يقوم مقام قول قائله:  
”انا قرأته عليه لأنه لفظ به لي“ قال: وممن كان يقول به من اهل زماننا

أبو عبدالرحمن النسائي في جماعة مثله من محدثينا. (۱)  
اور محمد بن الحسن التمیمی الجوهری المصری صاحب کتاب الانصاف نے ذکر کیا ہے کہ یہ  
مذہب اصحاب حدیث کی اتنی اکثریت کا ہے کہ کوئی شخص ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ انھوں نے  
اخبرنا کو علم قرار دیا ہے جو اس قول کے قائم مقام ہے کہ میں نے اس کے سامنے پڑھا ہے  
نہ یہ کہ اس نے میرے سامنے لفظ ادا کئے۔ اس کا کہنا ہے کہ محدثین کی جماعت میں ہمارے  
زمانے کے ابو عبدالرحمن النسائی بھی یہی رائے رکھتے تھے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے اولین طور پر ان دو لفظوں میں فرق کیا  
ہے وہ ابن وہب مصری ہیں لیکن اس کے خلاف یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرق ابن جریج اور ازاعی سے بھی مروی ہے  
ابوبکر خطیب نے اسے بیان کیا ہے۔ (۲) ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ مصر میں وہ پہلا شخص ہے جس نے  
یہ فرق بیان کیا ہو (۳) ابن الصلاح کے مطابق ان دونوں کے درمیان فرق کا مسئلہ اصحاب حدیث میں عام طور پر  
متعارف ہے اور اس فرق کو لغت کے حوالے سے بیان کرنا تکلف پر مبنی ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ  
ایک اصطلاح ہے جس کی بنا پر دو لفظوں کے درمیان تفریق کی گئی ہے اور پہلی قسم کو حدیث کے ساتھ مختص کیا ہے کیونکہ  
اس میں نطق اور مشافہہ کا پہلو غالب ہے۔ (۴) حافظ ابن الصلاح اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن أحسن ما يحكى عن يذهب هذا المذهب ما حكاها الحافظ

- ۱- ابن الصلاح، ۱۳۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۳؛ فتح المغیث للسنجاوی، ۲ / ۱۹۰؛ تدریب، ۱۳۵؛  
توضیح الافکار، ۲ / ۳۰۶
- ۲- خطیب نے نقل کیا ہے: قال يحيى بن سعيد القطان: كان ابن جريج صدوقا اذا قال: حدثني فهو سماع واذ  
قال اخبرنا واخبرني فهو قراءة.... عن عباس بن الوليد بن مزيد، قال: قلت لابي عمرو  
الاوزاعي: كتبتُ عنك حديثا كثيرا فما اقول فيه قال: ما قرأته عليك وحدثك قل فيه: حدثني، وما  
قرأته على جماعة انت فيهم فقل فيه حدثنا، وما قرأته على وحدثك فقل اخبرني وما قرى على جماعة  
انت فيهم فقل فيه ”اخبرنا“۔ الكفاية، ۳۰۲؛ فتح المغیث للسنجاوی، ۲ / ۱۸۰؛ تدریب الراوی، ۳۶
- ۳- ابن الصلاح، ۱۳۰
- ۴- ایضاً، ۱۳۰

أبو بكر البرقاني عن أبي حاتم محمد بن يعقوب الهروي أحد رؤساء أهل الحديث بخراسان أنه قرأ على بعض شيوخ عن الفربري صحيح البخاري وكان يقول له في كل حديث: "حدثكم الفربري" فلما فرغ من الكتاب سمع الشيخ يذكر أنه إنما سمع الكتاب من الفربري قراءة عليه، فأعاد أبو حاتم قراءة الكتاب كله وقال له في جميعه: "أخبركم الفربري" والله أعلم. (۱)

اس رائے (یعنی دونوں لفظوں کا فرق) کے بارے میں بہترین قول وہ ہے جسے حافظ ابو بکر البرقانی نے خراسان کے اصحاب حدیث میں سے ایک رہنما ابو حاتم محمد بن یعقوب الهروی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بعض شیوخ کے سامنے الفربری سے صحیح بخاری کی قراءت کی۔ وہ ہر حدیث پر کہتے: حدثکم الفربری یعنی تم سے الفربری نے حدیث بیان کی۔ جب وہ کتاب سے فارغ ہوئے تو شیخ کو بیان کرتے سنا کہ اس نے اس کتاب کا سماع الفربری کے سامنے قراءت سے کیا۔ ابو حاتم نے پوری کتاب کا اعادہ کیا اور اس کتاب کی قراءت میں کہا: أخبرکم الفربری۔

حافظ عراقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: و كانه كان يرى انه لا بد من ذكر السند في كل حديث، وان كان الاسناد واحداً إلى صاحب الكتاب، وهو من مذاهب أهل التشديد في الرواية، والا لاكتفى بقوله له: أخبركم الفربري بجميع صحيح البخاري، والصحيح انه لا يحتاج إلى إعادة السند في كل حديث على ما سيأتي في موضعه إن شاء الله. (۲)

میں کہتا ہوں کہ گویا اس کی رائے یہ تھی کہ ہر حدیث میں سند کا ذکر ضروری ہے اگرچہ صاحب کتاب تک ایک ہی سند کیوں نہ ہو۔ یہ شدت پسندی کا مذہب رکھنے والوں کی رائے ہے۔ ورنہ وہ اس بیان پر اکتفا کر سکتے تھے۔ "کہ الفربری نے پوری صحیح بخاری کی خبر دی" صحیح بات یہ ہے کہ وہ ہر حدیث میں سند کے اعادہ کرنے کے محتاج نہ تھے۔ اس کی وضاحت آگے اس کے مناسب موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

ابن الصلاح، ۱۳۰؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۱۹۱

فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۹۵

## تفریحات

حافظ ابن الصلاح نے تفریحات کے عنوان سے قراءت اور سماع کے حوالے سے مفصل بحث کی ہے۔ (۱)  
حافظ عراقی، علامہ سیوطی اور حافظ سخاوی نے ان کی پیروی کی ہے جب کہ امام نووی اور ابن کثیر نے مختصراً بیان کیا ہے۔ ابن کثیر (۲) نے فرع کا لفظ استعمال کیا ہے اور نووی (۳) نے فردع کا۔

## الأول

حافظ ابن الصلاح قراءت علی الشیخ کی مختلف صورتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب قراءت کے وقت شیخ کی اصل کتاب کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ ثقہ ہو اور جو پڑھ رہا ہو اس پر اس کی نظر ہو اور قراءت کا اہل ہو سو اگر شیخ پڑھی جانے والی عبارت کا حافظ ہو تو ایسے ہے جیسے اصل اس کے اپنے ہاتھ میں ہے بلکہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ دو شخصیتوں کے ذہن ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث ہیں اور اگر شیخ پڑھی جانے والی عبارت کا حافظ نہیں تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض ائمہ اصول کی رائے ہے کہ یہ سماع غیر صحیح ہے (۴) لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ سماع صحیح ہے اور شیوخ اور اصحاب حدیث کا عمل اسی پر ہے۔

اور اگر اصل قاری کے ہاتھ میں ہو اور وہ دین و معرفت کے لحاظ سے قابل اعتماد ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس کی صحت قابل ترجیح ہے۔ اگر اصل نسخہ ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو قابل اعتماد نہیں اور اس کی قراءت لا پرواہی اور غفلت سے محفوظ نہ ہو تو یہ سماع قابل اعتماد نہیں خواہ اصل اس کے ہاتھ میں ہو یا کسی اور کے، بالخصوص جب شیخ پڑھی جانے والی چیز کا حافظ نہ ہو۔ (۵)

## الثانی

جب قاری قراءت علی الشیخ کرتے ہوئے کہے: اخبرك فلان یا قلت اخبرنا فلان یا اسی طرح کے الفاظ کہے اور شیخ خاموش رہے لیکن اس کی طرف متوجہ ہو اور سب کچھ سمجھ رہا ہو اور ناپسندیدگی کا اظہار نہ کر رہا ہو تو یہ کافی ہے۔ (۶)

۱- ابن الصلاح، ۱۳۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۵؛ تدریب، ۲۳۷

۲- اختصار علوم الحدیث، ۱۰۳

۳- تقریب مع تدریب، ۲۳۷

۴- قاضی عیاض کہتے ہیں کہ قاضی ابوبکر الباقلائی نے اس بارے میں تردد کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ اکثر کی رائے اس کے خلاف ہے اور امام الحرمین کی بھی یہی رائے ہے بعض علماء نے اس کو جائز اور صحیح قرار دیا ہے اور اس پر تمام شیوخ اور اصحاب حدیث کا عمل ہے حافظ عراقی نے بعض اہل تشدید کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور النکت میں حافظ سلفی کے حوالے سے (الاماع، الضرب الثانی، ۷۵-۷۶) اس کے خلاف علماء کا اتفاق بیان کیا ہے۔

۵- ابن الصلاح، ۱۳۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۵؛ تدریب، ۲۳۷

۶- ایضاً، ۱۳۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۶

جو فقہاء و محدثین اور اہل نظر کا خیال ہے کہ یہ سماع بغیر کسی شرط کے صحیح ہے۔ (۱) قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔ (۲) وہ کہتے ہیں کہ بعض ظاہریہ سے اسے مشروط طور پر صحیح کیا ہے اور اہل مشرق کی ایک جماعت کا اسی پر عمل ہے۔ (۳) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

واشترط بعض الظاهرية وغيرهم إقرار الشيخ نطقاً، وبه قطع الشيخ أبو اسحاق الشيرازي و أبو الفتح سليم الرازي و أبو نصر بن الصباغ من الفقهاء الشافعيين. قال أبو نصر: ليس له أن يقول: "حدثني" أو "أخبرني" وله أن يعمل بما قرى عليه وهو يسمع. (۴)



ابن الصلاح، ۱۳۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۹۶؛ تدریب، ۲۳۷؛ توضیح الافکار، ۲/۳۰۶-۳۰۷؛  
 الالماع، ۷۹  
 الالماع، ۷۸  
 فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۹۶  
 ابن الصلاح، ۱۳۲

## الإجازة

اجازہ کا مطلب زبانی یا لکھی ہوئی چیز کی روایت کرنے کا اذن دینا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کسی طالب علم سے یہ کہے کہ میں نے تجھے اجازت دی کہ تو مجھ سے فلاں چیز کی روایت کرے۔ اجازہ مصدر ہے۔ اصل میں اجوازۃ تھی واو کی حرکت کی وجہ سے اسے الف سے بدل دیا اور اتقاء ساکنین کی وجہ سے ایک الف زاید یا اصلی ساقط ہو گیا تو اجازہ پڑھی گئی۔ اہل لغت نے اس کی اور وجوہ بھی بیان کی ہیں۔ (۱) خطیب نے ابوالحسن احمد بن فارس بن حبیب سے نقل کیا ہے:

يقول: معنى الاجازة في كلام العرب ماخوذ من جواز الماء الذي يسقاه المال من الماشية والحرث. يقال منه استجزت فلاناً فأجازني إذا سقاك ماء لارضك ولما شيتك. كذلك طالب العلم يسأل العالم أن يجيزه علمه فيجيزه اياه والطالب مستجيز والعالم مجيز. (۲)

وہ کہتے ہیں کہ کلام عرب میں اجازت کے معنی پانی کے جواز سے ماخوذ ہیں جس سے جانوروں اور کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے اس شخص سے اجازت طلب کی سو اس نے اجازت دی۔ جب آپ نے اپنی زمین اور مویشی کو پانی دیا۔ اسی طرح طالب علم، عالم سے سوال کرتا ہے کہ اسے اپنے علم کی اجازت دے اور وہ اس کو اس علم کی اجازت دیتا ہے۔ لہذا طالب اجازت طلب کرنے والا اور عالم اجازت دینے والا ہے۔

حافظ ابن الصلاح اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: فللمجيز على هذا أن يقول: "أجزت فلاناً مسموعاتي أو مروياتي" فيعديه بغير حرف جر من غير حاجة إلى ذكر لفظ الرواية أو نحو ذلك. ويحتاج إلى ذلك من يجعل الإجازة بمعنى التسويغ

۱- تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح المغیث للسخاری، ۲/ ۲۲۶-۲۲۷

۲- الکفاية، ۳۱۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۱۵؛ فتح المغیث للسخاری، ۲/ ۲۸۲؛ تدریب،

۲۶۶؛ ابن الصلاح نے بھی خطیب کی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (ابن الصلاح، ۱۶۳-۱۶۴)



والاذن ، والاباحة، وذلك هو المعروف ، فيقول : ”اجزت لفلان رواية مسموعاتي“ مثلاً ومن يقول منهم : ”اجزت له مسموعاتي“ فعلى سبيل الحذف الذى لا يخفى نظيره . (۱)

میں کہتا ہوں کہ اجازت دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ کہے ”میں نے فلاں شخص کو اپنی مسموعات اور مرویات کی اجازت دی ہے“ سو وہ بغیر حرف جر فعل متعدی استعمال کرتا ہے اور اس میں لفظ روایت یا اس قسم کے الفاظ کے استعمال کی ضرورت نہیں۔ اس کی احتیاج اس کو ہوگی۔ جو اجازت بمعنی تسویغ اذن اور اباحت کے استعمال کرے اور یہ معروف ہے سو وہ اس طرح کہے گا: ”میں نے فلاں شخص کو اپنے مسموعات کی روایت کی اجازت دی ہے“ اور جو شخص یہ کہے گا کہ میں نے اسے اپنی مسموعات کی اجازت دی ہے تو یہ علی سبیل الحذف ہوگا جس کی نظیر اہل علم سے مخفی نہیں۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ دوسری بات یہ ہے کہ اجازت اس وقت مستحسن ہوتی ہے جب اجازت دینے والا اس چیز کا عالم ہو جس کی وہ اجازت دے رہا ہے اور مجاز لہ بھی اہل علم میں سے ہو۔ اس لیے کہ اس میں توسع اور رخصت ہے جس کے لیے اہل علم ضرورت و احتیاج کی وجہ سے اس کے اہل ہیں۔ بعض لوگ تو اس حد تک پہنچے کہ اسے شرط قرار دیا۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

وحكاہ أبو العباس الوليد بن بكر المالکی عن مالك و قال الحافظ أبو عمر: الصحيح انها لا تجوز الا لماهر بالصناعة و فى شىء معين لا يشكل اسناده . (۲)

اسے ابو العباس ولید بن بکر مالکی نے امام مالک سے نقل کیا ہے اور حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا روایت کے ماہر کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے اور یہ اجازت ایک معین شئی میں ہو جس کے اسناد میں کوئی مشکل نہ ہو۔

ابن الصلاح / ۱۶۳؛ فتح الباقی ، ۲۱۵ . رامہرمزی کے اتباع میں خطیب بغدادی نے اجازہ کی پانچ انواع بیان کی ہیں۔ انہوں نے اس میں مکاتیب اور مناوہ کو شامل کر دیا۔ (الكفاية ، ۳۲۶-۳۵۰) المحدث الفاصل ، ۴۳۵؛ قاضی نے چھ اقسام بیان کیں (الالمام ، ۸۷) ابن صلاح نے قاضی عیاض کا نتیجہ کیا لیکن انہوں نے اس کی سات اقسام گنائیں (ابن الصلاح ، ۱۵۱-۱۶۳) ازاں بعد سخاوی ، عراقی اور انصاری نے اس کو نو اقسام میں تقسیم کیا۔ (فتح المغیث للعرافی ، ۲۰۳/۲-۲۱۵؛ سخاوی ۲ / ۲۲۶-۲۸۲ انصاری ، فتح الباقی ، ۳۲۰-۳۲۳)

ایضاً ، ۱۶۳؛ فتح المغیث للعرافی ، ۲ / ۲۱۶؛ فتح المغیث للسخاوی ، ۲ / ۲۸۳ المنہل الروی ، ۸۸ . تدریب ، ۲۶۶ . ابن عبد البر کے الفاظ ہیں: تلخیص هذا الباب ان الاجازة لا تجوز الا لماهر بالصناعة حاذق بها، يعرف كيف يتنا ولها، ويكون في شىء معين معروف لا يشكل اسناده فهذا هو الصحيح من القول في ذلك۔ جامع بيان العلم و فضله ، ۲ / ۱۸۰



خطیب لکھتے ہیں:

و كان مالك يشترط في الإجازة أن يكون فرع الطالب معارضا بأصل الراوى حتى كأنه هو وأن يكون المجهز عالما بما يجيز به معروفا بذلك ثقة في دينه و راويته وان يكون المستجيز من أهل العلم و عليه سمته حتى لا يوضع العلم عند غير أهله. (۱)

امام مالکؒ اجازت کے لیے شرط لگاتے تھے کہ طالب کے پاس مسودہ اصل راوی کے ساتھ مقابل ہو گیا وہی ہے اور اجازت دینے والا اس چیز کا عالم جس کی اجازت دے رہا ہے اور اس سلسلے میں معروف ہووین روایت میں ثقہ ہو اور جس کو اجازت دی جا رہی ہے وہ اہل علم میں سے ہو اور اس میں اس کی شہرت ہوتا کہ علم نا اہل لوگوں کے پاس نہ جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اجازت دینے والے کے لیے مناسب ہے کہ جب وہ اجازت نامہ لکھے تو اسے الفاظ میں بھی ادا کرے۔ اگر وہ صرف کتاب پر اکتفا کرے تو یہ جائز ہوگا بشرطیکہ اجازت کا قصد ساتھ شامل ہو۔ البتہ یہ اجازت الفاظ میں ادا کی گئی اجازت سے کم تر درجہ کی ہوگی۔ اور ایسی روایت کی جو قراءت علی الشیخ پر مبنی ہے اور اس روایت کو الفاظ میں نہیں ادا کیا گیا، کی تصحیح مجرد کتابت سے غیر مستبعد ہے۔ (۲)

حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:

كثير تصریحهم في الأجازة "مما يجوز لي و عنى روايته" فقليل كما نقله ابن الجزري أنه لا فائدة في قول "وعنى" قال: والظاهر انهم يريدون ب"لى" مروياتهم و ب"عنى" مصنفاتهم و نحوها و هو كذلك، و حينئذ فكنا بتها ممن ليس له تصنيف أو نظم أو نثر أو بحث حفظ عنه و ما اشبهه عبث أو جهل. (۳)

اجازت کے سلسلے میں ان کی تصریحات بہت ہیں۔ "میرے لیے اور مجھ سے روایت جائز ہے" جیسا کہ ابن الجزری نے نقل کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ لفظ و عنی کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ظاہر ہے کہ لی سے ان کی مراد مرویات ہیں اور عنی سے ان کی تصنیفات اور یہ ایسا ہی ہے اس صورت میں جس کی کوئی تصنیف نہیں نہ ہی نظم و نثر میں کوئی شی اور نہ ہی کوئی ایسی بحث جس سے اس نے حفظ کیا ہو تو اس کی کتابت عبث اور جہل ہے۔

۱- الكفاية، ۳۱۷؛ المحدث الفاصل، ۳۳۸؛ معرفة علوم الحديث، ۲۵۹

۲- ابن الصلاح، ۱۲۵

۳- فتح المغيب للسخاوى، ۲۸۶/۲

خطیب” کہتے ہیں:

اختلف الناس في الاجازة للأحاديث فذهب بعضهم إلى صحتها و دفع

ذلك بعضهم والذين قبلوها اكثر . (۱)

## اجازت کی اقسام

اجازت کی متنوع اقسام ہیں جنہیں علوم الحدیث کے تمام مصنفین نے نقل کیا ہے۔ قاضی عیاض نے اس پر مسلسل گفتگو کی ہے۔ ان سے پہلے کسی نے اس طرح بات نہیں کی۔ انہوں نے اس کی چھ انواع بیان کی ہیں (۲) ابن الصلاح نے ایک کا اضافہ کر کے یہ تعداد سات کر دی ہے۔ (۳) ان اقسام کو ہم حافظ ابن الصلاح سے نقل کرتے ہیں۔

## معیین شخص کو معین چیز کی اجازت

اگر کوئی عالم کسی خاص شخص کو اپنی خاص مرویات کی روایت کی اجازت دیتا ہے تو ”اجازت معین فی معین“ ان جیسے مثلاً کوئی شخص کہتا ہے:

اجزت لك الكتاب الفلانی میں نے تمہیں فلاں کتاب کی اجازت دی ہے۔ یا ما اشملت علیہ فہرستی ہذہ (۴) یا اس چیز کی اجازت جس پر میری فہرست مشتمل ہے۔ یہ اجازت کی سب سے اعلیٰ نوع ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں بعض لوگوں کو گمان ہوا ہے کہ اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں حتیٰ کہ اہل الظاہر بھی اس نوع کی اختلاف نہیں رکھتے۔

قاضی عیاض نے فرمایا:

الكفاية ، ۳۱۱

الالمام ، ۸۷ - ۱۷۰

ابن الصلاح، ۱۶۲؛ علوم الحدیث کے جدید مصنفین نے ان انواع کی تفصیلات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ڈاکٹر عجاج الخطیب کا یہ جملہ اس کی مثال ہے: ”ولا یہمنا بسط ہذہ الانواع تکلفت کتب علوم الحدیث بیانہا و بنخاصة انہا عرفت بعد القرن الرابع الهجری“۔ اصول الحدیث، ۲۳۸، لیکن انہیں نظر انداز کر دینے سے بہت سے پہلو نظروں سے اوجھل رہ جائیں گے اسی لیے ہم نے انہیں نقل کیا ہے۔

فہرست قاموس کے مطابق فارسی کا لفظ ہے فاء کے کسرہ ہا کے سکون، راء کے کسرہ، سین کے سکون اور تاء ساکنہ کے ساتھ اشیاء کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کے لیے آیا ہے۔ Index , Table of contents، اسے معرب کیا گیا تو فہرس یفہرس، دحرج کے وزن پر بنایا گیا الفہرس کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔ القاموس / الشہاب الخفاجی نے شفاء العلیل میں القاموس کے الفاظ کو دہرایا ہے۔ ابن خلدون نے البرنامج کو اس کے مترادف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۰۳، حاشیہ، ۳

فهذه عند بعضهم التي لم يختلف في جوازها ولا خالف فيه أهل

الظاهر، وإنما الخلاف بينهم في غير هذه الوجه. (۱)

قاضی ابوالولید الباجی نے تو اختلاف کی مطلق نفی کرتے ہوئے کہا:

لا خلاف في جواز الرواية بالإجازة من سلف هذه الأمة و خلفها

و ادعى الاجماع من غير تفصيل، و حكى الخلاف في العمل بها. (۲)

روایت بذریعہ اجازت کے جواز میں اس امت کے سلف اور خلف میں کوئی اختلاف نہیں۔

انہوں نے بغیر تفصیل کے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ تاہم اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں

اختلاف نقل کیا ہے۔

حافظ ابن الصلاح اسے نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: هذا باطل، فقد خالف في جواز الرواية بالاجازة جماعات من

أهل الحديث والفقهاء والاصوليين، وذلك احدى (۳) الروايتين عن

الشافعي. روى عن صاحبه الربيع بن سليمان، قال: كان الشافعي لا

يرى الإجازة في الحديث. قال الربيع أنا اخالف الشافعي في هذا. (۴)

میں کہتا ہوں کہ یہ باطل ہے۔ روایت بذریعہ اجازت کے جواز کی مخالف، اصحاب حدیث،

فقہاء اور اصولیوں کے کئی گروہوں نے کی ہے اور امام شافعی سے بھی ایک روایت منقول

ہے۔ ان کے شاگرد ربیع بن سلیمان روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی حدیث میں طریق

اجازت کے قائل نہ تھے۔ ربیع کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں میرا امام شافعی سے اختلاف ہے۔

حافظ ابن الصلاح عدم جواز پر مزید بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شوافع کی ایک جماعت اس کے ابطال کی

۱- الالماع، ۸۸

۲- ابن الصلاح، ۱۵۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۲۳۰؛ المنهل الروی، ۶۳؛

تدریب، ۲۵۶؛ التقیید، ۳۱۳

۳- دوسری روایت جسے رامہرمزی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے: قال حسین الکریمی، لما قدم الشافعی قدمته آتیه

فقلت له: اتاذن لی ان اقرأ علیک الکتب؟ فابی و قال: خذ کتب الزعفرانی فانسخها، فقد اجزتها لک،

فانخذها اجازة. المحدث الفاصل، ۲۳۸؛ الکفاية، ۳۲۳

۴- ابن الصلاح، ۱۵۱-۱۵۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۲۳۰-۲۳۱

تاکس ہے اور ان میں دو قاضی، حسین بن محمد المروزی (۱) اور ابوالحسن المادوری (۲) شامل ہیں۔ المادوری نے اپنی کتاب الحاوی میں اس رائے کو قطعیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور دونوں نے کہا: ”لو جازت الاجازة لبطلت السرحلة“ اگر اجازت جائز ہے تو پھر رحلہ یعنی طلب حدیث کے لیے سفر باطل ہوگا۔ یہی بات شعبہ وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ (۳) اور اصحاب حدیث میں سے جن لوگوں نے اسے باطل قرار دیا ہے ان میں امام ابراہیم بن اسحاق الحرلی، (۴) ابو محمد عبداللہ بن محمد الاصبہانی الملقب بابی الشیخ، (۵) حافظ ابو نصر الوایلی السجری (۶) شامل ہیں اور ابو نصر نے بعض ملنے والوں سے اس کا فاسد ہونا نقل کیا ہے۔ ابو نصر کہتے ہیں:

و سمعت جماعة من اهل العلم يقولون: قول المحدث: ”قد اجزت لك أن تروی عنی“ تقدیرہ قد اجزت لك ما لا يجوز في الشرع: لان الشرع لا یبیح رواية ما لم یسمع (۷)

اور میں نے اہل علم کی ایک جماعت کو کہتے سنا: محدث کا قول کہ میں نے تجھے اجازت دی کہ تو مجھ سے روایت کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھے اس چیز کی اجازت دی ہے جو شریعت میں جائز نہیں ہے کیونکہ شریعت اس چیز کی روایت کی اجازت نہیں دیتی جو نہ سنی ہو۔ ابن الصلاح کہتے ہیں:

- ۱- القاضی حسین بن محمد بن احمد ابو علی المروزی (م ۴۶۲ھ) اپنے زمانے کے شیخ الشافعیہ تھے ابو نعیم الاسفراکینی سے روایت کی۔ انہیں بحر الامتہ کا لقب دیا گیا ہے۔ تہذیب الاسماء، ۱/ ۱۵
- ۲- القاضی ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب المہری الشافعی المادوری (م ۳۵۰ھ) آقسی القضاة، فقہ، اصول اور تفسیر کے امام تھے اور عربی زبان و ادب میں بصیرت رکھتے تھے۔ خلفاء کے ہاں بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے ان کی تصانیف میں الحاوی، الاقناع اور ادب الدنيا والدين اور احکام السلطانیہ معروف ہیں۔ المسکوی، ۳/ ۳۰۳؛ الوفيات، ۱/ ۳۲۶؛ شذرات، ۳/ ۲۸۵
- ۳- ابن الصلاح، ۱۵۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۰۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۳۱
- ۴- ابراہیم بن اسحاق ابوالحسن الحرلی بغدادی (م ۲۸۵ھ) طلب علم کے لیے چھوٹی عمر ہی سے اسفار کا آغاز کر دیا تھا جو آخر عمر تک رہا۔ اپنے وقت کے نامور محدث اور اہل نفعیہ ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ متعدد کتب کے مؤلف تھے۔ ایک کتاب غریب الحدیث کے نام سے ترتیب دی۔ یہ کتاب سلیمان بن ابراہیم کی تحقیق سے مرکز البعث العلمی، مکہ مکرمہ نے ۱۹۸۵ء میں شائع کی۔ تاریخ بغداد، ۶/ ۲۸؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۵۸۳؛ شذرات، ۲/ ۱۹۰
- ۵- ابو محمد عبداللہ بن محمد جعفر الاصبہانی الحمانی الملقب بابی الشیخ (م ۳۶۹ھ) جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا۔ تبحر عالم بہترین حافظ کے مالک تھے۔ مثبت اور صادق تھے۔ باعمل شخصیت کے حامل تھے۔ خطیب کہتے ہیں: کان حافظاً متقناً۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/ ۹۳۵؛ النجوم الزاهرة، ۳/ ۱۳۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/ ۲۷۶
- ۶- ابو نصر عبید اللہ بن سعید الوایلی السجری (م ۳۳۳ھ) سجستان کی طرف غیر قیاسی نسبت ہے حدیث و سنت کی وسیع معرفت رکھتے تھے۔ خراسان، عراق، حجاز اور مصر کے علمی سفر کیے۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/ ۱۱۱۸؛ ابن الاثیر، ۷/ ۱۶۸
- ۷- ابن الصلاح، ۱۵۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۳۲؛ تدریب، ۲۵۶

و يشبه هذا ما حكاہ أبو بكر محمد بن ثابت الخجندی (۱) أحد من  
أبطل الاجازة من الشافعية عن أبي طاهر الدباس أحد أئمة الحنفية  
قال: من قال لغيره "أجزت لك ان تروى عنى ما لم تسمع" فكأنه  
يقول: "أجزت لك أن تكذب على" (۲)

اس سے ملتی جلتی بات شوافع میں سے عدم جواز کے قائل ابو بکر محمد بن ثابت الخجندی نے ائمہ  
احناف میں سے ابو طاهر الدباس سے نقل کی ہے۔ اس نے کہا: جو شخص کسی دوسرے کو یہ کہتا  
ہے کہ میں نے تجھے اس چیز کی روایت کی اجازت دی جو تو نے مجھ سے نہیں سنی تو گویا وہ کہتا  
ہے کہ میں نے تجھے اجازت دی کہ تو محض جھوٹ باندھ لے۔

آمدی نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے بھی یہی رائے نقل کی ہے۔ (۳) قاضی عبدالوہاب نے  
مالک سے ایک رائے اس کے حق میں نقل کی ہے۔ ابن حزم کا قول ہے کہ یہ بدعت ہے اور جائز نہیں۔ (۴) آپ  
قول یہ بھی ہے کہ اگر اجازت دینے والا اور اجازت لینے والا عالم بالکتاب ہوں تو جائز ورنہ نہیں۔ احناف میں  
ابو بکر الرازی نے اسے اختیار کیا ہے۔ (۵)

خطیب طریق اجازت کے صحیح ہونے پر لکھتے ہیں:

و يقال: ان الأصل في صحة الإجازة حديث النبي ﷺ المذكور في  
المغازي حيث كتب لعبدالله بن جحش كتاباً وختمه و دفعه اليه  
ووجهه في طائفة من اصحابه الى ناحية نخلة و قال له: لا تنظر في  
الكتاب حتى تسير يومين ثم انظر فيه. (۶)

کہا جاتا ہے کہ طریق اجازت کے صحیح ہونے کی بنیاد نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث ہے جو کتب  
مغازی میں مذکور ہے کہ آپ نے عبداللہ بن جحش کے لیے تحریر لکھی، اس میں مہر لگائی اور اسے  
عبداللہ کے سپرد کیا۔ اور اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ نخلہ کی طرف بھیجا۔ اسے کہا کہ  
اس تحریر کو اس وقت تک نہ دیکھنا جب تک تم دو دنوں کا سفر نہ کر لو۔ اس کے بعد اسے دیکھنا۔

- ۱- الخجندی، خاء کے ضمہ، جیم کے فتح اور نون کے سکون کے ساتھ نسبت ہے ایک گاؤں کی طرف جو دریائے سکون کے پاس ہے۔  
جسے نجدہ کہتے ہیں۔ معجم البلدان، ۲ / ۳۳۷
- ۲- ابن الصلاح، ۱۵۲-۱۵۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۳۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۰۳؛ تدریب،  
۲۵۶؛ الکفایة، ۳۱۳
- ۳- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۰۳؛ فتح المغیث، ۲ / ۲۳۲؛ تدریب، ۲۵۷
- ۴- تدریب، ۲۵۷
- ۵- ایضاً، ۲۵۷
- ۶- الکفایة، ۳۱۳

اس کے بعد خطیب نے اس واقعہ کی اور روایات قدرے تفصیل کے ساتھ نقل کی ہیں۔ (۱)

البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ علماء متقدمین نے طریق اجازت کو غیر مقید اور غیر مشروط جائز قرار دیا۔ یہ شرط لگائی ہے کہ محدث کو معلوم ہو کہ اس نے کس چیز کی اجازت دی ہے اور طالب نسخہ کو اصل راوی کے ساتھ ساتھ بلکہ کیا جائے تاکہ وہ بعینہ وہی ہو۔ اور اجازت طلب کرنے والا بھی اہل علم میں سے ہو تاکہ یہ علم نااہل لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو۔ (۲) اکثر متقدمین امام مالک کی طرح، غیر اہل علم کے لیے اجازت کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی طرح ان لوگوں کے لیے جو علم کی راہ میں محنت و مشقت نہیں کرتے اور ان لوگوں کے لیے جو تھوڑے وقت میں زیادہ علم کی اجازت کے طالب ہوتے۔ اکثر تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد آنے والے بہت سے اہل علم کا موقف یہ تھا کہ صرف علوم حدیث میں مہارت رکھنے والے ثقہ لوگوں کو اجازت دی جائے اور ان لوگوں کو جو علم کی قدر پہچانتے ہیں۔ اسی طرح ایک معروف شیخ کی اجازت دی جائے جس کی اسناد مشکل نہ ہوں۔ (۳) البتہ متاخرین نے اس میں تبدیلی برتا اور اجازت میں وسعت اختیار کی نتیجہ یہ ہوا کہ حفاظ اور مؤلفین سے صحیح سماع کے لیے طلب علم کی ہمیتیں کمزور ہوئیں۔

حافظ ابن الصلاح اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم إن الذي استقر عليه العمل و قال به جماهير أهل العلم من أهل الحديث و غيرهم القول بتجوز الإجازة و إباحة الرواية بها و في الاحتجاج لذلك غموص. و يتجه أن يقول إذا أجاز له أن يروى عنه مروياته، فقد أخبره بها جملة فهو كما لو أخبره تفصيلاً، و إخباره بها غير متوقف على التصريح نطقاً كما في القراءة على الشيخ كما سبق، و إنما الغرض حصول الإفهام و الفهم و ذلك يحصل بالإجازة المفهومة. (۴)

پھر جس رائے پر عملی استقرار ہوا اور اصحاب حدیث میں سے جمہور اہل علم وغیرہ کا موقف ٹھہرا وہ طریق اجازت کا جواز اور اس کی روایت کی اباحت ہے، تاہم اس طریق سے استدلال

۱۔ الکفاية، ۳۱۲-۳۱۳

۲۔ ایضاً، ۳۱۷؛ المحدث الفاصل، ۳۳۸؛ معرفة علوم الحديث، ۲۵۹

۳۔ المحدث الفاصل، ۳۳۷-۳۳۸

۴۔ ابن الصلاح، ۱۵۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۲۳۳



کرنے میں وقت نظر مطلوب ہے۔ اور بسبب یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب ایک شخص نے کسی کو اپنی مرویات روایت کرنے کی اجازت دی تو بلاشبہ اس نے اسے سب کچھ بتا دیا گویا اس نے تفصیلاً بیان کیا اور اس کا یہ بیان زبانی تصریح پر موقوف نہیں ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قراءت علی الشیخ میں اور جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ بلاشبہ مقصود تو افہام و فہم ہے اور یہ مفہوم اجازت سے حاصل ہو سکتا ہے۔

حافظ سخاوی نے طریق اجازت کے جواز پر مفصل لکھا اور کئی اصحاب علم کی آراء کو جمع کر دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے افادہ کے لیے نقل کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

وصار بعد الخلف اجماعاً، و احی اللہ بہا کثیراً من دوا وین الحدیث  
مبو بہا و مسندھا، مطولھا و مختصرھا و الوفا من الاجزاء الشریة، مع  
جملة من المشیخات، و المعاجم، و الفوائد انقطع اتصا لها بالسماع،  
و اقتدیت بشیخی فمن قبله فوصلت بہا جملة. و رحم اللہ الحافظ  
علم الدین البرزالی حیث بالغ فی الاعتناء. بطلب الاستجازات من  
المسندين للصفار و نحوهم، فکتب غیر واحد من الاستدعاءات  
الفیاء، ای مشتملاً علی الف اسم، و تبعه أصحابہ کا بن سعد والوانی  
وانتفع الناس بذلك. و کذا ممن بالغ فی عصرنا فی ذلك مفیدنا  
الحافظ ابو نعیم المستملی وعمدة المحدثین النجم بن فهد  
الهاشمی، فجزاهم اللہ خیراً. و ممن اختار التعویل علیها مع تحقیق  
الحدیث امام الحرمین، و ما أحسن قول الإمام أحمد: إنها لو بطلت  
لضاع العلم. ولذا قال عیسیٰ بن مسکین صاحب سحنون فیما رواه  
ابو عمرو الدانی من طریقہ: ہی رأس مال کبیر، و هی قویة: و قال  
السلفی: ”هی ضروریة؛ لأنه قد تموت الرواة و تفقد الحفاظ الوعاة  
فیحتاج الی إبقاء الإسناد، و لا طریق الا الإجازة. فالإجازة فیها نفع  
عظیم و رفد جسیم، إذ المقصود إحکام السنن المرویة فی الأحکام  
الشرعیة، و إحياء الآثار، و سواء کان بالسماع أو القراء ة، أو المناولة



أو الإجازة لقوله تعالى 'وما جعل عليكم في الدين من حرج' (۱) و قوله: 'بعثت بالحنيفية السمحة' (۲) قال: ومن منا فعها إن ليس كل طالب يقدر على رحلة و سفر اما لعلة توجب عدم الرحلة أو بعد الشيخ الذي يقصده، فالكتابة حينئذ أرفق، وفي حقه أوفق، فيكتب من بأقصى الغرب الى من بأقصى الشرق، ويأذن له في رواية ما يصح عنه. وقد كتب السلفي هذا من ثغر إسكندرية لأبي القاسم الزمخشري صاحب الكشاف وهو بمكة يستجيزه جميع مسموعاته وإجازاته ورواياته وما ألفه في فنون العلم، وانشاه من المقامات و الرسائل والشعر فأجابه بجزء لطيف فيه لغة و فصاحة مع الهضم فيه لنفسه..... قال ابو الحسن بن النعمة، لم تنزل مشائخنا في قديم الزمان يستعملون هذه الإجازات ويرونها من أنفس الطلبات و يعتقدونها رأس مال الطالب، ويرون من عدمها المغلوب لا الغالب، فاذا ذكر حديثا أو قراءة أو معنى ما قالوا أين إسناده و على من اعتماده؟ فان عدم سندا يترك سدى و نبذ قوله و لم يعلم فضله. (۳)

حافظ سخاوی کہتے ہیں: خلف کے بعد اس پر اجماع ہو گیا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کے کئی مطول و مختصر محبوب اور مسند دیوان زندہ کئے، اسی طرح ہزاروں نثری اجزاء تمام مشیخت و معاجم اور فوائد سمیت جن کا متصل سماع منقطع ہو چکا تھا۔ اور میں نے اپنے شیخ اور ان سے پہلے شیوخ کی پیروی کی اور اس طرح میرا سب سے اتصال ہو گیا۔ اللہ کی رحمت ہو علم الدین البرزالی پر کہ انہوں نے چھوٹے مسندین سے بھی اجازت طلب کرنے میں حد سے زیادہ اہتمام کیا اور ہزار ناموں پر مشتمل کئی اجزاء لکھے۔ ان کے شاگردوں نے، جیسے ابن سعد اور دانی وغیرہ نے اس کی پیروی کی اور لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ ہمارے زمانے میں جن لوگوں نے اس کا اہتمام کیا ان میں ابو نعیم الحسینی اور عمدة المحدثین نجم بن عبد الحاشی

الحج / ۷۸

مسند احمد، ۵ / ۲۶۶ / ۶ / ۱۱۶، ۲۳۳

فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۳۳ - ۲۳۵

ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اور جس شخص نے محقق حدیث ہوتے ہوئے اس طریق پر اعتماد کیا وہ امام الحرمین ہیں۔ امام احمد کا کتنا اچھا قول ہے کہ اگر اسے ناقابل اعتبار قرار دیا جائے تو علم ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے مسنون کے شاگرد عیسیٰ بن مسکین نے کہا اور ان کا یہ قول ابو عمر والدانی نے روایت کیا کہ یہ طریق بڑا رأس المال ہے اور قوی ہے۔

السلفی کا کہنا ہے کہ یہ ضروری ہے اس لیے کہ راوی مرتے ہیں اور محفوظ کرنے والے حفاظ ختم ہوتے ہیں جب کہ اسناد کے باقی رہنے کی احتیاج ہے۔ اجازت کے بغیر کوئی اور طریقہ نہیں ہے جو اسے محفوظ کرے۔ سو طریق اجازت میں بڑا نفع اور عظیم عطیہ ہے۔ چونکہ مقصود احکام شرعیہ میں مروی سنن کا استحکام اور آثار کا احیاء ہے، اس لیے ن کا بطریق سماع، قراءۃ، مناوہ یا اجازہ ہونا برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی“ اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ”مجھے نرمی و سہولت والے خالص دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔“ السلفی کہتے ہیں کہ اس کے منافع میں سے یہ بھی ہے کہ ہر طالب سفر کی قدرت نہیں رکھتا یا تو کوئی بیماری ہو سکتی ہے جو سفر سے مانع ہو یا مطلوب شیخ کا دور ہونا ہے لہذا کتابت آسان ہے اور اس کے حق میں زیادہ مناسب بھی۔ اس طرح انتہاء مغرب میں بیٹھا شخص انتہائے مشرق میں موجود شخص کو لکھ سکتا ہے اور اپنی صحیح مرویات کی روایت کی اجازت دے سکتا ہے اور السلفی نے حدود سکندر یہ سے صاحب کشف ابوالقاسم زنجیری کو لکھا جب کہ وہ مکہ میں تھے ان سے اپنی تمام مسموعات، اجازات، روایات، فنون علم کی تالیفات اور مقامات مسائل اور اشعار پر مشتمل تحریروں کی اجازت طلب کی۔ زنجیری نے تواضع اور کسر نفسی کے اظہار کے ساتھ عمدہ جز بھیجا جو زبان و بیان پر مشتمل تھا۔ ابوالحسن بن النعمہ نے کہا: ہمارے مشائخ پرانے زمانے سے ان اجازات کو استعمال کرتے رہے ہیں، انہیں بہترین مقاصد خیال کرتے رہے ہیں، اسے طالب علم کا رأس المال قرار دیتے رہے ہیں اور اس کی غیر موجودگی میں اپنے آپ کو غالب نہیں مغلوب سمجھتے رہے ہیں۔ جب کوئی شخص حدیث، قراءۃ یا کوئی مفہوم بیان کرے تو کہتے ہیں کہ اس کی اسناد کہاں ہے؟ اور کس پر اعتماد کیا گیا ہے۔ پس اگر سند موجود نہیں تو اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا، اس کی بات کو ٹھکرا دیا جائے گا اور اس کی فضیلت نامعلوم ہو جائے گی۔

علامہ سیوطی طریق اجازت کی صحت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اذا قلنا بصحة الإجازة فالمتبادر إلى الأذهان أنها دون العرض ، وهو الحق ، و حكي الزركشي في ذلك مذاهب : ثانيها و نسبه لا حمد بن ميسرة المالكي أنها على و جهها خير من السماع الرديء قال : واختار بعض المحققين تفضيل الإجازة على السماع مطلقاً . ثالثها أنها سواء . حكي ابن عات في ربحانة النفس عن عبدالرحمن بن احمد بن بقي بن مخلد انه كان يقول : الاجازة عندي و عند أبي و جدي كالسماع . وقال الطوفي : الحق التفصيل : ففي عصر السلف السماع أولى و أما بعد إن دونت الدواوين و جمعت السنن و اشتهرت فلا فرق بينهما . (۱)

جب ہم طریق اجازت کی صحت کے بارے میں کہتے ہیں تو اذہان اس طرف جاتے ہیں کہ یہ ”العرض“ سے کم تر ہے ، اور سبھی حق ہے۔ اور الزرکشی نے اسی سلسلے میں کئی مذاہب نقل کئے ہیں۔ ان میں دوسرا جسے اس نے احمد بن میسرہ مالکی کی طرف منسوب کیا ہے کہ ظاہری طور پر یہ کم تر درجہ کے سماع سے بہتر ہے اس کا کہنا ہے کہ بعض محققین نے اجازت کو سماع پر مطلق فضیلت دی ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ ابن عات نے ربحانۃ النفس میں عبدالرحمن ابن احمد بن قتی بن مخلد سے نقل کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے : میرے نزدیک اور میرے والد اور دادا کے نزدیک اجازت سماع ہی کی طرح ہے۔ الطوفی کہتے ہیں کہ سچ یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے : سلف کے عہد میں سماع اولیٰ ہے اور اس کے بعد جب کتب مرتب ہو گئیں ، سنن جمع کر دی گئیں اور مشہور ہو گئیں تو ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا۔

### ایت بالا جازة پر عمل

ایسی روایت جو بطریق اجازت مروی ہو اس پر عمل کے بارے میں بھی اختلاف موجود ہے۔ بعض کے ایک یہ واجب العمل جب کہ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ ایسی روایت موجب عمل نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس بارے میں لکھتے ہیں :

ثم انه كما تجوز الرواية بالإجازة يجب العمل بالمروى بها ، خلافاً

لمن قال من أهل الظاهر و من تابعهم: إنه لا يجب العمل به و إنه جار  
مجرى المرسل. و هذا باطل لأنه ليس في الإجازة ما يقدر في اتصال  
المنقول بها و في الثقة به. (۱)

پھر جیسے روایت بالا جازة جائز ہے اسی طرح ایسی مروی روایت پر عمل بھی واجب ہے۔ اہل  
ظاہر اور ان کے پیرو اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس پر عمل واجب نہیں اور  
ایسی روایت مرسل جیسی ہے۔ اور یہ رویہ باطل ہے کیونکہ طریق اجازت میں کوئی ایسی شے  
نہیں جو منقول بھا کے متصل ہونے کے لیے یا اس پر اعتماد کرنے کے لیے نقصان دہ ہو۔

خطیب نے روایت بالا جازة پر مفصل لکھا ہے۔ اس کے واجب العمل ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

و احتج بعض أهل العلم ممن كان يري وجوب العمل بحديث الإجازة  
بما اشتهر نقله ان النبي ﷺ كتب سورة براءة في صحيفة و دفعها إلى  
أبي بكر الصديق ثم بعث على بن ابي طالب فاخذها منه و لم يقرأها عليه  
ولا هو ايضاً قرأها حتى وصل إلى مكة ففتحها و قرأها على الناس فصار  
ذلك كالسمع في ثبوت الحكم و وجوب العمل به (۲)

بعض اہل علم حدیث الاجازة پر عمل واجب سمجھتے ہیں حضور اکرم ﷺ سے منقول مشہور روایت  
سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سورۃ براءة کو ایک صحیفہ میں لکھا اور اسے ابو بکر  
صدیقؓ کے حوالے کیا پھر علی ابن ابی طالب کو بھیجا انہوں نے وہ مکتوب ان سے لے لیا۔ علیؓ  
نے انہیں پڑھ کر سنایا اور نہ خود پڑھا یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے۔ آپ نے اسے وہاں کھولا اور  
لوگوں کے سامنے پڑھا۔ یہ واقعہ گویا ثبوت حکم اور اس پر وجوب عمل کے لیے سماع کی طرح  
متصور ہوگا۔

مزید فرماتے ہیں:

سألت أبا نعیم احمد بن عبد الله الحافظ، قلت له: ما تری فی الإجازة؟  
فقال: الإجازة صحیحة یحتج بها و استشهد بحديث عبد الله بن  
عکیم، قال: كتب لنا رسول الله ﷺ. قال أبو نعیم: ما ادرکت احداً

۱- ابن الصلاح، ۱۵۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۲۰۳/۲

۲- الکفایة، ۳۱۳

من شیوخنا الا وهو یری الاجازة و يستعملها سوی ابی شیخ فانه كان  
لا یعدھا شیئاً. (۱)

میں نے حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ سے پوچھتے ہوئے کہا: طریق اجازت کے بارے میں  
آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ طریق اجازت صحیح ہے اور اس سے استدلال  
کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے عبد اللہ بن عکیم کی حدیث سے استدلال کیا۔ انہوں نے کہا کہ  
رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے لکھا۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ میں کسی کو بھی  
نہیں پایا الا یہ کہ وہ طریق اجازت کو درست سمجھتے اور استعمال کرتے سوائے ابوالشیخ کے کہ وہ  
اسے کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔

خطیب لکھتے ہیں:

قلت: ابو الشیخ هو عبد الله بن محمد بن جعفر بن حیان الاصبهانی،  
و ممن سمی لنا انه كان یصحح العمل بأحادیث الاجازة. (۲)  
میں کہتا ہوں کہ ابوالشیخ عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الاصبہانی ہیں اور ہم سے بیان کیا کہ  
وہ احادیث الاجازہ پر عمل کو صحیح سمجھتے تھے۔

خطیب نے حدیث اجازہ کے قبول اور عدم قبول کے سلسلے میں سینتالیس محدثین و علماء کی فہرست دی ہے۔  
میں نے ان میں سے قبول کرنے والوں میں حسن بصری، نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر، ابن الشہاب الزہری، ربیعہ بن ابی  
عبد الرحمن، یحییٰ بن سعید الانصاری، قتادہ بن دعامہ، مکحول الشامی، ابان ابن ابی عیاش، ایوب السختیانی سمیت امام  
شافعی، احمد بن حنبل، بخاری، مسلم اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ النسیا پوری شامل ہیں۔ (۳)  
عدم جواز کے قائلین میں بعض اقوال ان لوگوں کے بھی ہیں جنہیں قائلین کی فہرست میں نقل کیا گیا ہے۔ مثلاً  
یحییٰ بن سعید، حیوہ بن شریح اور مالک بن انس وغیرہ۔ ان کے علاوہ ابراہیم بن اسحاق الحرلی، شعبہ بن الحجاج کے نام  
مذکور ہیں۔ (۴)

خطیب مالک بن انس کی عدم جواز کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فقد ثبت عن مالك انه كان یحکم بصحة الروایة لأحادیث الاجازة. (۵)

۱- الكفاية، ۳۱۳

۲- ایضاً، ۳۱۳

۳- ایضاً، ۳۱۳-۳۱۴

۴- ایضاً، ۳۱۴-۳۱۵

۵- ایضاً، ۳۱۶

مالک سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ احادیث اجازہ کی روایت کے صحیح ہونے کا حکم دیتے تھے۔

## ۲۔ کسی معین شخص کو غیر معین اجازت

طریق اجازت کی دوسری قسم یہ ہے کہ شیخ کسی معین شخص کو غیر معین اجازت دے جیسے کہے:

أجزت لك أولكم جميع مسموعاتي أو مروياتي وما أشبه ذلك (۱).

یعنی میں نے تمہیں اپنی تمام مسموعات اور مرویات کی اجازت دی یا اسی طرح کا بیان۔

حافظ عراقی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن يعين الشخص المجازله دون الكتاب المجاز فيقول: أجزت لك

جميع مسموعاتي أو جميع مروياتي وما أشبه ذلك. (۲)

شیخ ایک مجاز شخص کو متعین کرے، بغیر کسی مجاز کتاب کے، اور کہے: میں نے تمہیں اپنی تمام

مسموعات یا مرویات کی اجازت دی ہے یا اس سے ملتی جلتی بات کرے۔

حافظ ابن کثیر نے اختصار کرتے ہوئے لکھا:

إجازة لمعين في غير معين، مثل أن يقول: "أجزت لك أن تزوي عنى

ما أرويه؛ أو "ماصح عندك، من مسموعاتي و مصنفاتي". (۳)

ایک معین شخص کے لیے غیر معین اجازت جیسے شیخ کہے: میں نے تجھے اجازت دی ہے کہ جو

کچھ میں روایت کرتا ہوں اسے تو مجھ سے روایت کرے۔ یا جو کچھ تمہارے پاس میری

مسموعات اور مصنفات سے صحیح طور پر موجود ہے۔

## اس کی حیثیت

اس کی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

فالاخلاف في هذا النوع أقوى وأكثر، والجمهور من العلماء من

المحدثين والفقهاء وغيرهم على تجويز الرواية بها أيضاً و على إيجاب

العمل بما روى بها بشرطه. (۴)

۱- ابن الصلاح، ۱۵۴

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۰۳

۳- الباعث الحثیث، ۱۱۸؛ المقنع، ۱/ ۳۱۵

۴- ابن الصلاح، ۱۵۴؛ المقنع، ۱/ ۳۱۵



اسی نوع میں اختلاف اکثر اور زیادہ قوی ہے۔ جمہور علماء محدثین اور فقہاء وغیرہ اس کی روایت کے بھی جواز کے قائل ہیں اور اس طرح کی روایت پر مشروط وجوب عمل کی رائے رکھتے ہیں۔

ابن کثیر کے الفاظ ہیں:

و هذا مما يجوزہ الجمهور أيضاً، روايةً و عملاً. (۱)  
اور یہ اس نوع سے ہے جسے جمہور روایتاً اور عملاً جائز سمجھتے ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں:

و الجمهور علی تجویز الروایة بہا، و علی وجوب العمل بما روی بہا بشرطہ، و لکن الخلاف فی هذا النوع أقوى من الخلاف فی النوع المتقدم. (۲)

جمہور اس کی روایت کو جائز اور وجوب عمل بھی شرط کے ساتھ تجویز کرتے ہیں لیکن اس نوع میں اختلاف پہلی نوع سے زیادہ قوی ہے۔

حافظ سخاوی نے اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے (۳) لیکن انہوں نے خطیب سے کافی استفادہ کیا ہے اس لیے مناسب ہے کہ ہم خطیب ہی کے بیان کو نقل کر دیں جو جامع ودوانی ہے خطیب النوع الثانی من انواع الإجازة کے عنوان سے لکھتے ہیں:

و هو أن يدفع الطالب إلى الراوي صحيفة قد كتب فيها ان رأى الشيخ ان يجيزلى جميع ما يصح عندي من حديثه فعل، فيقول له الراوي بلفظه قد أجزت لك كلما سألت، أو يكتب له ذلك تحت خطه في الصحيفة فيقرؤه عليه فهذا النوع دون المناولة في المرتبة لأنه لم ينص في الإجازة على شيء بعينه ولا أحاله على تراجم كتب بأعيانها من أصوله ولا من الفروع المقروءة عليه وإنما أحاله على ما يصح عنده عنه وهو في تصحيح ما روى الناس عنه على خطر لأنه لا يقطع على صحة

الباعث الحثيث، ۱۱۸

فتح المغيث للعراقي، ۲ / ۲۰۳

فتح المغيث للسخاوي، ۲ / ۲۲۸ و بعد



ماروی عنه الا بتواتر من الخبر و انتشار يقوم فى الظاهر مقام التواتر،  
 وفى باب المناولة التى قدمنا ذكرها يقطع على صحة رواياته. فيها  
 فيجب على الطالب الذى اطلقت له الإجازة ان يتفحص عن اصول  
 الراوى من جهة العدول الأثبات فمصحح عنده من ذلك جازله ان  
 يحدث به و يكون مثال ما ذكرناه من قول الرجل قد و كلتك فى  
 جميع ماصح عندك انه ملك لى أن تنظر فيه على وجه الوكالة  
 المفروضة. فان هذا و نحوه عند الفقهاء من ائمة المدينة صحيح  
 ومتى صح عنده وجوب الملك للموكل كان له التصرف فيه وكذلك  
 هذه الإجازة المطلقة متى صح عنده فى الشئ انه من حديثه جازله ان  
 يحدث به عنه. (۱)

وہ یہ کہ طالب راوی کا لکھا ہوا صحیفہ اس کے سپرد کرے اور کہے کہ اگر شیخ مناسب سمجھے تو اس  
 میں جو کچھ صحیح ہے اس کی مجھے اجازت دے۔ پس راوی اپنے الفاظ میں اسے کہے کہ جو کچھ تو  
 نے سوال کیا ہے اس کی میں اجازت دیتا ہوں یا اپنے خط سے صحیفے میں لکھے اور وہ اسے اس  
 کے سامنے پڑھے۔ یہ قسم مناوولہ سے کم درجہ کی ہے اس لیے کہ اس نے اجازت میں کسی معین  
 شعی کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اصول و فروع پر پڑھی جانے والی تراجم کتب کو بعینہ اس کے  
 حوالے کیا۔ اس نے جو کچھ اس کے حوالے کیا ہے وہ صحیح مرویات ہیں جو اس کے پاس تھیں۔  
 اور جو کچھ لوگوں نے اس سے روایت کیا ہے وہ تصحیح کے مرحلے میں ہے، کیونکہ اس کی  
 مرویات کی صحت قطعی نہیں الا یہ کہ اس کا بیان ہو اور وہ مشہور ہو اس طرح متواتر کے قائم مقام  
 ہوگی اور جہاں تک مناوولہ کا تعلق ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اس کی صحت روایت قطعی  
 ہے لہذا طالب کے لیے جسے مطلق اجازت دی گئی ہے ضروری ہے کہ وہ عدل اور اثبات کے  
 لحاظ سے راوی کے اصولوں کی تحقیق کرنے اور اس کے ہاں جو کچھ صحیح ہو اسے بیان کرنا جائز  
 ہے اور اس کی مثال جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص کا قول ہے۔ تمہارے نزدیک اس  
 میں جو کچھ صحیح ہے اس کے لیے میں نے تجھے وکیل کیا ہے۔ یہ میری ملکیت ہے تو اس کو وکالہ  
 کے نقطہ نظر سے دیکھو۔ یہ اور اس قسم کا بیان ائمہ مدینہ کے فقہاء کے ہاں جائز ہے۔ جب

اس کے نزدیک موکل کی ملکیت کا وجوب ثابت ہو جائے تو اس کے لیے تصرف جائز ہے۔  
اس طرح اجازت مطلقہ ہے جب اس کی صحت کسی شے میں ثابت ہو جائے تو اس حدیث کو  
بیان کرنا اس کے لیے جائز ہے۔

### ۳۔ غیر معین کے لیے عمومی اجازت

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیخ مسلمانوں کے لیے یا اپنے عبد کے لوگوں کو عمومی طور پر اپنے علم یا مرویات کی  
اجازت دے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

النوع الثالث من أنواع الإجازة، أن يجيز لغير معین بوصف العموم  
مثل أن يقول: "أجزت للمسلمين، أو أجزت لكل واحد أو أجزت  
لمن ادرك زمانی" و ما أشبه ذلك. (۱)

انواع الاجازہ میں سے تیسری نوع یہ ہے کہ شیخ غیر معین لوگوں کے لیے عمومی اجازت دے  
مثلاً یہ کہے کہ میں نے مسلمانوں کو اجازت دی یا ہر شخص کو اجازت دی یا اس کو اجازت ہے  
جس نے میرا زمانہ پایا یا اس سے ملتے جلتے الفاظ استعمال کئے۔

حافظ عراقی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن يعم المجازله فلا يعينه، كأجزت للمسلمين، أو لكل أحد، أو لمن  
ادرك زمانی و نحو ذلك. (۲)

جن کو اجازت دی گئی انہیں عمومی طور پر بیان کرے اور کوئی تعین نہ کرے جیسے میں نے  
مسلمانوں کو اجازت دی، یا ہر ایک کو اجازت دی یا اسے اجازت ہے جس نے میرا زمانہ پایا  
اور اسی طرح کے الفاظ۔

علامہ ابن کثیر نے اور مختصر کر کے اسے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

الإجازة لغير معین، مثل أن يقول: "أجزت للمسلمين" "أو  
"للموجودين" أو "لمن قال لا اله الا الله". وتسمى "الإجازة  
العامّة" (۳)

۱۔ ابن الصلاح، ۱۵۴؛ المقنع، ۱/۳۱۶

۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۵

۳۔ الباعث الحثیث، ۱۱۸

غیر معین کے لیے اجازت جیسے کوئی کہے کہ میں نے مسلمانوں کو اجازت دی، یا جو موجود ہیں انہیں اجازت ہے یا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اسے اجازت ہے۔ اسے اجازت عامہ کہا جاتا ہے۔

امام نوویؒ نے حافظ ابن الصلاحؒ ہی کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے لکھا:

يجيز غير معين بوصف العموم كأجزت المسلمين أو كل أحد أو أهل  
زمانی. (۱)

غیر معین کو عمومی طور پر اجازت دے جیسے میں نے مسلمانوں کو اجازت دی یا ہر ایک کو یا اپنے زمانے کے لوگوں کو اجازت دی۔

اگر ان عبارتوں پر غور کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سامنے ابن الصلاح کی کتاب ہے اور اس کے الفاظ کم و بیش دہرائے جا رہے ہیں۔

### غیر معین اجازت کی حیثیت

حافظ ابن الصلاحؒ غیر معین اجازت کی روایت کی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

فهذا نوع تكلم فيه المتأخرون ممن جوز أصل الإجازة و اختلفوا في  
جوازہ ، فان كان ذلك مقيداً بوصف حاصر و نحوه فهو إلى الجواز  
أقرب. (۲)

بہ وہ نوع ہے جس کے بارے میں متاخرین نے ان سے جنہوں نے اصل اجازت کو جائز قرار دیا کلام کیا ہے۔ اور اس کے جواز کے بارے میں اختلاف کیا ہے اگر یہ اجازت بطریق حصر مقید ہو تو جواز کے قریب ہوگی۔

قاضی عیاض نے اس کی مثال دیتے ہوئے کہا:

أجزت لمن هو الان من طلبة العلم ببلد كذا، أو لمن قرأ على قبل هذا.  
میں نے اسے اجازت دی جو فلاں شہر میں اس وقت طلباء علم میں شامل ہے یا جس شخص نے اس سے پہلے میرے سامنے قراءت کی۔

قاضی عیاض ہی کہتے ہیں:

۱- تقریب مع تدریب ، ۲۵۸

۲- ابن الصلاح ، ۱۵۳

ما أحسبهم اختلفوا فى جوازه ممن صح عنده الإجازة ، ولا رأيت منه لأحدٍ لأنه محصور موصوف كقوله لأولاد فلان وإخوة فلان . (۱)

میں نہیں سمجھتا کہ جن لوگوں کے نزدیک اجازت صحیح ہے وہ اس کے جواز کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور نہ میں نے کسی کو اس سے روکتے بھی نہیں دیکھا اس لیے کہ اس میں حصر ہے اور اس کا وصف بیان کیا گیا ہے جیسے کسی کا قول: میں اس شخص (فلاں) کی اولاد کے لیے یا فلاں بھائیوں کے لیے۔

تقریباً یہی بات نووی، عراقی اور ابن کثیر نے کہی ہے (۲) اور اس کو سخاوی اور سیوطی نے نقل کیا ہے۔ (۳)

حافظ ابن الصلاح نے ان علماء محدثین کا ذکر کیا ہے جو جواز کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حافظ ابو بکر خطیب نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ (۴) حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ کہتے ہیں: اجزت لمن قال لا اله الا الله (۵) یعنی میں نے ہر اس شخص کو اجازت دی جس نے لا اله الا الله کہا۔ جیسا کہ خطیب نے بیان کیا ہے کہ فقہاء محققین میں ایک اہم شخصیت قاضی ابو الطیب الطبری نے ان تمام مسلمانوں کے لیے جو اجازت کے وقت موجود تھے اسے جائز قرار دیا ہے۔ (۶) اسی طرح اندلس کے جلیل القدر شیوخ میں سے ابو محمد بن سعید نے ان سب طالب علموں کو اجازت دی جو قرطبہ میں داخل ہوئے۔ (۷)

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

أذ أنى من سأل الحازمى أبابكر عن الإجازة العامة هذه فكان من جوابه:  
ان من ادركه من الحفاظ مثل ابى ازلاء الحفاظ وغيره كانوا يميلون  
الى الجواز (۸)

مجھے اس شخص نے بتایا جس نے ابو بکر الحازمی سے اجازت کے بارے میں پوچھا تھا۔ تو ان کا جواب تھا: جس نے حافظ ابو العلاء جیسے حفاظ کو پایا ہے تو وہ جواز کی طرف میلان رکھتے تھے۔

۱- اللامع، ۱۰۱؛ المقنع، ۱/۳۱۶

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۶؛ تقریب مع التدریب، ۲۵۸؛ الباعث الحثیث، ۱۱۸

۳- فتح المغیث للسخاوی، ۲/۲۳۷-۲۳۸؛ تدریب، ۲۵۸

۴- ابن الصلاح، ۱۵۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۵-۲۰۶

۵- ایضاً، ۱۴۵؛ ایضاً، ۲/۲۰۵

۶- ایضاً، ۱۵۵؛ ایضاً، ۲/۲۰۵

۷- ایضاً، ۱۵۵

۸- ابن الصلاح، ۱۵۵؛ المقنع، ۱/۳۱۶

حافظ عراقی نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھا: (۱)

قلت ممن أجازها: أبو الفضل أحمد بن الحسين بن خيرون البغدادي و أبو الوليد بن رشد المالكي و أبو الطاهر السلفي وغيرهم، و رجحه أبو عمرو بن الحجاب و صححه النووي من زياداته في الروضة، و قد جمع بعضهم من أجاز هذه الإجازة العامة في تصنيف له جمع فيه خلقاً كثيراًرتبهم على حروف المعجم لكثرتهم، و هو الحافظ أبو جعفر محمد بن الحسين بن ابي البدر الكاتب البغدادي، و ممن حدث بها من الحفاظ ابو بكر بن خير الاشبيلي و من الحفاظ المتأخرين الحافظ شرف الدين عبد المؤمن بن خلف الدمياطي باجازته العامة من المؤيد الطوسي، و سمع بها الحفاظ ابو الحجاج المزني و ابو عبد الله الذهبي و ابو محمد البرزالي على الركن الطاووسي باجازته العامة من ابي جعفر الصيدلاني وغيره، وقرأ بها الحافظ أبو سعيد العلاني على ابي العباس بن نعمة ياجازته العامة من داؤد بن معمر بن الفاخر، و قرأت بها عدة أجزاء على الوجيه عبدالرحمن العوفي باجازته العامة من عبداللطيف بن القبيطي ابي اسحاق الكاشغري و ابن رواج و السبط و آخرين من البغداديين والمصريين و في النفس من ذلك شيء، وانا أتوقف عن الرواية بها، (۲) و أهل الحديث يقولون: إذا

كُتبت فقمش (۳)، و اذا حدثت ففش. (۴)

میں کہتا ہوں کہ جواز کے قائلین میں ابو الفضل احمد بن الحسين بن خيرون البغدادي، ابو الوليد بن رشد المالكي اور ابو الطاهر السلفي وغيرهم شامل ہیں۔ ابو عمر بن الحجاب نے جواز کو ترجیح دی ہے اور نووی نے زيادات الروضة میں اس کو صحیح کہا ہے۔ حافظ ابو جعفر محمد بن الحسين بن ابي

۱- فتح المغيث للعراقي، ۲/ ۲۰۵-۲۰۶؛ فتح المغيث للسخاوي، ۲/ ۲۳۹-۲۵۰

۲- وقال في النكت: و الجملة في النفس بها شيء، و الاحتياط ترك الرواية بها (۱۸۳)۔

۳- أي اجمع ما وجدت: فتح المغيث للسخاوي، ۲/ ۲۵۰

۴- أي ثبت الرواية: فتح المغيث للسخاوي، ۲/ ۲۵۰

البدراکاتب البغدادی نے ان لوگوں کے نام جمع کئے ہیں جو اجازت عامہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ ایک بڑی تعداد جمع کر کے حروف معجم کی ترتیب سے مرتب کیا۔ حفاظ میں سے جن لوگوں نے اس طریق پر حدیث بیان کی ان میں ابو بکر بن خیر الاشعری شامل ہیں۔ متاخرین حفاظ میں سے حافظ شرف الدین عبدالمومن بن خلف الدمیاطی الموید الطوسی نے باجازت عامہ حدیث بیان کی۔ حافظ ابوالحجاج الحمزی، حافظ ابو عبد اللہ الذہبی اور حافظ ابو محمد البرزالی نے الرکن الطاوسی کے سامنے ابو جعفر الصیدلانی وغیرہ سے اجازت عامہ کا سماع کیا۔ حافظ ابوسعید العللانی نے ابوالعباس بن نعمہ کے سامنے داؤد بن معمر بن الفاخر کی اجازت عامہ کی قراءت کی اور میں نے کئی اجزاء عبدالرحمن العوفی کے سامنے عبداللطیف بن القبیطی، ابواسحاق الکاشغری، ابن رواج، السبط اور دوسرے بغدادیوں اور مصریوں کی اجازت عامہ کے ذریعہ حدیث کی قراءت کی۔ اس بارے میں میرے جی میں کچھ کھٹکا ہے، لہذا میں نے اس کی روایت سے توقف کیا۔ اور اصحاب حدیث کا قول ہے: جب لکھو تو خوب جمع کرو اور جب بیان کرو تو خوب تحقیق کرو۔

### عدم جواز

حافظ ابن الصلاح کا اپنا رجحان عدم جواز کی جانب لگتا ہے۔ وہ جواز کے قائلین کی فہرست دینے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت: ولم نر ولم نسمع عن أحد ممن يقتدى به أنه استعمل هذه الإجازة فروى بها ولا عن الشرذمة المتأخرة الذين سوغوها والإجازة في أصلها ضعف و تزاد بهذا التوسع والاسترسال ضعفاً كثيراً لا ينبغي احتمالها. (۱)

کسی قابل اقتداء انسان کو ہم نے نہ دیکھا اور نہ سنا کہ اس نے اس طریق اجازت کو استعمال کیا اور روایت کیا اور نہ متاخرین کی اس چھوٹی جماعت کے سوا جس نے اسے جائز و مباح قرار دیا۔ اور اجازت میں اصلاً ضعف ہے اور اس میں توسع اور کھلی اجازت اس ضعف کو بڑھادیتی ہے جس کا احتمال مناسب نہیں۔

علامہ سیوطیؒ بھی مطلق اجازت کے حوالے سے عدم جواز کے قائل نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جواز کے قائل لوگوں کی دلیل اتنی درست نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

الایہ کہ اس طریق پر روایت مجموعی طور پر معطل حدیث کے بیان کرنے سے بہتر ہے۔ بلقیسی کہتے ہیں: یہ ج کہا جاتا ہے کہ اجازت عامہ کی اصل وہ ہے جسے ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے: عفان بیان کرتے ہیں کہ حمانے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں علی بن زید نے ابورافع سے بیان کیا کہ عمر بن الخطاب نے کہا: عرب غلاموں میں سے ج شخص میری وفات پر موجود ہو، وہ آزاد ہے: اس میں کوئی دلیل نہیں کہ آزادی کا نفاذ ضبط حدیث کے بیان کرنے اور عمل کا محتاج نہیں، بخلاف اجازت کہ اس میں تحدیث، ضبط اور عمل کی ضرورت ہے، لہذا اسے دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر وہ حضور ﷺ سے مروی صحیح حدیث: بلغوا عنی ولو آية کو دلیل بناتے تو یہ قوی طریقہ ہوتا۔ (۱)  
علامہ سیوطی اسے نقل کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

قال شيخ الإسلام في معجمه: كان محمد بن احمد بن احمد بن عرام الاسكندري يقول: اذا سمعت الحديث من شيخ و اجاز نيه شيخ آخر سمعه من شيخ رواه الأول عنه بالإجازة، فشيخ السماع يروى عن شيخ بالإجازة و شيخ الإجازة يرويه عن ذلك الشيخ بعينه بالسماع كان ذلك في حكم السماع. (۲)

شیخ الاسلام اپنی معجم میں کہتے ہیں کہ محمد بن احمد بن عرام الاسکندری کہتے تھے: جب تم نے حدیث ایک شیخ سے سنی اور اس میں ایک اور شیخ نے اجازت دی جس نے اس شیخ سے اسے سنا جس سے پہلے شیخ نے بطریق اجازت روایت کیا۔ سو شیخ السماع اس شیخ سے بطریق اجازت روایت کرتا ہے اور شیخ الاجازة بعینہ اس شیخ سے بطریق سماع روایت کرتا ہے۔ یہ سب کچھ سماع کے حکم میں متصور ہوگا۔

علامہ سیوطی، حافظ ابن حجر کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و شيخ الإسلام يصنع ذلك كثيراً في أماليه و تخاريجه قلت: فظهر لي من هذا أن يقال: إذا رويت عن شيخ بالإجازة الخاصة عن شيخ بالإجازة العامة و عن آخر بالإجازة العامة عن ذلك، الشيخ بعينه بالإجازة الخاصة، كان ذلك في حكم الإجازة الخاصة عن الإجازة الخاصة، مثال ذلك: ان أروى عن شيخنا ابى عبدالله محمد بن محمد التكرى، وقد سمعت عليه و اجازنى خاصة، عن الشيخ جمال الدين

۱- تدریب، ۲۵۹

۲- ایضاً، ۲۵۹



الأسنوی فانہ أدرك حياته، و لم يجزه خاصة، وأروى عن الشيخ أبي الفتح المراغي بالإجازة العامة عن الاسنوی بالخاصة. (۱)

اور شیخ اس طریقہ کو اپنی امالی اور تخریجات میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ پر واضح ہوا کہ اس طرح کہا جاسکتا ہے: جب تم نے ایک شیخ سے بطریق اجازت خاصہ ایک اور شیخ سے بطریق اجازت عامہ روایت کی اور دوسرے شیخ سے بطریق اجازت عامہ بعینہ اسی شیخ سے بطریق اجازہ خاصہ روایت کی تو یہ اجازتہ خاصہ کے ذریعہ اجازتہ خاصہ کے حکم میں ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے: جیسے میں اپنے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن محمد التکرزی سے روایت کروں درآں حالیکہ میں نے ان سے سماع کیا اور انہوں نے مجھے شیخ جمال الدین اسنوی سے خاص اجازت دی کیونکہ انہوں نے انہیں بقید حیات پایا لیکن انہیں خاص اجازت نہیں دی اور میں شیخ ابو الفتح المراغی سے بطریق اجازت عامہ روایت کرتا ہوں جنہوں نے اسنوی سے اجازت خاصہ حاصل کی۔

حافظ عراقی نے اس میلان کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

وفي النفس عن ذلك شيء و أنا اتوقف عن الرواية بها۔ (۲)

اور میرے جی میں اس کے متعلق کھٹکا ہے اور میں اس طریق روایت سے توقف کرتا ہوں۔

حافظ سخاوی ابن الصلاح کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد أنصف ابن الصلاح في قصره النفى على رؤيته و سماعه. لانه قد استعملها جماعات لمن تقدمه من الائمة المقتدى بهم، كالحافظ ابو الفتح نصر بن ابراهيم المقدسى الفقيه و كالحافظ ابى محمد الکتانى و كالحافظ السلفى، و من المتأخرين جماعة. (۳)

ابن الصلاح نے نفی کو روایت و سماع پر منحصر کر کے انصاف کیا ہے اس لیے ان سے پہلے ائمہ مقتدی بہ کی کئی جماعتوں نے اسے استعمال کیا ہے جیسے حافظ و فقیہ ابو الفتح ابراہیم المقدسی، حافظ ابو محمد الکتانی اور حافظ السلفی اور متاخرین کی ایک جماعت۔

۱- تدریب، ۲۶۰

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۶

۳- ح المغیث للسخاوی، ۲/۲۳۵-۲۳۶

اسی طرح امام نوویؒ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: الظاهر من كلام مصححها جواز الرواية بها، و هذا يقتضى

صحتها، و اى فائدة لها غير الرواية بها. (۱)

میں کہتا ہوں کہ صحیح قرار دینے والے کے کلام میں طریق روایت کا جواز ظاہر ہوتا ہے، اس کی

صحت اس کی مقتضی ہے ورنہ روایت کے بغیر اس کا کیا فائدہ۔

حافظ ابن حجرؒ عامہ مطلقہ کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں:

الا أن الرواية بها فى الجملة أولى من إيراد الحديث معضلاً، قال

البلقيني: وما قيل من أن أعل الإجازة العامة ما ذكره ابن سعد فى

الطبقات ، ثنا عفان ثنا حماد ثنا على بن زيد عن أبى رافع أن عمر بن

الخطاب قال: من ادرك وفاتى من سبى العرب فهو حر، ليس فيه دلالة،

لأن العتق النافذ لا يحتاج الى ضبط و تحديد و عمل ، بخلاف

الاجازه ففيها تحديد و عمل و ضبط فلا يصح ان يكون دليلاً. (۲)

### ۳۔ اجازة للمجهول او بالمجهول

اس اجازت کی نوعیت یہ ہے کہ شیخ جس شخص کو اجازت دیتا ہے وہ غیر معین اور نامعلوم ہے تو یہ اجازت للمجهول ہوگی

اسی طرح شیخ اگر کسی غیر متعین کتاب کی اجازت دیتا ہے جس کی حیثیت نامعلوم کی ہے تو یہ اجازت بالمجهول ہوگی

حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

النوع الرابع من أنواع الإجازة، الإجازة للمجهول أو بالمجهول .

ويتثبت بذيلها الإجازة المعلقة بالشرط: و ذلك مثل أن يقول: "أجزت

لمحمد بن خالد الدمشقى" و فى وقته ذلك جماعة مشتركون فى هذا

الاسم و النسب، ثم لا يعين المجازله منهم، أو يقول: "أجزت لفلان أن

يروى عنى كتاب السنن" و هو يروى جماعة من كتب السنن

المعروفة بذلك ثم لا يعين. فهذه إجازة فاسدة لا فائدة لها. (۳)

۱- تقریب مع تدریب ، ۲۵۹

۲- ایضاً، ۲۵۹

۳- ابن الصلاح، ۱۵۶؛ امام نووی نے "فہی باطلہ" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تقریب مع تدریب : ۲۶۰

المقنع ، ۳۸/۱، ابن السلقن نے بھی اسے فاسد کہا ہے۔

اجازت کی انواع میں چوتھی نوع اجازہ برائے نامعلوم یا نامعلوم کی اجازت ہے اور اس میں وہ اجازت بھی شامل ہے جو کسی شرط سے متعلق ہو۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے محمد بن خالد دمشقی کو اجازت دی ہے اور اس وقت اس نام و نسب میں ایک جماعت اشتراک رکھتی ہو اور پھر جسے اجازت دی گئی ہے اسے متعین بھی نہ کیا گیا ہو۔ یا اس طرح کہے کہ میں نے فلاں شخص کو کتاب السنن کی اجازت دی ہے اور وہ بہت سی معروف کتب السنن کی روایت کرتا ہو اور پھر کسی ایک کا تعین بھی نہ کرے تو ایسی اجازت فاسد ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

حافظ عراقیؒ اس نوع کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الإجازة للمجهول أو بالمجهول. (فالأول) كقوله أجزت لجماعة من الناس مسموعاتي (و الثاني) كقوله أجزت لك بعض مسموعاتي، وقد جمعت مثال الجهل فيهما في مثال واحد، وهو (أجزت أزفلة بعض مسموعاتي) والأزفلة بفتح الهمزة و اسكان الزاي. و فتح الفاء الجماعة من الناس. (۱)

چوتھی قسم اجازت برائے نامعلوم یا نامعلوم کی اجازت ہے۔ پہلی کی مثال جیسے کسی کا قول کہ میں نے لوگوں کی ایک جماعت کو اپنی مسموعات کی اجازت دی اور دوسری کی مثال کسی کا یہ قول کہ میں نے تجھے بعض مسموعات کی اجازت دی اور میں نے ان دونوں مجہول اجازتوں کی ایک مثال میں جمع کیا ہے۔ کہ میں نے اپنی بعض مسموعات کی اجازت ازفله یعنی انسانوں کی جماعت کو دی ہے اور ازفله ہمزہ کے فتح زا کے سکون اور فاء کے فتح کے ساتھ ہے اور اس سے مراد انسانوں کی جماعت ہے۔

اگر شیخ کسی ایسی جماعت کو اجازت دے جن کے نام و نسب معین اور اجازت دینے والا ان کے تعینات سے واقف نہیں تو یہ درست ہے اور اسے اس قسم کے تحت نہیں لایا جاسکتا۔ یہ اسی طرح غیر قادح ہے جیسے کسی شیخ کی محفل میں کوئی شخص سماع کے لیے حاضر ہو اور وہ اسے نہ پہچانتا ہو (۲) اگر شیخ نے طلب اجازت میں نام زد اور منتسب لوگوں کو اجازت دی درآں حالیکہ وہ ان کے اعیان و انساب سے ناواقف ہے، ان کی تعداد بھی نہیں جانتا اور فرداً فرداً ان

۱- فتح المغیث للعراقی، ۲۰۶/۲

۲- ابن الصلاح، ۱۵۶، فتح المغیث للعراقی، ۲۰۷/۲

کے نام بھی واضح نہیں ہیں تو ایسی صورت میں بھی جائز ہوگی یہ اسی طرح ہے جیسے ان اشخاص کا سماع درست ہے جو اس کی مجلس سماع میں حاضر ہوں اگرچہ وہ ان کو اصلاً نہ پہچانتا ہو، ان کی تعداد جانتا ہو اور نہ فرداً فرداً ان کی شخصیتیں واضح ہوں۔ (۱)

### الاجازة المتعلقة بالمشية

اگر کوئی شیخ یہ کہے اجزت لمن يشاء فلان (۲) یا اسی طرح کے الفاظ کہے تو اس میں جہالت بھی ہے اور تعلق بالشرط بھی۔ ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں ہے (۳)۔ جب خطیب نے قاضی ابوالطیب الطبری الشافعی سے اس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے یہی جواب دیا اور اس کی تعلیل یہ کی کہ یہ اجازت للمجہول ہے یعنی کسی کے اس قول کے مطابق ہے: اجزت لبعض الناس من غير تعيين میں نے بعض لوگوں کو بغیر تعیین کے اجازت دی سو جو چیز جہالت سے فاسد ہوتی ہے وہ تعلق سے بھی فاسد ہوتی ہے اور یہ بات محدثین کے ہاں معروف ہے (۴) اور خطیب نے ابویعلیٰ بن الفراء الحسنبلی اور ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن عمرو السامکی سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے اس کی اجازت دی ہے (۵) اور یہ تینوں بغداد میں اپنے اپنے مذاہب کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور یہ غیر معروفیت دوسری حالت میں مشیت کی موجودگی میں بڑھ جاتی ہے بخلاف جہالت واقعی کے جب وہ بعض لوگوں کو اجازت دے۔ اور جب اس نے کہا: اجزت لمن شاء تو گویا اس نے یہ کہا: اجزت لمن شاء فلان۔ بلکہ اس میں جہالت و انتشار زیادہ ہے کیونکہ یہ مشیت سے متعلق ہے اور پہلی کی بہ نسبت ان کی تعداد بے شمار ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں ہے کہ اس نے جسے چاہا اجازت دی۔ (۶)

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

قلت: وقد وجدت عن جماعة من ائمة الحديث المتقدمين

والمؤخرين استعمال هذا، فمن المتقدمين الحافظ أبو بكر أحمد بن

- ۱- ابن الصلاح، ۱۵۶
- ۲- فتح المغیث للعراقی ۲/۲۰۷؛ تدریب، ۲۶۵؛ ابن الصلاح اسے چوتھی قسم میں درج کرتے ہیں (ابن الصلاح، ۱۵۶) جب کہ عراقی اور قطب القسطانی نے اسے مستقل نوع قرار دے کر پانچویں قسم قرار دیا ہے۔
- ۳- فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۷؛ توضیح الافکار، ۲/۳۱۳
- ۴- فتح المغیث للعراقی ۲/۲۰۷؛ امام نووی کے الفاظ ہیں: فالأظهر بطلانه (تقریب مع تدریب، ۲۶۰)
- ۵- فتح المغیث للعراقی ۲/۲۰۷؛ تقریب مع تدریب، ۲۰۷
- ۶- فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۸؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۲۵۸؛ تدریب، ۲۶۱؛ توضیح الافکار، ۲/۳۱۳
- ۷- ابن الصلاح، ۱۵۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۸؛ توضیح، ۲/۳۱۳؛ التقييد، ۱۸۲-۱۸۵

أبي خيثمة زهير بن حرب (١) صاحب يحيى بن معين و صاحب  
التاريخ، قال الامام ابو الحسن محمد بن ابى الحسين بن الوزان:  
ألفيت بخط أبى بكر بن أبى خيثمة، قد أجزت لأبى زكرياء يحيى بن  
مسلمة أن يروى عنى ما أحب من كتاب التاريخ الذى سمعه منى، أبو  
محمد القاسم بن الاصبغ و محمد بن عبد الاعلى كما سمعناه منى  
واذنت له فى ذلك ولمن أحب من أصحابه، فان أحب أن تكون  
الإجازة لأحدٍ بعد هذا فانا أجزت له ذلك بكتابتى هذا، و كتب احمد  
بن ابى خيثمة بيده فى شوال من سنة ست و سبعين و مائتين. وكذلك  
أجاز حفيد يعقوب بن شيبه، و هذه نسخة فيما حكاه الخطيب يقول  
محمد بن احمد بن يعقوب بن شيبه: قد أجزت لعمر بن احمد الخلال  
و ابنه عبدالرحمن بن عمر ولختنه على بن الحسين جميع ما فاته من  
حديثى مما لم يدرك سماعه من المسند وغيره، و قد أجزت ذلك لمن  
أحب عمر فليرووه عنى ان شاؤا، و كتبت لهم ذلك بخطى فى صفر  
سنة اثنين و ثلاثين و ثلاثمائة، قال الخطيب بعد حكاية هذا: ورأيت  
مثل هذه الإجازة لبعض المتقدمين الا أن اسمه ذهب من حفظى  
انتهى، و كأنه أراد بذلك ابن أبى خيثمة - والله أعلم. (٢)

میں کہتا ہوں کہ میں نے ائمہ متقدمین اور متاخرین ائمہ حدیث کی ایک جماعت کے ہاں اس  
کا استعمال پایا ہے۔ متقدمین میں سے حافظ ابو بکر احمد بن ابی خيثمة زهير بن حرب یحییٰ بن  
معین کے شاگرد اور صاحب التاريخ۔ امام ابوالحسن محمد بن ابی الحسن بن الوزان نے کہا کہ میں  
نے ابو بکر بن ابی خيثمة کے خط میں لکھا ہوا پایا کہ میں نے ابو زکریا یحییٰ بن مسلمہ کو اجازت دی  
ہے کہ وہ کتاب التاريخ سے، جو اس نے مجھ سے سنی ہے اور اسی طرح ابو محمد القاسم بن الاصبغ

ابو بکر احمد بن ابی خيثمة زهير بن حرب (م ۲۷۹ھ) التاريخ الکبير کے مصنف نہیں الحافظ، الحجة کہتے ہیں۔ ان  
کے بارے میں خطیب کہتے ہیں کہ وہ ثقہ، عالم، متکفل، حافظ، تاریخ میں بصیرت رکھنے والے اور ادب روایت کرنے والے  
تھے۔ سہر اعلام، ۱۱/ ۳۹۲؛ تاریخ بغداد، ۳/ ۳۲۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۵۹۶

فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۰۸؛ المقنع، ۱/ ۳۱۸-۳۱۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۵۸

اور محمد بن عبدالاعلیٰ نے بھی مجھ سے جو سنا ہے، جو پسند کرے وہ مجھ سے روایت کرے اور میں نے اسے اور اپنے ساتھیوں میں جسے وہ پسند کرے اس امر کا اذن دیا ہے۔ اگر وہ پسند کرے کہ یہ اجازت اس کے بعد کسی کو حاصل ہو تو میں نے اس کو اس کتاب کی روایت کی اجازت دی۔ احمد بن ابی خنیثمہ نے اپنے ہاتھ سے شوال دو سو چھتر (۲۷۶ھ) میں لکھا۔ اسی طرح یعقوب بن شیبہ کے پوتے نے اجازت دی۔ اور اس کا یہ نسخہ ہے جس کا خطیب نے تذکرہ کیا ہے۔ محمد بن احمد بن یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: میں نے عمر بن احمد الخلال اس کے بیٹے عبدالرحمن بن عمر اور اس کے داماد علی بن الحسین کو مسند وغیرہ میں سے ان ساری حدیث کی اجازت دی جو ان سے رہ گئی اور جس کا وہ سماع نہ کر سکے اور میں نے انہیں بھی اجازت دی جسے عمر پسند کرے اور اگر وہ چاہیں تو مجھ سے روایت کریں۔ اور یہ اجازت میں اپنے خط سے صفر تین سو بتیس ہجری (۳۳۲ھ) میں لکھی۔ اسے بیان کرنے کے بعد خطیب کہتے ہیں کہ میں نے بعض متقدمین کی ایسی اجازت دیکھی لیکن ان کا نام میرے حافظہ میں محفوظ نہیں رہا۔ حافظ عراقی کہتے ہیں: گویا اس سے ان کی مراد ابن ابی خنیثمہ تھے۔ واللہ اعلم

حافظ ابن الصلاح طریق اجازت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فإن أجاز لمن شاء الرواية عنه، فهذا أولى بالجواز من حيث إن مقتضى كل إجازة تفويض الرواية بها إلى مشيئة المجاز له فكان هذا مع كونه بصيغة التعليق تصريحاً بما يقتضيه الاطلاق و حكاية للحال لا تعليقاً في الحقيقة. ولهذا أجاز بعض أئمة الشافعيين في البيع ان يقول: بعتك هذا بكذا ان شئت فيقول: قبلت - ووجد بخط الشيخ أبي الفتح محمد بن الحسين الأزدي الموصلي الحافظ: "أجزت رواية ذلك لجميع من أحب ان يروى ذلك عني" - أما إذا قال: أجزت لفلان كذا وكذا إن شاء روايته عني، أولئك ان شئت، او اجبت أو اردت فالأظهر الأقوى أن ذلك جائز؛ إذ قد انتفت فيه الجهالة و حقيقة التعليق و لم يبق سوى صيغته - والعلم عند الله تعالى. (۱)

اگر اس نے ہر اس شخص کو اجازت دی جس نے خواہش کی تو اس کا جائز ہونا اولیٰ ہے اس



حیثیت سے کہ ہر اجازت کا مقتضایہ ہے کہ مجاز لہ کی خواہش پر روایت کی اجازت تفویض ہو اور یہ صیغہ تعلق ہی تصریح کے باوجود اطلاق اور حکایت حال کی مقتضی ہے حقیقی تعلق کی نہیں اس لیے بعض شواہح ائمہ نے بیچ میں اس بات کی اجازت دی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے ”میں نے تمہیں یہ چیز اتنے میں دی اگر تم چاہو“ اور وہ کہے: ”میں نے قبول کی“۔

حافظ شیخ ابوالفتح محمد بن الحسین الازدی الموصلی کے خط میں لکھا ہوا موجود پایا گیا: میں نے ان تمام کو جو پسند کریں اس کی روایت کی اجازت دی کہ وہ اسے مجھ سے روایت کریں۔ لیکن جب وہ یہ کہے کہ میں نے فلاں کو اجازت دی کہ وہ چاہے تو وہ مجھ سے اس اس طرح روایت کرے یا تمہارے لئے اجازت ہے اگر تم چاہو یا پسند کرو یا ارادہ کرو تو زیادہ واضح اور قوی بات یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ اس میں جہالت اور تعلق کی حقیقت ختم ہوگئی اور صیغہ کے سوا کچھ باقی نہیں۔ اور علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

حافظ عراقیؒ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: الفرق بينهما تعيين المتاع هذا بخلافه في الإجازة فإنه مبهم، نعم وزانه في الإجازة ان يقول: أجزت لك أن تروى عني إن شئت الرواية عني؟ وأما المثل الذي ذكره فالتعليق و ان لم يضره فالجهالة مبطله له، وكذلك ما وجد بخط أبي الفتح الأزدي: أجزت رواية ذلك لجميع من أحب أن يروى ذلك عني، وأما تعليق الرواية مع التصريح فالمجاز له و تعينه كقولہ: أجزت لك كذا وكذا ان شئت روايته عني، أو أجزت لك إن شئت تروى عني، أو أجزت لفلان إن شاء الرواية عني و نحو ذلك: فالأظهر الأقوى أن ذلك جائز إذ قد انتفت فيه الجهالة و حقيقة التعليق و لم يبق سوى صيغته. (۱)

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں میں فرق خریدی ہوئی چیز کا تعین ہے بخلاف اجازت کہ وہ مبہم ہے۔ ہاں اجازت میں یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے اجازت دی ہے کہ اگر تو مجھ سے روایت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور جو مثال انہوں نے دی ہے سو تعلق اگرچہ مضرب نہیں لیکن

فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۰۸-۲۰۹؛ التقیید، ۱۸۶؛ قاری اگر غور کرے گا تو معلوم ہوگا کہ پوری عبارت تقریباً وہی ہے جو ابن الصلاح نے لکھی ہے۔ ابن الصلاح، ۱۵۸



جہالت اسے باطل کرنے والی ہے۔ اسی طرح وہ جو ابوالفتح الازدی کی تحریر میں پایا گیا کہ میں نے ان تمام کو جو اسے مجھ سے روایت کرنا پسند کریں اجازت دی۔ لیکن روایت کی تعلق مجازہ کی تصریح و تعیین کے ساتھ جیسے اس کا قول: میں نے تجھے اس چیز کی اگر تم مجھ سے روایت کرنا چاہو تو اجازت دی یا میں نے تجھے اجازت دی کہ اگر تم چاہو تو مجھ سے روایت کرو، یا میں نے فلاں شخص کو اجازت دی ہے کہ اگر وہ چاہے تو مجھ سے روایت کرے یا اسی طرح کے الفاظ تو زیادہ ظاہر اور قوی یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اسی طرح جہالت اور تعلق کی حقیقت ختم ہوگئی اور صیغہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔

## ۵۔ اجازة للمعدوم

اجازت للمعدوم کا مطلب یہ ہے کہ شیخ اس شخص کو روایت کی اجازت دے جو موجود نہیں ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔

### پہلی قسم

الأول أن يعطف المعدوم على الموجود كقوله: أجزت لفلان ولولده وعقبه ما تناسلوا أو أجزت لك ولمن يولدك و نحو ذلك. (۱)

پہلی قسم یہ ہے کہ معدوم موجود پر معطوف ہو جیسے کوئی کہے کہ میں نے فلاں شخص کو اجازت دی اور اس کے بیٹے کو اور اس کے بعد آنے والی نسل کو یا جیسے میں نے تجھے اجازت دی اور تیرے ہاں جو اولاد ہوگی اس کو بھی یا اسی طرح کے الفاظ ہوں۔

### دوسری قسم

دوسری قسم کے بارے میں حافظ عراقی لکھتے ہیں:

القسم الثاني ان يخصص المعدوم بالإجازة من غير عطف على موجود ، كقوله: أجزت لمن يولد لفلان. (۲)

دوسری قسم یہ ہے کہ شیخ موجود پر عطف کے بغیر معدوم شخص کو اجازت دے جیسے کسی کا قول کہ میں نے اس کو اجازت دی جو فلاں شخص کے ہاں پیدا ہوگا۔

۱۔ فتح المغیث ، ۲/۲۰۹۔ پر حافظ عراقی نے اسے چھٹی قسم قرار دیا ہے کیونکہ وہ اجازہ المعلقہ بالمشیة کو مستقل قسم قرار دے کر پانچویں قسم لکھ چکے ہیں۔ فتح المغیث ، ۲/۲۰۷، ۲۰۹، لیکن وہ التقیید (۳۲۰) میں اس کو پانچویں قسم ہی لکھتے ہیں۔

۲۔ فتح المغیث للعراقی ، ۲/۲۰۹

## اس کی حیثیت

اجازة للمعدوم کی حیثیت کہ بارے میں محدثین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے، حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

هذا نوع خاص فيه قوم من المتأخرين و اختلفوا في جوازه. (۱)  
یہ قسم جس پر متاخرین میں کچھ لوگوں نے خاص توجہ دی ہے اور اس کے جواز میں اختلاف کیا ہے۔

جواز کی بحث میں دو آراء اختیار کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ دو قسموں میں فرق کر کے ایک کو جائز اور دوسری کے بارے میں تحفظات کا اظہار کیا گیا ہے دوسری یہ کہ بغیر فرق کئے مطلقاً جواز کی بات کی گئی ہے۔ حافظ ابن الصلاح ایک قسم کے جواز کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و مثاله: أن يقول أجزت لمن يولد لفلان فان عطف المعدوم على الموجود بأن قال: "أجزت لفلان و لمن يولد له أو أجزت لك و لولدك و لعقبك ماتنا سلوا كان ذلك أقرب الى الجواز من الأول. و لمثل ذلك أجاز أصحاب الشافعي في الوقف القسم الثاني دون الأول. (۲)  
اور اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں اس کو اجازت دی جو فلاں شخص کے ہاں پیدا ہوگا۔ اور اگر معدوم کو موجود پر عطف کرے بایں طور کہ کہے: میں نے فلاں شخص کو اجازت دی اور اسے بھی جو اس کے ہاں پیدا ہوگا۔ یا میں نے تجھے اور تیرے بیٹے اور تیرے نسل میں بعد میں آنے والوں کو اجازت دی۔ تو یہ دوسری قسم پہلی کی بہ نسبت جواز کے زیادہ قریب ہے اور ایسی صورت میں اصحاب شافعی نے پہلی کے بجائے دوسری قسم کو جائز قرار دیا ہے۔  
حافظ ابن الصلاح دوسری قسم کے جواز پر مزید نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و فعل هذا الثاني في الإجازة من المحدثين المتقدمين أبو بكر بن ابي داؤد السجستاني، فإنا روينا عنه أنه سئل الإجازة فقال: قد أجزت لك ولأ ولادك و لحبل الحبله يعنى الذين لم يولدوا بعد. (۳)

۱- ابن الصلاح، ۱۵۸

۲- ایضاً، ۱۵۸

۳- ابن الصلاح، ۱۵۹؛ الكفاية، ۳۲۰؛ فتح المصنف للعراقي، ۲/۲۰۹؛ فتح المغيث للسخاوي، ۲/۲۵۵

تدریب، ۲۶۲

اجازت کی دوسری قسم کے جواز پر متقدمین محدثین میں سے ابوبکر بن ابی داؤد السجستانی کی رائے پر ہم سے روایت کیا گیا ہے کہ ان سے طریق اجازت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے تجھے، تیری اولاد اور اولاد کی اولاد کو اجازت دی، یعنی ان کو جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔

## مطلق جواز

خطیب نے اجازہ للمعدوم کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابویعلیٰ بن الفراء (۱)، ابوالفضل عمروں المالکی (۲) سے سنا ہے کہ وہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ (۳) خطیب نے یہ بھی کہا ہے کہ اصحاب ابی حنیفہ و مالک دونوں قسموں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ (۴) قاضی عیاض کہتے ہیں:

أجازہ معظم الشيوخ المتأخرین ، و بهذا استمر عملهم بعد، شرقاً  
و غرباً. (۵)

## عدم جواز

محدثین کی ایک جماعت کی رائے کہ اجازہ للمعدوم جائز نہیں ہے۔ ابوبکر خطیب نے قاضی ابوالطیب الطبری کی رائے نقل کی ہے کہ وہ اسے مطلقاً باطل گردانتے تھے۔ (۶) حافظ ابن الصلاح نے عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے ابونصر بن صباغ کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و حکى جواز ذلك أيضاً أبو نصر بن الصباغ الفقيه فقال: ذهب قوم  
إلى أنه يجوز أن يجيز لمن لم يخلق قال: "و هذا إنما ذهب إليه من  
يعتقد أن الإجازة اذن فى الرواية لا محادثة" ثم بين بطلان هذه  
الإجازة وهو الذى استقر عليه رأى شيخه القاضى ابى الطيب الطبرى

- ۱- ابویعلیٰ بن الفراء، محمد بن الحسین بن محمد (م ۴۵۸ھ) حنابلہ کے رئیس اور قاضی۔ ائمہ فقہ میں سے تھے حدیث میں کمزور تھے اس لیے اصول و فروع میں ضعیف احادیث سے استناد کیا۔ شذرات، ۲/۳۰۶
- ۲- ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن عمروں البغدادی المالکی (م ۴۵۲ھ) فتویٰ کے امام تھے۔ اپنے وقت میں مالکی فقہ کی سند تھے۔ شذرات، ۲/۲۹
- ۳- ابن الصلاح، ۱۵۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۹-۲۱۰؛ تدریب، ۲۶۲
- ۴- فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۱۰
- ۵- الالمام، ۱۰۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۱۰
- ۶- الکفاية، ۳۲۵؛ المقنع، ۱/۳۲۱

الامام، و ذلك وهو الصحيح الذي لا ينبغي غيره، لأن الإجازة في حكم الإخبار جملة بالمجاز على ما قد مناه في بيان صحة أصل الإجازة، فكما لا يصح الإخبار للمعدوم لا تصح الإجازة للمعدوم. ولو قدرنا أن الإجازة اذن فلا يصح ايضاً ذلك للمعدوم كما لا يصح الإذن في باب الوكالة للمعدوم لو قوعه في حالة لا يصح فيها المأذون فيه من المأذون له. (۱)

فقہ ابو نصر بن الصباغ نے اس کے جواز کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ جو شخص ابھی پیدا نہیں ہوا اسے اجازت دینا جائز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ رائے صرف ان کی ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اجازت، روایت میں اذن ہے ہا ہی گفتگو میں نہیں۔ اس کے بعد اس اجازت کے بطلان کو واضح کیا۔ یہی رائے ان کے شیخ قاضی ابوالطیب الطمری کی بھی ٹھہری اور یہی صحیح ہے جس کے سوا کوئی رائے مناسب نہیں۔ اس لیے کہ اجازت، جیسا کہ ہم اصل اجازت کے سلسلے میں پہلے بیان کر چکے ہیں، مجاز کے لیے پوری طرح باخبر کر دینے کے حکم میں ہے جو جس طرح معدوم کو باخبر کرنا صحیح نہیں اسی طرح اسے اجازت دینا بھی صحیح نہیں۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ اجازت اذن ہے تو بھی معدوم کے لیے صحیح نہیں ہوگی جیسے وکالت میں معدوم کے لیے اذن صحیح نہیں اس لیے کہ وہ اس حالت میں ہے کہ وہ مأذون لہ سے مأذون فیہ کے لیے صحیح نہیں۔

## چھوٹے بچے کے لیے اجازت

حافظ ابن الصلاح نے اجازت للمعدوم کے تحت چھوٹے بچے کے لیے اجازت کا تذکرہ کیا ہے وہ کہتے ہیں:

ولنذكر معه الإجازة للطفل الصغير. (۲)

ہم اجازت للمعدوم کے ساتھ چھوٹے بچے کے لیے اجازت کا ذکر بھی کریں گے۔

امام نووی نے ابن الصلاح کے تتبع میں چھوٹے بچے کے لیے اجازت کو اسی قسم میں بیان کیا ہے (۳) جب کہ

حافظ عراقی نے اسے الگ قسم قرار دیا ہے (۴) اسی طرح قطب القسطلانی نے بھی الگ نوع کے طور پر ذکر کیا ہے (۵)

۱- ابن الصلاح، ۱۵۹

۲- ایضاً، ۱۵۸

۳- تقریب مع تدریب، ۲۶۳

۴- فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۱۰

۵- تدریب، ۲۶۳؛ توضیح الافکار، ۲/۳۰۹

کیا چھوٹے بچے کے لیے اجازت جائز ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و هذا أيضاً يوجب بطلان الإجازة للطفل الصغير الذي لا يصح سماعه. قال الخطيب سألت القاضي أبا الطيب الطبري عن الإجازة للطفل الصغير هل يعتبر في صحتها سنه أو تمييزه كما يعتبر ذلك في صحة سماعه؟ فقال: لا يعتبر ذلك. قال: فقلت له: ان بعض اصحابنا قال: لا تصح الإجازة لمن لا يصح سماعه. فقال: "قد يصح ان يجيز للغائب عنه ولا يصح السماع له" (۱) واحتج الخطيب لصحتها للطفل بأن الإجازة انما هي اباحة المجيز للمجاز له ان يروى عنه والاباحة تصح للعاقل و غير العاقل. (۲) قال: و على هذا رأينا كافة شيوخنا يجيزون للاطفال الغيب عنهم من غير أن يسألوا عن مبلغ أسنانهم و حال تمييزهم ولم نرهم أجازوا لمن لم يكن مولوداً في الحال. (۳)

اور یہ ایسے چھوٹے بچے کے لیے اجازت کو باطل کر دینے کا موجب ہے، جس کا سماع درست نہیں ہے۔ خطیب کہتے ہیں: میں نے قاضی ابوالطیب الطبري سے چھوٹے بچے کی اجازت کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا بچے کے اجازت کی درستی میں اس کی عمر اور اس کا شعور معتبر ہوگا جیسا کہ اس کے سماع کی صحت میں معتبر ہوتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ خطیب کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جس کا سماع درست نہیں ہے اس کے لیے اجازت بھی صحیح نہیں انہوں نے کہا کہ کبھی غائب کے لیے اجازت صحیح ہوتی ہے لیکن سماع درست نہیں ہوتا۔ خطیب بچے کے لیے اجازت کی درستی پر دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اجازت دراصل اباحت ہے جو اجازت دینے والا اس شخص کو مہیا کر رہا ہے جسے اجازت دی جا رہی ہے کہ وہ اس سے روایت کرے اور اباحت عاقل اور غیر عاقل دونوں کے لیے صحیح ہے۔ خطیب کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے تمام شیوخ کو اس رائے پر پایا ہے کہ وہ ان بچوں کو اجازت دیتے جو ان سے غائب ہیں بغیر اس کے کہ ان کے

۱- الكفاية، ۲۲۵

۲- ايضاً، ۳۲۵-۳۲۶

۳- ابن الصلاح، ۱۶۰؛ الكفاية، ۳۲۶

دانتوں کی تعداد اور ان کے شعور کی حالت معلوم کریں۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ انہوں نے غیر مولود کو اجازت دی ہو۔

حافظ ابن الصلاح خطیب کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

قلت: كأنهم رأوا الطفل اهلاً لتحمل هذا النوع من أنواع تحمل الحديث ليؤدي به بعد حصول أهليته، حرصاً على توسيع السبيل الى بقاء الإسناد الذي اختصت به هذه الأمة و تقريره من رسول الله ﷺ. (۱)

میں کہتا ہوں کہ گویا انہوں نے بچے کو تحمل الحدیث کے انواع میں سے اس نوع کے تحمل کا اہل گردانا تا کہ اہلیت کے حصول کے بعد اسے ادا کرے۔ ایسا انہوں نے اس اسناد کی بقاء کے طریق کی توسیع کی خواہش پر کیا جو اس امت کی خصوصیت ہے اور جس سے رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

حافظ عراقی نے اسے مستقل نوع کا حصہ قرار دیا ہے جس میں وہ کافر کو بھی شامل کرتے ہیں وہ اسے مستقل عنوان دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

النوع السابع من أنواع الإجازة، الإجازة لمن ليس بأهل حين الإجازة للأداء والأخذ عنه، وذلك يشمل صوراً، لم يذكر ابن الصلاح منها الا الصبى، ولم يفرد بنوع بل ذكره في آخر الكلام على الإجازة للمعدوم (۲) وزدت عليه في النظم الاجازة للكافر، فاما الإجازة للصبى فلا يخلو اما أن يكون مميزاً او لا. فان كان مميزاً فالإجازة له صحيحة كسماعه، وان تقدم نقل خلاف ضعيف في صحة سماعه فانه لا يعتد به، وإن كان غير مميز فاختلف فيه. (۳)

اجازت کی اقسام میں سے ساتویں قسم اسی شخص کے لیے اجازت ہے جو اجازت کے وقت ادا واخذ کا اہل نہیں۔ یہ کئی صورتوں پر مشتمل ہے۔ ابن الصلاح نے ان میں سے صرف بچے کا ذکر کیا ہے اور اسے منفرد قسم نہیں قرار دیا بلکہ معدوم پر کلام کے آخر میں اسے ذکر کیا ہے۔ میں نے نظم میں اس پر اضافہ کرتے ہوئے کافر کے لیے اجازت کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک

۱- ابن الصلاح، ۱۶۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۹، ۲۱۰؛ تدریب، ۲۶۳؛ المنہل الروی، ۸۶

۲- ایضاً، ۱۵۸

۳- فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۱۰



بچے کے لیے اجازت کا تعلق ہے تو یہ دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو میتر ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر میتر ہوگا تو اس کے لیے اجازت بھی اسی طرح صحیح ہے جس طرح اس کا سماع ہے اگرچہ اس کے سماع کے بارے میں ضعیف اختلاف نقل ہوا ہے لیکن وہ کسی شمار میں نہیں اور اگر وہ غیر میتر ہے تو پھر اس میں اختلاف ہے۔

کافر کے لیے اجازت کے ضمن میں حافظ عراقی لکھتے ہیں:

وأما الإجازة للكافر فلم أجد فيها نقلاً، وقد تقدم أن سماعه صحيح؛ ولم أجد عن أحد من المتقدمين و المتأخرين الإجازة للكافر إلا أن شخصاً من الأطباء بد مشق ممن رأته بد مشق و لم أسمع عليه يقال له محمد بن عبد السيد بن الديان سمع الحديث في حال يهوديته على أبي عبد الله محمد بن عبد المؤمن الصوري و كتب اسمه في طبقة السماع مع السامعين، و أجاز ابن عبد المؤمن لمن سمع و هو من جملتهم، و كان السماع والإجازة بحضور الحافظ أبي الحجاج المزني و بعض السماع بقراءته؛ و ذلك في غير ما جزء، منها جزء ابن عترة، فلو لا أن المزني يرى جواز ذلك ما أقر عليه، ثم هدى الله ابن عبد السيد المذكور للإسلام و حدث و سمع منه أصحابنا. (۱)

جہاں تک کافر کے لیے اجازت کا تعلق ہے تو میں نے اس سلسلے میں کوئی نقلی دلیل نہیں پائی اور پہلے یہ رائے مذکور ہو چکی ہے کہ اس کا سماع صحیح ہے۔ میں نے متقدمین اور متاخرین میں سے کسی ایک کے ہاں بھی کافر کے لیے اجازت کا ذکر نہیں پایا الا یہ کہ دمشق کے اطباء میں سے ایک جسے میں نے وہاں دیکھا اور اس سے سماع نہیں کیا، جسے محمد بن عبد السيد بن عبد الديان کہتے ہیں، اس نے اپنی یہودیت کے زمانے میں ابو عبد اللہ محمد بن عبد المؤمن الصوری سے حدیث کا سماع کیا اور اس کا نام دوسرے سامعین کے ساتھ طبقہ سماع میں لکھا گیا۔ ابن عبد المؤمن نے تمام سامعین کو اجازت دی اور وہ بھی ان میں شامل تھا۔ یہ سماع اور اجازت حافظ ابو الحجاج المزنی کی موجودگی میں واقع ہوئے اور بعض سماع کی قراءت انہوں نے کی۔ یہ سماع مذکورہ جزء کے علاوہ بھی ہے جیسے جزء ابن عترة۔ اگر حافظ المزنی نے



اس کے جواز کی رائے نہ دی ہوتی تو میں اسے قبول نہ کرتا۔ پھر ابن السید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی وہ مسلمان ہوا، احادیث بیان کیں اور اس سے ہمارے اصحاب نے سماع کیا۔ حافظ عراقی خطیب کے حوالے سے مجنون کے لیے بھی اجازت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ (۱) بدعتی اور فاسق کے لیے اجازت کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

و من صورها الإجازة للفاسق والمبتدع، والظاهر جوازها وأولى من الكافر. (۲)

اور اجازت کی صورتوں میں سے ایک فاسق اور بدعتی کے لیے اجازت ہے۔ اس کا جائز ہونا ظاہر ہے اور یہ کافر سے اولیٰ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اجازت للمجهول والمعدوم کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

و كذلك الإجازة للمجهول كان يكون مبهما ومهملًا وكذلك الإجازة للمعدوم، كان يقول اجزت لمن سيولد لفلان وقد قيل ان عطف على موجود صح، كان يقول: اجزت لك و لمن سيولد لك، والاقرب عدم الصحة ايضاً، وكذلك الإجازة لموجود أو لمعدوم علقته بشرط مشية الغير، كان يقول: اجزت لك ان شاء فلان أو اجزت لمن شاء فلان لا أن يقول اجزت لك ان شئت، وهذا على الأصح في جميع ذلك، وقد جوز الرواية جميع ذلك سوى المجهول. مالم يتبين المراد منه. الخطيب، وحكاة عن جماعة من مشائخه، واستعمل الإجازة للمعدوم من القدماء أبو بكر بن أبي داؤد، وأبو عبد الله بن مندة و استعمل المعلقة منهم ايضاً أبو بكر بن أبي خيثمة، وروى بالإجازة العامة جمع كثير جمعهم بعض الحفاظ في كتاب ورتبهم على حروف المعجم لكثرتهم وكل ذلك. كما قال ابن الصلاح. توسع غير مرضي، لأن الإجازة الخاصة المعينة مختلف في صحتها اختلافاً قوياً عند القدماء، وان كان العمل استقر

۱- فتح المغيبي للعراقي، ۲/ ۲۱۱؛ فتح المغيبي للسخاوي، ۲/ ۲۲۲

۲- ايضاً، ۲/ ۲۱۱؛ تدریب، ۲۶۳

على اعتبارها عند المتأخرين. فهي دون السماع بالا تفاق فكيف اذا  
حصل فيها الاسترسال المذكور؟ فانها تزداد ضعفاً، لكنها في الجملة  
خير من ايراد الحديث معضلاً. (۱)

اسی طرح مجہول کے لیے اجازت کا مسئلہ گویا وہ مبہم اور مہمل ہے۔ اسی طرح معدوم کے لیے  
اجازت ہے جیسے اس نے کہا کہ فلاں شخص کا جو لڑکا پیدا ہوگا اس کو میں نے اجازت دی۔ یہ  
بات بھی کہی گئی ہے کہ اگر اس نے کسی موجود شخص پر معطوف کیا تو صحیح ہوگا جیسے وہ کہے کہ میں  
نے تجھے اجازت دی اور اسے بھی جو تیرے ہاں پیدا ہوگا۔ اور اقرب یہ ہے کہ یہ اجازت بھی  
صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے موجود یا معدوم کو اجازت دی اور اسے کسی اور کی مشیت  
سے معلق کر دیا مثلاً کہا کہ اگر فلاں شخص نے چاہا تو میں نے تجھے اجازت دی یا فلاں شخص نے  
جس کو چاہا اس کو میں نے اجازت دی تو اس صحیح قول کے مطابق یہ بھی عدم جواز میں شامل ہے۔  
ہاں اگر یوں کہا جائے کہ اگر تم چاہتے ہو تو تم کو میں نے اجازت دی تو یہ جائز ہے۔ مجہول  
کے سوا تمام مذکورہ صورتوں میں خطیب روایت کرنا جائز بتاتے ہیں۔ اسی کے متعلق انہوں  
نے اپنے چند مشائخ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ متقدمین میں سے ابو بکر بن ابی داؤد اور  
عبداللہ بن مندہ نے معدوم کو اجازت دی ہے اور ابو بکر بن خثیمہ وغیرہ بعض متقدمین نے  
معلق کی بھی اجازت دی ہے اور اجازت عام کی بنیاد پر بھی ایک جم غفیر نے روایت کی ہے۔  
چنانچہ بعض حفاظ نے بہ ترتیب حروف معجم ان کا نام ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا ہے، مگر  
بقول ابن الصلاح اجازت میں اس قدر توسیع غیر مناسب ہے کیونکہ بلا قراءت مخصوص معین  
اجازت میں متأخرین کے عمل کے باوجود متقدمین کے ہاں اس کی صحت میں قوی اختلاف  
ہے۔ اس لیے بالاتفاق اس کا مرتبہ سماع سے کم ہے اور جب اس میں توسیع ہوگی تو اس کا  
ضعف بڑھ جائے گا۔ تاہم ایک حدیث معطل یا معلق روایت کرنے سے اس قسم کی اجازت  
سے روایت کرنا بہتر ہے۔

معدوم کے ضمن میں بحث کرتے ہوئے حافظ عراقی نے خطیب کے حوالے سے غیر مولود کے اجازت کا  
تذکرہ کیا ہے۔ حافظ ابوسعید العلانی (۲) کے نزدیک والدین کی معیت میں اجازت جائز ہے۔ بعض اصحاب حدیث

۱- نزہة النظر ، ۶۸  
۲- حافظ صلاح الدین ابوسعید خلیل بن کیلکدی بن عبداللہ العلانی الشافعی بیت المقدس کے عالم۔ حافظ ذہبی المختص میں ان  
کے بارے میں کہتے ہیں: حافظ ، يستحضر الرجال و العلل مع صحة الذهن و سرعة الفهم. اسنوی کے  
مطابق؛ كان حافظ زمانه. ۶۱ھ میں فوت ہوئے۔ لحظ الألاحظ، ۴۳؛ ذیل طبقات الحفاظ، ۳۶۰

اس قسم کی اجازت سے احتراز کرتے ہیں جیسے محدث ابوالثناء محمود بن خلف المنبجی وغیرہ اور جن لوگوں نے غیر مولود کے لیے اجازت کو شامل کیا ہے وہ اصحاب علم و اتقان نہیں۔ (۱)

## غیر مسموع کی اجازت

اجازت دینے والا مجاز کو ایسی چیز کی روایت کرنے کی اجازت دے جس کا اس نے سماع و تحمل نہیں کیا اور جسے مجیز کو بعد میں تحمل حاصل ہو۔ حافظ ابن الصلاح نے اس کے بعد قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے جس کا ما حاصل یہ ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ قاضی عیاض کے اس قول کو ابن الصلاح کے علاوہ حافظ عراقی، علامہ نووی اور حافظ سیوطی نے بھی نقل کیا ہے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں:

فهذا لم أر من تكلم فيه من المشائخ ، ورأيت بعض المتأخرين  
والعصرين يصنعونه الا أني قرأت في فهرست أبي مروان عبد الملك  
بن زيادة الله الطنبلي قال: كنت عند القاضي بقرطبة أبو الوليد يونس  
بن مغيث (۲) فجاءه انسان فسأله الإجازة له لجميع مارواه الى  
تاريخها وما يرويه بعد، فلم يجبه إلى ذلك ، فغضب السائل ، فنظر الى  
يونس؛ فقلت له يا هذا يعطيك ما لم ياخذ هذا محال ، فقال يونس: هذا  
جوابي و هذا هو الصحيح ، فان هذا يجيز بما لا خبر عنده منه ، أو ياذن  
له بالتحديث بما لم يحدث به بعد ، و يبيع ما لا يعلم . هل يصح له  
الإذن فيه فمنعه الصواب . (۳)

میرے خیال میں مشائخ میں سے کسی نے اس پر گفتگو نہیں کی ہے۔ میں نے بعض متأخرین اور ہم عصر علماء کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ الا یہ کہ میں ابو مروان عبد الملك بن زيادة الطنبلي کی فہرست میں پڑھا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں قرطبة کے قاضی ابو الوليد يونس بن مغيث کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے ہاں ایک شخص آیا اور اس سے اب تک کی تمام مرویات اور جنہیں وہ بعد میں روایت کرے گا، کی اجازت طلب کی۔ قاضی ابو الوليد نے اس کو کوئی جواب نہ دیا، سائل

۱- فتح المغیث للعراقی ، ۲ / ۲۱۱

۲- ابو الوليد يونس بن مغيث بن محمد بن عبد الله المعروف بابن الصفار۔ حدیث، فقہ، ادب اور لغت میں ید طولی رکھتے تھے شاعر و خطیب تھے۔ ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔ العبر ، ۳ / ۱۶۹؛ الصلة ، ۶۲۲؛ تاریخ قضاة اندلس ، ۹۵

۳- الالمام ، ۱۰۶؛ ابن الصلاح ، ۱۶۱؛ فتح المغیث للعراقی ، ۲ / ۲۱۲؛ تدریب ، ۲۶۳

ناراض ہو اور یونس کی طرف دیکھنے لگا تو میں نے اسے کہا کہ اے شخص یہ تمہیں وہ کچھ عطا کرے جو اس کے پاس نہیں؟ یہ محال ہے، اس پر یونس نے کہا کہ یہی میرا جواب ہے قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے کیونکہ اسی صورت میں وہ اس چیز کی اجازت جس کی اسے خبر نہیں اور اسے بیان کرنے کی اجازت دیتا جسے اس نے ابھی تک بیان نہیں کیا اور وہ عطا کرتا ہے جس کا اسے علم نہیں۔ کیا اس کے لیے یہ اجازت صحیح ہے؟ اس کا انکار کرنا ہی صحیح ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں: وهذا هو الصواب (۱) یعنی یہی درست ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ قاضی عیاضؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت: ينبغي أن يبنى هذا على أن الإجازة في حكم الإخبار بالمجاز جملة أو هي إذن، فإن جعلت في حكم الإخبار لم تصح هذه الإجازة، إذ كيف يخبر بما لا خبر عنده منه، وإن جعلت اذنا ابني هذا على الخلاف في تصحيح الإذن في باب الوكالة فيما لم يملكه الآذن الموكل بعد، مثل ان يوكل في بيع العبد الذي يريد أن يشتريه، وقد أجاز ذلك بعض أصحاب الشافعي، و الصحيح بطلان هذه الإجازة. (۲)

اس پر بنیاد رکھتے ہوئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اجازت یا تو مجاز کے لیے مکمل خبر دینے کے حکم میں ہوگی اور یا اذن ہوگا۔ اگر خبر دینے کے حکم میں ہو تو یہ اجازت صحیح نہ ہوگی کیونکہ جس چیز کی خبر ہی اس کے پاس نہیں وہ اس کی اجازت کیسے دے گا اور اگر اسے اذن قرار دیں تو اسے وکالہ کے سلسلے میں اذن کی صحت پر بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ جب اذن دینے والا موکل کسی چیز کا مالک نہ ہو، جیسے کوئی شخص غلام خریدنے کے سلسلے میں کسی کو نمائندہ بنائے۔ بعض شوافع نے اسے جائز قرار دیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایسی اجازت باطل ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ اسی پر اس شخص کی بات کا تعین بھی ہوگا، جو مثلاً ایک شیخ سے روایت کرتا ہے جس نے اسے اپنی مسموعات کی اجازت دی ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ روایت کنندہ اس اجازت کی تاریخ سے پہلے کے سماع کی روایت کرنا چاہتا ہے۔ (۳) ہاں اگر وہ یہ کہے: "أجزت لك ما صح و يصح عندك من مسموعاتي" تو یہ اس قسم سے نہیں ہوگا اور وار قطنی وغیرہ نے ایسا کیا ہے۔ اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس

۱- تقریب مع تدریب، ۲۶۴

۲- ابن الصلاح، ۱۱۰

۳- ایضاً، ۱۱۰

چیز کی روایت کرے جو اس نے اجازت سے پہلے سنا لیکن اجازت کے بعد صحیح ثابت ہوا۔ (۱) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

و يجوز ذلك على قوله: "ما صح عندك" ولم يقل: "ما يصح" لأن المراد "أجزت لك ان تروى عنى ما صح عندك". فالمعتبر إذا فيه صحة ذلك عنده حالة الرواية. (۲)

اگر وہ یہ کہے "ما صح عندك" اور یہ نہ کہے: "ما يصح" تو یہ اجازت درست ہوگی کیونکہ مراد یہ ہوگی کہ میں نے اس چیز کی مجھ سے ادا کرنے کی اجازت دی ہے جو تمہارے نزدیک صحیح ہے۔ اس صورت میں روایت کے وقت اس کی صحت کا اعتبار ہوگا۔

### اجازة المجاز

اجازت کی ساتویں قسم مجازات کی اجازت ہے مثلاً وہ یہ کہے: "أجزت لك مجازاتى" میں نے اپنی مجازات کی تمہیں اجازت دی ہے یا یہ کہے "أجزت لك رواية ما اجيزنى روايتہ" میں نے تمہیں اس کی روایت کی اجازت دی جسے روایت کرنے کی مجھے اجازت دی گئی ہے۔

حافظ ابن الصلاح اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

فمنع من ذلك بعض من لا يعتد به من المتأخرين. و الصحيح والذي عليه العمل، أن ذلك جائز ولا يشبه ذلك ما امتنع من توكيل الوكيل بغير إذن المؤكل. (۳)

متاخرین میں سے ناقابل ذکر لوگوں نے اس سے روکا ہے اور صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور اسی پر عمل ہے۔ اور یہ اس ممانعت سے مشابہ نہیں ہے جو موکل کی اجازت کے بغیر وکیل کو سپرد کرنے کے متعلق ہے۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الجوزی کے شیوخ میں حافظ ابو البركات عبد الوهاب بن المبارک بن الانماطی (۴) نے اس قسم کی اجازت سے روکا ہے اور اس موضوع پر ایک جزء تصنیف کیا ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ اجازت ضعیف ہے۔ اور دو اجازتوں کے اجتماع سے ضعف میں اضافہ ہوتا ہے۔ (۵) حافظ ابو علی البردانی نے

۱- ابن الصلاح، ۱۲۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳-۲۱۴

۲- ایضاً، ۱۲۳

۳- ایضاً، ۱۲۲

۴- ابو البركات عبد الوهاب بن المبارک بن احمد الانماطی (۳۶۲-۵۲۸ھ) ابن الجوزی کہتے ہیں کہ سلف کے مذہب پر تھے اور مجلس میں غیبت سنا بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ الدلیل علی طبقات الحنابلة، ۱ / ۲۳۰؛ صید الخاطر، لابن الجوزی، ۱۳

۵- ابن الصلاح، ۱۲۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳؛ تدریب، ۲۶۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۷۳

بعض مدعیان حدیث کی رائے نقل کی ہے لیکن ان کا نام نہیں دیا۔ (۱)

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ مجھے حافظ المغربی ابو عمر السفاقی (۲) سے روایت پہنچی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے حافظ ابو نعیم الاصبہانی کو کہتے سنا: الإجازة علسی الإجازة قوية جائزة (۳) اجازت پر اجازت قوی اور جائز ہے۔ حافظ خطیب نے امام ابو الحسن دارقطنی اور حافظ ابو العباس المعروف بابن عقده الکوئی (۴) وغیرہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔ (۵) اور فقیہ وزاہد نصر بن ابراہیم المقدسی (۶) اجازت سے اجازت پر روایت کرتے تھے بلکہ بعض اوقات تین اجازت جمع کرتے تھے (۷) حافظ عراقی کے بقول امام حاکم نے اپنی تاریخ میں اس پر عمل کیا ہے۔ (۸) حافظ ابو الفضل محمد بن ناصر (۹) نے ذکر کیا ہے کہ ابو الفتح بن ابی الفوارس (۱۰) نے امام احمد کی العلل کو ابو علی الصوفی کی اجازت سے اور انہوں نے عبد اللہ بن احمد کی اجازت سے اور انہوں نے اپنے والد کی اجازت سے روایت کیا ہے۔ (۱۱) حافظ عراقی کہتے ہیں:

قلت: وقد رأيت في كلام غير واحد من الائمة و أهل الحديث الزيادة

على ثلاث أجاز فرروا باربع أجاز متوالية و خمس، و قدروى الحافظ

- ۱- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۳۷۳
- ۲- ابو عمر السفاقی، محمد بن الحسن بن محمد السلام المغربی (م ۶۵۴ھ) اپنے وقت کے چوٹی کے علماء سے استفادہ کیا اور خلق کثیر کو فائدہ پہنچایا۔ سیر، ۲۳ / ۲۹۵؛ شذرات، ۵ / ۲۶۶
- ۳- ابن الصلاح، ۱۲۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۷۴-۲۷۵
- ۴- احمد بن محمد بن سعید ابن عقده الکوئی مولیٰ بن ہاشم ابو العباس زیدی جارودی (م ۳۳۲ھ)۔ کیا کرتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ احادیث مع اسانید یاد ہیں اور تین لاکھ احادیث کا مذاکرہ کرتا ہوں۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۸۳۹؛ اعیان الشیعة، ۹ / ۴۲۸؛ تاریخ بغداد، ۵ / ۱۴
- ۵- ابن الصلاح، ۱۲۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۷۵؛ تدریب، ۳۶۵
- ۶- نصر بن ابراہیم بن نصر بن ابراہیم ابن داود النابلسی المقدسی ابو الفتح (م ۴۹۰ھ)۔ اپنے زمانے کے شیخ الشافعیہ تھے۔ اپنی زمین کے غلہ پر ہی سے گزارا کرتے تھے۔ ۹ برس دمشق میں رہے اور وہیں امام غزالی سے ملاقات ہوئی۔ حدیث وفقہ میں تصانیف چھوڑی ہیں۔ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۸۳؛ سیر اعلام، ۱۹ / ۱۳۶ بیعد
- ۷- ابن الصلاح، ۱۲۳؛ فتح الباقی، ۳۳۰
- ۸- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳
- ۹- ابو الفضل محمد بن ناصر السلامی البغدادی (م ۵۵۰ھ) بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا۔ دادا نے قرآن پڑھایا اور تربیت کی۔ ماہر لغت تھے۔ حدیث کی سند اور متن دونوں کے ماہر و عارف تھے۔ متدین اور ثقہ راوی تھے۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰ / ۲۶۵؛ تذکرۃ الحفاظ، ۴ / ۱۳۸۹
- ۱۰- ابو الفتح بن ابی الفوارس محمد بن احمد البغدادی (م ۳۱۲ھ) قوت حافظہ میں ممتاز تھے۔ ابھی دس برس کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ حدیث کا سماع کا آغاز کر دیا۔ صاحب علم و فضل تھے۔ تذکرۃ، ۳ / ۱۰۵۳؛ سیر، ۱۷ / ۲۲۳
- ۱۱- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳



أبو محمد عبد الكريم الحلبي (١) في تاريخ مصر عن عبد الغني بن سعيد الأزدي (٢) بخمس أجاز متوالية في عدة مواضع. (٣)

میں کہتا ہوں کہ میں نے کئی ائمہ اور اصحاب حدیث کے کلام میں تین اجازتوں سے زیادہ بھی دیکھی ہیں۔ سوانہوں نے چار متواتر بلکہ پانچ اجازتوں سے روایت کی ہے۔ حافظ ابو محمد اسی طرح عبد الکريم الحلبي نے تاریخ مصر میں عبد الغني بن سعيد الأزدي سے پانچ متواتر اجازتیں کئی مواقع پر استعمال کی ہیں۔

حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ حافظ زکی الدین المنذری نے المحدث الفاصل کی روایت پانچ مسلسل اجازتوں اور مصنف سے کی ہے۔ ابن الجوزی، ابو منصور بن خیرون، الجوهري، دارقطنی جنہیں درجہ علومیسر تھا کہ وہ سماع متصل کے ذریعہ اصحاب السلفی، ان سے مبارک بن عبد الجبار وہ الفالی سے، وہ النھاوندی اور وہ مصنف سے روایت کر سکتے تھے۔ (٤)

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

و ينبغي لمن يروى بالإجازة عن الإجازة أن يتأمل كيفية إجازة شيخ  
 شيخه و مقتضاها حتى لا يروى بها ما لم يندرج تحتها ، فإذا كان مثلاً  
 صورة إجازة شيخ شيخه "اجزت له ما صح عنده من سماعاتي" فرأى  
 شيئاً من مسموعات شيخ شيخه فليس له أن يروى ذلك عن شيخه عنه  
 حتى يستبين أنه مما كان قد صح عند شيخه كونه من سماعات شيخه  
 الذي تلك إجازته، و لا يكفي بمجرد صحة ذلك عنده الآن عملاً بلفظه  
 و تقييده ، و من لا يتفطن لهذا و أمثاله يكثر عثاره. (٥)

- ١- الحافظ الكبير الامام قطب الدين عبد الكريم بن عبد النور بن منير الحلبي (م ٤٣٥هـ)، الذہبی کہتے ہیں کہ انہوں نے کم سنی میں ہم سے حدیث بیان کی۔ تاریخ مصر پر بڑی کتاب لکھی عبد الغني کی سيرة النبوية کی شرح لکھی۔ اسی طرح مختلف نوع کی اربعین مرتب کیں۔ حسن المحاضرة، ١/ ٢٠٢؛ الفوائد البهية، ١٠٠؛ النجوم الزاهرة، ٩/ ١٢٠٦؛ البداية والنهاية، ١٢١/ ١٣ ذیل طبقات الحفاظ للحسينی، ١٣
- ٢- عبد الغني بن سعيد ابو محمد الأزدي (٣٣٢-٤٠٩ھ) اصلاً ازدي سے تھے۔ ثقہ، حافظ اور علامہ وقت تھے۔ دارقطنی کے شاگرد تھے مصر میں اپنے دور کے حفاظ حدیث میں سے تھے۔ علم الانساب کے بھی ماہر تھے۔ وفيات الأعيان، ١/ ٣٠٥؛ تذكرة الحفاظ، ٣/ ١٠٣٤؛ شذرات الذهب، ٣/ ١٨٨؛ سير اعلام، ١٤/ ٢٧٨
- ٣- فتح المغيث للعراقي، ٢/ ٢١٣؛ فتح المغيث للسخاوي، ٢/ ٢٤٤؛ فتح الباقي، ٣٢٠-٣٢١
- ٤- فتح المغيث للسخاوي، ٢/ ٢٤٤
- ٥- ابن الصلاح / ١٢٣



اور جو شخص اجازت سے بطریق اجازت روایت کرتا ہے اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ شیخ کے شیخ کی کیفیت اور اس کے مقتضا پر غور و فکر کرے تاکہ جو چیز اس کے تحت درج نہیں اس کو روایت نہ کرے۔ مثلاً اس کے شیخ کی اجازت کی صورت اس طرح ہے ”میں اپنی سماعت میں جو چیز اس کے نزدیک صحیح ہے اس کی اجازت دی ہے“ پھر اس نے شیخ کے شیخ کی سموعات میں سے کوئی چیز دیکھی تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ اسے اپنے شیخ سے روایت کرے جب تک اس پر یہ واضح نہ ہو جائے کہ شیخ کے شیخ کی سموعات میں سے وہ چیز شیخ کے ہاں صحیح ہے۔ اگر ایسا ہے کہ یہ اس کی اجازت ہوگی۔ اور اب اس کے نزدیک اس کی صحت کے لیے عملاً اس کے الفاظ اور اس کی تہنید کافی ہے۔ جو شخص اس کو اور اس جیسی صورتوں کو نہیں سمجھتا اس کے ٹھوکر کھانے کا خطرہ ہے۔

حافظ عراقی نے اس سلسلے میں امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد الاندلسی المعروف بابن الیتیم (۱) کی روایت باجازت کی مثال دی ہے جس میں غلطی ہے۔ ابن الیتیم نے بہت علمی سفر کئے اور السلفی (۲)، ابن عساکر (۳)، السھیلی (۴)، ابن بشکوال (۵)، عبدالحق الاشھیلی (۶) کے علاوہ بڑی تعداد سے استفادہ کیا۔ انہوں نے ترمذی میں اپنے اسناد میں ابوطاہر السلفی کے واسطے سے ابو العباس الحمو بی عن الترمذی کو بیان کیا ہے اور اس سند میں احمد بن محمد بن سعید الحداد عن اسماعیل بن یئال الحمو بی کا ذکر ہے۔ اس میں دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ ابن یئال نے الحداد کو اجازت دی حالانکہ اس سے اس نے نہیں سنا۔ اس طرح ترمذی اس اجازت میں شامل ہی نہیں جو اس نے نہیں سنی۔ اسی طرح حداد نے سلفی کو اس چیز کی اجازت دی جو اس نے نہیں سنی۔ اس طرح ترمذی اس اجازت میں شامل ہی نہیں جو اس نے السلفی کو دی۔ اس پر مزید بحث کرنے کے بعد حافظ عراقی ”لکھتے ہیں:

- ۱- لاندلسی ابو عبد اللہ محمد بن احمد المعروف بابن الیتیم لاندلسی (م ۶۲۱ھ) طلب حدیث کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ ثقہ راوی تھے۔ مر یہ کے خطیب رہے۔ سیر، ۲۲ / ۲۵۰؛ لسان المیزان، ۵ / ۵۰
- ۲- السلفی، شیخ الاسلام ابوطاہر احمد بن محمد (م ۵۶۶ھ) اپنے وقت کے حافظ حدیث تھے۔ علماء کی کثیر تعداد سے فیض حاصل کیا اور سیکڑوں طالبان حدیث کو مستفید کیا صاحب تالیف تھے۔ اہم تصنیف معجم السفر ہے۔ جو چھپ چکی ہے۔ سیر، ۵ / ۴۱؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲ / ۱۲۹۸
- ۳- ابن عساکر، ابو منصور عبد الرحمن بن محمد الدمشقی الشافعی (م ۶۲۱ھ) عالم بے بدل، عمدہ سیرت اور خوب رو تھے۔ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ وفيات الأعیان، ۳ / ۱۳۵؛ سیر اعلام، ۲۲ / ۱۸۷
- ۴- السھیلی، ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ لاندلسی (م ۵۸۱ھ) حدیث، فقہ، رجال اور انساب کے ماہر تھے۔ اپنی بستی سہیل کے درخشان ستارے مانے جاتے تھے۔ تذکرۃ، ۲ / ۱۳۳۹
- ۵- ابن بشکوال لاندلسی القرطبی (م ۵۷۸ھ) قرطبہ کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ کئی اہم کتب کے مؤلف جن میں تاریخ الاندلس اہم مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ تذکرۃ، ۲ / ۳۳۹؛ سیر اعلام، ۲۱ / ۱۳۹
- ۶- عبدالحق اشھیلی ابن الخراط (م ۵۸۱ھ) ابن الخراط کے نام سے معروف تھے اپنے وقت کے ممتاز محدث و فقیہ تھے۔ صاحب تصانیف تھے۔ زبان و ادب سے بھی گہرا تعلق تھا۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲ / ۱۳۵۰؛ سیر اعلام، ۲۱ / ۱۹۸

و كان الشيخ تقي الدين بن دقيق العيد (١) لا يجيز رواية سماعه كله بل قد يقيد به بما حدث به من مسوعاته، هكذا رأيت بخطه في عدة إجازات ولم أر له إجازة تشمل مسوعه، وذلك إنه كان شك في بعض سماعاته فلم يحدث به ولم يجزه، وهو سماعه على ابن المقير (٢)، فمن حدث عنه بإجازته منه بشي مما حدث به من مسوعاته فهو غير صحيح فينبغي التنبه لهذا و أمثاله. (٣)

شیخ تقی الدین بن دقیق العید اپنے پورے سماع کی روایت کو جائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ مسوعات کو محدثانہ طریق سے بیان کرنے سے مقید کرتے تھے۔ میں نے ایسا ہی ان کی متعدد اجازات، جو ان کے اپنے خط میں ہیں، دیکھا ہے۔ میں نے ان کی ایسی اجازت نہیں دیکھی جو ان کی مسوعات پر مشتمل ہو۔ ایسا اس لیے ہے کہ انہیں اپنی بعض مسوعات کے بارے میں شک تھا لہذا وہ انہیں بیان نہیں کرتے تھے اور اس کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے اور اس کا تعلق ابن المقیر سے سماع سے ہے۔ لہذا جس کسی نے بھی اس کی اجازت سے اس سے ایسی روایت بیان کی جو اس نے ان مسوعات سے بیان کی تو وہ غیر صحیح ہے۔ اس پر اور اس جیسی دیگر مسوعات پر متنبہ رہنے کی ضرورت ہے۔



- 
- ١- ابن دقیق العید، شیخ الاسلام تقی الدین ابوالفتح محمد بن علی المالکی الشافعی (م ٥٠٢ھ) اپنے وقت کے ممتاز محدث و فقیہ، مذہب شافعی کے ساتھ ساتھ مذہب مالکی پر بھی دسترس حاصل تھی۔ مصر کے قاضی رہے اور دونوں مسالک کے مطابق فتوے دیتے۔  
تذکرۃ الحفاظ، ٣ / ١٣٨١
- ٢- ابن المقیر، ابوالحسن علی بن ابی عبید اللہ البغدادی الحسینی (م ٦٣٣ھ) طلب علم کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ اپنے وقت کے ممتاز اہل علم سے سماع کیا۔ صالح اور عبادت گزار تھے۔ مسرر اعلام، ٢٣ / ١١٩؛ شذرات، ٥ / ٢٢٣
- ٣- فتح المعیت للعراقی، ٢ / ٢١٥

## المناولة

مناولہ کے لغوی معنی عطا کرنے اور بخشش کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو لکھی ہوئی احادیث یا کتاب دے تاکہ وہ اسے روایت کرے۔ حافظ سخاوی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المناولة: هي لغة: العطية، و منه حديث الخضر "فحملوها بغير نول"  
ای اعطاء. (۱)

مناولہ کے لغوی معنی عطیہ کے ہیں اور اسی سے حدیث خضر کے الفاظ فحملوها بغير نول ہیں یعنی بغیر عطا کئے۔

امیر صنعانی، حافظ سخاوی کے قول کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

المناولة وهي لغة، العطية، و منه حديث الخضر "فحملوها بغير نول" (۲).  
ای اعطاء و اصطلاحاً اعطاء الطالب شيئاً من مروياته مع اجازة له به صريحاً أو كناية (۳).

مناولہ لغوی اعتبار سے عطیہ کے معنی میں آتا ہے اور اسی سے حدیث خضر کے الفاظ فحملوها بغير نول ہیں جس میں نول کے معنی عطا کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد استاد کا طالب کو اپنی مرویات میں سے کچھ عطا کرنا ہے تاکہ وہ اس کی روایت کر سکے۔ یہ اجازت صریحاً بھی ہو سکتی ہے اور کنایتاً بھی۔

امیر صنعانی مزید لکھتے ہیں کہ باوجودیکہ مناولہ اجازت سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اسے موخر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اسے اجازت کی پہلی دو اقسام کے نوع کی حیثیت حاصل ہے۔

اخبرت عن الاجازة مع انها اعلیٰ منها علی المعتمد لانها جزء لأول نوعیه. (۴)

۱- فتح المغيث للسخاوی، ۲/ ۲۸۷

۲- سورة الكهف/۱۷؛ اشارہ ہے حدیث میں مذکورہ واقعہ کی طرف تفصیل کے لیے دیکھیے: بخاری، الجامع، کتاب العلم،

باب ما يستحب للعالم.....، ۱/ ۳۸-۳۹؛ مسلم، الجامع، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ، ۷/ ۱۰۷؛

ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورة الكهف، ۵/ ۳۰۹-۳۱۲

۳- توضیح الافکار، ۲/ ۳۲۳

۴- ایضاً، ۲/ ۳۲۳

حافظ سیوطیؒ اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والأصل فيها ما علقه البخاري في العلم أن رسول الله ﷺ كتب  
لامير السرية كتاباً و قال لا تقرأه حتى تبلغ مكان كذا و كذا. فلما  
بلغ ذلك المكان قرأه على الناس و أخبرهم بأمر النبي ﷺ (١) و صله  
البیهقي و الطبرانی بسند حسن (٢) قال السهيلي! احتج به البخاري  
على صحة المناولة. قال: وهو فقه صحيح. (٣)

اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جسے بخاریؒ نے تعلیقاً کتاب العلم میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے  
ایک فوجی مہم کے امیر کو خط دیا اور اسے کہا کہ کہ فلاں جگہ پر پہنچنے سے پہلے اسے نہ پڑھنا جب  
وہ اس مکان پر پہنچے تو اسے لوگوں کے سامنے پڑھا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے آگاہ کیا۔  
سیوطی کہتے ہیں کہ امام بیہقی اور طبرانی نے اسے سند حسن کے ساتھ متصل بیان کیا ہے۔  
سہیلی کہتے ہیں بخاری نے مناولہ کی صحت پر اس سے استدلال کیا ہے۔۔۔ اور کہا کہ یہ صحیح  
فقہ ہے۔

سیوطی کہتے ہیں کہ اس طرح عالم جب شاگرد کو کوئی کتاب عطا کرتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس میں  
سے روایت کرے۔ (٤) بلقینی کہتے ہیں:

واحسن ما يستدل به عليها ما استدل به الحاكم من حديث ابن عباس  
أن رسول الله ﷺ بعث بكتابه الى كسرى مع عبد الله بن حذافة و أمره  
أن يدفعه إلى عظيم البحرين فدفعه عظيم البحرين إلى كسرى. (٥)  
اور بہترین استدلال وہ جو حاکم نے ابن عباس کی حدیث سے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے  
عبداللہ بن حذافہ کو کسریٰ کے نام خط دے کر بھیجا اور فرمایا کہ اسے بحرین کے امیر کو دے  
دینا اور بحرین کے امیر نے اسے کسریٰ کو پیش کر دیا۔

معجم البغوی میں یزید الرقاشی سے منقول ہے:

- ١- بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب ما یذکر فی المناولة، ١ / ٢٣
- ٢- معرفة علوم الحديث، ٢٥٨؛ تدریب الراوی، ٢٦٨
- ٣- الروض الانف، ٥٩ / ٢
- ٤- تدریب، ٢٦٢
- ٥- ایضاً، ٢٦٦؛ معرفة علوم الحديث، ٢٥٩؛ بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب ما یذکر فی المناولة، ١ / ٢٣

قال: كُنَّا إِذَا اكْتَرْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَا نَا بِمَجَالٍ (١) لَهُ فَالْقَاهَا إِلَيْنَا  
وقال: هذه أحاديث سمعتها وكتبها عن رسول الله صلى الله عليه  
وآله وسلم و عرضتها عليه. (٢)

جب ہم انس بن مالک کے پاس زیادہ آتے تو وہ ہمارے لیے ایک صحیفہ نکال لاتے اور اسے  
ہمارے سامنے رکھ دیتے اور کہتے کہ یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی  
ہیں اور انہیں لکھا ہے اور آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

## اقسام

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں: مناوولہ کی دو اقسام ہیں: وہی علی نوعین المقرونة بالإجازة  
والمناولة المجردة عن الإجازة (٣)

امام نووی لکھتے ہیں: ہی ضربان (٤) یعنی اس کی دو قسمیں ہیں۔ البتہ ان اقسام کو مزید انواع میں تقسیم کیا  
گیا ہے۔ زیادہ انواع کا تعلق پہلی قسم سے ہے۔

## المقرونة بالإجازة

مناوولہ کی پہلی قسم مقرونة بالإجازة ہے یعنی استاد اپنی کوئی تحریر یا کتاب طالب کو یہ کہہ کر دے کہ میری یہ  
مرویات فلاں شیخ سے نقل کردہ ہیں تو ان کو میرے ذریعہ سے روایت کرو اور اسے نقل کر لو۔ شیخ یہ کتاب یا تحریر اسے  
ہدیہ کر دے یا نقل ہونے کے بعد واپس لے لے۔ یہ قسم اعلیٰ شمار ہوتی ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

احدهما: المناولة المقرونة بالإجازة، وهي أعلى أنواع الإجازة على

## الإطلاق. (٥)

ایک قسم مناوولہ مع الإجازة ہے اور اجازت کی انواع میں مطلقاً سب سے اعلیٰ نوع ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

- ١- تدریب، ٢٢٦، حاشیہ: المجال جمع مجلة وهي الصحيفة فيها الحكمة و كل كتاب، القاموس للفيروز  
آبادی، ٣/ ٣٦١؛ تقييد العلم، ٩٥، حاشیہ ٢٠٨
- ٢- تدریب، ٢٦٩؛ تقييد العلم، ٩٥
- ٣- ابن الصلاح، ١٢٥، ١٢٩؛ فتح المغيب للعراقي، ٣/ ٢١٤، ٢٢٠
- ٤- تقریب مع التدریب، ٢٦٩
- ٥- ابن الصلاح، ١٢٥؛ فتح المغيب للعراقي، ٣/ ٢١٤؛ الكفاية، ٣٢٦

واشترطوا في صحة الرواية المناولة اقترانها بالإذن بالرواية و هي:  
إذا حصل هذا الشرط أرفع انواع الإجازة لما فيها من التعيين  
والتشخيص. (۱)

اور محدثین نے مناوہ صحیح ہونے میں روایت کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے۔ جب یہ شرط حاصل ہو جائے تو یہ اجازت کی انواع سے ارفع حیثیت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ اس میں تعین اور تشخيص موجود ہیں۔

حافظ سخاوی اپنے شیخ کی اصطلاحوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولما فيها من التعيين و التشخيص ، بلا خلاف بين المحدثين فيه،  
حتى كان ممن حكاها عن أصحاب الحديث الغزالي في  
"المستصفي"، فقال: وهي عندهم أعلى درجة. (۲)

محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ قسم اعلیٰ درجہ کی ہے کیونکہ اس میں تعین اور تشخيص پائی جاتی ہے حتیٰ کہ غزالی نے اصحاب حدیث سے المستصفي میں نقل کیا ہے کہ یہ ان کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی روایت ہے۔

مقرون بالا جازہ کی کئی صورتیں ہیں جنہیں ابن الصلاح سے لے کر امیر الصنعانی تک سب نے لکھا ہے۔  
حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

۱۔ منها: ان يدفع الشيخ الى الطالب اصل سماعه أو فرعاً مقابلاً به  
ويقول: "هذا سماعي أو روايتي عن فلان، فاروه عني، أو أجزت لك  
روايته عني" ثم يملكه (۳) اياه أو يقول: خذه وانسخه و قابل به ثم  
رده إليّ أو نحو هذا. (۴)

ایک صورت یہ ہے کہ شیخ طالب کو اپنے سماع کی اصل یا اس سے مقابلہ کی ہوئی فرع عطا کرے اور کہے: فلاں شخص سے یہ میری مسوعات یا روایات ہیں، تم مجھ سے روایت کرو یا میں

- ۱- شرح نخبة الفكر، ۶۶
- ۲- فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۹۰
- ۳- سخاوی اس پر ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں: بالهبة أو بالبيع أو ما يقوم مقامهما - فتح المغیث، ۲ / ۲۹۰
- ۴- ابن الصلاح، ۱۶۵-۱۶۶؛ تقریب مع تدریب، ۲۶۹، امام نووی کے الفاظ ہیں: ثم "يقبه معه تمليكا أو ينسخه أو نحو هذا" کی توضیح میں حافظ سخاوی لکھتے ہیں: فما هو بمعنى الإجازة فضلا عن لفظها كاجزتك - فتح المغیث، ۲ / ۲۹۰



نے تمہیں اجازت دی کہ تم اسے مجھ سے روایت کرو۔ پھر یا تو اسے اس کی ملکیت میں دے دے یا کہے: اسے لو، نقل کرو اور اس سے مقابلہ کر لو پھر مجھے واپس کر دو یا اسی طرح کی بات۔

۲۔ و منها: أن يجئ الطالب إلى الشيخ بكتاب أو جزء من حديثه فيعرضه عليه فيتأمل الشيخ وهو (۱) عارف متيقظ ثم يعيده إليه و يقول: وقفت على ما فيه وهو حديثي عن فلان أو روايتي عن شيوخي فيه فاروه عني، أو أجزت لك روايته عني“ و هذا قد سماه غير واحد من ائمة الحديث ”عرضاً“ و قد سبقت حكايتهما في القراءة على الشيخ انها تسمى ”عرضاً“ ايضاً، فلنسم ذلك ”عرض القراءة وهذا عرض المناولة.“ (۲)

اور اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ طالب شیخ کے پاس کوئی کتاب یا اس کے ذخیرہ احادیث میں سے کوئی جز لے آئے اور اس کے سامنے پیش کرے۔ شیخ اس پر غور کرے درآں حالیکہ وہ ایک عارف اور بیدار مغز شیخ ہے پھر وہ اسے لوٹا دے اور کہے: اس میں جو کچھ ہے اس سے میں نے واقفیت حاصل کی۔ یہ فلاں شخص سے منقول میری احادیث ہیں یا میرے شیوخ سے مروی روایات اس میں موجود ہیں سو تم اس کی مجھ سے روایت کرو یا میں تجھے اس کی مجھ سے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ بہت سے ائمہ حدیث نے اسے عرض کہا ہے جیسا کہ قراءۃ علی الشیخ میں بیان کر آئے ہیں کہ اسے بھی عرض کہتے ہیں لہذا ہم اسے عرض القراءۃ کا نام دیتے ہیں اور اسے عرض المناولہ کہتے ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے مقرون بالاجازہ کی دونوں صورتوں کو بیان کیا ہے لیکن یہ واضح نہیں کیا کہ ان میں سے کون سی اعلیٰ ہے البتہ ایک کا ذکر پہلے کیا ہے۔ (۳) جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تاہم قاضی عیاض نے وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ حافظ سخاوی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”ای والحال أن الشيخ الذي أعطى الكتاب ذو معرفة و حفظ و يقظة، فينظره و يتصفحہ متأملاً، ليعلم صحته و عدم الزيادة فيه و النقص منه، أو يقابله باصل كتابه ان لم يكن عارفاً، كل ذلك كما صرح به الخطيب على جهة الوجوب“: فتح المغيب، ۲/۲۹۲

۲۔ ابن الصلاح، ۱۲۱

۳۔ ايضاً، ۱۶۵؛ فتح المغيب، ۲/۲۹۰



أرفعها أن يدفع الشيخ كتابه للطالب فيقول هذه روايتي فاروها عني  
ويدفعها إليه؛ أو يقول له: خذها فانسخها و قابل بها ثم اصرفها التي  
أويأتيه الطالب بنسخة صحيحة. (١)

سب سے بہتر یہ ہے کہ شیخ اپنی کتاب طالب کو دے اور کہے کہ یہ میری روایات ہیں تم انہیں  
مجھ سے روایت کرو اور وہ کتاب اس کے سپرد کر دے؛ یا کہے: اسے پکڑو، نقل کرو اور اس کے  
ساتھ مقابلہ کرو اور پھر یہ کتاب مجھے واپس کر دو یا طالب علم صحیح نسخہ لے کر اس کے پاس آئے۔

## انواع مناوولہ کی حیثیت

علماء محدثین کے ہاں اس بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ مناوولہ کی یہ دونوں صورتیں قابل قبول ہیں البتہ  
اس میں اختلاف ہے کہ یہ سماع سے افضل ہے کہ نہیں (۲)۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

و هذه المناولة المقترنة بالإجازة حالة محل السماع عند مالك  
وجماعة من أئمة اصحاب الحديث. و حكى الحاكم ابو عبد الله  
النسيابوري في عرض المناولة المذكور عن كثير من المتقدمين أنه  
سماع. و هذا مطرد في سائر ما يماثله من صور المناولة المقرونة  
بالإجازة. فممن حكى الحاكم ذلك عنهم: ابن الشهاب الزهري، و  
ربيعة الرأي، و يحيى بن سعيد الأنصاري، و مالك بن انس الإمام، في  
الآخرين من المدنيين، و مجاهد، و ابو الزبير، و ابن عيينة في جماعة  
من المكيين، و علقمة و ابراهيم النخعيان و الشعبي في جماعة من  
الكوفيين، و قتادة، و أبو العالية، و أبو المتوكل الناجي في طائفة من  
البصريين و ابن وهب، و ابن القاسم و أشهب في طائفة من المصريين،  
و آخرون من الشاميين و الخراسانيين. و رأى الحاكم طائفة من  
مشائخه على ذلك، و في كلامه بعض التخليط من حيث كونه خلط  
بعض ماورد في "عرض القراءة" بما ورد في "عرض المناولة" و ساق  
الجميع مساقاً واحداً. و الصحيح أن ذلك غير حال محل السماع وأنه  
منحط عن درجة التحديث لفظاً و الإخبار قراءة. (۳)

۱- الإلماع، ۷۹؛ فتح المغيب للعراقي، ۳ / ۲۱۸

۲- توضیح الافکار، ۳۳۰/۲؛ المنهل الروی، ۸۸-۸۹؛ الکفاية، ۳۲۳-۳۲۶

۳- ابن الصلاح، ۱۲۶-۱۲۷؛ فتح المغيب للعراقي، ۳ / ۲۱۸؛ تقریب مع تدرب، ۲۷۰-۲۷۱

اور یہ مناوہ مقتدرہ بالا جازہ امام مالک اور ائمہ اصحاب کی ایک جماعت کے نزدیک سماع کے مرتبہ میں ہے ابو عبد اللہ حاکم نيساپوری نے بہت سے متقدمین سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ عرض المناوہ سماع ہے اور یہ مناوہ مقتدرہ بالا جازہ کے مماثل تمام صورتوں میں مسلسل وقوع پذیر ہے۔ امام حاکم نے جن لوگوں سے نقل کیا ہے ان میں مندرجہ ذیل لوگ شامل ہیں:

ابن الشہاب الزہری، ریچۃ الراي، یحییٰ بن سعید الانصاری، مالک بن انس اور دیگر علمائے اہل مدینہ بھی شامل ہیں۔ اہل مکہ کی جماعت میں مجاہد، ابوالزبیر، اور ابن عیینہ شامل ہیں، اور کوفیوں کی جماعت میں علقمہ نخعی اور ابراہیم نخعی اور شععی اور بصریوں میں قتادہ، ابو العالیہ اور ابوالمتوکل الناجی شامل ہیں اور مصریوں میں ابن وہب، ابن القاسم اور اشہب شامل ہیں۔ اسی طرح شامیوں اور خراسانیوں میں سے اہل علم شامل ہیں۔ امام حاکم نے اپنے مشائخ کی ایک جماعت کو اسی رائے کا حامل پایا ہے۔ (۱) لیکن امام حاکم کے کلام میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ کیونکہ انہوں نے عرض القراءۃ اور عرض المناوہ کو مختلف کر دیا ہے اور سب کو ایک ہی نسخ پر بیان کیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اسے سماع کا مرتبہ حاصل نہیں اور یہ حدیث کو لفظاً بیان کرنے اور خبر کو قراءۃ سے بیان کرنے سے کم تر درجہ پر ہے۔ (۲)۔

علامہ عینی کہتے ہیں کہ اسے سماع کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ (۳)

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ امام حاکم العرض کی اس قسم کے بارے میں کہتے ہیں:

أما فقهاء الإسلام الذين افتوا في الحلال و الحرام فان فيهم من لم يرى العرض سماعاً، وبه قال الشافعي والأوزاعي (۴)، والبيهقي (۵)، والمزني (۶)

۱- معرفة علوم الحديث، ۲۵۶-۲۵۸

۲- ابن الصلاح، ۱۶۷

۳- عمدة القاری، ۲/۲۶

۴- الاوزاعي، عبدالرحمن بن عمرو ابو عمرو (م ۱۵۱ھ) حدیث اور فقہ میں امام تسلیم کیے گئے۔ درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ ایک فقہی مذہب ان کی طرف منسوب ہے۔ امام اوزاعی صاحب تصنیف تھے۔ مقدمة المعرفة لكتاب الجرح، ۱۸۳-۲۱۹؛ وفيات، ۳/۱۳۷؛ تذكرة الحفاظ، ۱/۷۸؛ سير اعلام، ۷/۱۰۷

۵- البويهلي يوسف بن يحيى المصري (م ۲۳۱ھ) امام شافعی کے ممتاز شاگرد، ایک طویل عرصے تک ان کی صحبت سے استفادہ کیا۔ امام شافعی کی بیماری میں ان کے حلقہ درس میں استاد کی نیابت کی۔ متقی اور زاہد عابد تھے۔ الجرح و التعديل، ۳/۲۳۵؛ شذرات، ۲/۷۱؛ سير اعلام، ۱۲/۵۸

۶- المزني، ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل المصري (م ۱۶۳ھ) امام شافعی کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ کبار ائمہ سے استفادہ کیا فقہ شافعی میں امام تسلیم کیے گئے۔ الجرح، ۱/۲۰۳؛ العبر، ۲/۲۸؛ وفيات، ۱/۲۱۷؛ سير اعلام، ۳/۳۹۲

و أبو حنيفة (١)، و سفیان الثوری (٢)، و أحمد بن حنبل (٣)،  
 و ابن المبارک (٤)، و یحییٰ (٥)، و اسحاق بن راهویة (٦). و علیه  
 عهدنا أئمتنا و إليه ذهبوا و إليه نذهب. (٧)

- ١- ابو حنیفہ نعمان بن ثابت التیمی الکوفی (م ١٥١ھ) صغار صحابہ کے دور میں پیدا ہوئے۔ طلب حدیث کے لیے سفر کیے اور اہل علم سے استفادہ کیا۔ نہایت ذہین اور بہترین حافظہ کے مالک تھے۔ فقہ حنفی کے بانی اور اس کی تعلیم و تشریح میں اپنی عمر صرف کی۔ ممتاز فقہاء نے ان کا شکر گرد ہونے پر فخر کیا۔ فقہ میں بصیرت اور دسترس کی وجہ سے یہ بات مشہور ہو گئی الناس عیال علیہ فی الفقہ۔ الجرح و التعذیل، ٣/١/٣٣٩؛ و فیات الأعیان، ٥/٣١٥؛ سیر اعلام، ٦/٣٩٠
- ٢- الثوری، سفیان بن سعید بن مسروق (م ١٥٣ھ) اپنے وقت کے حدیث اور فقہ میں امام تسلیم کیے گئے۔ کثیر شیوخ سے استفادہ کیا اور اسی طرح انہوں نے ایک کثیر تعداد کو اپنے علم و فضل سے مستفید کیا۔ صاحب تصنیف تھے۔ حدیث اور تفسیر میں ان کی تالیفات متداول رہیں۔ و فیات الأعیان، ٢/٣٨٦؛ تاریخ بغداد، ٩/١٥١؛ شذرات، ١/٢٥٠؛ تذکرۃ الحفاظ، ١/٢٠٣؛ سیر اعلام، ٤/٢٢٩
- ٣- احمد بن حنبل ابو عبد اللہ الشیبانی الروزی (م ٢٤٢ھ) پیدائش سے پہلے یتیم ہو گئے تھے والدہ نے ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا چھوڑی۔ اپنے وقت کے ثقہ اور متدین محدث تھے۔ مسئلہ خلق قرآن میں استقامت دکھائی اور عتاب کا شکار ہوئے۔ احادیث کا ضخیم مجموعہ المسند مرتب کیا۔ تاریخ الکبیر، ١/١/٥؛ تقدمة الجرح، ٢٩٢-٣١٣؛ تذکرۃ الحفاظ، ٢/٣٣١؛ سیر اعلام، ١١/١٤٤
- ٤- عبد اللہ بن المبارک ابو عبد الرحمن الحنظلی (م ١٩٨ھ) اپنے وقت کے علم و تقویٰ میں امام تھے۔ حدیث میں دسترس تھی امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب ملا۔ فقراء پر مال و دولت خرچ کرنے والے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سال حج پر جاتے اور ایک سال جہاد میں شریک ہوتے۔ صائم الدھر تھے۔ تاریخ الکبیر، ٥/٢١٢؛ تاریخ بغداد، ١٠/١٥٢؛ شذرات، ١/٣٩٥؛ سیر اعلام النبلاء، ٨/٣٤٨
- ٥- یحییٰ بن یحییٰ بن بکر بن عبد الرحمن، ابو زکریا التیمی المنقری النیسابوری الحافظ (١٣٢-٢٢٦ھ) خراسان کے عالم بے بدل۔ صغار تابعین سے ملاقات ہوئی اور ان سے روایت کی۔ ان سے بخاری، حمید بن زنجویہ اور محمد بن نصر الروزی وغیرہم نے روایت کی۔ اسحاق بن راهویہ کہتے ہیں: ما رأیت مثل یحییٰ بن یحییٰ ولا احسب انہ رأى مثل نفسه. ذہبی نے احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے: ما رأی یحییٰ بن یحییٰ مثل نفسه و ما رأی الناس مثله. سیر اعلام النبلاء، ١٠/٥١٢-٥١٩؛ تذکرۃ الحفاظ، ٢/٣١٥؛ العبر، ١/٣٩٤؛ تہذیب التہذیب، ١١/٢٩٦؛ النجوم الزاہرة، ١٠/٢٣٨؛ شذرات، ٢/٥٩؛ تاریخ الکبیر، ٣/١١/٣١٠
- ٦- اسحاق بن ابراہیم بن خالد بن ابراہیم بن مطر الحنظلی ابو یعقوب الروزی، (م ٢٣٨ھ) نزیل نیساپور، ائمہ مسلمین اور علماء دین میں سے ایک اہم شخصیت تھے۔ ان کی ذات میں حدیث و فقہ، حفظ و صدق اور ورع و زہد جمع تھے۔ ابن ماجہ کے سوا تمام ائمہ حدیث نے ان سے روایت کی۔ طبقات الحفاظ، ١٩١-١٩٢؛ تاریخ الکبیر، ١/٣٤٩؛ حلیۃ الاولیاء، ٩/٢٣٣؛ و فیات، ١/١٩٩؛ تذکرۃ الحفاظ، ٢/٣٣٣؛ البدایہ، ١٠/٣١٤؛ النجوم الزاہرة، ٢/٢٩٠؛ سیر اعلام النبلاء، ١١/٣٥٠
- ٧- معرفة علوم الحدیث، ٢٥٩-٢٦٠؛ ابن الصلاح، ١٢٤؛ فتح المغیث، ٣/٢١٨-٢١٩؛ فتح المغیث للسخاوی، ٢/٢٩٢-٢٩٣؛ المنہل الروی، ٨٨؛ تدریب، ٢٤١؛ توضیح الافکار، ٢/٢٣٣

جہاں تک ان فقہاء اسلام کا تعلق ہے جنہوں نے حلال و حرام کے بارے میں فتویٰ دیا ہے تو وہ اس کی روایت کو سماع کا درجہ نہیں دیتے۔ یہی رائے امام شافعی، اوزاعی، بوہیسی، مزنی، ابوحنیفہ، سفیان ثوری، احمد بن حنبل، ابن المبارک، یحییٰ بن سعید اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ کی ہے۔ ہم نے اپنے ائمہ کو اسی کا پابند پایا اور انہوں نے یہی رائے اختیار کی اور ہمارا مذہب بھی یہی ہے۔

حافظ ابن الصلاح اسے سماع سے کم درجہ پر رکھتے ہیں۔ (۱) حافظ عراقی اس کی تردید کئے بغیر اسے معتمد قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

و قولی (قلت قد حکوا إجماعهم) ای إجماع اهل النقل، و انما زدت نقل اتفاقهم هنا لأن الشيخ حکى الخلاف المتقدم فى الإجازة و لم يحك هنا الا كونها موازية للسمع أولاً، فأردت نقل اتفاقهم على صحتها، و قد حكاها القاضى عياض فى الالمام بعد أن قال: وهى رواية صحيحة عند معظم الأئمة و المحدثين و سُمى جماعة ثم قال: وهو قول كافة اهل النقل و الأداء و التحقيق من اهل النظر. (۲) و قولی معتمداً هو بفتح الميم و هو تمييز ای صحيحة اعتماداً. (۳)

اور میرا قول کہ انہوں نے اجماع نقل کیا ہے یعنی اہل النقل کا اجماع۔ بلاشبہ میں نے یہاں ان کے اتفاق کو نقل کرنے کا اضافہ کیا ہے اس لیے کہ شیخ (ابن الصلاح) نے اجازت میں مذکورۃ الصدر اختلاف نقل کیا ہے لیکن وہاں صرف یہ بیان کیا کہ وہ سماع کے برابر ہے کہ نہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس کی صحت پر ان کا اتفاق نقل کر دوں۔ قاضی عیاض نے الالمام میں اس پر بات کرتے ہوئے بیان کیا کہ ائمہ و محدثین کی بڑی تعداد کے خیال میں یہ صحیح روایت ہے اور قاضی عیاض نے جماعت کا نام لیا۔ پھر کہا کہ یہی قول ہے اہل نقل و أداء کا اور اصحاب نظر محققین کا۔ اور میرا قول معتمداً بفتح الميم عبارت میں بطور تمييز واقع ہوا ہے یعنی اعتماد کے لحاظ سے یہ صحیح ہے۔

۱- والصحيح ان ذلك غير حال محل السماع وانه منحط عن درجة التحديث لفظاً والأخبار قراءة.

(ابن الصلاح، ۱۲۷)

۲- الالمام، ۸۰

۳- فتح المغيب للعراقي، ۲/ ۲۱۹

حافظ سیوطی نے ابن الاثیر کے حوالے سے اسے سماع سے ارفع قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و نقل ابن الاثیر فی مقدمة جامع الاصول أن بعض اصحاب الحديث جعلها ارفع من السماع ، لان الثقة بكتاب الشيخ مع اذنه فوق الثقة بالسماع منه. (۱)

ابن الاثیر نے جامع الاصول کے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ بعض اصحاب حدیث نے اسے سماع سے ارفع قرار دیا ہے کیونکہ ایک ثقہ شخص کو شیخ کی کتاب سے اس کی اجازت سے حاصل ہو تو وہ اس ثقہ شخص سے بہتر ہے جس نے اپنے شیخ سے صرف سماع کیا ہے۔  
حافظ ابن الاثیر لکھتے ہیں:

و منهم من ذهب إلى أنها أوفى من السماع ، والظاهر أن المناولة أحوط من الإجازة لأن اول درجاتها أنها إجازة مخصوصة محصورة في كتاب بعينه، يعلم الشيخ ما فيه يقيناً أو قريباً من اليقين ، بخلاف الإجازة على أن الشيخ يشترط في المناولة والإجازة البراءة من الغلط والتصحيف. (۲)

کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ یہ سماع سے زیادہ مکمل ہے۔ ظاہر ہے کہ مناوولہ اجازت سے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے اس لیے کہ اس کا کم سے کم درجہ یہ تو ہے کہ ایک مخصوص اجازت ہے جو ایک متعین کتاب میں محصور ہے، جس کے بارے میں شیخ کو یقینی یا یقین کے قریب علم ہے کہ اس میں کیا ہے جب کہ اجازت میں ایسا نہیں ہے۔ اسی لیے کہ مناوولہ اور اجازت میں شیخ شرط لگائے کہ وہ غلطی اور تصحیف سے بری ہے اور روایت حدیث کی شرائط کا التزام ہو۔

۳۔ اور مقرودن بالا جازة کی تیسری صورت کے بارے میں حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ومنها: أن يناول الشيخ الطالب كتابه و يجيز له روايته عنه، ثم يمسكه الشيخ عنده ولا يمكّنه منه ، فهذا يتقاعد عما سبق لعدم احتواء الطالب على ما تحمله و غيبته عنه، و جائز له رواية ذلك اذا ظفر بالكتاب ، أو بما هو مقابل به على وجه يثق معه بموافقته لما تناولته

-۱ تدریب ، ۲۷۱

-۲ جامع الاصول ، ۱ / ۴۴

الإجازة ، على ما هو معتبر في الإجازات المجردة عن المناولة. (۱)

اور مقرون بالا جازہ کی ایک اور قسم یہ ہے کہ شیخ طالب کو کتاب دے اور اس سے روایت کرنے کی اجازت دے پھر شیخ وہ کتاب اپنے پاس رکھ لے اور طالب کے قبضے میں نہ دے۔ یہ صورت پچھلی صورتوں سے کم تر درجے کی ہے، اس لیے کہ طالب نے جو حاصل کیا تھا وہ اس کے قبضے میں نہیں اور اس سے غائب ہے۔ اسے اس کی روایت جائز ہے بشرطیکہ اسے کتاب حاصل ہو جائے یا اس کے سامنے کوئی قابل اعتماد شخص ہو جو اس سے موافقت رکھتی ہو جس کی اسے اجازت ملی کیونکہ مناولہ کے بغیر اجازت میں یہ معتبر طریقہ ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس نوع کے بارے میں بعض لوگوں کی رائے نقل کی کہ اس کی حیثیت مجرد اجازت کی ہوگی۔ هذا مما لا فائدة فيه ، و يبقى مجرد إجازة. (۲) اس میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ مجرد اجازت شمار ہوگی۔ حافظ ابن کثیر مزید لکھتے ہیں:

قلت: أما إذا كان الكتاب مشهوراً، كالبخاري و مسلم، أو شيء من

الكتب المشهورة فهو كما لو ملكه أو أعاره إياه. (۳)

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ مشہور کتاب ہے جیسے بخاری و مسلم یا دیگر کتب مشہورہ میں ہے تو پھر اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے اس نے اس کتاب کو ملکیت میں دیا یا عاریتاً دی۔

۴۔ مقرون بالا جازہ کی ایک اور صورت یہ ہے کہ طالب کوئی تحریر لائے اور شیخ سے کہے کہ یہ آپ کی روایت ہے مجھے اس کی اجازت دیجئے اور شیخ بغیر دیکھے اس کی اجازت دے دے یہ جائز نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاح اسے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و منها أن يأتي الطالب الشيخ بكتاب أو جزءٍ فيقول: هذا روايتك

.. فناولنيه وأجزلي روايته، فيجيبه إلى ذلك من غير أن ينظر فيه و يتحقق

روايته لجميعه، فهذا لا يجوز ولا يصح. فان كان الطالب موثقاً

بخبره و معرفته، جاز الاعتماد عليه في ذلك، و كان ذلك اجازة

جائزة، كما جاز في القراءة على الشيخ الاعتماد على الطالب حتى

۱- ابن الصلاح، ۱۶۷-۱۶۸

۲- الباعث الحثيث، ۱۲۲

۳- ايضاً، ۱۲۲



يكون هو القارئ من الأصل اذا كان موثقاً به معرفة و دينا. (۱) قال الخطيب ابوبكر ولو قال: حدث بما في هذا الكتاب عنى ان كان من حديثي مع براء تى من الغلط و الوهم، كان ذلك جائزاً حسناً. (۲)

مقرون بالا جازہ کی صورتوں میں سے ایک اور صورت یہ ہے کہ طالب شیخ کے پاس کوئی کتاب باجزاء لے کر آئے اور کہے کہ یہ آپ کی روایت مجھے بطریق مناوہ سے روایت کرنے کی اجازت دیں۔ وہ اسے دیکھے بغیر اور اس کی روایت کی تحقیق کئے بغیر اس شخص کی درخواست قبول کر لیتا ہے تو یہ ناجائز اور غیر صحیح ہوگا۔ اگر طالب اپنی خبر اور معرفت کے لحاظ سے ثقہ ہے تو پھر اس بارے میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے جب کہ وہ اصل سے پڑھ رہا ہو اور اس کی معرفت اور دین پر اعتماد کیا جاسکتا ہو۔ ابوبکر خطیب کہتے ہیں کہ اگر اس نے کہا: اس میں جو کچھ میری روایت ہے اسے بیان کیجئے، اس شرط کے ساتھ کہ غلطی اور وہم سے میں بری الزمہ ہوا تو ایسا کرنا جائز اور خوب ہوگا۔

حافظ عراقی نے قاضی عیاض پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

فان ناوله و اجازہ ثم تبين بعد ذلك بنخبر ثقة يعتمد عليه أن ذلك كان من سماع الشيخ أو من مروياته فهل يحكم بصحة المناولة والإجازة السابقتين؟ لم ينص على هذه صريحاً ابن الصلاح، و عموم كلامه يقتضى أن ذلك لا يصح، ولم أرها أيضاً في كلام غيره إلا في عموم كلام الخطيب الآتى، و الظاهر الصحة، لأنه تبين بعد ذلك صحة سماع الشيخ لما ناوله و اجازہ و زال ما كنا نخشى من عدم ثقة المخبر والله أعلم. (۳)

اگر اس نے بطریق مناوہ اجازت دی اور ازاں بعد ثقہ خبر کے ذریعہ، جس پر اعتماد کیا جاتا ہے یہ ظاہر ہوا کہ وہ شیخ کا سماع تھا یا اس کی مرویات میں سے تھا تو کیا سابقہ مناوہ اور اجازت کی صحت کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟ ابن الصلاح نے اس پر صریحاً کچھ نہیں کہا، البتہ ان

- ۱- ابن الصلاح، ۱۲۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۰۔ حافظ عراقی کے ہاں مفہوم یہی ہے لیکن عبارت مختلف ہے۔ انہوں نے قاضی عیاض کے الفاظ کو اپنایا ہے۔ دیکھئے الالمام، ۸۳
- ۲- ایضاً، ۱۲۸؛ الکفایۃ، باب فی وصف نوع الاجازة، ۳۲۸
- ۳- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۰



کے کلام کا عمومی اقتضایہ ہے کہ یہ غیر صحیح ہے اور میں نے بھی کسی دوسرے مصنف کے کلام میں نہیں دیکھا سوائے آگے بیان کردہ خطیب کی رائے (۱) کے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صحیح ہے اس لیے کہ مناوولہ اور اجازت کے بعد واضح ہو گیا کہ شیخ سے سماع درست ہے اور خبر دینے والے کی عدم صحت کا ہمارا خدشہ زائل ہو گیا۔ اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

حافظ عراقی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خطیب کے کلام میں دو صورتیں شامل ہیں کتاب لانے والا یا تو ثقہ معتمد ہے یا غیر معتمد ہے۔ اگر ثقہ ہے تو مناوولہ و اجازت کے ذریعہ روایت درست ہوگی اور اگر غیر موثوق ہے لیکن اجازت کے بعد ثقہ خبر کے ذریعہ ثابت ہو گیا کہ شیخ نے جو عطا کیا تھا وہ اس کی روایات پر مبنی تھا تو اس کی روایت جائز ہو جائے گی۔ (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے قول یفید حیث وقع التبین میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ ابن الصلاح کے کلام سے زاید ہے۔ (۳)

## ۲۔ مناوولہ بدون اجازت

مناوولہ کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اجازت موجود نہ ہو جیسے شیخ کسی طالب کو اپنی تحریر عطا کرے لیکن زبان سے کچھ نہ کہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

الثانی: المناولة المجردة عن الإجازة بأن يناوله الكتاب كما تقدم ذكره أولاً، ويقتصر على قوله: "هذا من حديثي أو من سمعاني" ولا يقول: "اروه عني أو أجزت لك روايته عني" ونحو ذلك، فهذه مناولة مختلة لا تجوز الرواية بها، وعابها غير واحد من الفقهاء والأصوليين على المحدثين الذين أجازوها و سوغوا الرواية بها. وحكى الخطيب عن طائفة من أهل العلم أنهم صححوها وأجازوا الرواية بها. (۴)

دوسری قسم مناوولہ بدون اجازت ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اسے کتاب عطا کرے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور صرف اس بات پر اقتصار کرے کہ یہ میری حدیث یا میری سماعت

۱- خطیب کا قول جسے ابن الصلاح نے نقل کیا ہے جو گذشتہ صفحہ پر مذکور ہے اور جسے حافظ عراقی نے اس عبارت کے بعد درج کیا ہے۔ "لو قال: حدث بما لي هذا الكتاب عني ان كان من حديثي مع براءة من الغلط والوهم كان ذلك جائز احسنا (الكفاية، ۳۲۸)

۲- فتح المغيب للعراقي، ۳/ ۲۲۰

۳- ايضاً، ۳/ ۲۲۰

۴- ابن الصلاح، ۱۲۹؛ فتح المغيب للعراقي، ۳/ ۲۲۱

ہیں اور یہ نہ کہے کہ تم اسے مجھ سے روایت کر دیا میں نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم اسے مجھ سے روایت کرو۔ یا اسی طرح کی کوئی بات کرے یہ مناولہ ہے جس میں خلل واقع ہے اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ کئی فقہاء اور اصولیوں نے اس پر محدثین پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے اور اس سے روایت کو جائز کہا ہے۔ خطیب نے اہل علم کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے صحیح کیا ہے اور اس سے روایت کو جائز قرار دیا ہے۔

امام نووی نے فقہاء کے حوالے سے عدم جواز کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فلا تجوز الرواية بها على الصحيح الذي قاله الفقهاء واصحاب

الأصول، و عابوا المحدثين المجوزين. (۱)

فقہاء اور اصحاب اصول کی رائے کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ اس طریق پر روایت جائز نہیں ہے۔ ان فقہاء و اصولیوں نے جواز کی رائے رکھنے والے محدثین پر تنقید کی ہے۔

حافظ عراقی نے امام نووی کی اس رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ابن الصلاح کی رائے کے خلاف ہے

کیونکہ انہوں نے علی الاطلاق فقہاء کی رائے کا اظہار کیا ہے جب کہ ابن الصلاح نے کچھ فقہاء غیر واحد من الفقہاء کی بات کی ہے۔ (۲) اور پھر اہل اصول کی ایک جماعت کی رائے کے بھی خلاف ہے جو روایت کے اذن بلکہ مناولہ کو بھی شرط نہیں قرار دیتے۔ (۳) حافظ عراقی نے ان اصولیوں میں صاحب الحصول کا ذکر بھی کیا ہے۔ (۴) حافظ ابن الصلاح نے مناولہ بدن اجازت کو بیان کرتے ہوئے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اسے اعلام کے تحت بیان کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں:

و سند ذكر ان شاء الله سبحانه و تعالى قول من أجاز الرواية بمجرد إعلام

الشيخ الطالب أن هذا الكتاب سماعه من فلان. و هذا يزيد على ذلك

و يترجح بما فيه من المناولة، فإنها لا تخلوا من إشعار بالإذن في الرواية. (۵)

اور ہم عنقریب اس شخص کا قول ذکر کریں گے جو اس بات کا قائل ہے کہ اگر شیخ طالب کو

صرف یہ کہے کہ یہ کتاب جس کا سماع فلان شخص سے ہے تو طالب کے لیے روایت کرنا جائز

۱- تقریب مع تدریب، ۲۷۳

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲۲۱/۳

۳- ایضاً، ۲۲۱/۳

۴- فتح المغیث للعراقی، ۲۲۱/۳، تدریب، ۲۷۳؛ توضیح الافکار، ۲۲۱/۲

۵- ابن الصلاح، ۱۶۹

ہے۔ اور یہ اس پر اضافہ ہے اور اس میں مناوہ ہونے کی وجہ سے یہ قابل ترجیح ہے۔ اس لیے کہ یہ روایت کے اذن کا پتہ دینے سے خالی نہیں۔

حافظ عراقیؒ ابن الصلاحؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

نعم مقتضى كلام السيف الآمدى اشتراط الاذن فى الرواية. (۱)

ہاں سیف الآمدی کے کلام کا اقتضاء روایت میں اذن کی شرط ہے۔

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے حافظ ابن حجرؒ کو بھی دیکھ لیا جائے۔ وہ حسب معمول مختصر اور جامع انداز میں مسئلے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واشترطوا فى صحة الرواية بالمناولة اقترا انها بالاذن بالرواية وهى اذا حصل هذا الشرط ارفع انواع الإجازة لما فيها من التعيين والتشخيص ، و صورتها: أن يدفع الشيخ أصله أو ما قام مقامه للطالب، أو يحضر الطالب أصل الشيخ ويقول له فى الصورتين: هذه روايتى عن فلان فاروه عنى. و شرطه ايضا أن يمكنه منه، إما بالتمليك، و إما بالعارية لينقل منه و يقابل عليه، و إلا بأن ناوله و استرد فى الحال، فلا يتبين ارفعيته، لكن لها زيادة مزية على الإجازة المعينة: وهى أن يجيزه الشيخ يرواية كتاب معين، و يعين له كيفية روايته له، و إذا خلت المناولة عن الإذن لم يعتبر بها عند الجمهور و جنح من اعتبرها الى أن مناولته إياه تقوم مقام إرساله إليه بالكتاب من بلد إلى بلد. و قد ذهب إلى صحة الرواية المجردة جماعة من الائمة ولو لم يقترن ذلك بالإذن بالرواية، كأنهم اکتفوا فى ذلك بالقرينة، ولم يظهر لى فرق قوى بين مناولة الشيخ الكتاب من يده للطالب، و بين إرساله إليه بالكتاب من موضع الى آخر، إذا خلا كل منهما عن الإذن. (۲)

اور محدثین نے مناوہ کی صحت کے لیے روایت کے مقرون بالاذن کو شرط قرار دیا ہے۔ جب یہ شرط حاصل ہو جائے تو یہ اجازت کی تمام انواع سے ارفع ہوگی۔ اس لیے کہ اس میں تعین

۱- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۱

۲- نزہة النظر، ۲۲ - ۶۷

بھی ہے اور تشخیص بھی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی روایت کی اصل یا قائم مقام تحریر طالب کو دے یا طالب شیخ کے سامنے پیش کرے اور شیخ دونوں صورتوں میں کہے کہ یہ فلاں شخص سے میری روایت ہے تم اسے مجھ سے روایت کرو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ شیخ اسے طالب کی ملکیت میں دیدے یا عاریتاً دے تاکہ وہ اس سے نقل کر کے مقابلہ کر لے۔ اور اگر اس نے عطا کی اور اسی وقت واپس لے لی تو اسے معینہ اجازت کی کوئی برتری حاصل نہیں ہوگی۔ معین اجازت یہ ہے کہ شیخ ایک معین کتاب کی روایت کی اجازت دے اور اس کے لیے روایت کی کیفیت بھی متعین کر دے۔ جب مناوہ کے ساتھ اجازت نہ ہو تو جمہور کے نزدیک وہ غیر معتبر ہے۔ اور جنہوں نے اسے معتبر مانا ان کا میلان اس طرف تھا کہ مناوہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں کتاب بھیجنے کے قائم مقام ہے اور ائمہ کی ایک جماعت نے مجرد مکاتبت سے روایت کو صحیح قرار دیا ہے خواہ وہ مقتنون بلاذن نہ ہو گویا انہوں نے قرینہ پر اکتفا کیا ہے۔ میرے نزدیک، اگر اجازت موجود نہیں تو شیخ کے طالب کو کتاب دینے اور کسی دوسری جگہ پر کتاب بھیجنے کی دونوں صورتوں میں کوئی بڑا فرق نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مقرون بالاجازة ارفع انواع اجازت ہے۔



## المکاتبہ

### تعریف

مکاتبہ کے معنی باہمی کتابت کے ہیں لیکن محدثین کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ خود لکھ کر یا کسی سے اپنی مرویات لکھوا کر حاضر یا غیر موجود شاگرد کو عطا کرے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهی أن یکتب الشیخ إلی الطالب وهو غائب شیئاً من حدیثه بنخطه  
أو یکتب له ذلك وهو حاضر. ویلتحق بذلك ما إذا أمر غیره بأن  
یکتب له ذلك عنه إلیه. (۱)

مکاتبہ یہ ہے کہ شیخ اپنی حدیث میں سے کوئی شے اپنے خط میں اس طالب کے لیے لکھے جو  
غیر موجود ہو یا اس کے لیے لکھے جو حاضر ہو۔ اس کے ساتھ وہ ملحق ہے جب اس نے کسی  
دوسرے سے کہا کہ وہ اس کی طرف سے اس کے لیے لکھ دے۔

امام نوویؒ سے امیر الصنعانیؒ تک الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ یہی بات کہی گئی ہے۔ مثلاً امام نوویؒ لکھتے ہیں:

هی أن یکتب الشیخ مسموعه لحاضر أو غائب بنخطه أو بأمره. (۲)  
اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ اپنی مسموعات اپنے خط سے لکھ کر یا اپنے حکم سے لکھوا کر کسی حاضر یا  
غائب کو دے۔

حافظ عراقیؒ لکھتے ہیں:

هی أن یکتب الشیخ شیئاً من حدیثه بنخطه، أو یأمر غیره فیکتب عنه  
یأذنه، سواء أکتبه أم کتب عنه إلی غائب عنه أو حاضر عنده. (۳)  
مکاتبہ یہ ہے کہ شیخ اپنی حدیث میں سے کوئی اپنے خط میں لکھے یا کسی اور کو کہے کہ وہ اس کے  
لیے اس کی اجازت سے لکھے۔ وہ خود لکھے یا کوئی اس کی طرف سے لکھے اور یہ کسی غائب کے لیے  
ہو یا اس کے لیے جو اس کے ہاں حاضر ہو۔ یہ سب برابر ہیں اور ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۱- ابن الصلاح، ۱۷۳

۲- تقریب مع تدریب، ۲۷۷

۳- فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۲۳

امیر صنعانی نے حافظ عراقی کی عبارت کو بنیاد بناتے ہوئے لکھا:

المكاتبة عبارة عن أن يكتب الشيخ للطالب الذي يريد أن يروى عنه،  
أو يأذن لغيره أن يكتب عنه، سواء أكان الطالب حاضراً في مجلس  
الشيخ، أو غائباً عن مجلسه. (۱)

مکاتبت سے مراد یہ ہے کہ شیخ اس طالب کے لیے جو اس سے روایت کرنا چاہتا ہے کچھ لکھے  
یا کسی اور کو اجازت دے کہ وہ اس کی طرف سے لکھے۔ اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ طالب  
شیخ کی مجلس میں حاضر ہے یا اس کی مجلس سے غائب ہے۔

ان ساری تعریفات پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مولفین نے اختصار و تفصیل کے ساتھ  
اسی بنیادی بات کو بیان کیا ہے جسے ابن الصلاح نے اپنے انداز سے بیان کیا۔ بہر کیف مکاتبت تحمل علم کا ایک اہم  
ذریعہ ہے۔

## اقسام اور ان کی حیثیت

مکاتبت کی دو قسمیں ہیں۔ مکاتبت بغیر اجازت اور مکاتبت مقترن بالاجازة (۲)  
مقترن بالاجازہ یہ ہے کہ شیخ طالب کی طرف یہ الفاظ لکھے۔

أجزت لك ما كتبه لك أو ما كتبت به إليك أو نحو ذلك من عبارات  
الإجازة. (۳)

جو کچھ میں نے تیرے لیے لکھا ہے، میں نے تجھے اس کی اجازت دی۔ یا جو کچھ میں نے  
تیری طرف لکھا ہے یا اسی نوعیت کی عبارتیں جو اجازت کے لیے لکھی جاتی ہیں۔

جہاں تک اس کی حیثیت کا تعلق ہے تو یہ صحت اور قوت کے لحاظ سے مناوہ مقرونہ بالاجازہ کے مماثل ہے۔  
حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

أما المكاتبة المقرونة بلفظ الإجازة فهي في الصحة والقوة شبيهة  
بالمناولة المقرونة بالإجازة. (۴)

۱- توضیح الافکار، ۲/ ۳۳۸

۲- ابن الصلاح، ۱۷۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۲؛ المنہل الروی، ۸۹-۹۰؛ تقریب مع تدریب، ۲۷۷؛

توضیح الافکار، ۲/ ۳۳۸

۳- ابن الصلاح، ۱۷۳

۴- ایضاً، ۱۷۳

امیر صنعانی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں:

الاول (۱): المكاتبه المقرونة بالإجازة... فحكمه حكم المناولة المقترنة بالإجازة، وقد اسلفنا لك بيان اختلاف العلماء في أنها أعلى من السماع أو مثله أو دونه، وهذا الخلاف بعينه يجرى ههنا أيضاً. (۲)

مکاتبہ کی پہلی قسم مقرون بالا جازہ ہے۔۔۔ اس کا حکم مناولہ مقرونہ بالا جازہ کا ہے۔ اور ہم اس سے پہلے اس کے بارے میں علماء کا اختلاف بیان کر آئے ہیں کہ یہ سماع سے اعلیٰ ہے، مساوی ہے یا کم ہے۔ یہی اختلاف بعینہ یہاں بھی جاری ہے۔

### مکاتبت بدون اجازت

ابن الصلاح نے اسے قسم اول قرار دیا ہے جب کہ حافظ عراقی اور ان کے تبعین نے اسے دوسری قسم قرار دیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ اپنی حدیث میں سے کوئی شے لکھ کر دے یا غیر موجود کو بھیجے لیکن اس میں اجازت کے الفاظ شامل نہ ہوں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

وهو ما اذا اقتصر على المكاتبه (۳)

اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ صرف مکاتبت پر اکتفا کرے۔

اس کی حیثیت کے بارے میں علماء کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے جب کہ علماء کی ایک بڑی تعداد اسے صحیح سمجھتی ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

فقد اجاز الرواية بها كثير من المتقدمين و المتأخرين ، منهم ايوب السخيتاني (۴) ، منصور (۵) والليث بن سعد (۶) و قاله غير واحد من

- ۱- حافظ ابن الصلاح نے اقسام بیان کرتے ہوئے مجرد مکاتبت کو پہلے ذکر کیا جب کہ حافظ عراقی نے مقرون بالا جازہ کو پہلے بیان کیا ہے۔ امیر صنعانی نے عراقی کا تتبع کیا ہے۔ دیکھئے ابن الصلاح ، ۱۷۳؛ عراقی ، ۲۲۳/۳؛ توضیح الافکار ، ۲۳۸/۲
- ۲- توضیح الافکار ، ۲۳۸/۲
- ۳- ابن الصلاح ، ۱۷۳؛ فتح المغیث ، ۲۲۳/۳؛ فتح المغیث للسخاوی ، ۱۴۰/۲
- ۴- ابو بکر ایوب السخیتانی البصری (م ۱۳۱ھ) اپنے زمانے کے ممتاز فقہاء میں شمار ہوتا تھا۔ تقریباً آٹھ سو (۸۰۰) احادیث روایت کیں۔ تہذیب التہذیب ، ۱/۳۶۱-۳۶۲؛ سیر اعلام ، ۱۵/۶
- ۵- منصور بن المعتمر ابو عتاب السلمی الکونی (م ۱۳۳ھ) کوفہ کے چوٹی کے حفاظ اور اتقیاء میں شمار ہوتا تھا۔ ثقہ محدث تھے۔ طلب علم کے لیے سفر کیے۔ ان کے شاگردوں میں سفیان ثوری قاضی شریح کے نام نمایاں ہیں۔ الجرح ، ۱/۱۷۷؛ شذرات ، ۱۸۹/۱؛ سیر اعلام ، ۳۰۲/۵
- ۶- اللیث بن سعد ابو الجارث المصری (م ۱۷۵ھ) ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ ازاں بعد طالبان علم کی ایک کثیر تعداد کو فیض پہنچایا۔ مصر کے ثقہ محدث اور ممتاز فقیہ تھے۔ اہل مصر کو ان پر بڑا فخر تھا۔ مصر کے قاضی رہے۔ التاریخ الکبیر ، ۱/۳۶۱؛ تاریخ بغداد ، ۳/۱۳؛ تہذیب ، ۴/۳۵۹؛ تذکرۃ الحفاظ ، ۱/۲۲۳؛ سیر اعلام ، ۱۳۷/۸



الشافعيين، و جعلها أبو المظفر السمعاني (۱) منهم أقوى من الإجازة.  
 وإليه صار غير واحد من الأصوليين (۲)  
 متقدمين ومتأخرين میں سے ایک بڑی تعداد نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ ان میں ایوب  
 السخنیانی، منصور اور لیث بن سعد شامل ہیں۔ کئی شوافع علماء نے یہی رائے ظاہر کی ہے۔  
 أبو المظفر السمعانی نے اسے مطلق اجازت سے زیادہ قوی قرار دیا ہے اور کئی اصولی علماء نے  
 یہی رائے اختیار کی ہے۔

جو لوگ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأبى ذلك قوم آخرون، وإليه صار من الشافعيين القاضي

الماوردی (۳)، وقطع به فی کتابه الحاوی. (۴)

دوسرے لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے اور یہی موقف ہے قاضی الماوردی کا جسے انہوں نے  
 قطعیت کے ساتھ اپنی کتاب الحاوی میں لکھا ہے۔

حافظ عراقی اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال السيف الأمدى: لا يرويه الا بتسليط من الشيخ كقوله فاروه  
 عنى أو أجزت لك روايته، و ذهب ابن القطان إلى انقطاع الرواية  
 الكتابة قاله عقب حديث جابر بن سمرة المذكور؛ ورد ذلك عليه أبو

عبدالله بن الموفق (۵)

- ۱- أبو المظفر السمعاني منصور بن محمد التميمي الروزي (م ۲۸۹ھ) حدیث کے سنجیدہ طالب علم تھے۔ اپنے علم و فضل کی بنا پر معاصرین پر  
 فائق سمجھے جاتے۔ صاحب تصنیف تھے۔ حدیث، فقہ اور تفسیر پر کتب مرتب کیں۔ وفیات الأعیان، ۲۱۱/۳، العبر، ۳۲۶/۳،  
 سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۱۳
- ۲- ابن الصلاح، ۱۷۳؛ حافظ عراقی نے ان اصولیین میں صاحب المحصول (امام رازی) کا نام بھی دیا ہے۔ تقریب مع  
 تدریب، ۲۷۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۲۲۳/۳
- ۳- الماوردی علی بن محمد الشافعی (م ۲۵۰ھ) اپنے وقت کے ممتاز فقیہ اور تبحر عالم تھے۔ مختلف علاقوں کے قاضی رہے۔ صاحب تصانیف  
 تھے۔ فقہ، تفسیر، اصول فقہ اور ادب پر تالیفات چھوڑیں۔ شافعی مسلک کے وائے و محافظ تھے، تاریخ بغداد، ۱۰۲/۱۳؛  
 شذرات الذهب، ۳/۲۸۵؛ سیر اعلام، ۱۸/۶۲
- ۴- ابن الصلاح، ۱۷۳
- ۵- محمد بن الحسین بن علی بن موفی ابو عبد اللہ اندلسی (م ۲۶۶ھ) عالم قراءت تھے۔ میروق کے ایک عرصے تک خطیب رہے۔  
 الاعلام، ۱۰۱/۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۲۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۹

سیف الآمدی کہتے ہیں کہ وہ شیخ کے حکم کے بغیر روایت نہیں کر سکتا مثلاً شیخ کہے:

”مجھ سے روایت کرو“ یا ”میں نے تمہیں اس کی روایت کی اجازت دی ہے۔“ ابن القطان روایت الکتبہ کو منقطع قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے جابر بن سمرہ کی مذکورہ روایت کے آخر میں کہا ہے اور ابو عبد اللہ الموفق نے اس کا رد کیا ہے۔

بعض فقہاء محدثین نے اس مسئلہ میں شدت اختیار کی ہے اور مجرد مکاتیبہ کو نا کافی قرار دیتے ہوئے مقرون بالا جازہ کی شرط لگائی ہے۔ تاہم اکثر محدثین کی رائے کو صحیح قرار دیتے ہوئے حافظ ابن الصلاحؒ لکھا:

والمذہب الأول هو الصحيح المشهور بين أهل الحديث، و كثيراً ما يوجد في مسانيدهم و مصنفاتهم قولهم: و ”كتب إلى فلان“، قال:

”حدثنا فلان“ و المراد به هذا. و ذلك معمول به عندهم معدود في المسند الموصول، و فيها اشعار قوی بمعنى الإجازة. فهي وإن لم تقترن بالإجازة لفظاً فقد تضمنت الإجازة معنى. (۱)

اور پہلی رائے ہی صحیح ہے اور اصحاب حدیث کے ہاں مشہور بھی ہے، ان کی مسانید اور مصنفات میں جو یہ قول بکثرت پایا جاتا ہے کہ ”فلان شخص نے میری طرف لکھا“ یا ”ہم سے فلان شخص نے حدیث بیان کی۔“ تو اس سے یہی ہرگز ہوتا ہے اور یہ ان کے ہاں معمول ہے اور اسے مسند موصول شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں اجازت کا قوی اشارہ ہے۔ گو لفظ اجازت شامل نہیں ہوتا تاہم یہ معنی اجازت کو متضمن ہوتا ہے۔

احمد محمد شاہر کے بقول:

والمكاتبة مع الإجازة أرجح من المناولة مع الإجازة، بل أرى أنها أرجح من السماع و أوثق، وأن المكاتبة بدون إجازة أرجح من المناولة بالإجازة، أو بدونها. (۲)

مکاتبت مع اجازة، مناولة مع الاجازة سے زیادہ قابل ترجیح ہے بلکہ میری رائے میں وہ سماع سے زیادہ راجح اور اوثق ہے۔ اور مکاتبت بدون اجازت مناولة بالا جازہ اور بدون اجازت سے زیادہ قابل ترجیح ہے۔

۱- ابن الصلاح، ۱۷۳؛ تقریب مع تدریب، ۲۷۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۳؛ الباعث الحثیث، ۱۱۵؛ فتح

المغیث للسخاوی، ۶/۳

۲- الباعث الحثیث، ۱۲۳

اس کے جواز پر خطیب سے لے کر سیوطی تک سب نے وہ روایات نقل کی ہیں جن سے کتابت ثابت ہوتی ہے۔ (۱) حافظ سیوطی نے اپنے ملخص بیان میں ان تمام روایات کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں حافظ سخاوی نے مفصل بیان کیا ہے۔ ہم ذیل میں حافظ سیوطی کا اقتباس نقل کرتے ہیں جو مسئلہ کی وضاحت کے لیے کافی ہے:

قلت: وهو المختار، بل أقوى من أكثر صور المناولة، وفي صحيح البخاري في الأيمان والنذور (۲) "وكتب الي محمد بن بشار"، وليس فيه بالمكاتبه عن شيوخه غيره وفيه وفي صحيح مسلم احاديث كثيرة، في اثناء السند، منها ما اخرجاه عن وراذ (۳) قال: كتب معاوية إلى المغيرة أن اكتب الي ما سمعت من رسول اليه فكتب اليه الحديث في القول عقب الصلوة. (۴) واخرجا عن ابن عون قال: كتبت الي نافع فكتب الي ان النبي أغار على بني المصطلق، ..... الحديث (۵) واخرجا عن سالم ابى النضر عن كتاب رجل من أسلم من اصحاب النبي، كتب الي عمر بن عبيدالله حين سار إلى الحرورية يخبره بحديث: لا تمنوا بلقاء العدو (۶) واخرجا عن هشام قال: كتب الي يحيى بن ابى كثير عن

- ۱- الكفاية، ۳۳۶-۳۳۲؛ المحدث الفاضل المحدث الفاضل، ۳۳۳-۳۳۷، ۳۳۸-۳۳۹؛ تدريب الراوي، ۲۷۸؛ فتح المغيب للسخاوي، ۳/۳-۷
- ۲- بخاري، الجامع كتاب الأيمان، باب اذا حنت ناسياً و قول الله تعالى..... ۲۷۷/۷
- ۳- وراذ ابوسعيد الخدري، مغيرة الكوفي، مغيرة کے کاتب اور ان کے مولیٰ تھے۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/۱۰
- ۴- مغيرة بن شعبه نے جواب میں لکھا کہ حضور اکرم ﷺ فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے: لا اله الا الله وحده لا شريك له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد. بخاري الجامع، كتاب الصلاة؛ باب الذكر بعد الصلاة، ۱/۲۰۵؛ مسلم، الجامع، كتاب الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، ۲/۹۵
- ۵- ان النبي ﷺ اغار على بني المصطلق وهم غارون وانعامهم تسقى على الماء فقتل مقاتلتهم و سبي ذراريتهم واصاب يومئذ جويزيه. بخاري، الجامع، كتاب العتق، باب من ملك من العرب رقيقاً، ۳/۳۲؛ مسلم، الجامع، كتاب الجهاد، باب جواز الاغارة على الكفار، ۵/۳۹؛ ابو داؤد، كتاب الجهاد، باب في دعاء المشركين، ۱/۹۷؛ مسند احمد، ۲/۲۱، ۳۲، ۵۱
- ۶- ان رسول الله في بعض ايامه التي لقي فيها العدو قال: يا ايها الناس! لا تمنوا لقاء العدو واسألوا الله العاقبة، فاذا لقيتموهم فاصبروا واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف. ابو داؤد، كتاب الجهاد، باب في كراهية تمنى لقاء العدو، ۳/۹۶؛ بخاري، الجامع كتاب الجهاد، باب لا تمنوا لقاء العدو، ۳/۲۳، ۲۳؛ مسلم، الجامع، كتاب الجهاد، باب كراهية تمنى لقاء العدو، ۵/۱۳۳

عبدالله بن ابی قتادة عن ابیه مرفوعاً: اذا اقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى ترونى. (۱) و عند مسلم حديث عامر بن سعد (۲) بن ابی وقاص قال: كتبت الى جابر بن سمرة مع غلامى نافع (۳) ان اخبرنى بشئ سمعته من رسول الله ﷺ قال: فكتب الى سمعت من رسول الله ﷺ. يوم جمعة عشية رجم الاسلامى فذكر الحديث. (۴)

میں کہتا ہوں کہ یہی مختار قول ہے بلکہ یہ طریقہ روایت مناولہ کی اکثر صورتوں سے زیادہ قوی ہے بخاری کی کتاب الایمان و النذور میں ہے: انہوں نے محمد بن بشار کو لکھا اور اس میں اپنے شیوخ سے مکاتبت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ اس میں اور صحیح مسلم میں سند میں مکاتبت کی بہت سی احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک دراد کی حدیث ہے جسے دونوں نے تخریج کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ وہ اسے وہ حدیث لکھے جو اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ سو مغیرہ نے وہ حدیث لکھ کر بھیجی جو نماز کے بعد پڑھی جانے والی دعا سے متعلق ہے۔ بخاری و مسلم نے ابن عمون سے نقل کیا ہے کہ اس نے نافع کو لکھا اور اس نے بنی المصطلق پر حملے کی روایت لکھ بھیجی اور انہوں نے ہی سالم ابو النصر سے قبیلہ اسلم کے ایک صحابی کی حدیث نقل کی ہے کہ اس نے عمر بن عبید اللہ کو جب وہ الحردریہ کی طرف مہم پر جا رہے تھے تو حضور اکرم ﷺ کی حدیث سے مطلع کیا کہ دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو۔ اور بخاری و مسلم نے ہشام سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے عبد اللہ بن ابی قتادہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب نماز قائم ہو جائے تو اس وقت تک نہ کھڑے ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو“۔ اور مسلم کے ہاں عامر بن سعد بن ابی وقاص کی حدیث ہے کہ جابر بن سمرة کو اپنے غلام کے ساتھ لکھ بھیجا کہ مجھے اس شے کی خبر دو جو تم نے

- ۱- بخاری، الجامع، کتاب الاذان، باب منی يقوم الناس اذا راوا الامام عند الاقامة، ۱/۱۵۷؛ کتاب الجمعة، باب المشی الى الجمعة ۱/۲۱۸؛ مسلم، الجامع، کتاب المساجد، باب منی يقوم الناس للصلوة، ۲/۱۰۱
- ۲- عامر بن سعد بن ابی وقاص الزہری المدنی (م ۱۰۴ھ) اپنے والد، عثمان اور عباس بن عبد المطلب وغیرہم سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے داؤد اور یحییٰ بن اسماعیل بن محمد اشعث بن اسحاق نے روایت کی۔ المعجلی کہتے ہیں: مدنی تابعی ثقة۔ تہذیب التہذیب، ۵/۵۶؛ میر اعلام، ۳/۳۴۹۔
- ۳- نافع مولیٰ عامر بن سعد بن ابی وقاص، جابر بن سمرة سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عامر بن سعد۔ کتب رجال میں زیادہ تذکرہ نہیں ملتا۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/۳۷۰؛ التاریخ الکبیر، ۳/۸۱/۱۱/۳
- ۴- تدریب، ۲۷۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۲۳-۲۲۵؛ فتح المغیث السخاوی، ۳/۱۱۰؛ مسند احمد، ۵/۸۹

رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو تو انہوں نے لکھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جمعہ کے روز جس شام اسلمی کو رجم کیا گیا یہ سنا اور پھر حدیث کو ذکر کیا۔  
حافظ سخاوی اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و استدلال له البخاری بحديث ابن عباس قال: بعث رسول الله بكتابه  
رجالاً، وأمره أن يدفعه الى عظيم البحرين، فدفعه عظيم البحرين الى  
كسرى و بحديث انس: كتب النبي ﷺ كتاباً أو أوردان يكتب..... وقد  
صارت كتب النبي ﷺ دينا يبدان بها و العمل بها لازم للخلق،  
و كذلك ما كتب به ابوبكر و عمر و غيرهما من الخلفاء الراشدين  
فهو معمول به، ومن ذلك كتاب القاضي إلى القاضي، يحكم به  
ويعمل به. (۱)

بخاری نے ابن عباس کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط کے ساتھ ایک آدمی بھیجا اور اسے کہا کہ اس خط کو بحرین کے حکمران کو دے دیں اور اس نے اسے کسریٰ کو پیش کر دیا۔ انسؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خط لکھایا ارادہ کیا کہ خط لکھیں۔ نبی ﷺ کے خطوط ایک اسوہ بن گئے جن کی پیروی کی گئی اور لوگوں کے لیے اس پر عمل لازم ہو گیا۔ اسی طرح جو کچھ خلفاء راشدین نے لکھا وہ معمول بہ ہو گیا۔ اسی طرح ایک قاضی کا مکتوب دوسرے قاضی کے لیے حیثیت رکھتا ہے جس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے اور جس پر عمل کرتا ہے۔

### مکاتبت سے روایت کی حیثیت

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ طالب کے پاس شیخ کی کتاب سے روایت جائز ہے بشرطیکہ دلیل کے ساتھ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ شیخ ہی کی کتاب ہے اور شیخ نے اس کے لیے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور اس کے حکم سے لکھا گیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مکاتبت ثابت ہو جائے گی۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر دلیل نہیں ہے لیکن طالب شیخ کے خط کو پہچانتا ہے تو کیا خط کی معرفت کافی ہوگی؟ امام غزالی اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ کافی نہیں ہے۔ ان کی رائے میں ایک خط دوسرے خط سے مشابہ ہو سکتا ہے اس لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا لیکن محققین علماء کی رائے ہے کہ خط کی معرفت کافی دلیل ہے اور اس سے زیادہ کچھ طلب نہیں کیا جائے گا۔ (۲)

۱- فتح المغیث للسخاوی، ۳/۹-۱۰؛ الکفایة، ۳۳۵

۲- توضیح الافکار، ۲/۳۳۹

حافظ ابن الصلاح اس نقطہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم يكفى في ذلك أن يعرف المكتوب إليه خط الكاتب و إن لم تقم  
البينة (١) عليه. ومن الناس من قال: الخط يشبه الخط فلا يجوز  
الاعتماد على ذلك، وهذا غير مرضى، لأن ذلك نادر و الظاهر أن  
خط الإنسان لا يشبه بغيره ولا يقع فيه إلباس. (٢)

اس سلسلے میں یہ کافی ہے کہ مکتوب الیہ لکھنے والے کے خط کو پہنچانے اگرچہ اس پر کوئی دلیل قائم نہ  
کی گئی ہو۔ اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کہا کہ ایک خط دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے  
اس لیے اس پر اعتماد کرنا جائز نہیں لیکن یہ ناپسندیدہ بات ہے کیونکہ ایسا نادر ہوتا ہے۔ ظاہر یہ ہے  
کہ ایک انسان کا خط دوسرے کے خط سے نہیں ملتا اور اس میں کوئی التباس نہیں واقع ہوتا۔

حافظ سخاوی اس نقطے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكذا قال ابن ابي الدم: ذهب بعض المحدثين وغيرهم إلى أنه لا  
يجوز الاعتماد على الخط من حيث أن الخط يتشابه أخذاً من الحاكم  
في أنه لا يجوز له العمل بما يرد عليه من المكاتبات الحكمية من قاض  
آخر إذا عرف الخط على الصحيح، وهذا وإن كان له اتجاه في  
الحكم، فالأصح الذي عليه العمل. يعني سلفاً و خلفاً هنا جواز  
الاعتماد على الخط لأنه صلى الله عليه وسلم كان يبعث كتبه إلى  
عماله فيعملون بها و اعتمادهم على معرفتها. (٣)

ابن ابی الدم کا بھی یہی قول ہے: بعض محدثین وغیرہ اس جانب گئے ہیں کہ خط پر اعتماد جائز  
نہیں کیونکہ خط میں مشابہت پائی جاسکتی ہے۔ حاکم کے فیصلے سے اخذ کرتے ہوئے کہ اس  
کے لیے مکاتبات حکمیہ جو دوسرے قاضی کی طرف سے وارد ہوتی ہیں عمل جائز نہیں اگر وہ صحیح  
طور پر خط کو نہ پہچان سکے اور یہ اگر حکم کے سلسلے ایک اتجاه ہے تاہم زیادہ صحیح جس پر سلف۔  
و خلف کا عمل ہے وہ خط پر اعتماد کا جواز ہے اس لیے نبی کریم ﷺ اپنے عمال کو مکتوب بھیجتے  
تھے اور اس کی معرفت کے اعتماد پر عمل کرتے تھے۔

١- حافظ سخاوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وإن لم تقم البينة عليه برؤيته و هو يكتب ذلك؛ أو

بالشهادة عليه أنه خطه، أو بمعرفة أنه خطه، للتوسع في الرواية. فتح المغيب، ١٢/٣

٢- ابن الصلاح، ١٤٣؛ فتح المغيب للسخاوي، ١٢/٣؛ تقريب مع تدریب، ٢٤٨

٣- فتح المغيب، ١٢/٣-١٣



خطیب نے ان سب سے پہلے اس مسئلے پر اپنی رائے واضح کر دی تھی۔ اجازت کے حوالے سے ان کے ہاں مفصل بحثیں ہیں۔ بعد میں آنے والوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

حدثنا مسكين بن بكير عن شعبة قال: كتب إلي منصور بحديث ثم لقيته فقلت: احدث به عنك؟ قال: اوليس اذا كتبت إليك فقد حدثتك، قال ثم لقيت أيوب السخثياني فسألته، فقال مثل ذلك. (قال الخطيب) و أستحب أن يكون الكتاب بخط الراوي ولا يلزمه ذلك بل ان امر غيره أن يكتب عنه و يقول في الكتاب و كتابي هذا إليك بخط فلان ويسميه جاز، وهذا كله من باب الاستيناق فان فعل كان أثبت، و ان لم يذكر في الكتاب اسم الكاتب له جاز، و المقصود أن يثبت عند المكاتب ان ذلك الكتاب هو من الراوي تولاہ بنفسه أو امر غيره بكتبه عنه (۱)

مسکین بن بکیر شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: منصور نے مجھے ایک حدیث لکھ کر بھیجی پھر میں اس سے ملا تو کہا: کیا میں آپ سے وہ حدیث روایت کروں؟ تو کہنے لگے: کیا ایسا نہیں تھا کہ جب میں نے آپ کو لکھا تھا تو گویا حدیث بیان کی تھی؟ وہ کہتے ہیں کہ پھر میں ایوب السخثیانی کو ملا اور ان سے سوال کیا تو انہوں نے بھی ایسی ہی بات کی۔ خطیب کہتے ہیں کہ میں پسند کرتا ہوں کہ کتاب راوی کے خط میں لکھی ہوئی ہو اور یہ ضروری بھی نہیں بلکہ اگر وہ کسی اور کو اپنی طرف سے لکھنے کا حکم دے اور کتاب میں یہ کہے: میری یہ کتاب تمہارے لیے ہے اور فلاں شخص کے خط میں ہے۔ اور اگر اس کا نام لکھے تو جائز ہے۔ یہ سب کچھ کے زمرہ میں آتا ہے، اگر ایسا کرے تو زیادہ مضبوط بات ہوگی۔ اور اگر کتاب میں کاتب کا نام نہ لکھے تو بھی جائز ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مکاتب کے ہاں یہ بات ثابت ہو جائے کہ کتاب راوی کی طرف سے ہے اور اس نے خود مرتب کی ہے۔ یا کسی اور کو کہا ہے کہ اس کی طرف سے لکھے۔

ہماری رائے میں اسی موضوع پر لطیف بات امیر صنعانی کی ہے۔ وہ اس نقطہ پر مختلف آراء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:



والذی یخطر للعبد الفقیر غفر اللہ له أن هذا یختلف باختلاف الناس، فان بعضهم دقیق الملاحظة قوی العارضة یستطیع ان یدرك الفرق بین الخطوط المتقاربة، و بعضهم علی العکس من ذلك کله: فمن کان فی المنزلة الاولى ساغ له أن یعتمد علی معرفة الخط، و من کان فی المنزلة الثانية لم یکفه ذلك، و إذا علمت هذا تبین لك ان الخلاف بین الغزالی و من لم یأخذ برأیه انما هو اختلاف فی احوال الناس و اقتدارهم و ليس خلافاً فی جوهر الموضوع. (۱)

بندہ فقیر غفر اللہ لہ کے دل میں جو بات آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اختلاف لوگوں کی طبائع کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ کچھ لوگ گہری نظر والے اور عبارتوں کا مقابلہ کرنے میں قوی ہوتے ہیں وہ اس بات کی استطاعت رکھتے ہیں کہ خطوط متقاربہ میں فرق معلوم کر سکیں۔ اور بعض لوگ مکمل طور پر اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ سو جو شخص پہلے مرتبے کا ہے اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ خط کی معرفت پر اعتماد کرے اور جو دوسرے مرتبے میں ہے اس کے لیے یہ کافی نہیں۔ جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا تو تم پر واضح ہو گیا ہو گا کہ غزالی اور ان سے مختلف رائے رکھنے والے لوگوں میں اختلاف لوگوں کے احوال اور ان کی مہارت و قدرت کا ہے جو ہر موضوع میں اختلاف نہیں ہے۔

## الفاظ ادا

مکاتبت کے ضمن ایک اہم بحث کہ اس طریق روایت میں کون سے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ کیا صرف حدثنا اور اخبارنا کہا جائے یا کتابۃ کا لفظ ساتھ ملا یا جائے۔ اس سلسلے میں دو آراء ہیں ایک یہ کہ تحدیث و اخبار کا اطلاق جائز ہے اور دوسرا یہ کہ اخبار کا استعمال درست ہے تحدیث کا استعمال درست نہیں ہے۔ (۲) حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم ذهب غیر واحد من علماء المحدثین و اکابرهم، منهم الیث بن سعد (۳)

۱- توضیح الافکار، ۲/ ۳۳۹

۲- ایضاً، ۲/ ۳۳۹

۳- دیکھیے کتاب ہذا: صفحہ ۲۳۲، حاشیہ ۶،

و منصور (۱) الی جواز اطلاق ”حدثنا و أخبرنا“ فی الروایة بالمکاتبة، و المختار قول من يقول فیها ”کتب الی فلان: قال: حدثنا فلان بكذا و کذا“۔ و هذا هو الصحيح الاثق بمذهب أهل التحری و النزاهة، و هكذا

لو قال: أخبرنی به مکاتبة، أو کتابة“ و نحو ذلك من العبارات. (۲)

اکابر علماء محدثین میں سے بشمول لیث بن سعد اور منصور کئی ایک اس طرف گئے ہیں کہ روایت بالمکاتبة میں حدثنا اور أخبرنا کا اطلاق جائز ہے اور مختار قول یہ ہے کہ راوی کہے: ”فلاں شخص نے میری طرف لکھا۔“ کہا: ”فلاں شخص نے ہم سے اس طرح یا ایسے حدیث بیان کی۔“ یہی صحیح ہے اور اہل تحقیق و تقویٰ کے مذہب سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس طرح اگر وہ کہے: ”مجھے اس نے بذریعہ مکاتبت یا کتابت خبر دی ہے یا اسی طرح کی عبارات استعمال کرے۔“

امام حاکم کہتے ہیں:

الذی اختاره و عهدت علیه اکثر مشائخی و ائمة عصری أن يقول فیما کتب الیه المحدث من حدیثه و لم یسأله بالإجازة، کتب الی فلان. (۳)  
جو رائے میں نے اختیار کی ہے اور جس پر اپنے اکثر مشائخ اور ائمہ عصر کو پایا وہ یہ ہے کہ جب محدث اپنی حدیث میں سے کوئی شے اسے لکھ دے اور زبانی اجازت نہ دے تو اس پر اسے یہ کہنا چاہیے کہ ”فلاں شخص نے میری طرف لکھا۔“

قاضی عیاض ذرا زیادہ وضاحت سے لکھتے ہیں:

وقد استمر عمل السلف فمن بعدهم من المشائخ بالحدیث بقولهم:  
کتب الی فلان قال: أخبرنا فلان، و أجمعوا علی مقتضى هذا التحدیث  
و عدوه فی المسند بغير خلاف يعرف فی ذلك. و هو موجود فی  
الأسانید کثیر (۴)

- ۱- منصور بن المعتمر البوعتاب السلمی الکوفی (م ۱۳۳ھ) اپنے وقت کے اجل علماء سے سماع کیا۔ اہل علم کی ایک کثیر تعداد نے ان کی مجالس علمی میں شرکت کی۔ حافظ و ضابط اور ثقہ محدث تھے۔ سفیان ثوری نے ان سے احادیث کی کثیر تعداد کا سماع کیا۔  
التاریخ الکبیر، ۳/۱/۳۳۶؛ طبقات ابن سعد، ۶/۳۳۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۵/۲۰۲
- ۲- ابن الصلاح، ۱۷۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۲۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۱۳؛ المنهل الروی، ۹۰؛ الکفایة، ۳۳۲
- ۳- معرفة علوم الحدیث، ۲۶۰
- ۴- الالمام، ۸۶

حدیث کے بارے میں سلف اور ان کے بعد کے مشائخ کا یہ کہنا معمول رہا ہے کہ فلاں شخص نے میری طرف لکھا، کہا کہ ہمیں فلاں شخص نے خبر دی۔ اس طرح حدیث بیان کرنے کے مقتضی پر اجماع کیا اور اسے مسند میں شمار کیا اور اس بارے میں کوئی اختلاف معروف نہیں اور یہ طریقہ اسانید میں بکثرت موجود ہے۔

گویا محدثین کے ہاں مکاتبت کے ساتھ اخبار کا استعمال پسندیدہ ہے حدثنا اور أخبرنا کا مطلق استعمال ناپسندیدہ ہے۔ امیر صنعانی نے اس کو ضعیف قرار دیا: وهذا مذهب واہ ضعیف. (۱) یعنی یہ کمزور اور بے بنیاد مذہب ہے۔

حافظ سیوطی نے امام بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو سلیمان الجوزقانی کی مجلس میں حدثنا اور أخبرنا کا ذکر چھڑا تو کہا گیا کہ دونوں برابر ہیں۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ دونوں میں فرق ہے۔ کیا تمہیں علم نہیں محمد بن الحسن نے کہا۔

إذا قال رجل لعبدہ "إن أخبرتنی بكذا فانت حر" فكتب إليه بذلك. صار حراً، وإن قال: "إن حدثتنی بكذا فانت حر" فكتب إليه بذلك. لا يعتق. (۲)  
اگر کوئی شخص اپنے غلام سے کہے کہ اگر تو نے مجھے یہ خبر دی تو تو آزاد ہے اور غلام نے اس کو یہ خبر لکھ دی تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے کہا کہ اگر تو مجھے یہ حدیث بیان کرے گا تو آزاد ہے سو اس نے وہ حدیث اس کو لکھ کر بھیج دی تو وہ آزاد نہیں ہوگا۔

حافظ ابن حجر نے مکاتبہ کو مستقل صنف کے طور پر نہیں بیان کیا بلکہ اجازت کی دو قسمیں قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:  
واطلقوا المشافهة في الإجازة المتلفظ بها تجوزاً وكذا المكاتبه في الإجازة المكتوب بها. وهو موجود في عبارة كثير من المتأخرين بخلاف المتقدمين، فانهم إنما يطلقونها فيما كتب به الشيخ من الحديث إلى الطالب سواء اذن له في روايته أم لا. لا فيما إذا كتب إليه بالإجازة فقط. (۳)  
(اہل علم نے) زبانی اجازت کے لیے مشافہہ کا اطلاق کیا اور لکھی ہوئی اجازت کے لیے مکاتبہ کی اصطلاح استعمال کی۔ متأخرین کی عبارتوں میں یہ بکثرت موجود ہے، بخلاف متقدمین کے وہ اسے صرف ان معنوں میں استعمال کرتے ہیں کہ شیخ یا اجازت یا بلا اجازت روایت حدیث طالب کی طرف لکھ بھیجے۔

۱- توضیح الافکار، ۳۳۹/۲

۲- تدریب، ۲۷۹

۳- نزہة النظر، ۶۱

## مناولہ اور اجازہ میں راوی کے الفاظ

مناولہ اور اجازہ کا طریق اور اس کی انواع و اقسام پر مفصل بحث کا اہم حصہ طریق ادا ہے۔ راوی مناولہ اور اجازہ کے طریق پر روایت کرنے میں کون سے الفاظ استعمال کرے؟ محدثین نے جہاں طرق تحمل پر بحث کی ہے وہاں صیغ اداء کو بھی بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے طرق تحمل پر گفتگو سے پہلے صیغ اداء پر بحث کی ہے بلکہ انہوں نے بحث کا عنوان ہی صیغ الاداء رکھا ہے (۱) اور جب طرق تحمل پر بات ختم کی ہے تو وہاں لکھا ہے:

والی هنا انتھی الکلام فی اقسام صیغ الاداء. (۲)  
اور یہاں صیغ الاداء کی اقسام پر کلام ختم ہوتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے اس باب کا عنوان ”اقسام طرق نقل الحدیث و تحمله“ (۳) رکھا لیکن بنیادی بیان تحمل الحدیث پر ہے اور صیغ اداء کی بات ضمناً بیان کی ہے مثلاً تحمل کی قسم ”سماع“ میں ”سمعت“، ”حدثنا“ اور ”حدثنی“ کا تذکرہ ہے اسی طرح ”أخبرك“ پر بھی بات کی ہے۔ (۴) اسی طرح قراءت کی قسم کو بیان کرنے کے بعد تفریعات کے عنوان سے تفصیلی بحث کی ہے جس میں صیغ الاداء پر بھی بات کی گئی ہے۔ (۵) اور پھر مناولہ پر کلام کے اختتام میں ”عبارة الراوی بطریق المناولة والإجازة“ (۶) کے عنوان سے مستقل بحث کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن الصلاح کی اس گفتگو سے پہلے حافظ ابن حجر کی مختصر اور جامع بات کو نقل کر دیا جائے۔ اس سے نہ صرف پس منظر واضح ہوگا بلکہ حافظ ابن الصلاح کی بات کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔ یہ اقتباس اگرچہ ذرا طویل ہے لیکن اس پس منظر میں ضروری اور مفید ہے۔ حدیث مسلسل کی تعریف میں صیغ الاداء کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و صیغ الاداء المشار إليها علی ثمان مراتب، الأولى: ”سمعت“

۱- نزہة النظر، ۶۴

۲- ایضاً، ۶۸

۳- ابن الصلاح، ۱۳۲

۴- ایضاً، ۱۳۲-۱۳۳

۵- ایضاً، ۱۳۱

۶- ایضاً، ۲۱۹

وحدثني“ ثم ”أخبرني و قرأت عليه“ وهي المرتبة الثانية ثم ”قرئ عليه  
و أنا أسمع“ وهي الثالثة ثم ”أبأني“ وهي الرابعة ثم ”ناولني“ وهي  
الخامسة ثم ”شافهني“ اي بالإجازة وهي السادسة ثم ”كتب الي“ اي  
بالإجازة. وهي السابعة ثم عن و نحوها من الصيغ المحتملة للسمع  
والإجازة و لعدم السماع ايضاً. وهذا مثل قال: و ذكروروي.  
فاللفظان الأولان من صيغ الأداء و هما ”سمعت و حدثني“ صالحان  
لمن سمع وحده من لفظ الشيخ و تخصيص التحديث بما سمع من  
لفظ الشيخ هو الشائع بين أهل الحديث اصطلاحاً. ولا فرق بين  
التحديث و الإخبار من حيث اللغة و في ادعاء الفرق بينهما تكلف  
شديد لكن لما تقرر الاصطلاح صار ذلك حقيقة عرفية، فتقدم على  
الحقيقة اللغوية. مع ان هذا الاصطلاح انما شاع عند المشاركة و من  
تبعهم، و أما غالب المغاربة فلم يستعملوا هذا الاصطلاح، بل الإخبار  
و التحديث عندهم بمعنى واحد، فإن جمع الراوي اي أتى بصيغة  
الجمع في الصيغة الاولى كأن يقول حدثنا فلان أو سمعنا فلانا يقول  
فهو دليل على انه سمع منه مع غيره. وقد تكون النون للعظمة لكن  
بقلة. وأولها اي صيغ المراتب أصرحها اي أصرح صيغ الأداء في  
سماع قائلها لأنها تحتمل الوساطة، ولأن ”حدثني قد يطلق في  
الإجازة تدليساً. و ارفعها مقداراً ما يقع في الإملاء لما فيه من التثبيت  
و التحفظ، و الثالث هو ”أخبرني“ و الرابع وهو قرأت عليه“ لمن قرأ  
بنفسه على الشيخ، فان جمع كأن يقول: أخبرنا او قرأنا عليه فهو  
كالخامس، وهو ”قرئ عليه و أنا أسمع، و عرف من هذا أن التعبير  
بقراءة لمن قرأ خير من التعبير بالإخبار لأنه أفصح بصورة الحال. (١).....  
والانباء من حيث اللغة و اصطلاح المحدثين بمعنى الإخبار إلا في عرف

المتأخرين فهو للإجازة كمن لأنها في عرف المتأخرين للإجازة. (۱)

الفاظ ادا کے آٹھ مراتب ہیں۔ ۱۔ سمعت و حدثی ۲۔ اخبرنی و قرأت علیہ ۳۔ قرئ علیہ و أنا اسمع ۴۔ أنبانی ۵۔ ناولنی ۶۔ شافہنی بالاجازہ ۷۔ کتب الی بالاجازہ ۸۔ عن وغیرہ وہ صیغے جن میں سماع و عدم سماع اور اجازت کا احتمال ہو جیسے قال و ”ذکر و روی“ الفاظ اداء میں سے پہلے دو یعنی سمعت و حدثی اس راوی کے لیے سوزوں ہیں جس نے تنہا شیخ کی زبان سے حدیث سنی ہو۔ رہا شیخ کی زبانی حدیث سننے کو تحدیث کے ساتھ مخصوص کرنا اصطلاحاً اصحاب حدیث کے ہاں مروج و معروف ہے ورنہ لختاً تحدیث و اخبار میں کچھ فرق نہیں اور ان کے درمیان فرق کا اوکا شدید تکلف ہے البتہ یہ فرق چونکہ اصطلاحاً متعارف ہے اس لیے یہ حقیقت عرفیہ کی حیثیت حاصل کر چکی ہے اسی لیے حقیقت پر اسے تقدم حاصل ہے اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ اصطلاح صرف اہل مشرق اصحاب علم اور ان کے تبعین کے ہاں متعارف ہے جہاں تک مغاربہ کا تعلق ہے تو وہ یہ اصطلاح استعمال نہیں کرتے۔ ان کے ہاں تحدیث و اخبار ایک ہی معنی میں استعمال ہوتی ہیں۔ جب راوی حدثنا یا سمعنا فلانا جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرے تو اس سے مراد یہ ہے کہ راوی نے کسی اور کے ساتھ مل کر حدیث سنی ہے۔ کبھی نون عظمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے (اور اس سے مراد صرف ایک ہوگا) اور کلمہ سمعت راوی کی سماعت ثابت کرنے والے تمام صیغہ ہائے ادا سے زیادہ صریح ہے یہاں تک کہ حدثی سے بھی کیونکہ اس میں واسطہ کا احتمال نہیں نکل سکتا بخلاف حدثی وغیرہ کے کیونکہ اس کا اطلاق کبھی ایسی اجازت پر بھی کیا جاتا ہے جس میں تدلیس ہوتی ہے۔ اطباء کے سلسلے میں جو کچھ واقع ہے اس میں یہ سب سے ارفع ہے کیونکہ اس میں تحفظ و ضبط زیادہ ہوتا ہے۔ تیسرا اخبرنی ہے اور چوتھا قرأت اس شخص کے لیے جس نے خود شیخ کے سامنے پڑھا اور اگر جمع کا صیغہ استعمال کیا اور کہا: أخبرنا اور قرأنا علیہ تو یہ پانچواں مرتبہ ہوگا اور اس سے مراد قرئ علیہ و أنا اسمع ہوگا یعنی شیخ کے سامنے پڑھا گیا اور میں نے سنا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو راوی شیخ کے سامنے قرأت کرے اس کو قرأت علیہ کے ساتھ اپنی قرأت کو تعبیر کرنا بہ نسبت اخبرنی کے افضل ہے۔ اس لیے کہ صورت حال کی وضاحت اخبرنی کی بہ نسبت زیادہ ہے۔۔۔ اور انباء لغت اور اصطلاح محدثین میں بمعنی اخبار سمجھا جاتا ہے البتہ متأخرین کے عرف میں عن کی طرح اجازت کے لیے بھی آتا ہے۔



حافظ ابن حجرؒ کے اس موجز بیان کے بعد اب ہم حافظ ابن الصلاحؒ کا بیان نقل کرتے ہیں جو مناوہ اور اجازت کے تعبیرات کے سلسلے میں اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ متقدمین اور ان کے بعد کے لوگوں سے منقول ہے کہ انھوں نے بطریق مناوہ روایت کے لیے حدثنا و أخبرنا کے اطلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ بات امام زہری اور امام مالک وغیرہ سے منقول ہے یہ اس مذہب کے موافق ہے جو پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ان حضرات نے مقرون بالا جازہ مناوہ کو سماع کے برابر قرار دیا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگوں سے روایت بالا جازہ کے بارے میں بھی منقول ہوا ہے۔ (۱) حافظ ابو نعیم اصبہانی جو علم حدیث میں بہت تصانیف کے مالک ہیں وہ روایت بالا جازہ میں أخبرنا کا اطلاق کرتے ہیں۔ ان سے مروی ہے۔

قال: أنا إذا قلت: حدثنا فهو سماعي، وإذا قلت: أخبرنا على الإطلاق فهو إجازة من غير أن أذكر فيه "إجازة، أو كتابة أو كتب إلى، أو أذن لي في الرواية عنه." (۲)

جب میں کہتا ہوں حدثنا تو مراد سماع ہوتا ہے اور جب میں مطلقاً أخبرنا کہتا ہوں تو وہ اجازت ہوتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں اجازت، کتابت یا میری جانب بھیجی ہوئی تحریر یا روایت کے اذن کا تذکرہ ہو۔

مورخ ابو عبید اللہ المرزبانی جو تاریخ پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں، اپنی اکثر کتابوں میں بغیر سماع کے بطریق اجازت روایت کرتے ہیں اور اجازت میں أخبرنا کی اصطلاح بغیر وضاحت کے استعمال کرتے ہیں۔ خطیب کے مطابق اسے اُن کی کمزوری اور عیب گردانا گیا ہے۔ (۳)

حافظ عراقیؒ کہتے ہیں:

وحكى عن قوم آخرين جواز إطلاق "حدثنا و أخبرنا" في الرواية بالإجازة مطلقاً وقال القاضي عياض: وحكى ذلك عن ابن جريج و جماعة من المتقدمين وحكى الوليد بن بكر أنه مذهب مالك و أهل المدينة. و ذهب إلى جواز إمام الحرمين و مخالفه غيره من أهل الأصول. (۴)

- ۱- ابن الصلاح، ۲۲۱، ۱۶۹-۱۷۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۲۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۳۰۴-۳۰۶
- ۲- الالمام، ۸۸-۸۹؛ ابن الصلاح، ۱۷۰
- ۳- ابن الصلاح، ۱۷۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۲۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۳۰۴-۳۰۵؛ المنهل الروی، ۸۹؛ تدریب، ۲۷۳
- ۴- فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۲۱-۲۲۲



کچھ دوسرے لوگوں سے روایت بالا جازہ میں حدثنا اور اخبرنا کے استعمال کا جائز ہونا منقول ہوا ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ابن جریج اور حنفیہ میں کی ایک جماعت سے بھی جواز منقول ہے۔ اور ولید بن بکر نے امام مالک اور اہل مدینہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ امام الحرمین بھی اس کے جواز کی طرف گئے ہیں جب کہ اصولیوں میں سے کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والصحيح و المختار الذي عليه عمل الجمهور و اياه اختار اهل التحري و الورع المنع في ذلك من اطلاق "حدثنا و أخبرنا" و نحوهما من العبارات، و تخصيص ذلك بعبارة تشعر به بأن يقيد هذه العبارات فيقول: "أخبرنا أو حدثنا فلان" مناولة و إجازة، أو أخبرنا إجازة أو أخبرنا مناولة أو أخبرنا إذناً أو في إذنه، أو في ما أذن لي فيه أو في ما أطلق لي روايته عنه. "أو يقول: "أجاز لي فلان كذا و كذا أو ناولني فلان" و ما أشبه ذلك من العبارات. و خصص قوم الإجازة بعبارات لم يسلموا فيها من التدليس أو طرف منه، كعبارة من يقول في الإجازة: "أخبرنا مشافهة" إذا كان قد شافهه بالإجازة لفظاً، و كعبارة من يقول: "أخبرنا فلان كتابة، أو فيما كتب الي أو في كتابه" إذا كان قد أجاز به بخطه. فهذا و ان تعارفه في ذلك طائفة من المحدثين المتأخرين فلا يخلو عن طرف من التدليس لما فيه من الاشتراك و الاشتباه بما إذا كتب اليه ذلك الحديث بعينه. (۱)

اور صحیح اور پسندیدہ رائے جس پر جمہور عمل پیرا ہیں اور جسے اہل تحقیق و احتیاط نے اختیار کیا وہ حدثنا اور اخبرنا جیسی عبارات کے اطلاق کا ممنوع ہونا ہے اور اسے ایسی عبارت سے مختص کرنا جو ظاہر کرے کہ یہ عبارات مقید ہیں۔ جیسے مثلاً کہے: ہمیں اس شخص نے بطریق مناوہ یا اجازہ خبر دی یا حدیث بیان کی۔ یا کہے: "اس نے ہمیں بطریق اجازت خبر دی" "اس نے ہمیں بطریق مناوہ خبر دی"، اس نے ہمیں "اذن" سے خبر دی، "اپنے اذن میں"

یا ”جس کے بارے میں مجھے اذن دیا گیا“ یا ”مجھے اس سے روایت کرنے کی آزادی دی گئی“ یا کہے: ”فلاں شخص نے مجھے اس کی اجازت دی“ یا ”فلاں شخص نے بطریق مناوہ اجازت دی“۔ یا اسی طرح کی عبارات۔ کچھ لوگوں نے اجازت کو ایسی عبارات سے مختص کیا ہے جس میں تدلیس یا اس کا کوئی پہلو شامل نہ ہو جیسے مثلاً اجازت کی یہ عبارت اخیرنا مشافہہ یعنی اس نے ہمیں زبانی خبر دی۔ جب اس نے لفظاً بول کر اجازت دی ہو یا عبارت جس میں کہے ”فلاں شخص نے ہمیں تحریراً خبر دی“ یا اس میں جو اس نے میری طرف لکھا“ یا ”جو کچھ اس کی کتاب میں ہے اگر اس نے اپنے خط سے اجازت دی ہو۔ یہ اگرچہ متاخرین محدثین کے ہاں متعارف ہے لیکن تدلیس کے ایک پہلو سے خالی نہیں ہے اس لیے کہ اس میں اس حدیث سے اشتراک و اشتباہ پایا جاتا ہے جو اس نے اس کی طرف بعینہ لکھ کر بھیجا۔

امام اوزاعی سے نقل ہوا ہے کہ انھوں نے اجازت کو خبرنا میں باء کو تشدید کے ساتھ مختص کیا ہے اور قرآن علیہ کو اخیرنا کے ساتھ (۱) اور ایک جماعت نے اجازت میں أنبانا بطور اصطلاح کے اطلاق کیا ہے اور اسی کو الوجازہ فی الإجازة کے مصنف ولید بن بکر (۲) نے اختیار کیا ہے۔ اور جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے بعض لوگوں کے نزدیک أنبانا اخیرنا کے مساوی ہے۔ ابو بکر البیہقی کا رجحان اسی طرف ہے۔ وہ کہا کرتے تھے أنبانی فلان إجازة یعنی فلاں شخص نے مجھے بطریق اجازت خبر دی۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اس میں متاخرین کی اصطلاح کی رعایت بھی موجود ہے۔ (۳)

امام حاکم سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

الذی اختارہ و عہدت علیہ اکثر مشائخی وائمة عصری ان یقول فیما  
عرض علی المحدث فأجازہ روایتہ شفاہاً: ”أنبانی فلان“: وفیما کتب

۱- ابن الصلاح، ۱۷۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۳۱۲، ۳۱۳-۳۱۴؛

المنہل الروی، ۸۹؛ تدریب، ۲۷۴

۲- ولید بن بکر البیہقی الاندلسی السرقسطی الحافظ۔ ابن الفرضی کہتے ہیں: کان اماماً فی الفقه و الحدیث و عالماً باللغة العربیة

اپنے رحلت علمیہ میں ہزار سے زائد شیوخ سے ملاقات کی۔ دینور میں ۳۹۲ھ میں وفات پائی۔ العبر، ۲ / ۱۸۳-۱۸۴؛

تاریخ بغداد، ۱۳ / ۳۵۰؛ سیر اعلام، ۱۷ / ۶۵

۳- ابن الصلاح، ۱۷۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۳۱۳؛ المنہل الروی،

۸۹؛ تدریب، ۲۷۴

إليه المحدث من مدينة ولم يشأ فهه بالإجازة: "كتب إلى فلان". (۱)  
 وہ رائے جسے میں نے اختیار کیا اور اپنے اکثر مشائخ اور ائمہ عصر کو پابند پایا کہ جو کچھ محدث  
 کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے اسے روایت کی زبانی اجازت دی اور کہا: "مجھے فلاں نے  
 خبر دی اور اس بارے میں کہ محدث نے کسی شہر سے اس کی طرف لکھا اور زبانی اجازت نہیں  
 دی یہ کہے: "میری طرف فلاں شخص نے لکھا۔"

ابوعروبن ابی جعفر ابن حمدان کا قول ہے:

سمعت ابي يقول: كل ما قال البخاري: "قال لي فلان" فهو عرض،  
 ومناولة. (۲)

میں نے اپنے والد کو کہتے سنا کہ جب کبھی بخاری کہتے ہیں: "مجھ سے فلاں شخص نے کہا" تو  
 وہ مناولہ ہوتا ہے۔

قاضی عیاض نے شعبہ سے نقل کیا ہے کہ طریق اجازت میں انھوں نے ایک مرتبہ انا بنا کہا اور پھر اخبیرنا  
 کہا۔ (۳) حافظ عراقی اسے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ شعبہ سے ان دونوں اصطلاحوں کا استعمال بعید ہے کیونکہ وہ  
 طریق اجازت کے قائل ہی نہ تھے (۴)۔ حافظ ابن الصلاح بیہقی اور حاکم کے بیانات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت: وورد عن قوم من الرواة التعبير عن الاجازة بقول: "اخبرنا فلان  
 أن فلاناً حدثه أو أخبره" وبلغنا ذلك عن الامام أبي سليمان الخطابي  
 انه اختاره أو حكاه و هذا اصطلاح بعيد عن الإشعار بالإجازة، و هو  
 فيما اذا سمع منه الإسناد فحسب و أجازله ما رواه قريب، فان كلمة  
 "أن" في قوله: "اخبرني فلان ان فلاناً أخبره" فيها اشعار بوجود اصل  
 الاخبار و ان أجمل المخبر به ولم يذكره تفصيلاً. (۵)

- ۱- معرفة علوم الحديث، ۲۶۰، ابن الصلاح، ۱۴۱، فتح المغيـث للعراقى، ۲۲۳ / ۳، فتح المغيـث  
 للسخاوى، ۲ / ۳۱۳؛ تدریب، ۲۴۵؛ المنهل الروى، ۸۹
- ۲- ابن الصلاح، ۱۴۲؛ فتح المغيـث للعراقى، ۲۲۳ / ۳؛ فتح المغيـث للسخاوى، ۲ / ۳۱۵؛ تدریب، ۲۴۶؛  
 المنهل الروى، ۸۹
- ۳- فتح المغيـث للعراقى، ۲۲۳ / ۳؛ فتح المغيـث للسخاوى، ۲ / ۳۱۳؛ الالمام، ۱۲۸
- ۴- ايضاً، ۲۲۳ / ۳
- ۵- ابن الصلاح، ۱۴۲

میں کہتا ہوں کہ راویوں کی ایک جماعت سے اجازت کی تعبیر ان الفاظ میں ہوئی ہے؛  
 ”ہمیں فلاں نے خبر دی کہ فلاں نے اس سے حدیث بیان کی یا اسے خبر دی“ اور ہمیں امام  
 ابوسلیمان الخطابی سے روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے اسے اختیار کیا یا نقل کیا ہے۔ اور یہ  
 اصطلاح اجازت کی اطلاع سے بعید تر ہے اور یہ جو کچھ اس نے سنا ہے صرف اس کی سند ہے  
 اور جو اس روایت کی اس کو اجازت دی۔ اس لیے کہ کلمہ ان اس کے اس قول میں اخباری  
 فلان فلانا اخبارہ اس میں اصل خبر دینے کے وجود کی اطلاع ہے اگرچہ خبر دینے والے  
 نے اجمال سے کام لیا ہے اور تفصیل کا ذکر نہیں کیا۔

قاضی عیاضؒ نے اسے ابو حاتم الرازیؒ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے:

وأنكر هذا بعضهم وحقه ان ينكر، فلا معنى له بتفهم منه المراد؛ ولا  
 اعتيد هذا الوضع في المسئلة لغة ولا عرفاً ولا اصطلاحاً. (۱)  
 بعض نے اسے ناپسند کیا ہے اور حق یہ ہے کہ اسے ناپسند کیا جائے۔ اس کے کوئی معنی نہیں جس سے  
 مراد کو سمجھا جاسکے اس مسئلہ میں یہ وضع لغت، عرف اور اصطلاح کسی اعتبار سے مہیا نہیں ہے۔

طریق اجازت پر مزید بات کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اکثر متاخرین راوی اپنے سے بالا  
 شیخ سے بطریق اجازت روایت کرتے ہوئے کلمہ ”عن“ استعمال کرتے ہیں لہذا کوئی شخص اپنے شیخ سے سماع کرتا ہے  
 جو اس شیخ کی اپنے شیخ سے اجازت پر مبنی ہے تو کہتا ہے: قرأت علی فلان عن فلان یعنی میں نے فلاں شخص کے  
 سامنے قرأت کی جسے اس نے اپنے شیخ سے سنا تھا۔ یہ اس کے قریب ہے جب اس نے اس سے سماع کیا جس کو اس  
 کے شیخ نے اجازت دی تھی۔ اگر سماع نہ ہو تو پھر اسے شک ہوگا اور حرف عن سماع و اجازت دونوں میں مشترک ہے  
 اور دونوں پر صادق آتا ہے (۲) بحث کو ختم کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ثم اعلم ان المنع من اطلاق ”حدثنا و أخبرنا“ في الإجازة لا يزول  
 باباحة المجيز لذلك، كما اعتاده قوم من المشائخ من قولهم في  
 إجازتهم لمن يجيزون له، إن شاء قال. ”حدثنا“ و إن شاء قال:  
 ”أخبرنا“ فليعلم ذلك والعلم عند الله تبارك و تعالیٰ. (۳)

۱- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۳۱۳

۲- ابن الصلاح، ۱۷۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۳

۳- ایضاً، ۱۷۲-۱۷۳؛ المنهل الروی، ۸۹-۹۰؛ تدریب، ۲۷۶-۲۷۷

یہ معلوم ہے کہ حدثنا اور أخبرنا کے اطلاق سے منع کرنا اجازت دینے والے کی اجازت کو زائل نہیں کرتا۔ جیسا کہ مشائخ کی ایک جماعت کی عادت ہے کہ وہ اجازت دینے والوں کو کہتے ہیں اگر چاہے تو حدثنا کہے اور چاہے تو أخبرنا کہے۔ اس بات کو جاننا چاہیے اور علم تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس ہے۔

حدثنا اور أخبرنا کے استعمال کے سلسلے میں امیر صنعانیؒ نے اسے چند لفظوں میں مستح کر کے بیان کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و هل له أن يقول "حدثنا أو أخبرنا" أوليس له أن يقول ذلك؟ حكي فيه عدة أقوال: القول الأول. وعليه الجمهور. يجوز له أن يذكر أحد هذين اللفظين مقيداً بما يدل على طريق التحمل، كان يقول: "حدثنا إجازة أو مناولة" أو يقول: أخبرنا إجازة أو مناولة" والقول الثاني. وهو محكي عن مالك و ابن جريج و صححه إمام الحرمين. يجوز أن يذكر أحد هذين اللفظين من غير تقييد، والقول الثالث: لا يجوز بحال من الأحوال، والقول الرابع: وهو محكي عن الزهري، وينسب لمالك أيضاً. انه يجوز إطلاق أحد هذين اللفظين في المناولة المقرونة بالإجازة. فأما المجردة فلا يجوز فيها إلا "أبانا أو نبأنا". والقول الخامس قول أبو عمرو الأوزاعي و قد مضى في كلام النووي و حاصله أن الإجازة المجردة عن المناولة يروى بها بقوله "خبرنا"

أو خبرني" بتضعيف الحشو. (۱)

کیا اس کے لیے مناسب ہے کہ حدثنا اور أخبرنا کہے یا ایسا کہنا غیر مناسب ہے؟ اس بارے میں چند اقوال منقول ہیں۔ پہلا قول جو جمہور کا ہے، یہ ہے کہ اس کے لیے جائز ہے کہ ان دو لفظوں میں سے کوئی ایک لفظ مقید طور پر کہے جو طریق تحمل پر دلالت کرے جیسے وہ کہے: حدثنا إجازة أو مناولة یا کہے: أخبرنا إجازة أو مناولة۔ دوسرا قول، اور یہ مالکؒ اور ابن جریج سے منقول ہے۔ قول امام الحرمین نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، یہ ہے کہ اس کے لیے جائز ہے کہ ان دو لفظوں میں سے کسی کو بغیر قید کے

ذکر کرے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان الفاظ کا استعمال کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ چوتھا قول، یہ امام زہری سے منقول ہے اور امام مالک کی طرف بھی منسوب ہے، کہ ان الفاظ کا اطلاق مناولہ مقرونہ بالإجازة میں جائز ہے لیکن مجرد مناولہ میں جائز نہیں وہاں أنبانا یا نبانا استعمال کرنا چاہیے۔ پانچواں قول ابو عمرو والاوزاعی کا ہے جو پہلے امام نووی کے کلام میں گزر چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مجرد إجازة میں خبیرنا یا خبیرنی باء کی تشدید کے ساتھ استعمال کرے۔



## إعلام

### تعريف

إعلام کے لغوی معنی اعلان کرنے اور خبر دینے کے ہیں جیسے ”اعلمت فلاناً إذا

افدته علماً أو اخبرته أو وجدته أعلم. (۱)

محدثین کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ طالب کو صرف یہ بتائے کہ فلاں کتاب یا حدیث اس کی مرویات یا مسوعات میں سے ہے۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

إعلام الراوی للطالب بأن هذا الحدیث أو هذا الكتاب سماعه من

فلان أو روايته مقتصراً على ذلك من غیر ان يقول: اروه عنی، أو

أذنت لك فی روايته و نحو ذلك. (۲)

راوی کا طالب کو یہ بتانا کہ یہ حدیث یا یہ کتاب فلاں شخص کے سماع یا روایت پر مبنی ہے۔ اسی پر رک جائے بغیر یہ کہے: ”اس کو مجھ سے روایت کرو یا میں نے تمہیں اسے روایت کرنے کا اذن دیا ہے یا اسی طرح کے الفاظ۔

امیر الصنعانی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كأن يقول له مثلاً ”انا رویت صحیح البخاری عن فلان“ ولا يقول له

”اروه عنی“ ولا ما يشبهه، ولا يناوله كتاب الصحيح، والا كان

مناولة بلا اجازة، كما تقدم. (۳)

جیسے کوئی شخص کہے مثلاً: میں نے صحیح بخاری کو فلاں شخص سے روایت کیا ہے اور یہ نہ کہے

”اسے مجھ سے روایت کرو“ اور نہ ہی اس سے ملتے جلتے الفاظ کہے۔ اور کتاب صحیح بخاری بھی

اسے نہ دے ورنہ یہ مناوہ بلا اجازہ متصور ہوگا جو پہلے گذر چکا ہے۔

۱- ابن منظور، لسان العرب، ۱۲/ ۳۱۷، ۳۱۸؛ توضیح الافکار، ۲/ ۳۲۲

۲- ابن الصلاح، ۱۷۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۱۵؛ المنہل الروی، ۹۰؛

تقریب مع تدریب، ۲۷۹؛ توضیح الافکار، ۲/ ۳۲۲

۳- توضیح الافکار، ۲/ ۳۲۲



## اعلام کی حیثیت

اجازت کے بغیر اعلام کے حکم اور روایت کی صحت پر علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ جائز ہے اور بعض دوسرے عدم جواز کے قائل ہیں۔

### جواز

بہت سے علماء و محدثین نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن جریج (۱) اور فقہاء و محدثین اور اصولیین و ظاہرین نے یہی منقول ہے۔ شوافع میں سے ابو نصر بن الصباغ (۲) نے یہی رائے ظاہر کی ہے اور مالکیہ میں سے ابو بکر العباس الولید بن بکر النمیری (۳) نے اپنی کتاب الوجازہ فی تجویز الإجازة میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۴) قاضی ابو محمد بن خلاد الراہرمزی نے بعض اہل الظاہر سے نقل کیا ہے کہ ان کی یہی رائے ہے۔ (۵) وہ کہتے ہیں:

ولو قال له: هذه روايتي، لكن لا تروها عني، كان له ان يرويها عنه، كما لو سمع منه حديثاً ثم قال له: "لا ترويه عني، ولا اجيزه لك" لم يضره ذلك. (۶)

اگر اس نے کہا کہ یہ میری روایت ہے لیکن تم اسے مجھ سے روایت نہ کرنا تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ اس کی روایت کرے جیسے اس نے شیخ سے حدیث سنی اور پھر شیخ نے کہا اسے مجھ سے روایت نہ کرنا اور میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دیتا تو اس سے طالب کو کچھ نقصان نہیں۔

مندرجہ بالا روایت ابن الصلاح نے نقل کی ہے۔ راہرمزی نے اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

- ۱- ابن جریج، عبد الملک بن عبد العزیز (م ۱۵۱ھ) الامام العلامة حدیث میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔ زاہد و عابد تھے۔ تذکرہ، ۱۹۰/۱، میزان، ۱۵۳/۳، تہذیب، ۲۳۳/۱۰، العبر، ۲۳۰/۱، سیر اعلام، ۳۲۵/۶
- ۲- ابن الصباغ عبد السید البغدادی (م ۴۷۷ھ) اپنے وقت کے اجل اہل علم سے استفادہ کیا۔ ان سے طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے سماع کیا۔ دیانت دار اور رحمت تھے۔ آخری عمر میں پینائی جاتی رہی۔ مفید کتب کے مولف تھے۔ وفیات الاعیان، ۲۱۷/۳، العبر، ۲۸۷/۳، شذرات، ۳۵۵/۳، سیر اعلام، ۳۶۳/۱۸
- ۳- النمیری (بفتح الغین المعجمة)
- ۴- ابن الصلاح، ۱۷۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۲۲۶/۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲۱/۳-۲۲؛ تدریب الراوی، ۲۸۰؛ المنہل الروی، ۹۰
- ۵- ایضاً، ۱۷۵؛ الکفایة، ۳۳۸
- ۶- ابن الصلاح، ۱۷۵؛ المحدث الفاصل، ۳۵۱-۳۵۲؛ الکفایة، ۳۳۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۲۲۶/۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۷/۳؛ راہرمزی کے الفاظ میں: کان ذلك لغواً و للسامع ان يرويہ۔ قاضی عیاض نے بھی راہرمزی سے اسے نقل کیا ہے، الالمام، ۱۱۰

ولا يضره أن يقول: لا تروه عني، ولا أن يقول: لست أجيزه لك، بل

روايته عنه في كلتي الحالتين جائزة. (۱)

راوی کو کچھ نقصان نہیں اگر شیخ کہے کہ مجھے سے روایت نہ کرنا اور نہ ہی اس سے فرق پڑتا ہے کہ

وہ کہے میں تمہیں اجازت نہیں دیتا بلکہ دونوں حالتوں میں سے اس سے روایت جائز ہے۔

قاضی عیاض نے علماء کی کثیر تعداد کا یہی موقف نقل کیا ہے (۲) اور مالکیہ میں سے عبدالملک بن حبیب (۳)

کا بھی یہی موقف ہے۔ قاضی عیاض ابن خلاد الراہر مزنی کا موقف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وما قاله صحيح لا يقتضى النظر سواه، لأن منعه أن لا يحدث بما حدثه

لا لعله ولا ريبه في الحديث لا يؤثر لانه قد حدثه فهو شيء لا يرجع

فيه... (۴)

راہر مزنی نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے تحقیق اس کے سوا کسی اور شے کی مقتضی نہیں۔ اس لیے

کہ حدیث بیان کرنے سے منع کرنا بغیر کسی علت و شکی کے موثر نہیں۔ امکان ہے کہ اس

نے حدیث میں کوئی ایسی شے بیان کی ہو جس میں رجوع نہ ہو۔

حافظ ابن الصلاح اس موقف کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ووجه مذهب هؤلاء اعتبار ذلك بالقراءة على الشيخ، فانه اذا قرأ

عليه شيئا من حديثه و اقربانه روايته عن فلان بن فلان جاز له ان يرويه

عنه، وان لم يسمعه من لفظه ولم يقل له "اروه عني" او "اذنت لك في

روايته عني". (۵)

اور ان لوگوں کے موقف کی وجہ یہ ہے کہ اسے قراءت علی الشیخ پر اعتبار کیا گیا ہے۔ اس

لیے جب شیخ کے سامنے اس کی حدیث میں سے کوئی شے پڑھی جاتی ہے اور وہ قرار دیتا ہے کہ یہ

۱- المحدث الفاصل، ۲۵۲

۲- الالمام، ۱۰۸

۳- عبدالملک بن حبیب بن سلیمان بن ہارون الاسلمی المالکی، ابومردان (م ۲۳۸ھ)، مذہب مالک کی فقہ کے حافظ تھے لیکن

حدیث کا علم نہیں رکھتے تھے حتیٰ کہ صحیح و ضعیف میں فرق نہیں کر سکتے تھے۔ قرطبہ میں رہے اور علمی سفر میں عبدالملک بن ماجشون

اور مطرف بن عبداللہ وغیرہما سے استفادہ کیا۔ میزان الاعتدال، ۲ / ۶۵۲ - ۶۵۳؛ سیر اعلام، ۱۰۲ / ۱۳

۴- الالمام، ۱۱۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۷ / ۳

۵- ابن الصلاح، ۱۷۵ - ۱۷۶

اس کی روایت فلاں بن فلاں سے ہے تو طالب کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی روایت کرے خواہ اس نے اسے لفظاً اس سے نہ سنا ہو اور اس نے اس سے یہ نہ کہا ہو کہ مجھ سے روایت کرو یا میں نے تمہیں اسے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔

عدم جواز

کچھ علماء کی رائے ہے کہ مجرد اعلام سے روایت کرنا درست نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس موقف کے بارے میں لکھتے ہیں:

والمختار ما ذكر عن غير واحد من المحدثين وغيرهم من أنه لا تجوز الرواية بذلك و به قطع الشيخ ابو حامد الطوسي من الشافعيين (١) ولم يذكر غير ذلك. وهذا لأنه قد يكون ذلك مسموعه وروايته، ثم لا يأذن له في روايته عنه لكونه لا يجوز روايته لخلله يعرفه فيه، ولم يوجد منه التلفظ به، ولا يتنزل منزلة تلفظه به، وهو تلفظ القارى عليه و هو يسمع و يقربه حتى يكون قول الراوى عنه السامع ذلك: "حدثنا" و "أخبرنا" صدقا، و إن لم يأذن له فيه، و إنما هذا كالشاهد اذا ذكر في غير مجلس الحكم شهادته بشيء فليس لمن يسمعه ان يشهد على شهادته إذا لم يأذن له ولم يشهده على شهادته وذلك مما تساوت فيه الشهادة والرواية لأن المعنى يجمع بينهما في ذلك و إن افرقا في غير (٢).٥

اور مختار قول جو کئی محدثین وغیرہم سے مذکور ہے کہ اس طریق سے روایت جائز نہیں ہے۔ شوافع میں سے ابو حامد طوسی نے اسے قطعیت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اسکے سوا کسی اور بات کا تذکرہ نہیں کیا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ ممکن ہے کہ اس کا سماع اور اس کی روایت ہو پھر اس

١- سخاوی کہتے ہیں کہ شوافع میں دو اشخاص ابو حامد الطوسی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور دونوں کے نام احمد بن محمد ہیں۔ فتح المغیث، ١٥/٣۔ لیکن حافظ عراقی یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس سے مراد غزالی ہیں۔ والظاهر انه اراد بابی حامد هذا الغزالی۔ فتح المغیث، ٣/٢٢٦۔ حافظ سیوطی اور محمد الانصاری نے بھی واضح طور پر امام غزالی کا نام لیا اور عراقی کی طرح المستصفی کا حوالہ دیا ہے۔ تدریب، ٣٨٠؛ فتح الباقی، ٣٦٠

نے اسے روایت کرنے کی اجازت نہ دی ہو بسبب کسی خلل کے جو روایت میں پایا جاتا ہو اور اسے اس کی معرفت ہو۔ شیخ کی طرف سے روایت کے بارے میں الفاظ میں کوئی شے موجود نہ ہو اور نہ اسے کوئی ایسا مقام حاصل ہو جس کے لیے اس نے الفاظ میں بات کی ہو۔ وہ تلفظ اس کے سامنے قراءت کا ہے جسے وہ سنے اور اس کی تصدیق کرے حتیٰ کہ راوی کی بات سامع کی ہو جیسے حدثنا اور اخبارنا گواس نے اس کی اجازت نہ دی ہو۔ اس کی حیثیت شاہد کی ہوگی جب کسی غیر حاکم کی مجلس میں کسی شی کے بارے میں اس کی شہادت کا ذکر ہو تو جو شخص اسے سن رہا ہے اسے حق نہیں کہ وہ اس کی شہادت پر شہادت دے اگر اس نے اس کی اجازت نہیں دی اور اسے شہادت پر گواہ نہیں بنایا۔ اور یہ وہ معاملہ ہے جس میں شہادت اور روایت برابر ہیں اس لیے کہ ان دونوں کو ایک معنی مجتمع کیے ہوئے ہے اگرچہ اور چیزوں میں فرق موجود ہے۔

ابن الصلاح کا یہ استدلال، قاضی عیاض کی دلیل جس کا ذکر ادھر ہو چکا ہے، کے رد میں ہے لیکن قاضی عیاض کے ہاں اس استدلال کا جواب موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں:

قياس من قاس الإذن في الحديث في هذا الوجه و عدمه على الإذن في الشهادة و عدمه غير صحيح، لأن الشهادة على الشهادة لا تصح الا مع الإشهاد و الإذن في كل حال الا إذا سمع اداءها عند الحاكم ففيه اختلاف: والحديث عن السماع والقراءة لا يحتاج فيه إلى إذن باتفاق؛ فهذا يكسر عليهم حججتهم بالشهادة في مسألتنا هنا ولا فرق، وأيضاً فالشهادة مفترقة في أكثر الوجوه. (۱)

اس صورت میں جس شخص نے بھی حدیث میں اجازت و عدم اجازت کو شہادت میں اذن اور عدم اذن پر قیاس کیا ہے وہ غیر صحیح ہے اس لیے کہ شہادت علی الشہادہ، اشہاد کے بغیر صحیح نہیں ہے اور اذن ہر حال میں ضروری ہے الا یہ کہ اس نے اداء شہادت حاکم کے ہاں سنا۔ اس بارے میں اختلاف ہے اور سماع اور قراءت سے متعلق حدیث باتفاق علماء اذن کی محتاج نہیں۔ یہاں یہ چیز ہمارے مسئلہ میں شہادت پر ان کی دلیل کو توڑ دیتی ہے۔ اور نیز شہادت اکثر وجوہ میں روایت سے مختلف ہے۔

حافظ عراقی نے قاضی عیاض کی تائید کی ہے۔ (۱) احمد محمد شاہ قاضی عیاض کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والذی اختاره القاضي عياض هو الراجح الموافق للنظر الصحيح. (۲)

قاضی عیاض نے جو موقف اختیار کیا ہے وہی راجح اور صحیح نقطہ نظر کے موافق ہے۔

روایت بالاعلام کا حکم

اختلاف کا جو ذکر ہوا ہے وہ روایت بالاعلام الشیخ میں ہے۔ جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو اگر اس کی سند صحیح ہو تو

سننے والے پر عمل کرنا واجب ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

ثم إنه يجب عليه العمل بما ذكره له اذا صح اسناده وان لم تجزله

روایتہ عنہ لان ذلك يكفى فيه صحته في نفسه. (۳)

پھر اگر اس کی سند صحیح ہے تو جیسے اس کا ذکر ہوا اس پر عمل واجب ہے گو اس کی روایت جائز

نہیں اس لیے کہ اس کی صحت کے لیے یہ کافی ہے۔

قاضی عیاض نے تو عمل کے سلسلے میں اتفاق نقل کیا ہے۔ (۴) حافظ عراقی لکھتے ہیں:

وحكاية القاضي عياض عن محققى أصحاب الأصول أنهم لا يختلفون

في وجوب العمل به. (۵)

اور قاضی نے اصحاب اصول کے محققین سے نقل کیا ہے کہ وہ اس پر عمل کرنے کے وجوب

میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے۔

حافظ ابن حجر سب معمول اپنے مختصر اور جامع انداز میں فرماتے ہیں:

وكذا اشترطوا الإذن بالرواية في الإعلام وهو أن يعلم الشيخ أحد

الطلبة بانسى اروي الكتاب الفلاني عن فلان. فان كان له منه إجازة

اعتبروا الا فلا عبرة بذلك كالإجازة العامة. (۶)

اسی طرح انہوں نے روایت فی الاعلام میں اذن کی شرط لگائی ہے۔ اعلام یہ ہے کہ شیخ ایک

۱- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۷

۲- الباعث الحثیث، ۱۳۳

۳- ابن الصلاح، ۱۷۶-۱۷۷؛ تدریب، ۲۸۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۷

۴- تدریب الراوی، ۲۸۲

۵- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۷؛ توضیح الافکار، ۲ / ۳۳۳؛ الالماع، ۴۰؛ آخر میں یہ بھی موجود ہے وان لم تجزبه الروایة عند بعضهم

۶- نزہة النظر، ۶۷

طالب کو یہ بتائے کہ میں فلاں کتاب کو فلاں شیخ سے روایت کرتا ہوں۔ اگر اسے شیخ کی طرف سے اجازت ہو تو اس کا اعتبار ہوگا ورنہ اجازہ عامہ کی طرح اس کا اعتبار بھی نہیں ہوگا۔

اعلام الشیخ کے سلسلے میں ڈاکٹر عجاج خطیب نے محققانہ بات کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے نقل کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس مقام پر ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم یہ واضح کریں کہ روایت بالاعلام چوتھی صدی ہجری سے پہلے نادر الوجود تھی اگر کسی نے اس طریق سے روایت کی تو اسے واضح کیا اور میں یہ بات تاکیداً کہتا ہوں کہ جیسا کہ متاخرین کے کلام سے مترشح ہوتا ہے، متقدمین کے ہاں اس وسیع مفہوم میں اس کا استعمال نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ مروی ہے وہ یہ ہے کہ ہشام بن عروہ (۵۹-۱۳۶ھ) کہتے ہیں کہ میرے ہاں ابن جریج ایک صحیفہ لے کر آئے اور کہا:

يا أبا المنذر هذه احاديثك؟ فقلت: نعم، فذهب. (۱)

ابو المنذر: کیا یہ آپ کی احادیث ہیں؟ میں نے کہا: ہاں اس کے بعد وہ چلے گئے۔

سو ہشام بن عروہ ثقہ عالم ہیں۔ ابن جریج ان کے شاگرد ہیں جو معروف ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔ وہ ان کی احادیث نائے اور سوال کے ذریعہ توثیق چاہتے تھے۔ ان کا سوال ہشام سے اجازت کا متضمن تھا اور ہشام کا جواب اس کی روایت کی اجازت کا متضمن تھا۔ یہ ہے وہ سارا واقعہ جو اعلام کے ضمن میں ابن جریج کے مذہب کے سلسلے میں روایت ہوا ہے۔ اس کے باوجود علماء محتاط رہے ہیں۔ یحییٰ بن سعید القطان کا قول ہے:

”کان ابن جریج صدوقاً“. إذا قال: ”حدثني“ فهو سماع واذا قال:

أخبرنا أو أخبرني. فهو قراءة. واذا قال، قال، فهو شبه الريح. (۲)

ابن جریج صدوق تھے۔ جب انہوں نے کہا: حدثني، تو وہ سماع ہے اور جب کہا: أخبرنا یا

أخبرني تو وہ قراءت ہے اور جب کہا: قال تو وہ ہوا کی مانند ہے۔

سوا ابن جریج اپنی روایت میں اسے واضح کرتے ہیں اور علماء ان کے بارے میں یہ جانتے ہیں اور طلبہ کو اس سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ابن جریج کا عمل اعلام کی بہ نسبت عرض المناولہ کے زیادہ قریب ہے۔ اور خطیب نے جو الکفایہ (۳) میں ذکر کیا ہے وہ اس کی تاکید ہے۔ معاصر محدث عجاج الخطیب کا نقطہ نظر بھی یہ ہے کہ اعلام کے طریقے سے تحمل و اداء چوتھی صدی ہجری سے پہلے نادر تھا۔ (۴)

۱- المحدث الفاصل، ۳۳۰؛ خطیب نے اپنی سند کے ساتھ ہشام بن عروہ سے الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس میں احادیث کے بعد ارویہا عنك کے الفاظ ہیں، (الكفاية، ۳۲۰)؛ خطیب اجازت کی پانچویں قسم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: فهذا يكون صحيحاً عند طائفة من اهل العلم و فعل غير انال لم نراحداً فعله. الكفاية، ۳۲۰

۲- المحدث الفاصل، ۳۳۳؛ خطیب نے بھی نقل کیا ہے۔ الكفاية، ۳۰۲

۳- الكفاية، ذكر نوع الخامس من الإجازة، الكفاية، ۳۲۶

۴- اصول الحديث، ۲۲۲



## الوصية بالكتب

### تعريف

وصیت سے مراد وہ ہدایت یا اجازت ہے جو کوئی شخص موت سے پہلے یا سفر پر جانے سے پہلے کسی شاگرد یا کسی شخص کو دیتا ہے۔ محدثین کے ہاں اس کے معنی روایت حدیث کے لیے شیخ کی خصوصی ہدایت ہے جو وہ موت یا سفر سے پہلے دیتا ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بأن يوصي الراوي بكتاب يرويه عند موته أو سفره لشخص. (۱)  
یہ کہ راوی اپنی موت یا سفر کے وقت اپنی مروی کتاب کے لیے کسی شخص کو وصیت کرے۔

### وصية بالكتب کی حیثیت

اس کی حیثیت کے بارے میں علماء حدیث میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ اس کی روایت جائز ہے جب کہ بعض دوسرے عدم جواز کے قائل ہیں۔ قائلین جواز میں قاضی عیاض سرفہرست ہیں۔ حافظ عراقی اس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعلله قاضی عیاض بان فی دفعها له نوعاً من الاذن و شهاً من العرض و المناولة، وقال: وهو قريب من الضرب الذي قبله. (۲)  
اور قاضی عیاض نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا کہ وصیت کرنے میں اذن کی ایک نوع پائی جاتی ہے اور یہ عرض اور مناولہ کے مشابہ ہے اور کہا کہ یہ پہلے بیان کردہ قسم (اعلام) کے قریب ہے۔

رامہر مزی نے حماد بن زید کی روایت کو ایوب سے نقل کیا ہے:

قلت لمحمد بن سيرين ان فلانا اوصى لي بكتبه فأحدث بها عنه؟ قال:  
نعم، ثم قال لي بعد ذلك: لا أمرك ولا انهاك. (۳)  
میں نے محمد بن سیرین سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے اپنی کتابوں کی وصیت کی ہے کیا میں

۱- ابن الصلاح، ۱۷۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۷؛ تقریب مع تدریب، ۲۸۱

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۷-۲۲۸؛ الالمام، ۱۱۵، ع

۳- المححدث الفاصل، ۵۳۶؛ الالمام، ۱۱۵؛ الکفاية، ۳۵۲



اسے بیان کروں؟ کہا: ہاں، پھر کہا کہ میں تمہیں نہ حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔  
حماد ہی کی روایت ہے کہ ابوقلابہ (۱) نے اپنی موت کے وقت کہا:

ادفعوا کتبی الی ایوب ان کان حیا والا فاحرقوها. (۲)

میری یہ کتابیں ایوب السخّیانی کو دے دینا اگر وہ زندہ ہو تو ورنہ جلا دینا۔

لیکن ابن الصلاح عدم جواز کے قائل ہیں۔ قائلین جواز کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فروی عن بعض السلف انه جوز بذلك رواية الموصی له ذلك عن الموصی الراوی، وهذا بعيد جداً، وهو ما زلة عالم أو متاول علی انه أراد الرواية علی سبیل الوجادة التي یأتی شرحها إن شاء الله. وقد احتج بعضهم لذلك فشبّهه بقسم الاعلام و قسم المناولة، و لا یصح ذلك فان لقول من جوز الرواية بمجرد الإعلام و المناولة مستنداً ذکرناه، لا یقرر مثله و لا قریب منه ههنا والله اعلم. (۳)

سلف میں سے بعض سے یہ مروی ہے کہ جس شخص کے لیے وصیت کی گئی ہو اس کے لیے جائز ہے کہ وصیت کرنے والے راوی سے روایت کرے۔ یہ بہت بعید بات ہے یا تو عالم کی لغزش ہے اور یا اس نے تاویل کی ہے کہ وہ وجادہ کی بنیاد پر روایت کرنا چاہتا ہے، وجادہ کی تشریح آگے آرہی ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے استدلال کرتے ہوئے اسے اعلام اور مناوِلہ کی اقسام کے مشابہ قرار دیا ہے اور حیح صحیح نہیں ہے۔ اس لیے جو مجرد اعلام اور مناوِلہ کی روایت کو جائز قرار دیتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ اس طرح ثابت نہیں بلکہ اس کے قریب بھی نہیں۔ واللہ اعلم

امام نوویؒ جواز کی رائے کے خلاف حافظ ابن الصلاحؒ کی تائید میں فرماتے ہیں:

وهو غلط، والصواب انه لا یجوز. (۴)

- ۱- ابوقلابہ، عبداللہ بن زید الجری البصری (م ۱۰۴ھ) جلیل القدر تابعین میں سے تھے۔ تذکرۃ، ۱/ ۸۸؛ العبر، ۱/ ۱۳۷؛ تہذیب، ۵/ ۲۲۳؛ سیر اعلام، ۹/ ۲۲۳
- ۲- فتح المغیث للعراقی، ۱۳/ ۲۲۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۱۸؛ الالمام، ۱۱۶؛ الکفایۃ، ۳۵۲؛ المحذات الفاصل، ۲۵۹-۲۶۰
- ۳- ابن الصلاح، ۱۷۷
- ۴- تقریب مع تدریب، ۲۸۱

خطیب حماد کی روایت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

قلت: يقال ان ايوب كان قد سمع تلك الكتب غير انه لم يحفظها  
فلذلك استفتى محمد بن سيرين عن التحديث منها ولا فرق بين ان  
يوصى العالم لرجل بكتبه و بين ان يشتريها ذلك الرجل بعد موته في  
انه لا يجوز له الرواية منها الا على سبيل الوجادة وعلى ذلك ادر كنا  
كافة اهل العلم، اللهم الا ان يكون تقدمت من العالم اجازة لهذا الذي  
صارت الكتب له بان يروى عنه ما يصح عنده من سماعاته فيجوز ان  
يقول فيما يرويه من الكتب "اخبرنا" او "حدثنا" على مذهب من اجاز  
ان يقال ذلك في احاديث الإجازة، مع أنه قد كره الرواية عن الصحف  
التي ليست مسموعة غير واحد من السلف. (۱)

میں کہتا ہوں: کہا جاتا ہے کہ ایوب نے ان کتب کا سماع کیا تھا لیکن محفوظ نہیں رکھ سکا تھا اس لیے محمد بن سیرین سے استفتا کیا کہ کیا ان میں سے وہ حدیث بیان کر سکتا ہے کہ نہیں۔ اگر ایک عالم کسی شخص کو اپنی کتابوں کی وصیت کرے یا وہ شخص اس کی موت کے بعد ان کتابوں کو خرید لے تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اس لیے کہ اس سے وجادہ کے سوا اور کسی طریق پر روایت جائز نہیں یہی وہ رائے ہے جس پر ہم نے تمام اہل علم کو پایا ہے۔ الا یہ کہ جسے کتابیں پہنچی ہیں اسے اس عالم کی طرف سے اجازت ہو کہ ان میں سے اس کے نزدیک اس کی سماعات میں سے جو صحیح ہے وہ اس کی روایت کر سکتا ہے۔ تو اس کے لیے جائز ہے کہ ان کتب سے روایت کرتے ہوئے اخبرنا یا حدثنا کہے۔ یہ اس شخص کے مذہب پر ہے جو احادیث الاجازہ میں ایسا کہنے کو جائز قرار دیتا ہے۔

اس کے باوصف سلف میں کئی لوگوں نے ایسے صحیفوں سے، جن کا سماع نہیں ہوا، روایت کرنے کو ناپسند کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اعلام کی طرح وصیت میں بھی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ (۲)

حافظ سیوطی نے ابن ابی الدم کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد أنكر ابن أبي الدم على ابن الصلاح وقال: الوصية أرفع رتبة

۱- الكفاية، ۳۵۲-۳۵۳

۲- نزہة النظر، ۶۷

من الوجادة بلا خوف، و هي معمول بها عند الشافعي وغيره، فهذا  
أولى. (۱)

ابن ابی الدم نے ابن الصلاح کا انکار کیا ہے اور کہا: وصیت مرتبہ کے لحاظ سے وجادہ سے بلا  
اختلاف ارفع ہے اور امام شافعی وغیرہ کے ہاں یہی معمول بہا ہے۔ لہذا یہ زیادہ بہتر ہے۔

معاصر مصنفین ابن الصلاح کے مؤید نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر نور الدین، ابن الصلاح کی رائے کو درست قرار  
دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو - فيما نرى - قول سديد قوى، فإن الوصية إنما تفيد تملك

النسخة فهي كالبيع، وذلك امر آخر غير الاخبار بمضمونها. (۲)  
ہماری رائے میں یہ قول درست اور قوی ہے۔ کیونکہ وصیت تو صرف اس نسخہ کی ملکیت  
کے لیے مفید ہے اور یہ بیع کی طرح ہے اور یہ اس کے مضمون کو بیان کرنے سے مختلف  
معاملہ ہے۔

ڈاکٹر عجاج خطیب کہتے ہیں:

وهذا النوع من التحمل أضعف عن الصور السابقة، ولا تجوز

للموصي له روايته عن الموصي عند الجمهور. (۳)  
یہ تحمل کی سابقہ انواع میں سب سے کمزور نوع ہے۔ جس کے لیے وصیت کی گئی اس لیے جائز  
نہیں کہ وہ وصیت کرنے والے سے روایت کرے۔ یہی جمہور کا موقف ہے۔



۱- تدریب الراوی، ۲۸۱

۲- منهج النقد، ۲۲۰

۳- اصول الحدیث، ۲۲۳

## الوجادہ

وجادہ کی تعریف میں لغت اور اصطلاح دونوں اعتبارات سے بحث کی گئی۔

لغوی معنی

وجادۃ - بگسر الواو - استعمال ہونے والا نیا لفظ ہے عربوں کے ہاں نہیں سنا گیا۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

وهی مصدر لوجد یجد مولد غیر مسموع من العرب. روينا عن المعانی بن الزکریا النہروانی (۱) العلامة فی العلوم أن المولدين فرعوا قولهم "وجادۃ" فیما أخذ من العلم من صحیفة من غیر سماع ولا إجازة ولا مناولة، من تفریق العرب بین مصادر "وجد" للتمیز بین المعانی المختلفة، یعنی قولهم: "وجد ضالته وجدانا و مطلوبه وجودا و فی الغضب "موجدة" و فی الغنی "وُجداً" و فی الحب وُجداً. (۲)

یہ وجد یجد کا مصدر ہے جدید لفظ ہے، عربوں کے ہاں نہیں سنا گیا۔ علامہ معانی بن زکریا النہروانی سے ہم تک ان کا یہ قول پہنچا ہے کہ مولدین نے وجادہ کو ایسے علم کے لیے استعمال کیا ہے جو کتاب سے حاصل کیا گیا ہو اور وہ سماع، اجازت یا مناوہ پر مبنی نہ ہو، اور اسے انہوں نے عربوں کے ہاں وجد کے مصادر کا مختلف معانی میں استعمال سے استنباط کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اس نے اپنی گم شدہ چیز پالی اور مطلوب حاصل کر لیا۔ غصے میں موجدہ استعمال کرتے ہیں اور غنی میں وُجداً اور محبت میں وجدا استعمال کرتے ہیں۔

امیر صنعانی کہتے ہیں جیسے "وجد علی عدوہ موجدة، و وجد بحبہ وُجداً" اسے اپنے دشمن پر غصہ

واشتعال آیا اور اس نے اپنے محبوب سے جذباتی وابستگی پائی۔ (۳)

۱- النہروانی، المعانی بن الزکریا بن یحییٰ بن حمید ابو الفرج النہروانی الجریری (م ۳۰۹ھ) علامہ الفقیہ الحافظ القاضی ابن جریر الطبری کے مذہب سے متفق ہونے کی وجہ سے جریری کہلائے۔ خطیب کہتے ہیں: کان من اعلم الناس فی وقته بالفقه و النحو واللغة. البرقانی کے نزدیک ثقہ تھے۔ تاریخ بغداد، ۳/ ۲۳۰-۲۳۱؛ الكامل لابن اثیر، ۹/ ۱۶۳؛ و فیات الاعیان، ۲۲۱/۵-۲۲۲؛ البدایة، ۱۱/ ۲۲۸؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳/ ۱۰۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/ ۵۳۳

۲- ابن الصلاح، ۱۷۸

۳- توضیح الافکار، ۲/ ۳۳۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۸

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ”وجد“ کے دو اور مصدر بھی ہیں جنہیں حافظ ابن الصلاح نے ذکر نہیں کیا اور وہ ہیں:

جدة فى الغضب وفى الغنى وإجدان بكسر الهمزة فى الضالة. (۱)

اور اسے مطلوب کے سلسلے میں ابن الاعرابی نے بیان کیا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا ہے کہ اس میں واو کو ہمزہ سے بدل دیا گیا ہے اور جن معانی کا ذکر کیا گیا ہے وہ کسی ایک مصدر میں سوائے حسب کے مقتصر (محدود) نہیں ہیں۔ اسی لیے اس کا مصدر وجد بالفتح ہے اس کے سوائے ہے۔ الجوہری کا کہنا ہے کہ یہ مصدر حزن کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ صاحب المشارق نے گمشدہ چیز کے لیے دو مصدر وجود اور وجدان بھی بیان کئے ہیں۔ (۲)

## اصطلاحی معنی

محدثین کی اصطلاح میں وجادہ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص سماع، اجازہ اور مناولہ کے بغیر کسی صحیفہ یا کتاب سے معلومات حاصل کرے۔ (۳) امیرالصنعانی اس تعریف کو منسوخ کر کے لکھتے ہیں:

فأما فى اصطلاح المحدثين فانها عبارة عن ”ان يقف الراوى على احاديث بخط راويها ولا يكون قد رواها عنه بسماع أو اجازة، سواء أكان الواجد لها معاصر الكاتبةا أو غير معاصر، وسواء أكان قد روى عنه غير هذه الاحاديث ام لم يكن . (۴)

جہاں تک محدثین کی اصطلاح کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ راوی کو ایک راوی کی احادیث اس کے خط میں لکھی ہوئی ملیں جنہیں اس نے راوی سے سماع اور اجازت کے طریق پر روایت نہ کیا ہو۔ ان احادیث کو پانے والا راوی کا معاصر ہو یا غیر معاصر اور اس سے بھی فرق نہیں پڑتا کہ اس نے اس راوی سے ان احادیث کے علاوہ کچھ اور روایت کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

## وجدہ کی مثال

حافظ ابن الصلاح وجدہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہ وجد اس روایت کو کیسے بیان کرے، لکھتے ہیں:

فله أن يقول: وجدت بخط فلان، أو قرأت بخط فلان أو فى كتاب

۱- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۸

۲- ایضاً، ۳ / ۲۲۸

۳- ابن الصلاح، ۱۷۸؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۲-۲۳

۴- توضیح الافکار، ۲ / ۳۲۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۸؛ ابن الصلاح، ۱۷۸؛ تقریب مع لتدریب، ۲۸۲

فلان بخطه: ”أخبرنا فلان بن فلان“، و يذكر شيخه و يسوق سائر الإسناد و المتن معا أو يقول: ”وجدت“ أو ”قرأت بخط فلان عن فلان“ و يذكر الذي حدثه و من فوقه. هذا الذي استمر عليه العمل قديماً و حديثاً. (۱)

واجد کے لیے مناسب ہے کہ وہ کہے: ”میں نے اسے فلاں شخص کے خط میں لکھا پایا“ یا ”میں نے فلاں شخص کے خط میں پڑھا“ یا ”فلاں شخص کی کتاب میں اس کے خط میں أخبرنا فلان بن فلان“ پایا اور پھر شیخ کا ذکر کرے اور پوری سند بمع متن بیان کرے۔ یا کہے: ”میں نے فلاں بن فلاں کے خط میں پایا پڑھا“ اور جس نے اسے بیان کیا اور اس سے اوپر والے راویوں کا ذکر کرے۔ یہی وہ طریقہ ہے جو اس سلسلے میں قدیم و جدید عہد میں جاری ہے۔

حافظ عراقی ”ابن الصلاح“ کے بیان کی وضاحت کرتے اور اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ وجادہ میں اجازت کا بھی امکان ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

هكذا مثل ابن الصلاح الوجادة بما إذا لم يكن له إجازة فمن وجد ذلك بخطه. (۲) وقد استعمل غير واحد من أهل الحديث الوجادة مع الإجازة وهو واضح كقوله: ”وجدت بخط فلان، وإجازة لي.“ وكذلك لم يذكره القاضي عياض في الإلماع (۳) في مثال الوجادة، وإنما أراد الشيخ أن يتكلم على الوجادة الخالية عن الإجازة هل هي مستند صحيح في الرواية أو العمل؟ (۴)

اسی طرح ابن الصلاح نے وجادہ کی مثال دی جب اسے اس راوی سے اجازت نہ ہو جس کے خط میں اس نے حدیث پائی۔ حالانکہ کئی اصحاب حدیث نے وجادہ مع الاجازہ کی اصطلاح استعمال کی ہے جیسے اس شخص کی بات کہ میں نے فلاں شخص کے خط میں لکھا ہوا پایا

۱- ابن الصلاح، ۱۷۸

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲۲۹/۳

۳- الإلماع، ۱۳۰

۴- فتح المغیث للعراقی، ۲۲۹/۳

اور اس نے مجھے اس کی اجازت دی۔ اسی طرح قاضی عیاض نے بھی الالماع میں وجادہ کی مثال میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ بلاشبہ شیخ کی مراد یہ تھی کہ وہ اس وجادہ کی بات کرے جو اجازت کے بغیر ہے، کیا یہ مستند ہے اور روایت اور عمل میں صحیح ہے؟  
حافظ ابن حجر وجادہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهي أن يبجد بخط يعرف كاتبه فيقول: وجدت بخط فلان. (۱)  
وجادہ یہ ہے کہ طالب کو ایسی کتاب مل گئی جس کے مصنف کا خط وہ پہچانتا ہو اور روایت میں یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کے خط میں ایسا لکھا ہوا پایا۔  
ابن الصلاح وغیرہ نے وجادہ مطلقہ کے ساتھ وجادہ مقیدہ بالا جازہ کی بات بھی کی ہے۔  
حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

ثم ان ما تقدم من التقييد بمن لم يجز وهو الذي اقتصر عليه عياض  
وتبعه ابن الصلاح، لأنه إنما أراد التكلم على الوجادة الخالية أهي  
مستند صحيح في الرواية، أو العمل، وإلا فقد استعملها غير واحد من  
المحدثين مع الإجازة فيقال: وجدت بخط فلان و أجازه لي، وربما لا  
يصرح بالإجازة كقول عبد الله بن أحمد: وجدت بخط أبي حدثنا فلان،  
و ذلك الإستعمال واضح كما قال المصنف لشمول اللفظ له. (۲)  
عدم جواز کے سلسلے میں مقید کا جوڑ کر پہلے ہو چکا ہے تو وہ جسے قاضی عیاض نے بیان کیا ہے اور  
ابن الصلاح نے اس کا تتبع کیا ہے وہ خالی وجادہ ہے کیا اس کی روایت مستند ہے اور اس پر  
عمل صحیح ہے۔ ورنہ کئی محدثین نے وجادہ مع الاجازہ استعمال کیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:  
”وجدت بخط فلان و أجازه لي“۔ کبھی اجازہ کی تصریح نہیں ہوتی۔ جیسے عبد اللہ بن  
احمد کا قول: ”وجدت بخط أبي حدثنا فلان“ یہ واضح استعمال ہے کیونکہ مصنف کے  
بقول یہ الفاظ اجازت کو شامل ہیں۔

## روایت بطریق وجادہ کی حیثیت

طریق وجادہ سے روایت کردہ حدیث کی حیثیت منقطع ومرسل کی ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

۱- نزہة النظر، ۶۷

۲- فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۳



وهو من باب المنقطع و المرسل غير انه أخذ شوباً من الاتصال بقوله:  
”وجدت بخط فلان“ . (۱)

یہ روایت منقطع و مرسل کے باب سے ہے الا یہ کہ اس میں اتصال کا شائبہ ہو جیسے وہ کہے:  
میں نے فلاں شخص کے خط میں لکھی ہوئی پائی۔

حافظ سخاوی ”شوبا من الاتصال“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لما فيه من الارتباط في الجملة وزيادة قوة للخبر، فإنه إذا وجد حديثاً  
في ”مسند الامام احمد“ مثلاً وهو بخطه، فقول القائل ”وجدت  
بخط احمد كذا أقوى من قوله ”قال احمد“ لأن القول ربما يقبل  
الزيادة والنقص والتغيير، ولا سيما عند من يجيز النقل بالمعنى  
بخلاف الخط (۲)

اس لیے کہ اس میں جملہ کا ربط بھی ہے اور خبر میں زیادہ قوت بھی۔ کیونکہ جب کوئی شخص مثلاً  
مسند احمد میں ان کے اپنے خط میں لکھی ہوئی حدیث پاتا ہے تو اس کا یہ قول کہ میں نے امام  
احمد کے خط میں اس طرح پایا“ اس کے اس قول سے زیادہ قوی ہے جب وہ صرف یہ کہے کہ  
”امام احمد نے کہا“؛ اس لیے کہ قول میں اضافہ، کمی اور تبدیلی کا امکان ہے بالخصوص ان  
لوگوں کے ہاں جو روایت بالمعنی کے قائل ہیں بخلاف خط کے اس میں اس کی گنجائش نہیں۔  
حافظ عراقی کہتے ہیں:

وكل ما ذكر من الرواية بالوجاهة منقطع، سواء وثق بأنه خط من  
وجده عنه أم لا ولكن الأول وهو ما إذا وثق بأنه خطه أخذ شوباً من  
الاتصال لقوله: وجدت بخط فلان. (۳)

وجاہہ کے طریق پر مروی تمام روایتیں منقطع ہیں خواہ مروی عنہ کے خط میں ہو یا نہ ہو۔ لیکن  
پہلی قسم میں اتصال کا شائبہ ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ مروی عنہ کا خط ہے اور راوی کے  
اس قول کی وجہ سے ہوگا کہ میں نے فلاں شخص کے خط میں لکھا پایا۔

۱- ابن الصلاح، ۱۷۸

۲- فتح المغیث للسخاوی، ۲۵/۳

۳- فتح المغیث للعراقی، ۲۲۹/۳

چونکہ طریقی وجادہ میں مروی عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہوتی اس لیے روایت میں ایسے الفاظ کا استعمال جو موہم الی اللقاء ہوں جائز نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاحؒ، حافظ عراقیؒ، امام نوویؒ وغیرہم نے اسے تدلیس کہا ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

وربما دلس بعضهم فذكر الذي وجد خطه و قال فيه: "عن فلان، أو قال فلان" و ذلك تدليس قبيح إذا كان بحيث يوهم سماعه منه على ما سبق في نوع التدليس، و جازف بعضهم فاطلق فيه "حدثنا وأخبرنا" و انتقد ذلك على فاعله. (۱)

کبھی ان میں کوئی تدلیس کرتا ہے تو جسے اس نے مروی عنہ کے خط میں پایا اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "فلاں شخص سے مروی ہے یا فلاں شخص نے کہا ہے" تو یہ بہت بری تدلیس ہے، خصوصاً جب یہ مروی عنہ سے سماع کا عندیہ دے اس کا ذکر تدلیس کے باب میں گذر چکا ہے۔ اور ان میں سے کسی نے حد سے گذر کر انکل سے بات کرتے ہوئے حدثنا اور اخبرنا کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں تو ایسا کرنے والے پر تنقید کی گئی ہے۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں:

لا أعلم من يقتدى به أجاز النقل فيه بحدثنا و أخبرنا و لا من يعده معد المستند. (۲)

میں کسی ایسے مقتدی بہ شخص کو نہیں جانتا جس نے اس طریقہ میں حدثنا اور اخبرنا کے ذریعہ روایت کی اجازت دی ہو اور نہ اس شخص کا علم مستند شمار ہوتا ہے (جس نے اجازت دی ہو)

حافظ ابن الصلاح کی رائے میں اگر کوئی راوی کسی شخص کی تالیف میں حدیث پاتا ہے اور یہ اس کے خط میں نہیں ہے تو اسے کہنا چاہیے: ذکر فلان أو قال فلان، أخبرنا فلان عن فلان أو ذکر فلان۔ یہ سب منقطع شمار ہوگا اس میں اتصال کا کوئی شائبہ نہیں۔ (۳) اور یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس کے خط میں ہے یا اس کی کتاب میں ورنہ اسے یہ الفاظ کہنے چاہئیں: بلغنی عن فلان أو وجدت عن فلان یا اسی طرح کی عبارات یا اسناد میں زیادہ وضاحت کرتے ہوئے کہے: قرأت فی کتاب فلان بخطه، أو أخبرنی فلان أنه بخطه، یا کہے: وجدت فی کتاب ظننت أنه بخط فلان أو فی کتاب ذکر کاتبه أنه فلان بن فلان أو فی کتاب قیل انه بخط فلان۔ (۴)

۱- ابن الصلاح، ۱۷۹

۲- الالماع، ۱۳۰

۳- ابن الصلاح، ۱۷۹

۴- ایضاً، ۱۷۹

اور اگر کسی کتاب سے نقل کر رہا ہو جو کسی مصنف سے منسوب ہو تو یہ الفاظ نہ کہے: قال فلان كذا او كذا، الا یہ کہ اس امر کی توثیق کرے کہ اس نے یا کسی اور ثقہ شخص نے ان اصولوں کے تحت جو پہلے بیان ہو چکے ہیں اس نسخہ کا تقابل کر لیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اسے یہ الفاظ کہنے چاہئیں: بلغنی عن فلان انه ذکر كذا و كذا، او وجدت فی نسخة من الكتاب الفلانی یا اس سے ملتی جلتی عبارات استعمال کرے۔ (۱)

حافظ ابن الصلاح اپنے عہد کے لوگوں کے تسامح کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد تسامح اكثر الناس فی هذه الأزمان با طلاق اللفظ الجازم فی ذلك من غیر تحر و تثبت. فیطالع أحدهم كتاباً منسوباً إلى مصنف معين و ينقل منه عنه من غیر ان یثق بصحة النسخة قائلاً: قال فلان

كذا و كذا أو ذکر فلان كذا و كذا والصواب ما قدمناه. (۲)

ان زمانوں میں اکثر لوگوں نے بغیر تحقیق و تثبت کے یقینی الفاظ کے استعمال میں تسامح سے کام لیا ہے۔ سو ایک شخص ایک معین مصنف کی طرف منسوب کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور نسخہ کی صحت کی توثیق حاصل کئے بغیر اس سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ فلاں شخص نے ایسا اور ایسا کہا ہے یا فلاں شخص نے اس طرح اور ایسے ذکر کیا ہے اور درست وہی ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

حافظ سخاوی حافظ عراقی کے الفاظ قد تسهلوا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أی جماعة من المحدثین کبھز بن حکیم (۳) و الحسن البصری (۴)

و الحکم بن مقسم (۵) و ابی سفیان طلحة بن نافع (۶) و عمرو بن شعيب (۷)

۱- ابن الصلاح، ۱۷۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۳۰؛ تقریب مع تدریب، ۲۸۳؛ اختصار علوم الحدیث، ۳۵

۲- ایضاً، ۱۸۰

۳- دیکھئے اصول الحدیث، ۱/ ۱۷۱، حاشیہ ۲۲۸

۴- دیکھئے اصول الحدیث، ۱/ ۱۹۲، حاشیہ ۹۷

۵- میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۶- ابوسفیان طلحہ بن نافع الاسکافی الواسطی۔ جابر عبد اللہ، ابن عباس، انس بن مالک اور عبید بن عمیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے

حصین بن عبد الرحمن، الاعمش، محمد بن اسحاق، حجاج بن ارقطہ اور شعبہ وغیرہم نے روایت کی۔ طبقات خلیفہ، ۱۵۵؛ التاريخ

الکبیر، ۲/ ii/ ۳۳۶؛ میزان الاعتدال، ۲/ ۳۳۲؛ تہذیب التہذیب، ۵/ ۲۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۵/ ۲۹۳

۷- عمرو بن شعيب بن محمد عبد اللہ بن عمرو العاص المدنی الطائفی (م ۱۱۸ھ) ثقہ راویوں سے کثرت سے روایت کیا بعض ناقدین

نے ضعیف کہا جب کہ جمہور اہل علم نے ثقہ تسلیم کیا۔ التاريخ الکبیر، ۳/ ii/ ۳۳۲؛ تہذیب التہذیب، ۸/ ۳۱-۳۶

ومخرمة بن بكير (١) ووائل بن داؤد (٢)..... في ايراد ما يجدونه  
بخط الشخص فأتوا بلفظ عن فلان أو نحوها مثل قال مكان وجدت  
إذ أكثر رواية عن أبيه عن جده. (٣)

یعنی محدثین کی جماعت جیسے بہز بن حکیم، حسن البصری، حکم بن مقسم، ابوسفیان طلحہ بن نافع،  
عمرو بن شعیب، مخرمہ بن بکیر اور وائل بن داؤد۔ انہوں نے جب کسی شخص کے خط میں لکھا ہوا  
پایا تو وجدت کی جگہ عن فلان یا ایسے ہی الفاظ کا استعمال کیا جب عن أبيه عن جده  
کے الفاظ سے زیادہ روایت ہونے لگی۔

اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

فإن كان المطالع عالماً فطناً بحيث لا يخفى عليه في الغالب مواضع  
الاسقاط و السقط و ما أُحيل عن جهته إلى غيرها رجونا أن يجوز له  
إطلاق اللفظ الجازم فيما يحكيه من ذلك . وإلى هذا فيما أحسب  
استروح كثير من المصنفين فيما نقلوه من كتب الناس ، والعلم  
عند الله تعالى. (٣)

پس اگر مطالع کرنے والا ذہین عالم ہے ایسا کہ اس کو حدیث میں ان مقامات کا اکثر علم ہے  
جہاں راوی ساقط ہے یا درجہ ثقاہت سے گرا ہوا ہے یا اپنی جہت سے دوسری طرف پھیرا گیا  
ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ ایسے عالم کے لیے اس طرح کی حکایت میں یقینی لفظ کے اطلاق  
کا جواز بنتا ہے اور اس حد تک میں سمجھتا ہوں بہت سے مصنفین نے لوگوں کی کتابوں سے نقل  
کرنے میں آسانی محسوس کی اور علم اللہ کے ہاں ہے۔

- ١- مخرمہ بن بکیر بن عبد اللہ الاشح القرشی ابوالسور المدنی مولیٰ بنی مخزوم (م ١٥٨ھ) ثقہ محدث تھے۔ کثرت سے احادیث  
روایت کیں۔ ساجی نے کہا کہ وہ تدریس کا ارتکاب کرتے تھے۔ تہذیب التہذیب، ٦٣/١٠ - ٦٣
- ٢- وائل بن داؤد ابوبکر التمیمی الکوفی نے چوٹی کے محدثین سے سماع کیا۔ سفیان الثوری، شعبہ ایسے محدثین نے ان سے استفادہ  
کیا۔ ابن ابی حاتم نے انہیں صالح الحدیث کہا ہے۔ جب کہ الظہلی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ التاریخ الکبیر، ٣/ ١١ / ٣٣؛  
تہذیب التہذیب، ٩٨/ ١١
- ٣- فتح المغیث للسخاوی، ٢٥/ ٣
- ٤- ابن الصلاح، ١٨٠؛ فتح المغیث للعراقی، ٣/ ٢٣٠؛ تقریب مع تدریب، ٢٨٢

حافظ ابن کثیر و جادہ کو طرق روایت میں شمار نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں:

والوجادة ليست من باب الرواية، و انما هي حكاية عما وجدته في  
الكتاب. (۱)

جادہ روایت کے باب میں سے نہیں ہے یہ تو صرف حکایت ہے اس چیز کی جو کسی کتاب  
میں پائی گئی۔

حافظ ابن حجر مختصر اور جامع الفاظ میں و جادہ کی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكذا اشترطوا الإذن في الوجادة ولا يسوغ فيه إطلاق أخبارني  
بمجرد ذلك، إلا ان كان له منه اذن بالرواية عنه. (۲)

اس طرح و جادہ میں اذن کی شرط لگائی گئی ہے جب تک کہ کاتب کی جانب سے روایت کی  
اجازت نہ ہو تب تک اخبار فی فلان کہہ کر طالب اس سے روایت نہیں کر سکتا۔

حافظ احمد محمد شاہ نے حافظ ابن کثیر کے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے اس تسامح کا خصوصی ذکر کیا ہے جو دور  
حاضر کے بعض مولفین محدثین کی خصوصی اصطلاحات کو عام استعمال میں لے آئے ہیں ان کی رائے میں یہ جرات  
پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ محدثین نے بڑی دقت نظر سے اصطلاحیں وضع کی ہیں اور ان کے استعمال میں احتیاط برتی  
ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وقد اجترأ كثير من الكتاب في عصرنا، في مؤلفاتهم و في الصحف  
والمجلات؛ فذهبوا ينقلون من كتب السابقين من المؤرخين وغيرهم  
بلفظ التحديث، فيقول أحدهم ”حدثنا ابن خلدون“، ”حدثنا ابن  
قتيبة“، ”حدثنا الطبري“! وهو أقبح ما رأينا من انواع النقل، فإن  
التحديث والإخبار و نحوهما من إصطلاحات المحدثين الرواة  
بالسمع، وهي المطابقة للمعنى اللغوي في السماع، فنقلها الى معنى  
آخر۔ وهو النقل من الكتب۔ افساد لمصطلحات العلوم، و ايها لمن  
لا يعلم، بالفاظ ضخمة، ليس هؤلاء الكتاب من أهلها، و يخشى على  
من تجرأ على مثل هذه العبارات أن ينتقل منها الى الكذب البحت؟

۱- الباعث الحثيث، ۱۲۵

۲- نزہة النظر، ۶۷

والزور المجرد. عافانا الله. (۱)

ہمارے عہد کے بہت سے لکھنے والوں نے اپنی مولفات، اخبارات میں بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا ہے اور سابقہ مورخین وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے تحدیث کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ان میں سے ایک آدمی لکھتا ہے: حدثنا ابن خلدون، حدثنا ابن قتیبہ اور حدثنا الطبری اور ایسا کرنا نقل کے انواع میں سے قبیح ترین ہے اس لئے تحدیث اخبار اور اس طرح کی اصطلاحات محدثین کے ہاں ان راویوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں جنہیں سماع حاصل ہوتا ہے اور سماع کے سلسلے میں لغوی معنوں کے مطابق استعمال ہوتی ہیں۔ انہیں کسی اور معنی میں یعنی کتابوں سے نقل کے سلسلے میں استعمال علوم کی اصطلاحات میں فساد پیدا کرتا اور ان عظیم الشان الفاظ جن کے استعمال کی یہ لکھنے والے اہلیت نہیں رکھتے، کے ذریعہ کم علم لوگوں کو شبہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اور خطرہ ہے کہ اس طرح کی عبارات نقل کرنے کی جرأت سفید جھوٹ اور کھلا افتراء ہے۔

طریق دجاوہ سے مروی احادیث کی حیثیت منقطع کی ہے جیسا کہ محدثین کے بیانات سے واضح ہے تاہم محدثین کے ہاں یہ طریق روایت موجود ہے بلکہ امام مسلم جیسی شخصیت نے اس طریق سے روایات نقل کی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اس پر بحث کرتے ہوئے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں ہم ان کی متعلقہ عبارت نقل کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے اس اعتراض کو نقل کرتے ہیں جسے امیرالصنعانی نے عمدہ طریق پر پیش کیا ہے:

۱- الباعث الحثیث / ۱۲۷؛ علامہ احمد محمد شاہ نے ایک بہت ہی حساس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ ہے علمی اصطلاحات کا بے موقع استعمال۔ ہر علم کی تشکیل و توسیع میں اصطلاحات کی خصوصی حیثیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ اصطلاحات جہاں اس کے تفصیلی فہم میں معاون ثابت ہوتی ہیں وہاں علم کی اس شاخ کے امتیازات کی امین بھی ہوتی ہیں۔ اسے منفرد اور مستحکم رکھنے میں ان اصطلاحات کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ محدثین نے نقل حدیث میں کتنی باریک بینی سے کام لیا ہے۔ اگر طریق روایت میں ذرا سی بھی تبدیلی ہوئی ہے تو اس کے لیے نئی اصطلاحیں اور روایت کے لیے نئے الفاظ وضع کئے ہیں۔ علم حدیث سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس وقت نظر کی توصیف کرے گا۔ ناواقف لوگ محض ظن و تخمین سے فیصلے صادر کرتے ہیں اور ذخیرہ حدیث کے بارے میں قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ مطالعہ نصوص کے لیے جو نئے اصول وضع کئے جا رہے ہیں اور ان کی بنیاد پر ایک نیا تعبیری علم (Hermeneutic) مرتب کیا جا رہا ہے وہ یہودی سبکی نصوص کے لیے مفید ہو سکتا ہے لیکن اسے اسلامی نصوص پر منطبق کرنے کے خطرناک نتائج ہو سکتے ہیں کیونکہ مسلمان اہل علم نے پہلے ہی تجزیاتی اصولوں کی مستحکم بنیاد رکھ دی ہے۔ علوم الحدیث کے مطالعہ سے مسلمان علماء کی عظیم الشان خدمات کا احساس پختہ ہوتا ہے۔ حدیث کے بارے میں تحقیر و تخفیف کے رویوں کے پیچھے اس عظیم الشان ذخیرہ سے ناواقفیت بھی ایک بڑا سبب ہے۔



و ملخص الاعتراض أن مسلماً قد روى في صحيحه احاديث عن رواها بطريق الوجادة وقد قدمنا حديثاً رواه عن ابى بكر بن ابى شيبة فكيف جعلتم المروى بالوجادة منقطعاً مع أن المنقطع ليس من نوع الصحيح ، والمسلمون في مشارق الارض و مغاربها مؤمنون بأن احاديث مسلم كلها صحاح . (۱)

اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں طریق وجادہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ ابو بکر بن ابی شیبہ کی روایت کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ طریق وجادہ کی روایت کو اگر منقطع قرار دیا جائے تو اسے نقل کرنے کا کیا جواز ہے جب کہ منقطع صحیح کی اقسام میں شامل نہیں۔ مشرق و مغرب کے مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ مسلم کی تمام احادیث صحیح ہیں۔

حافظ سیوطی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأجاب الرشيد العطار بأنه روى الأحاديث الثلاثة من طرق أخرى موصولة الى هشام والى ابى اسامة، قلت: وجواب آخر وهو: أن الوجادة المنقطعة ان يجد في كتاب شيخه لا في كتابه عن شيخه فتأمل . (۲)

۱- توضیح الافکار، ۲/۳۶۶: مسلم کی جن احادیث کا ذکر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(الف) عن عائشة قالت: قال لي رسول الله ﷺ: إني لأعلم إذا كنت عني راضية وإذا كنت عني غضبي قالت: فقلت: من أين تعرف ذلك؟ قال: أما إذا كنت عني راضية فانك تقولين لا ورب محمد وإذا كنت غضبي قلت: لا ورب ابراهيم قالت: قلت: أجل والله يا رسول الله ما أهرج الا اسمك. (مسلم، الجامع، كتاب فضائل الصحابة، ۷/۱۳۵)

(ب) عن عائشة قالت: ان كان رسول الله ليتفقّد، يقول: أين أنا اليوم أين أنا غداً استبطاءً ليوم عائشة قالت: فلما كان يوم قبضه الله بين سحري و نحري - (مسلم، الجامع، فضائل الصحابة، باب فضل عائشة، ۷/۱۳۷)

(ج) عن عائشة قالت: تزوجني رسول الله وأنا ابنة ست سنين وبني بي وأنا ابنة تسع سنين. قالت: فقدنا المدينة فوعكث شهرًا فوفى شعري جميمة فأتني أم رومان وأنا على أرجوح ومعى صواحبى فصرخت بي فاتيتها وما ادرى ما تريد بي. فاخذت بيدي فأوقفتني على الباب فقلت هه حتى ذهب نفسي فأدخلتني بيتاً فإذا نسوة من الأنصار فقلن على الخير والبركة وعلى خير طائر فأسلمتني إليهن فغسلن رأسي واصلحنى فلم يرعنى الا و رسول الله ﷺ ضحى فأسلمتني اليه - (مسلم، الجامع، كتاب النكاح، باب تزويج الأب البكر الصغيرة، ۳/۱۳۱-۱۳۲)

۲- تدريب الراوى، ۲۸۳



رشید العطار نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تینوں احادیث اور طریقوں سے بھی مروی ہیں جو ہشام اور ابواسامہ تک متصل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ایک اور جواب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وجادہ منقطعہ یہ ہے جب وہ اپنے شیخ کی کتاب میں کوئی چیز پائے یہ نہیں ہے کہ اپنی کتاب میں شیخ سے مروی کوئی چیز موجود ہو۔ اس پر غور کرو۔

امیر الصنعانی نے سوال کے خلاصہ کی طرح جواب کا ملخص بھی نقل کیا ہے جو حافظ سیوطی ہی کے بیان پر مشتمل ہے لیکن زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (۱)

## روایت بطریق وجادہ پر عمل

اعلام وصیۃ اور وجادہ کے ذریعہ مروی روایات پر عمل کے سلسلے میں علماء میں اختلاف ہے۔ معتمد قول یہ ہے کہ جس کے نزدیک یہ روایت ہے اس کے نزدیک اس پر عمل واجب ہے۔ (۲) حافظ ابن الصلاح اس کے قابل عمل ہونے پر اختلافات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما جواز العمل اعتماداً على ما يوثق به منها، فقد روينا عن بعض المالكية ان معظم المحدثين و الفقهاء من المالكيين وغيرهم لا يرون العمل بذلك. وحكى عن الشافعي و طائفة من نظار اصحابه جواز العمل به. قلت: قطع بعض المحققين من اصحابه في اصول الفقه بوجوب العمل به عند حصول الثقة به، و قال: "لو عرض ما ذكرناه على جملة المحدثين لأبوه" وما قطع به هو الذي لا يتجه غيره في الأعصار المتأخرة، فانه لو توقف العمل فيها على الرواية لا نسد باب العمل بالمنقول، لتعذر شرط الرواية فيها على ما تقدم في النوع الأول. (۳)

۱- توضیح الافکار، ۲/۳۳۶

۲- ایضاً، ۲/۳۳۶

۳- ابن الصلاح، ۱۸۰-۱۸۱؛ حافظ سخاوی اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: و يلتحق بذلك ما يوجد بحواشي الكتب من الفوائد والتقييدات، و نحو ذلك؛ فان كان بخط معروف فلا بأس بنقلها و عزوها الى من هي له، والا فلا يجوز اعتمادها الا لعالم متقن، وربما تكون تلك الحواشي بخط شخص و ليست له، او بعضها له، و بعضها لغيره، فيشبه ذلك على ناقله بحيث يعزو الكل لواحدٍ۔ (فتح المغيث، ۳/۲۹)

جہاں موثق روایت پر عمل کرنے کے جواز کا تعلق ہے تو بعض مالکیہ سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ اکثر مالکی محدثین و فقہاء و جادہ کی روایت پر عمل کرنا درست نہیں سمجھتے۔ امام شافعی اور ان کے اہل نظر اصحاب سے عمل کا جواز منقول ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اصول فقہ میں ان کے محققین اصحاب میں بعض نے ثقاہت معلوم ہونے پر عمل کے وجوب کا قطعی فیصلہ دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ہماری مذکورہ رائے کو اگر محدثین کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ انکار کر دیں گے اور اس نے جو یقینی بات کی ہے وہ ادوار متاخرہ میں ان کے سوا کسی کے ذہن میں نہیں آئی اس لیے کہ اگر اس روایت پر عمل موقوف کر دیا جائے تو منقولہ روایت پر عمل کا دروازہ بند ہو جائے گا اس لیے کہ روایت کے لیے لگائی شرط کا حصول مشکل ہے جیسا کہ نوع اول میں گزر چکا ہے۔

حافظ ابن کثیر اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک حدیث نقل کرتے ہیں جسے حسن بن عرفہ (۱) نے اپنے جزء میں بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نقل کیا ہے۔ (۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

قلت: وقد ورد في الحديث عن النبي ﷺ انه قال: "أى الخلق أعجب اليكم إيماناً؟ قالوا: الملائكة، قال: وكيف لا يؤمنون وهم عند ربهم؟ وذكروا الأنبياء، فقال: وكيف لا يؤمنون والوحي ينزل عليهم؟ قالوا فنحن، قال: وكيف لا تؤمنون وأنا بين أظهركم؟ قالوا فمن يا رسول الله؟ قال: قوم يأتون من بعدكم، يجدون صحفاً يؤمنون بما فيها" وقد ذكرنا الحديث بإسناده ولفظه في شرح البخاري، والله الحمد. فيؤخذ منه مدح من عمل بالكتب المتقدمة بمجرد الوجادة لها. (۳) میں کہتا ہوں کہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے نزدیک ایمان کے

۱- حسن بن عرفہ بن یزید ابو علی العبدی البغدادی الحافظ۔ سو سال سے متجاوز ہو کر ۲۵۷ھ میں فوت ہوئے۔ محدث، ثقہ، مسند و فہم۔ طویل عمر پائی۔ ہشیم بن بشیر، اسماعیل بن عیاش اور ابراہیم بن یحییٰ وغیرہم سے سماع کیا۔ ترمذی، ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا وغیرہ نے ان سے حدیث روایت کی۔ ابن معین کہتے ہیں: لا بأس به انا اذهب الیہ۔ ابن ابی حاتم کے بقول صدوق ہیں۔ تاریخ بغداد، ۷ / ۳۹۳-۳۹۶۔ العبر، ۱۳ / ۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱ / ۵۳۷ و بعد: تہذیب التہذیب، ۲۹۳ / ۲-۲۹۶؛ شذرات، ۲ / ۱۳۶

۲- الباعث الحثیث، ۱۲۶

۳- ایضاً، ۱۲۶

اعتبار سے سب سے زیادہ حیرت انگیز کون ہیں۔ لوگوں نے کہا: فرشتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ وہ رب کریم کے پاس ہیں۔ انہوں نے انبیاء کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیسے ایمان نہ لاتے جب کہ ان پر وحی اترتی ہے۔ کہنے لگے پھر ہم ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیسے ایمان نہ لاتے درآں حالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ پھر کون ہو سکتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے۔ انہیں کچھ صحیفے ملیں گے اور ان میں جو کچھ لکھا ہوگا اس پر ایمان لائیں گے۔ ہم نے اس حدیث کے الفاظ کو سند کے ساتھ شرح بخاری میں ذکر کیا ہے۔ اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔ اس سے ان لوگوں کی تعریف نکلتی ہے جو کتب مقدمہ پر صرف و جاہدہ کے ذریعہ عمل پیرا ہوں گے۔

حافظ سیوطی نے اسے شیخ بلقینی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

قال البلقيني: وهذا استنباط حسن، قلت: المحتج بذلك هو الحافظ عماد الدين ابن كثير في اوائل تفسيره. (۱) والحديث رواه الحسن بن عرفة في جزئه من طريق عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، وله طرق كثيرة اوردها في الأمالي وفي بعض ألفاظه: "بل قوم من بعدكم يأتيهم كتاب بين لوحين يؤمنون به ويعملون بما فيه اولئك اعظم منكم اجراً". اخرجه احمد، والدارمي و الحاكم من حديث ابى جمعة الانصاري. وفي لفظ للحاكم من حديث عمر يجدون الورق المعلم (۲) فيعملون بما فيه؛ فهو لاء افضل اهل الإيمان إيماناً. (۳)

بلقینی کہتے ہیں کہ یہ بہت اچھا استنباط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس استدلال کے مالک حافظ عماد الدین ابن کثیر ہیں انہوں نے اپنی تفسیر کی ابتدا میں اس استدلال کو پیش کیا ہے۔ اور جو حدیث ہے اسے حسن بن عرفہ اپنے جزء میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اس کے طرق بہت ہیں جنہیں میں نے امالی میں ذکر کیا ہے اس کے بعض الفاظ یہ ہیں: "بلکہ یہ تمہارے بعد کی تحریر ہے جن کے پاس دو تختیوں میں کتاب ہو

۲- الباعث، ۱۲۸ پر المعلم کے بجائے المعلق ہے۔

۱- تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۸۳-۸۵

۳- تدریب الراوی، ۲۸۵؛ الباعث، ۱۲۸

گی جس پر وہ ایمان رکھیں گے اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کریں گے یہ لوگ بڑے اجر والے ہوں گے، احمد، دارمی اور حاکم نے اس کی تخریج کی ہے۔ حدیث عمر کے الفاظ جنہیں حاکم نے نقل کیا ہے یہ ہیں: وہ معلم اور اراق پائیں گے اور اس میں جو کچھ ہوگا اس پر عمل کریں گے۔ یہ لوگ اہل ایمان سے افضل الایمان ہوں گے۔

شیخ احمد محمد شاہ اسے نقل کرنے کے بعد اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فيه نظر ووجوب العمل بالوجادة لا يتوقف عليه، لأن مناط وجوبه انما هو البلاغ و ثقة المكلف بأن ما وصل الي علمه صحت نسبه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (۱)

اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ وجادہ پر عمل کا وجوب اس پر موقوف نہیں ہے، اس لیے کہ وجوب کی علت بلاغ اور ماخذ کی ثقاہت ہے کیونکہ جو بات اس کے علم میں آئی ہے اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہے۔

شیخ احمد محمد شاہ مزید فرماتے ہیں کہ وجادہ جیدہ جس پر دیکھنے والے کا دل مطمئن ہو وہ ثقاہت میں اجازت بمع انواع سے کم نہیں کیونکہ اجازت حقیقت میں شیخ کے اذن روایات کے ساتھ وجادہ ہی ہے۔ اس دور میں آپ کسی ایسے شیخ کو نہیں پائیں گے جو کتابوں کو بطریق سماع روایت کرے یہ تمام۔ الا ماشاء اللہ۔ اجازت ہی ہیں۔ سنت کی تمام اصحاحات الکتب کی ان کے مؤلفین سے روایت وجادہ ہی کے طریق پر ہے، اسی طرح مختلف قابل اعتماد قلمی اصول کی روایت بھی۔ ان میں وہی شخص شک کرے گا جو روایت اور وجادہ کے دقیق معنوں سے غافل ہے یا شری اور ڈھیٹ ہے جسے کوئی دلیل مطمئن نہیں کرتی۔ (۲)

امیر الصنعانی نے وجادہ پر عمل کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے حسب معمول جامع بات کی ہے اور تمام آراء کو سمیٹ کر بیان کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اعلم أنه اذا صح الحديث الذي تحمله الراوى بأحد الطرق الثلاثة التي هي الأعلام و الوصية و الوجادة و جب على من صح عنده أن يعمل بمقتضاه على المعتمد، و انما قلنا على المعتمد لأن العلماء قد اختلفوا في هذا، والذي حكاه القاضى عياض أنه لا خلاف بين العلماء في وجوب العمل بما صح اسناده، من الأحاديث التي يتحملها بطريق الأعلام، فأما الوصية فان من ذهب الي أنها أحسن حالاً من الوجادة و ذهب مع ذلك الي جواز العمل بالوجادة أو وجوبه كان عنده أن

۱- الباعث الحثيث، ۱۲۸

۲- ايضاً، ۱۲۸

العمل بالوصية أولى من العمل بالوجادة، وهذا في غاية الظهور، فاما الوجادة فقد نقل عن اكثر المحدثين و فقهاء المالكية وغيرهم أن العمل بالاحاديث التي تحملها بها غير جائز. ونقل عن الشافعي<sup>٢</sup> والمحققين من اصحابه جوازه، و ذهب بعض المحققين الى وجوب العمل بها عند حصول الثقة بما وجدته، وهذا هو الصحيح الذي لا يتجه في هذه الأزمان سواه. (١)

جان لو کہ جب ایسی حدیث، جسے راوی تین طریقوں یعنی اعلام، وصیہ اور وجادہ میں کسی ایک کے ذریعہ نقل کرے، صحیح ہو تو جس کے نزدیک وہ صحیح ہو تو اعتماد کرنے والے پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ ہم نے معتمد کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے اور وہ جو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ وہ احادیث جو بطریق اعلام نقل ہوئی ہیں اور ان کی اسناد صحیح ہیں تو ان پر وجوب عمل کے بارے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں۔ جہاں تک وصیہ کا تعلق ہے تو کچھ لوگ اس جانب گئے ہیں کہ وہ وجادہ سے بہتر حالت میں ہے اور اس کے باوجود ان کی رائے ہے کہ وجادہ پر عمل کا جواز اور وجوب موجود ہے تاہم وصیت پر عمل کرنا وجادہ پر عمل کرنے سے اولیٰ ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے۔ جہاں تک وجادہ کا تعلق ہے تو اکثر مالکی فقہاء محدثین وغیرہ سے منقول ہے کہ اس طریق پر منقول احادیث پر عمل جائز نہیں۔ امام شافعی اور ان کے محققین اصحاب سے اس کا جواز منقول ہے اور بعض محققین اس جانب گئے ہیں اگر وجادہ میں ثقاہت حاصل ہو جائے تو عمل کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ یہی وہ صحیح رائے ہے جس کے سوا اس زمانے میں کوئی اور راہ نہیں اختیار کی جاسکتی۔

حافظ ابن حجر نے وجادہ، وصیہ اور اعلام تینوں میں اجازت کی شرط لگائی، اجازت کے بغیر یہ قابل قبول نہیں۔ فرماتے ہیں:

وكذا اشترطوا الإذن في الوجادة والوصية بالكتاب وفي الاعلام والا  
فلا عبرة بذلك كالإجازة العامة. (٢)

اس طرح محدثین نے وجادہ، وصیہ بالکتاب اور اعلام میں اذن کی شرط لگائی ہے ورنہ اجازت عامہ کی طرح اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

١- توضیح الافکار، ٢/ ٣٣٣-٣٣٥

٢- نزهة النظر، ٦٤

## المستفق والمفترق

روایت حدیث میں راوی کی بنیادی اہمیت ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر محدثین نے راویوں کے اسماء کے سلسلے میں مفصل بحثیں کی ہیں اور مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی، ان کے نام، القاب، کنیتیں، مشترک نام، تلفظ، املاء وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ مستقل عنوانات کے تحت وضاحتیں درج کی ہیں تاکہ راوی کے بارے میں کوئی ابہام اور کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ حافظ ابن الصلاح سے لے کر حافظ ابن حجر تک سب نے اسماء رواۃ کے سلسلے میں لکھا ہے۔ ہم چونکہ حافظ ابن حجر کی ترتیب کا تتبع کر رہے ہیں اس لیے آغاز اسی عنوان سے کر رہے جو حافظ ابن حجر نے اختیار کیا ہے۔

### تعریف

لغوی اعتبار سے المتفق، الاتفاق سے اسم فاعل ہے اور المفترق، الافتراق سے اسم فاعل ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

محدثین کی اصطلاح میں المتفق یہ ہے کہ راویوں کے نام اور ان کے باپ دادا کے نام لفظاً اور خطاً ایک جیسے ہوں لیکن ان کی شخصیتیں مختلف ہوں۔ اسی طرح نام اور کنیتیں اور نام اور نسبتیں ایک جیسی ہوں جب کہ شخصیتیں مختلف ہوں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

ثم الرواة إن اتفقت أسماءهم و أسماء آبائهم فصاعداً و اختلفت اشخاصهم سواء اتفق في ذلك اثنان منهم او اكثر و كذلك اذا اتفق اثنان فصاعداً في الكنية و النسبة فهو النوع الذي يقال له المتفق والمفترق (۱)

پھر اگر راویوں کے نام اور ان کے باپ دادا کے نام ایک جیسے ہوں لیکن ان کی شخصیتیں جدا جدا ہوں، اسی طرح اگر کنیت اور نسبت ایک جیسی ہو اور مسکنی جدا گانہ ہوں تو یہ وہ نوع ہے جسے متفق و مفترق کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے اسے بیان کرتے ہوئے کہا ہے:



هذا النوع متفق لفظاً وخطاً بخلاف النوع الذي قبله، فان فيه الاتفاق في صورة الخط مع الافتراق في اللفظ (١) و هذا من قبيل ما يسمى في اصول الفقه المشترك . وزلق بسببه غير واحد من الأكابرو لم يزل الاشتراك من مظان الغلط في كل علم . (٢)

یہ وہ نوع ہے جس میں لفظ وخط کا اتفاق ہوتا ہے بخلاف مذکورہ الصدر قسم کے کہ اس میں صورت خطی میں اتفاق ہوتا ہے اور لفظ میں افتراق۔ یہ اس قبیل سے ہے جسے اصول الفقه میں المشترك کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے کئی اکابر لغزش کا شکار ہوئے ہیں کیونکہ اشتراک ہر علم میں ہمیشہ غلطی کے امکان کا باعث بنتا ہے۔

امام نووی نے ابن الصلاحؒ ہی کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (٣) جب کہ علامہ سیوطی نے حافظ ابن حجر کی طرح وضاحت کی ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

المتفق و المفترق من الاسماء و الانساب و نحوها و هو متفق خطأ و لفظاً و افترت مسمياته . (٤)

متفق و مفترق اسماء و انساب کی وہ قسم ہے جو خطی و لفظی طور پر متفق ہے اور مسمیات میں مفترق ہے۔ محدثین کے ہاں اس فن کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس کی معرفت سے حدیث کا طالب علم التباس سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسے جانے بغیر اس بات کا امکان رہتا ہے کہ انسان ایک شخص کو کئی اشخاص تصور کرتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وهذا عكس ما تقدم من النوع المسمى بالمهمل لانه يخشى منه أن يُظن الواحد اثنين وهكذا يخشى منه ان يظن الاثنان واحداً . (٥)

اور اس بات کا بھی امکان کہ محققین میں ایک ثقہ ہو اور دوسرا ضعیف تو ایک صحیح حدیث ضعیف ہو جائے اور ضعیف صحیح۔ اسی التباس سے بچنے کے لیے متفق و مفترق کی معرفت بہت ضروری ہے۔

- ١- اس سے مراد المؤلف و المختلف ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے اسے پہلے بیان کیا ہے جبکہ حافظ ابن حجر نے اسے بعد میں ذکر کیا ہے۔
- ٢- مقدمہ ابن الصلاح ، ٣٥٨
- ٣- تقریب مع تدریب ، ٢٤٩
- ٤- ایضاً ، ٢٤٩
- ٥- نزہة النظر ، ٦٨



حافظ ابن الصلاح نے اس کی چھ قسمیں بیان کی ہیں اور اسی کو نووی، سیوطی، سخاوی، ابن کثیر اور دیگر متاخرین نے اختیار کیا ہے:

۱۔ المفترق ممن اتفقت أسماءهم و أسماء آبائهم (۱)

وہ مفترق جن کے نام اور ان کے آباء کے نام ایک جیسے ہیں۔

حافظ ابن الصلاح نے اس کی مثال میں خلیل بن احمد (۲) کا نام لیا ہے اور بتایا ہے کہ اس نام کے چھ اشخاص ہیں مثلاً ابو بشر المزنی بصری (۳)، اصہبانی (۴)، ابوسعید السجری القاضی (۵) ابوسعید البستی القاضی المصلی (۶)

۱۔ ابن الصلاح، ۳۵۸

۲۔ الخلیل بن احمد بن عمرو بن حمیم ابو عبد الرحمن الازدی انخوی، البصری الفراءیدی صاحب العروض (م ۷۰ھ) عامم الاحول وغیرہ نے ان سے حدیث بیان کی۔ ابو العباس مبرد کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پہلا شخص ہے جس کا نام احمد ہے۔ ابن حبان نے الطبقات میں ان کا ذکر کیا۔ حافظ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ یحییٰ بن معین نے سعید بن احمد کا ذکر کیا ہے جو اس سے اقدم ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ سعید بن محمد بالیاء ہے (ابن الصلاح، ۳۵۸-۳۵۹) علامہ السیوطی نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جعفر بن ابی طالب کا بیٹا حبشہ میں پیدا ہوا تھا اور اس کا نام احمد تھا لیکن علامہ ذہبی کی رائے ہے کہ یہ واقدی کا تفرود ہے۔ نسائی نے فاطمہ بنت قیس کے خاندان ابو عمرو بن حفص بن المغیرہ صحابی کا نام احمد بتایا ہے لیکن امام بخاری نے اس کا ذکر بغیر نام کے کیا ہے (تدریب، ۳۸۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۳۱۸-۳۱۹) ترجمہ کے لیے رجوع کیجئے۔

التاریخ الکبیر، ۲/۱۹۹؛ شذرات الذهب، ۱/۲۷۵؛ تہذیب التہذیب، ۳/۲۱۳؛ سیر اعلام، ۷/۲۲۹

۳۔ ابو بشر المزنی البصری، خلیل بن احمد۔ بصرہ کے مشہور محدث تھے۔ انہوں نے مستعیر بن اخضر سے روایت کی ہے اور ان سے عباس بن عبد العظیم العمیری، محمد بن یحییٰ بن ابی سمینہ اور عبد اللہ بن محمد المسندی وغیرہ نے روایت کی۔ انہیں صاحب فہم اور معزز کہا گیا (تدریب، ۳۸۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۳۱۸-۳۱۹) ترجمہ کے لیے رجوع کیجئے۔ تہذیب

التہذیب، ۳/۱۳۸

۴۔ خلیل بن احمد الاصہبانی۔ روح بن عبادہ وغیرہ سے روایت کیا۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح کو غلطی لگی ہے یہ شخص خلیل بن محمد النجفی ابو العباس ہے۔ ابن حبان نے طبقات الاصہبانیین اور ابو نعیم نے تاریخ اصہبان میں اسی طرح بیان کیا ہے التقیید والایضاح، ۳۵۶؛ تہذیب التہذیب، ۳/۱۳۹

۵۔ خلیل بن احمد بن خلیل ابوسعید السجری القاضی (م ۳۷۸ھ)۔ انہوں نے ابن خزیمہ، ابن صاعد اور البغوی سے روایت کی اور ان سے الحاکم، اسحاق القراب اور عبد الوہاب بن محمد الخطابی وغیرہ نے روایت کی۔ حاکم ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ہو شیخ اہل الرأی فی عصرہ و کان احسن الناس کلاماً فی الوعظ۔ سمرقند میں قاضی رہے۔ یتیمۃ الدھر، ۳/۳۳۸؛

شذرات، ۳/۹۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۳۳۷؛ فتح المغیث لایراقی، ۲/۲۱۹

۶۔ خلیل بن احمد ابوسعید البستی القاضی المصلی السجری، احمد بن المظفر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حافظ البہیقی نے روایت کی۔

(ابن الصلاح، ۳۵۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۳۱۹)

۲۔ المفترق ممن اتفقت أسماءهم و أسماء آبائهم و أجدادهم أو أكثر (۲)  
دوسری قسم وہ مفترق ہے جس میں شخصیتوں کے نام اور ان کے آباء و اجداد یا زیادہ کے نام  
ایک جیسے ہوں۔

اس کی مثال احمد بن جعفر بن حمدان ہے۔ یہ چار لوگ ہیں اور سب ہم عصر ہیں۔

۱۔ ابوبکر القطیبی البغدای (۳) نے عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے روایت کی

۲۔ ابوبکر السقطی البصری (۴) نے عبد اللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی سے روایت کی

۳۔ الدینوری (۵) نے عبد اللہ بن محمد بن شان عن محمد بن کثیر صاحب سفیان الثوری سے روایت کی

۴۔ الطرسوسی (۶) نے عبد اللہ بن جعفر الطرسوسی سے روایت کی

اسی طرح محمد بن یعقوب بن یوسف النیسابوری دو ہیں۔ دونوں ہم عصر ہیں اور دونوں سے

ابو عبد اللہ حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ان میں ایک ابو العباس الاصم (۷) اور دوسرا ابو عبد اللہ

۱۔ ابوسعید البستی، ظلیل بن احمد بن عبد اللہ بن احمد شافعی المسکک تھے۔ مختلف علوم میں دسترس رکھتے تھے۔ ۴۲۲ھ میں عراق سے  
اندلس گئے اور وہاں حدیث کی اشاعت کی۔ ابو حاد اسراکنی سے روایت کی اور ان سے ابو العباس العذری وغیرہ نے۔ (ابن  
الصلاح، ۳۵۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۱۹)

۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۰؛ فتح المغیث، ۴/۳۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۳۔ احمد بن جعفر بن حمدان بن مالک ابوبکر البغدای القطیبی (م ۳۶۸ھ) صدوق فی نفسہ، خطیب کہتے ہیں: لا اعلم احداً ترک  
الاحتجاج بہ۔ حاکم کے نزدیک ثقہ مامون ہے۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے المسند اور کتاب الزهد کا سماع کیا۔ ان  
سے ابو نعیم الاصبہانی سمیت کئی لوگوں نے روایت کی۔ تاریخ بغداد، ۴/۳۵؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۲۱۰؛ فتح  
المغیث، ۴/۳۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۴۔ احمد بن جعفر بن حمدان بن عیسیٰ السقطی البصری، کنیت ابوبکر (م ۳۶۴ھ) عبد اللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی وغیرہ سے روایت  
کی اور ان سے ابو نعیم الاصبہانی وغیرہ نے روایت کی۔ فتح المغیث، ۴/۳۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۵۔ احمد بن جعفر بن حمدان الدینوری (م ۲۸۹ھ) عبد اللہ بن محمد بن شان الروجی سے روایت کی اور ان سے علی بن القاسم بن  
شازان الرازی وغیرہ نے روایت کی۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۶۔ احمد بن جعفر بن حمدان ابوالحسن الطرسوسی۔ عبد اللہ بن جابر طرسوسی اور محمد بن حسن بن خالد الطرسوسی سے روایت کی اور ان سے  
قاضی ابوالحسن النخعی بن عبد اللہ بن محمد النخعی البصری وغیرہ نے روایت کی۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۰؛  
تدریب، ۴۸۰

۷۔ ابو العباس الاصم محمد بن یعقوب الاموی النیسابوری (م ۳۴۶ھ)، اپنے وقت کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ مختلف علاقوں کے  
طالبان علم کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ سخی اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے محلہ کی مسجد میں ستر (۷۰) سال  
اذان دیتے رہے۔ ثقہ صدوق تھے۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۸۶۰؛ العبر، ۲/۴۷۳؛ سیر اعلام، ۱۵/۳۵۲

بن الاخرم (۱) الشیبانی الحافظ دون الاول کے لقب سے معروف ہے (۲)

۳۔ ما اتفق من ذلك في الكنية و النسبة معاً. (۳)

وہ جو کثیت اور نسبت دونوں میں متفق ہوں۔

اس کی مثال ابو عمران الجونی ہے۔ یہ دو اشخاص ہیں۔ ان میں ایک تو تابعی عبد الملک بن حبیب (۴) اور دوسرے موسیٰ بن ہبل بصری (۵) ہیں جو بغداد میں سکونت پذیر رہے اور ہشام بن عمار (۶) وغیرہ سے روایت کی اور ان سے دعلج بن احمد (۷) وغیرہ نے روایت کی۔

۴۔ عكس هذا بأن اتفق فيه الإسم و كنى الأب. (۸)

سابقہ کے برعکس اس طرح کہ اس میں نام اور باپ کی کثیت ایک جیسی ہے۔

اس کی مثال صالح بن ابی صالح ہے اور یہ چار اشخاص ہیں۔ ان میں سے ایک تو آمد (۹) بنت امیہ بن خلف

۱۔ ابو عبد اللہ بن الاخرم، محمد بن یعقوب الشیبانی انیساپوری (م ۳۳۴ھ) عمدہ حافظ کے مالک تھے۔ صاحب علم و فہم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ طلب علم کے لیے سفر اختیار نہیں کیے۔ متعدد مفید کتب تالیف کیں۔ شذرات ۳۶۸/۲؛ سیر اعلام، ۳۶۶/۱۵ تذکرۃ الحفاظ، ۸۶۳/۳؛ العبر ۲/۲۶۵

۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۳۔ ابن الصلاح، ۳۶۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۱؛ تدریب، ۴۸۳

۴۔ ابو عمران عبد الملک بن حبیب الازدی، الکندی، الجونی المہری (م ۱۲۹ھ) ۱۲۸ھ اور ۱۲۳ھ میں وفات کے اقوال بھی منقول ہیں۔ مشہور تابعی اور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ عمران بن حصین کی زیارت کی اور جناب بن عبد اللہ الجلی، انس، ابو فراس ربیعہ بن کعب الاسلمی وغیرہم سے روایت کی۔ ابن حصین کے نزدیک ثقہ، ابو حاتم کے ہاں صالح اور نسائی کہتے ہیں: لیس بہ باس۔ تہذیب التہذیب، ۳۳۶/۶؛ سیر اعلام، ۲۵۵/۵

۵۔ ابو عمران موسیٰ بن ہبل بن عبد الحمید الجونی المہری (م ۳۰۷ھ) ربیع بن سلیمان اور ان کے طبقہ کے اہل علم سے روایت کی۔ ان سے اسامی اور طبرانی وغیرہ نے۔ تدریب، ۴۸۳؛ فتح المغیث ۴/۳۲۱؛ تاریخ بغداد، ۵۶/۳-۵۷-۵۷؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۷۶۳؛ شذرات الذهب، ۲/۲۵۱

۶۔ ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرہ بن ابان ابو الولید السلمی (م ۲۳۵ھ) حافظ علامہ المقرئ، خطیب دمشق، کثیر مشائخ سے استفادہ کیا اور ان سے بڑی تعداد نے روایت کی۔ یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا۔ العجلی ثقہ اور صدوق کہا، دارقطنی نے کہا، صدوق۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۳۲۰۔ ابن سعد، ۴/۴۷۳؛ تاریخ الکبیر، ۳/۱۹۹؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۵۱؛ البدایہ، ۱۰/۳۳۷؛ تہذیب التہذیب، ۱۱/۵۱-۵۲

۷۔ دعلج بن احمد بن دعلج بن عبد الرحمن ابو محمد البجستانی (م ۲۵۳ھ) الملقبہ الامام۔ حاکم کہتے ہیں: دعلج الفقیہ شیخ اہل الحدیث فی عصرہ۔ دارقطنی کے نزدیک مثبت المشائخ تھے۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۳۰؛ تاریخ بغداد، ۸/۳۷۸؛ وفيات الاعیان، ۲/۲۷۱؛ السبکی، ۳/۹۱-۹۱؛ شذرات الذهب، ۳/۸

۸۔ ابن الصلاح، ۳۶۱؛ توضیح الافکار، ۲/۳۹۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۲-۳۲۳

۹۔ التوامة: بفتح التاء المثناة، وسكون الواو، بعد ما همزه مفتوحة. تقریب التہذیب، ۱/۳۶۳

کا غلام ہے، اس کے باپ کا نام مبہان اور کنیت ابو صالح اور صالح کی کنیت ابو محمد مدنی (۱) ابو ہریرہ، ابن عباس اور انس وغیرہ سے روایت کی۔ دوسرے کے صالح والد کا نام ابو صالح السمان ذکوان ہے صالح کی کنیت ابو عبد الرحمن (۲) ہے۔ ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اور مسلم نے اس کی حدیث درج کی ہے تیسرے صالح بن ابی صالح السدوسی (۳) ہیں۔ انہوں نے علیؑ اور عائشہؓ وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے خلا بن عمرو نے۔

چوتھے صالح بن ابی صالح (۴) مولیٰ عمرو بن حریت ہیں۔ انہوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ابو بکر بن عیاش نے روایت کی ہے۔ حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ابن معین نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (۵) حافظ سیوطی نے پانچویں کا ذکر بھی کیا جو صالح بن ابی صالح الاسدی (۶) ہیں۔ انہوں نے شععی سے روایت کی ہے اور ان سے زکریا بن ابی زائدہ نے روایت کی۔ امام نسائی نے ان کی حدیث درج کی ہے۔ (۷)

### ۵۔ المفترق ممن اتفقت اسماء ہم و اسماء ابائهم و نسبتهم. (۸)

وہ مفترق جن کے اپنے نام، والد کے نام اور ان کی نسبتیں ایک جیسی ہوں۔

اس کی مثال محمد بن عبد اللہ الانصاری ہے جو دو ہیں اور دونوں تقریباً ایک طبقے میں ہیں۔ ان میں سے ایک ابو عبد اللہ (۹) القاضی جو بخاری کے شیخ ہیں۔ ان سے بخاری اور دوسرے لوگوں نے روایت کی اور

۱۔ میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۲۔ صالح بن ابی صالح السمان، ابو صالح کا نام ذکوان ابو عبد الرحمن المدنی ہے۔ اپنے والد اور انس بن مالک سے روایت کی اور ان سے ہشام بن عروہ وغیرہ نے روایت کی۔ ابن معین نے ثقہ گردانا ہے اور ابن حبان نے الثقات میں تذکرہ کیا ہے ابو بکر المزار نے بھی ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کی روایت کو حسن غریب کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۳۴۵؛ فتح المغیث، ۳۲۳؛ تدریب، ۳۸۸؛ کتاب الثقات، ۶/ ۳۶۰؛ التاريخ الكبير، ۲/ ii/ ۲۷۹

۳۔ صالح بن ابی صالح السدوسی: حضرت علیؑ اور عائشہ صدیقہ سے روایت کیا۔ التاريخ الكبير، ۲/ ii/ ۲۸۳؛ کتاب الثقات، ۶/ ۳۶۳

۴۔ صالح بن ابی صالح مهران الحزومی الکوفی مولیٰ عمرو بن حریت۔ ابن معین نے ضعیف گردانا ہے، نسائی کے نزدیک مجہول ہیں اور ابن حبان نے الثقات میں تذکرہ کیا ہے۔ فتح المغیث، ۳/ ۳۲۳؛ تدریب، ۳۸۳؛ تہذیب التہذیب، ۳/ ۳۴۵؛ التاريخ الكبير، ۲/ ii/ ۲۸۳

۵۔ تدریب، ۳۸۳؛ فتح المغیث للعرافی، ۳/ ۳۲۳

۶۔ صالح بن ابی صالح الاسدی عبد خیر سے روایت کیا اور ان سے عطاء بن مسلم نے روایت کیا۔ کتاب الثقات، ۶/ ۳۶۱، ۳۶۳؛ التاريخ الكبير، ۲/ ii/ ۲۸۳

۷۔ تدریب، ۳۸۳ ۸۔ ابن الصلاح، ۳۶۱-۳۶۲

۹۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن العقیلی بن عبد اللہ بن انس بن مالک الانصاری البصری القاضی۔ ستانوے سال کی عمر میں ۲۱۵ھ میں فوت ہوئے۔ اپنے والد، سلیمان، حمید الطویل اور کئی دوسرے لوگوں سے روایت کی۔ ابن معین کہتے ہیں کہ ثقہ ہیں ابو حاتم نے انہیں صدوق قرار دیا ہے۔ ایک مرتبہ یہ بھی کہا: میں نے صرف تین ائمہ دیکھے ہیں: احمد بن حنبل، سلیمان بن داؤد الباشمی، محمد بن عبد اللہ الانصاری۔ تہذیب التہذیب، ۹/ ۲۳۳-۲۳۶؛ سیر اعلام، ۹/ ۵۳۲

دوسرے ابوسلمہ (۱) جو ضعیف الحدیث ہیں (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے خطیب کی متابعت میں دو ناموں پر اکتفا کیا ہے جب کہ حافظ ابوالنجاج المزنی نے تہذیب میں کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ الانصاری تین ہیں اور تیسرے محمد بن عبداللہ بن حفص بن ہشام بن زید بن انس بن مالک الانصاری (۳) ہیں وہ بھی بصری ہیں۔ ان سے ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور ابن حبان انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ (۴) حافظ عراقی مزید کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ایک اور شخص بھی اشتراک رکھتے ہیں اور وہ ہیں محمد بن عبداللہ بن زید بن عبدربہ الانصاری۔ (۵) حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ خطیب نے دو کا ذکر صرف طبقہ کی قربت کے باعث کیا ہے نیز دونوں میں ایک اور وجہ اشتراک بھی ہے کہ دونوں حمید الطویل، سلیمان التیمی، مالک بن دینار اور قرہ بن خالد سے روایت کرتے ہیں۔ جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے تو وہ متاخر طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اور چوتھا متقدم طبقہ ہے جسے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۶)

۶۔ ما وقع فيه الإشتراك في الإسم خاصة أو الكنية خاصة و أشكل

مع ذلك لكونه لم يذكر بغير ذلك (۷)

وہ متفرق جس میں صرف نام یا صرف کنیت میں اشتراک ہو۔ اس وقت مشکل پیش آتی ہے جب اس کے بغیر کسی اور وجہ سے مذکور نہ ہو۔

اور اس کی مثال حافظ ابن خلاد والقاضی (۸) کا قول ہے: جب عارم کہے: حدثنا حماد تودہ حماد بن زید

- ۱۔ ابوسلمہ محمد بن عبداللہ بن زیاد الانصاری مولانا المہری عراقی کہتے ہیں کہ عقیلی، ابوالاحمد حاکم اور ابن حبان نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے (فتح المغیث، ۴/۳۲۱) عقیلی نے منکر الحدیث قرار دیا اور ابوالاحمد حاکم نے کہا زوی عن یحییٰ بن خذام عن مالک بن دینار احادیث منکرۃ، والحمل فیہ علی ابی سلمہ۔ ابن طاہر نے کذاب کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۹/۲۲۸-۲۲۹؛ دیوان الضعفاء، ۲/۳۱۱
- ۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۱؛ ابن الصلاح، ۳۶۲
- ۳۔ محمد بن عبداللہ بن حفص بن ہشام بن زید بن انس بن مالک الانصاری المہری محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ الانصاری اور ابو النضر یحییٰ بن کثیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن ماجہ اور ابن خزیمہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ تہذیب التہذیب، ۹/۲۲۵؛ کتاب الثقات، ۹/۱۱۶
- ۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۱
- ۵۔ محمد بن عبداللہ بن زید بن عبدربہ الانصاری الخزرجی المدنی۔ اپنے والد، ابوسعود الانصاری سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن وغیرہ نے روایت کی۔ ابوحاتم نے صدوق کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۹/۲۲۹
- ۶۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۱-۳۲۲؛ تدریب، ۳۸۳
- ۷۔ ابن الصلاح، ۳۶۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۳؛ تدریب، ۳۸۵
- ۸۔ ابومحمد الحسن بن عبدالرحمن بن خلاد الراہر مزنی صاحب المحدث الفاصل (۳۶۰ھ) ثقہ مامون اور ائمہ حدیث میں بلند مرتبہ کے حامل تھے۔ متقی اور کریم الخلق تھے۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۷۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۹۰۵؛ شذرات، ۳/۳۰



ہوں گے اسی طرح اگر سلیمان بن حرب کہیں اور جب التبوذکی (۱) کہے: حدثنا حماد تو اس سے مراد حماد بن سلمہ ہوں گے اسی طرح اگر الحجاج بن منہال کہیں۔ جب عفان، حدثنا حماد کہیں تو دونوں میں سے ایک مراد ہو سکتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یحییٰ سے عفان کا یہ قول دیکھا کہ جب میں حدثنا حماد بغیر نسبت کے کہوں تو اس سے مراد حدثنا حماد بن سلمة ہوتے ہیں (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اشکال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں سے روایت کرنے والا مطلق نام لے، لیکن صرف ایک سے روایت کرے تو کوئی اشکال نہیں۔ (۳) ابن الصلاح نے سلمہ بن سلیمان کی مثال دی ہے کہ انہوں نے ایک روز کہا: اخبرنا عبد اللہ تو کہا گیا کہ عبد اللہ بن من اس پر وہ کہنے لگے: سبحان اللہ تم ہر حدیث کے بارے میں اس وقت تک مطمئن نہیں ہو گے جب تک میں یہ نہ کہوں: حدثنا عبد اللہ بن مبارک ابو عبد الرحمن الحنظلی الذی منزله سكة صفد (۴) پھر انہوں نے سلمہ ہی سے مطلق نام کے استعمال کی تفصیل بیان کی۔ سلمہ نے کہا: جب مکہ میں صرف عبد اللہ کہا جائے تو وہ عبد اللہ بن الزبیر ہوں گے جب مدینہ میں عبد اللہ کہا جائے تو اس سے مراد ابن عمر ہوں گے اور کوفہ میں مطلق عبد اللہ سے مراد عبد اللہ بن مسعود ہوں گے۔ جب بصرہ میں عبد اللہ بولا جائے گا تو وہ عبد اللہ بن عباس ہوں گے اور اگر خراسان میں مطلق عبد اللہ استعمال ہو تو اس سے عبد اللہ بن مبارک مراد ہوں گے۔ (۵) حافظ ابو یعلیٰ الخلیلی القرظی (۶) کا کہنا ہے کہ جب مصری بغیر نسبت کے عبد اللہ کہے تو اس کا مطلب عبد اللہ بن عمرو بن العاص ہوگا اور جب کوئی مکی نسبت کے بغیر عبد اللہ کہے تو اس سے عبد اللہ بن عباس مراد ہوں گے۔ (۷) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ نصر بن شمیل (۸) کہتے ہیں کہ جب شامی

۱- التبوذکی، بفتح المشناة الفوقانية، وضم الموحدة، وفتح الذال المعجمة: الحافظ الامام المحدث شيخ الاسلام ابو سلمة موسى بن اسماعيل المنقري مولاهم البصري (م ۲۲۳ھ)۔ ابن سعد کہتے ہیں: كان ثقة كثير الحديث۔ ابوحاتم کہتے ہیں: موسى بن اسماعيل ثقة صدوق ہیں۔ صفار تالبعین میں الخوارزمی جریر بن حازم اور شعبہ سے روایت کی اسی طرح جریر بن اسماء اور حماد بن سلمہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری، ابوداؤد اور دیگر نے روایت کی۔ ابن سعد، ۷/۳۰۶؛ التاريخ الكبير، ۳/۲۸۰؛ الجرح و التعديل، ۳/۱۱۳۶؛ تذكرة الحفاظ، ۱/۳۹۴-۳۹۵؛ ميزان الاعتدال، ۳/۲۰۰؛ سير اعلام النبلاء، ۱۰/۳۶۰-۳۶۵؛ تهذيب التهذيب، ۱۰/۳۳۳

۲- ابن الصلاح، ۳۶۲

۳- فتح المغيث للعراقي، ۳/۲۲۳

۴- ابن الصلاح، ۳۶۲؛ فتح المغيث، ۳/۲۲۳

۵- ايضاً، ۳۶۲-۳۶۳

۶- دیکھئے: اصول الحديث، ۱/۲۲۱، حاشیہ ۱۷۸

۷- ابن الصلاح، ۲۶۳؛ فتح المغيث، ۳/۲۲۳-۲۲۵

۸- نصر بن شمیل بن خرشہ بن زید بن کلثوم العلام، الحافظ ابو الحسن المازنی البصری الخوی (م ۲۰۳ھ) ہشام بن عروہ، عثمان بن غياث اور بہز بن حکیم وغیرہم سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن معین، یحییٰ بن یحییٰ اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے روایت کی۔ ابوحاتم کے بقول: ثقة، صاحب النسخ تھے۔ یحییٰ بن بستی، ابن المدینی اور نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن سعد، ۷/۳۷۳؛ التاريخ الكبير، ۳/۹۰؛ وفيات الاعيان، ۵/۳۹۷؛ ميزان الاعتدال، ۳/۲۵۸؛ تذكرة الحفاظ، ۱۰/۳۱۳؛ البداية، ۱۰/۲۵۵؛ تهذيب التهذيب، ۱۰/۳۳۷؛ سير اعلام النبلاء، ۹/۳۲۸-۳۳۳

عبداللہ کہے تو اس سے مراد عبداللہ بن عمرو بن العاص ہوں گے اور جب مدنی کہے تو اس سے مراد عبداللہ بن عمر ہوں گے (۱) خطیب کہتے ہیں کہ یہ صحیح قول ہے۔ اور بعض مصری عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بارے میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ (۲)

کنیت کے اتفاق کے لیے ابن الصلاح نے ابو حمزہ (بالحاء و الزای) عن ابن عباس کی مثال دی ہے (۳) اگر مطلق استعمال کیا جائے۔ بعض حفاظ حدیث نے بیان کیا ہے کہ شعبہ نے سات ابو حمزہ عن ابن عباس روایت کیا ہے اور سب بالحاء و الزای ہیں۔ صرف ایک جیم اور الراء سے ابو حمزہ نصر بن عمران الضبجی (۴) ہیں جب مطلق ابو حمزہ استعمال ہو تو اس سے نصر بن عمران مراد ہوں گے۔

عراقی کہتے ہیں کہ اس موضوع پر خطیب نے ایک کتاب المکمل فی بیان المہمل تالیف کی۔ (۵)

۷۔ المشترك المتفق فی النسبة خاصة. (۶)

ایسے مشترک جو صرف نسبت میں متفق ہوں۔

اس کی مثال الآطی ہے ایک کی نسبت آمل طبرستان کی طرف ہے۔ ابوسعید السمعی کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم جن کا تعلق طبرستان سے ہے وہ آمل سے ہیں (۷) دوسری نسبت آمل حمون کی طرف ہے جیسے عبداللہ بن حماد الآطی۔ (۸) ان سے بخاری نے اپنی تصحیح میں روایت کی ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں ابو علی القسانی اور قاضی عیاض نے اسے غلطی سے آمل طبرستان کی طرف منسوب کیا ہے۔ (۹)

۱۔ فتح المغیث، ۳/ ۳۲۵؛ تدریب، ۳۸۷

۲۔ ایضاً، ۳/ ۳۲۵

۳۔ ابن الصلاح، ۳۶۳

۴۔ ابو حمزہ نصر بن عمران الضبجی المہری (م ۱۲۸ھ) اپنے والد، ابن عباس اور ابن عمرو وغیرہ سے روایت کی اور ان سے شعبہ، دونوں حماد اور کئی دوسرے لوگوں نے روایت کی۔ امام احمد کے نزدیک ثقہ ہیں۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ان کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔ سیر اعلام، ۵/ ۲۳۳؛ تہذیب التہذیب، ۱۰/ ۳۸۵-۳۸۶؛ تاریخ الکبیر، ۳/ ۱۰۳/ ۱۱

۵۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۲۵

۶۔ ابن الصلاح، ۳۶۳؛ فتح المغیث، ۳/ ۳۲۵

۷۔ ایضاً، ۳۶۳؛ ایضاً، ۳/ ۳۲۵

۸۔ عبداللہ بن حماد بن ایوب ابو عبدالرحمن الآطی (م ۲۶۹/ ۲۷۰ھ) الامام الحافظ البارع ثقہ، انھوں نے ابو الیمان اور سلیمان بن حرب سے سماع کیا اور ان سے بخاری اور دیگر نے روایت کی۔ تاریخ بغداد، ۹/ ۳۳۳-۳۳۵؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۶۱۱؛ تہذیب التہذیب، ۵/ ۱۹۰-۱۹۱

۹۔ ابن الصلاح، ۳۶۳؛ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ بخاری نے نسبت کی تصریح کرتے ہوئے روایت نہیں کی۔ انہوں نے ایک جگہ صرف عبداللہ عن یحییٰ بن معین اور دوسری جگہ عبداللہ عن سلیمان بن عبدالرحمن نقل کیا ہے۔ اسی لیے اسے متعین کرنے میں اختلاف ہوا بعض نے کہا آطی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ عبداللہ بن ابی القاضی الخوارزمی ہے۔ اور یہی ظاہر ہے کیونکہ اس نے کتاب الضعفاء میں متعدد احادیث نسبت کی تصریح کے ساتھ، سلیمان بن عبدالرحمن وغیرہ سے روایت کی ہیں۔ فتح المغیث، ۳/ ۳۲۶



اس کی دوسری مثال الحنفی ہے ایک نسبت بنی حنیفہ کی طرف ہے اور دوسری امام ابو حنیفہ کے مذہب کی طرف ہے۔ ان میں سے ہر ایک سے متعلق مشہور اہل علم منسوب ہیں۔ محمد طاہر المقدسی اور دیگر بہت سے اہل علم ان میں فرق کرتے ہوئے مذہب ابو حنیفہ کی طرف منسوب اہل علم کو حنفی کہتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ نحو یوں میں سے امام ابو بکر بن الانباری (۱) کے سوا کسی کو اس نسبت کا استعمال کرتے نہیں دیکھا۔ (۲)

۸۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ الحنفی والمفتوح کے سلسلے میں وہ اسماء جنہیں واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے انہیں یا تو تحقیق سے متعین کیا جائے گا اور راوی اور مروی عنہ کے سلسلے میں جو میزرات بیان ہوئے ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات ظن کی بنیاد پر تعین کیا جاتا ہے جو قوی نہیں ہوتا۔ (۳)

امام نووی نے اسے اپنے انداز سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

ثم ما وجد من هذا الباب غير مبین فيعرف بالراوي والمروى عنه

او بیانہ فی طریق آخر. (۴)

اس بات میں جو غیر واضح پایا جائے اسے راوی اور مروی عنہ کے ذریعہ پہچانا جائے گا یا کسی

اور طریق پر بیان کے ذریعہ۔

حافظ سیوطی نے اس کی عمدہ وضاحت کی ہے۔ (۵)

حافظ عراقی نے الخامس کے عنوان سے ایک اور نوع کا ذکر کیا ہے جو ان کے مطابق حافظ ابن الصلاح نے الثالث کے تحت ضمناً ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

هذا المثال للقسم الخامس من هذا النوع لم يفرد ابن الصلاح

بالتقسيم وانما أدخله في القسم الثالث و قال انما مما يقاربه (۶) وهو

أن تتفق كناههم و أسماء آبائهم نحو ابی بکر بن عیاش (۷) ثلاثة. (۸)

۱- ابو بکر محمد بن القاسم بن بشار بن الانباری المقرئ الخوی (م ۳۰۴ھ) والد کو علم سے بہت محبت تھی لہذا بچپن ہی میں اپنے بیٹے کو اہل علم کی مجالس میں بھیجنا شروع کر دیا اور بہت جلد حفاظ حدیث کے زمرہ میں شمار کیے جانے لگے۔ صاحب تالیف تھے۔ متقی و پرہیز گار اور صادق تھے۔ تاریخ بغداد، ۳ / ۱۸۸؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۸۴۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۵ / ۲۷۳

۲- ابن الصلاح، ۳۶۴

۳- ایضاً، ۳۶۳

۴- تقریب مع تدریب، ۲۸۹

۵- تدریب، ۲۸۹

۶- ابن الصلاح، ۳۶۱

۷- ابو بکر بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی المقرئ (م ۱۹۳ھ) اپنے وقت کے اجل اہل علم سے استفادہ کیا اور بہت جلد ممتاز محدثین، فقہاء اور قراء کی صف میں شامل ہو گئے۔ نقادان حدیث نے ان کو ثقہ اور ضابط قرار دیا۔ کتاب الکنی، ۱۳؛

تذکرۃ الحفاظ، ۱ / ۳۶۵؛ تہذیب التہذیب، ۱۲ / ۳۳؛ سیر اعلام النبلاء، ۸ / ۲۹۵

۸- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۲۲

یہ مثال اس نوع کی پانچویں قسم سے متعلق ہے جسے ابن الصلاح نے الگ ذکر نہیں کیا ہے بلکہ تیسری قسم میں داخل کیا ہے اور کہا ہے (و مما یقاربه) کہ یہ اس کے قریب ہے اور وہ قسم یہ ہے کہ متفرق شخصیتوں کی کنیتیں اور والد کے نام ایک جیسے ہوں، جیسے ابو بکر بن عیاش جو تین ہیں۔

حافظ عراقی ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پہلے ابو بکر بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی المقری راوی قراءت عاصم ہیں۔ (۱) ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں گیارہ اقوال ہیں۔ ابو زرہ کہتے ہیں کہ ان کا نام شعبہ ہے جب کہ ابن الصلاح اور المزنی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس کی کنیت ہی اس کا نام ہے۔ ان کی وفات ۱۹۲ھ میں ہوئی۔ ۱۹۳ھ اور ۱۹۴ھ کی تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ دوسرے ابو بکر بن عیاش المحضی (۲) جنہوں نے عثمان بن شاک الشامی (۳) سے روایت کی اور ان سے جعفر بن عبد الواحد الهاشمی نے۔ خطیب نے کہا ہے کہ عثمان اور ابو بکر مجہول ہیں اور جعفر غیر ثقہ۔ (۴) تیسرے ابو بکر بن عیاش بن حازم السلمی (بطریق ولایت) الباجدائی۔ (۵) (م ۲۰۴ھ) ان کا نام حسین ہے اور انہوں نے جعفر بن برقان سے روایت کی اور ان سے علی بن جمیل الرقی وغیرہ نے۔

خطیب نے کہا:

كان فاضلاً ادیباً وله كتاب مصنف في غريب الحديث. (۶)

فاضل وادیب تھے اور غریب الحدیث پر کتاب لکھی۔

اس طرح حافظ عراقی نے آٹھ، علامہ سیوطی نے سات اور ابن الصلاح نے چھ اقسام بیان کی ہیں یہ فرق اس لیے ہے کہ حافظ ابن الصلاح نے جسے کسی ایک قسم کے ذیل میں بیان کیا ہے دوسروں نے اسے مستقل قسم قرار دے کر الگ بیان کیا ہے۔ یوں تعداد میں فرق پیدا ہوا ہے۔

- ۱- فتح المغیث العراقی، ۳/۳۲۲: عاصم بن ابی النجد ابو بکر الاسدی مولا حم الکوفی (م ۱۲۸ھ) اہل علم سے استفادہ کے بعد خلق خدا کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ متدین اور عمدہ اخلاق و آداب کے مالک تھے۔ قرآن حکیم اور حدیث رسول کے علاوہ نحو پر دسترس تھی۔ التاریخ الکبیر، ۳/۳۸۷/ii؛ و فیات الاعیان، ۳/۹؛ تہذیب التہذیب، ۵/۳۸؛ سیر اعلام النبلاء، ۵/۲۵۶
- ۲- میسر مصادر میں تفصیلات نزل سکیں۔
- ۳- میسر مصادر میں تفصیلات نزل سکیں۔
- ۴- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۲۲
- ۵- الباجدائی، بضم الجیم، و تشدید الدال، ینسب الی باجداء، بفتح الباء و الجیم و تشدید الدال، قرية من نواحي بغداد، فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۲۲؛ معجم البلدان، ۱/۳۳۳؛ ابو بکر بن عیاش بن حازم السلمی (م ۲۰۴ھ)۔ جعفر بن برقان سے روایت کی اور ان سے اہل الجزیرہ نے۔ کتاب الثقات، ۸/۱۸۵؛ تہذیب، ۱۲/۳۳
- ۶- فتح المغیث، ۳/۳۲۲؛ ابن الصلاح، ۳۶۱؛ تہذیب، ۱۲/۳۳

اہم تصانیف

## ۱۔ المتفق والمفترق

خطیب بغدادی کی تالیف ہے۔ حافظ ابن الصلاح، عراقی، سیوطی اور کتانی نے اسے نفیس کتاب قرار دیا ہے۔ (۱) حافظ ابن حجر نے اس کی تلخیص کی اور اس میں اضافے کئے۔ (۲)

## ۲۔ کتاب الانساب المحققة فی الخط المتماثلة فی النقاط والضبط

اس کتاب کے مولف حافظ محمد بن الطاہر ابوالفضل المقدسی ابن القیسرانی (م ۵۰۷ھ) ہیں۔ یہ کتاب متفق کی خاص نوع پر مشتمل ہے۔

## ۳۔ من وافقت کدیة زوجة من الصحابة

ابوالحسن محمد بن حیویہ کی تالیف ہے جو متفق کی خاص قسم سے متعلق ہے، جیسے ام ایوب الانصاریہ زوج ابی ایوب؛ ام معقل الاسدیہ زوج ابی معقل وغیرہ۔

## ۴۔ المتفق والمفترق

ابن النجار ابوعبداللہ محمد بن محمود البغدادی (م ۶۳۳ھ) کی تالیف ہے (۳)



- 
- ۴۔ ابن الصلاح، ۳۵۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۱۸؛ تدریب، ۳۰۹؛ الرسالة، ۹۶؛ اس کا مکمل نسخہ استانبول میں مکتبہ اسعد افندی نمبر ۲۰۹۷ داخل ۲۲۹ کے تحت موجود ہے۔
- ۵۔ نزہة النظر، ۶۸؛ کتانی کہتے ہیں کہ وہ اس کا مکمل نہ کر سکے (الرسالة، ۹۶)
- ۶۔ سیر اعلام، ۱۳۳/۲۳

## المؤتلف والمختلف

### تعريف

المؤتلف، لغوی اعتبار سے اسم فاعل ائتلاف سے ہے جس کے معنی اجتماع، اتفاق اور باہمی ملاقات کے ہیں (۱)۔ اس کے مقابل نفرت ہے۔ المختلف اسم فاعل ہے الاختلاف سے اور یہ اتفاق کے مد مقابل بولا جاتا ہے۔ (۲)

محدثین کی اصطلاح میں:

وهو ما ياتلف أي تتفق في الخط صورته و تختلف في اللفظ  
صیغته. (۳)

یہ وہ اسم ہے جو خطی صورت میں ایک جیسے ہوں لیکن لفظ کے صیغے میں مختلف ہوں۔  
امام نووی نے مختصراً کہا:

وهو ما يتفق في الخط دون اللفظ (۴) یعنی وہ جو خط میں متفق ہو لیکن لفظ میں نہیں۔  
حافظ عراقی نے ذرا وضاحت کے ساتھ تعریف کرتے ہوئے کہا:

من فنون الحديث المهمة معرفة المؤتلف خطأ من المختلف لفظاً من  
الأسماء والألقاب والأنساب ونحوها. (۵)

اہم فنون حدیث میں سے اسماء، القاب اور انساب وغیرہ میں خط میں متفق اور لفظ میں مختلف  
کی معرفت ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وان اتفقت الأسماء خطأ و اختلفت نطقاً سواء كان مرجع الاختلاف  
النقط أم الشكل فهو المؤتلف و المختلف. (۶)

۱- لسان العرب، ۱۱/۹، ۱۱/۹

۲- ایضاً، ۹۱، ۹۰/۹

۳- ابن الصلاح، ۳۳۳

۴- تقریب مع تدریب، ۳۶۳

۵- فتح المغیث ۳/ ۳۹۱

۶- نزہة النظر، ۶۸

اگر متعدد اسماء خط میں متفق مگر تلفظ میں مختلف ہوں تو انھیں موٹلف و مختلف کہا جاتا ہے۔

اختلاف تلفظ کا مدار نقطے ہوں یا شکل (اعراب)۔

صاحب توضیح الافکار نے حافظ ابن حجر ہی کی تعریف کو اپنے الفاظ میں نقل کیا ہے۔

الذی اتفق من جهة الخط والكتابة، واختلف النطق به، سواء كان

منشأ الإختلاف النقط أم الشكل. (۱)

وہ جو خط اور کتابت کے لحاظ سے متفق لیکن بولنے میں مختلف ہو۔ برابر ہے کہ اختلاف کا

سبب نقطے ہوں یا شکل۔

### اہمیت

محدثین کے ہاں اس فن کی بے حد اہمیت ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ طالب حدیث کے لیے اس سے اعتناء بے حد ضروری ہے۔ جس شخص کو اس کی معرفت حاصل نہیں وہ اکثر غلطی کا شکار ہوتا اور اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (۲) شدید ترین غلطی کا امکان راویوں کے ناموں میں ہوتا ہے اور اس کا حصول اہل معرفت سے روایت اور نقل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس میں قیاس کا دخل بھی نہیں اور اسے کلام کے سیاق و سباق سے بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔ (۳) حافظ ابن الصلاح کا بیان ہی ان ساری وضاحتوں کی بنیاد ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وهو منتشر لا ضابط في اكثره يفرع اليه و انما يضبط بالحفظ  
تفصيلاً. (۴)

یہ بہت پھیلا ہوا ہے اور اکثر صورتوں میں کوئی ضابطہ نہیں جس کا سہارا لیا جائے اور صرف مفصل حفظ سے ہی ضبط ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اسی بات کو اپنے انداز سے بیان کیا ہے:

ومعرفته من مهمات هذا الفن، حتى قال علي بن المديني: اشد

التصحيح ما يقع في الاسماء ووجه بعضهم بانه شيء لا يدخله

القياس ولا قبله شيء يدل عليه ولا بعده. (۵)

۱- توضیح الافکار، ۲/ ۲۸۷

۲- فتح المغیب للعراقی، ۴/ ۳۹۱؛ تدریب، ۴۶۳؛ ابن الصلاح، ۳۴۴

۳- توضیح الافکار، ۲/ ۲۸۷

۴- ابن الصلاح، ۳۴۴

۵- نزہة النظر، ۶۸

اس کا جائز فہم حدیث میں اہم ہے۔ علی ابن المدینی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جو تصحیف اسماء میں ہوتی ہے وہ شدید تر ہے کیونکہ یہ نہ قیاس میں آسکتی ہے اور نہ ما قبل و ما بعد اس پر دلالت کرتا ہے۔

اقسام

حافظ ابن الصلاح نے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

و هذه اشیاء مما دخل تحت الضبط ما يكثر ذكره والضبط على

قسمين على العموم وعلى الخصوص . (۱)

یہ وہ اشیاء ہیں جن کا اکثر ذکر ہوتا ہے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ضبط کے تحت آتی ہیں اور ضبط کی دو اقسام ہیں۔ ضبط علی العموم اور ضبط علی الخصوص۔

امام نووی نے ابن الصلاح کی عبارت کا اختصار کرتے ہوئے اسے زیادہ واضح کیا ہے:

وهو منتشر لا ضابط في اكثره وما ضبط على قسمان . (۲)

یہ بہت پھیلا ہوا ہے اور اکثر میں کوئی ضابطہ نہیں اور جو منضبط ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

علامہ سیوطی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

الضبط بالحفظ تفصيلاً . (۳)

یہ صرف تفصیلی حفظ سے ہی ضبط ہوگا۔

حافظ عراقی کی عبارت ابن الصلاح سے زیادہ واضح ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ثم المؤلف والمختلف ينقسم الى قسمين أحدهما ما ليس له ضابط

يرجع إليه وإنما يعرف بالنقل والحفظ وهو الأكثر والثاني ما يدخل

تحت الضبط، وقد ذكرت من هذا القسم الثاني جملة منه تبعاً لابن

الصلاح، ثم هذا القسم على قسمين (أحدهما) على العموم من غير

تقييد بتصنيف ويضبط بأن يقال ليس لهم فلان الاكذا والباقون كذا.

(والثاني) من القسم الثاني مخصوص بما في الصحيحين والموطأ . (۴)

۱- ابن الصلاح، ۳۲۴؛ علامہ سیوطی نے علی العموم کی وضاحت من غیر اختصاص بکتاب کے ساتھ کی ہے اور

علی الخصوص کی ما وقع فی الصحيحین فقط اور فیہما مع الموطأ سے کی ہے۔ تدریب، ۳۶۰، ۳۶۹

۲- تقریب مع تدریب، ۳۶۰

۳- ایضاً، ۳۶۰

۴- فتح المغیث للعراقی، ۳۹۱/۳



پھر المؤلف والمختلف دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس کا کوئی ضابطہ نہیں کہ اس کی طرف رجوع کیا جاسکے وہ صرف نقل و حفظ سے ہی سمجھا جاسکتا ہے اور زیادہ تعداد اسی قسم کی ہے۔ دوسرا وہ ہے جو کسی ضبط کے تحت داخل ہے۔ میں نے ابن الصلاح کے تتبع میں دوسری قسم میں جملہ مثالوں کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر ہر قسم مزید دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک عمومی ہے جو کسی تصنیف سے مقید نہیں ہے اور اس کا انضباط اس طرح ہوگا کہ کہا جائے کہ ان کے لیے فلاں صرف اس طرح ہے اور باقی اس طرح اور دوسری قسم میں وہ ہے جو صحیحین اور موطأ میں ہے۔

## پہلی قسم

### ۱۔ سلام اور سلام

۱۔ حافظ ابن الصلاح نے پہلی قسم کی مثال میں سلام اور سلام کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

جميع ما يرد عليك من ذلك فهو بتشديد اللام الاخمسة وهم (۱)

اس سلسلے میں جو نام بھی آئے ہیں وہ سب لام کی تشدید کے ساتھ سوائے پانچ کے اور وہ یہ ہیں۔

سلام والد عبد اللہ بن سلام الاسرائیلی الصحابی، سلام والد محمد بن سلام البیکندی البخاری (۲) شیخ البخاری۔

خطیب اور ابن ماکولانے اسے تشدید کے بغیر ہی نقل کیا ہے۔ صاحب المطالع کہتے ہیں کہ کچھ لوگ اسے تخفیف سے پڑھتے ہیں اور اکثریت تشدید سے پڑھتی ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

قلت: التخفيف اثبت وهو الذي ذكره غنجار (۳) في تاريخ بخاري

وهو اعلم باهل بلادہ. (۴)

میں کہتا ہوں کہ تخفیف زیادہ ثابت ہے اسی کو غنجار نے تاریخ بخاری میں نقل کیا ہے اور وہ

علاقے کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

۱۔ ابن الصلاح، ۳۳۵؛ فتح المغیث، ۳/۳۹۱، ۳۹۲

۲۔ البیکندی: بکسر الموحدة، و مسكون المشاة التحتانية ثم كاف مفتوحة و نون ساكنة، بعدها دال مهملة۔

(فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۱ حاشیہ، ۵)؛ البیکندی، ابوزکریا یحییٰ بن جعفر البخاری (م ۲۳۳ھ)۔ طلب حدیث کے لیے مختلف علاقوں کے سفر کیے سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق جیسے اہل علم سے سماع کیا۔ تذکرة الحفاظ، ۲/۳۸۷؛

تهذيب التهذيب، ۱۱/۱۹۳؛ سير اعلام النبلاء، ۱۲/۱۰۰

۳۔ غنجار، ابو عبد اللہ محمد بن احمد البخاری (م ۴۱۲ھ) اپنے وقت کے ممتاز اہل علم میں سے تھے۔ کئی کتب کے مؤلف تھے جن

میں اہم تاریخ بخارا اور فضائل الصحابة الأربعة تھیں۔ تذکرة الحفاظ، ۳/۱۰۵۲؛ شذرات، ۳/۱۹۶؛

سير اعلام النبلاء، ۱۷/۳۰۳

۴۔ ابن الصلاح، ۳۳۵

اور سلام بن محمد بن ناہض المقدسی (۱)۔ اس سے حافظ ابوطالب اور طبرانی نے روایت کی ہے اور طبرانی انھیں سلامہ کہتے ہیں اور سلام، ابوعلی الجبائی المعتزلی المشکک محمد بن عبدالوہاب بن سلام کے (دادا)۔ المبرد نے کامل میں یہ کہا ہے کہ عربوں کے ہاں مخفف سلام صرف عبداللہ بن سلام کے والد اور سلام بن ابی الحقیق (۲) ہیں۔ المبرد کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے سلام بن مشکک (۳) کا اضافہ کیا ہے، یہ شخص جاہلیت میں شراب فروش تھا، لیکن اس کا معروف تلفظ تشدید سے ہے (۴) حافظ عراقی (۵) نے تین اور ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ وہ ہیں: عبداللہ بن سلام کے بھانجے سلام جن کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے ابن فتحون نے اپنی تذیل علی الاستیعاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور السیدی (۶) کا دادا، سعد بن جعفر بن سلام السیدی۔ ابن نقطہ نے التکملة سے نقل کیا ہے اور النسفی (۷) کے جد اعلیٰ ابو نصر محمد بن یعقوب بن اسحاق بن محمد بن موسیٰ بن سلام النسفی السلامی (م ۴۳۰ھ تقریباً) الذہبی نے مشتبه النسبة میں ان کا ذکر کیا ہے۔

## ۲۔ عمارۃ (۸) اور عمارۃ

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عین کی زیر کے ساتھ صرف ایک ہیں اور وہ ابی بن عمارہ صحابی ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے عین کے ضم سے پڑھا ہے۔ اس کے علاوہ عمارہ عین کی پیش کے ساتھ ہیں (۹)۔ حافظ عراقی نے مزید عورتوں اور مردوں کے نام لکھے ہیں جو مفتوح العین بتشدید المیم ہیں (۱۰) جیسے عمارہ بنت عبدالوہاب الحمصیہ، عمارہ بنت نافع بن عمر الجمحی اور ابو یوسف محمد بن احمد الصید ثانی کی دادی عمارہ۔ مردوں میں، یزید، عبداللہ، بحاث بنو ثعلبہ بن خزیمہ بن اصرم بن عمرو بن عمارہ۔ ان کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے۔ (۱۱)

- ۱- المقدسی، سلام بن محمد بن ناہض (بالنون، والهاء و الضاد المعجمة)؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۲
- ۲- الحقیق: بمهملة و قاف مصغر، فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۳۲
- ۳- مشکک: بتثیث المیم، ثم شین معجمة، ساکنه و فتح الکاف ثم میم۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۳۲
- ۴- ابن الصلاح، ۳۳۵
- ۵- فتح المغیث ۳/۳۹۲
- ۶- محمد بن عبدالکریم ابو جعفر السیدی الاصبہانی ثم البغدادی (م ۶۳۷ھ)۔ ناقدین کا ان کے ثقہ ہونے میں اتفاق نہیں ہے۔ السیدی: بفتح المهملة، وباء تحتانیة ثقيلة مکسورة۔ چونکہ المستعجد کی بہن السیدہ کے سیکرٹری تھے اس لیے اس نسبت سے السیدی کہلائے۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۲، حاشیہ، ۶
- ۷- النسفی: بفتح النون، والسين المهملة۔ نف بکسر النون نسبت ہے اور فتح کے ساتھ نسب جیسے انگری۔ فتح المغیث، ۳/۲۳۶۔ میسر مصادر میں حالات نزل سکے۔
- ۸- عمارہ میں پہلا عین کے ضم کے ساتھ اور دوسرا عین کے کسرہ کے ساتھ۔ الباعث الحثیث، ۲۱۰
- ۹- ابن الصلاح، ۳۳۵
- ۱۰- فتح المغیث ۳/۳۹۳؛ امام نووی نے بھی بالفتح و تشدید المیم سے اشارہ کیا ہے۔ تقریب مع تدریب، ۳۶۶
- ۱۱- مزید ناموں کے لیے دیکھئے۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۳؛ تدریب، ۳۶۶

### ۳۔ کَرِيز و كُرِيز (۱)

ابوعلی الغسانی نے اپنی کتاب تقييد المہمل میں محمد بن وضاح سے نقل کیا کہ کَرِيز بفتح الكاف خزاع میں اور کُرِيز بضم الكاف عبد شمس بن عبد مناف میں پایا جاتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ کَرِيز بضم الكاف ان کے علاوہ بھی پایا جاتا ہے اور ہم ایوب بن کَرِيز عبد الرحمن بن غنم کا ذکر اس لیے نہیں کرتے کہ اگرچہ انھیں عبد الغنی نے مفتوح الكاف ذکر کیا لیکن دارقطنی وغیرہ نے اسے بضم الكاف ضبط کیا ہے (۲)

### ۴۔ حزام اور حرام (۳)

حزام قریش کے ہاں مستعمل تھا اور حرام انصار کے ہاں (۴)۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک قریش کے ہاں اور دوسرا انصار کے ہاں اس طرح منضبط ہوتا ہے، ورنہ دونوں دوسرے قبائل میں بھی مستعمل ہیں۔ جیسے حزام بالزای بنو خزاعہ، بنو عامر بن صعصعہ وغیرہما کے ہاں پایا جاتا ہے اور حرام بالراء، خثعم، جذام، تمیم بن مرہ اور خزاعہ میں مستعمل ہے۔ اس طرح عذرہ، بنی فزارہ اور ہذیل وغیرہ کے ہاں بھی۔ (۵)

### ۵۔ العیشیون، والعبسیون، العنسیون

ابوعلی البردانی کہتے ہیں کہ انھوں نے حافظ خطیب بغدادی کو کہتے سنا کہ العیشیون (۶) بھری ہیں والعبسیون (۷) کوئی ہیں اور العنسیون (۸) شامی ہیں (۹)۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں۔ کہ خطیب سے پہلے ابو عبد اللہ الحاکم نے یہی بات کہی ہے اور ہمیشہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ غالب استعمال ہے۔ پہلا لفظ شین معجمہ کے ساتھ، دوسرا باء موحدہ کے ساتھ اور تیسرا نون اور سین غیر معجمہ کے ساتھ۔ (۱۰)

۱- ابن الصلاح، ۳۳۶؛ کَرِيز بفتح الكاف و كسر الراء مكبراً و كَرِيز مصغراً (فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۳)

۲- ابن الصلاح، ۳۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۳؛ تدریب، ۳۶۶

۳- حزام بكسر الحاء المهملة و بالزای المنقوطة و حرام بفتح الحاء و بالراء المهملة، فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۳۸؛ تدریب / ۳۶۷؛ الباعث، ۲۱۰؛ احمد شاكر نے خرام اور خزام کا بھی ذکر کیا ہے۔

۴- ابن الصلاح، ۳۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۳، محاسن الاصطلاح، ۳۰۲

۵- فتح المغیث، ۳ / ۳۹۳-۳۹۴

۶- نسبت ہے عائشہ بنت طلحہ اور بنی عائشہ بنت تیم اللہ کی طرف (فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۳۸)

۷- اکثر اوقات یہ نسبت عیس غطفان کی طرف ہوتی ہے (ایضاً ۳ / ۲۳۸)

۸- یکن میں بنی مذحج کی شاخ غنس کی طرف نسبت ہے۔ (ایضاً، ۳ / ۲۳۸؛ المغنی، ۱۸۷)

۹- ابن الصلاح، ۳۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۳۸-۲۳۹؛ تدریب، ۳۶۷؛ محاسن الاصطلاح، ۳۰۳

۱۰- ابن الصلاح، ۳۳۶

ابو عبیدہ ہر جگہ بضم العین استعمال ہوتا ہے۔ دارقطنی سے منقول ہے:

لا نعلم احداً یکنی ابا عبیدة بالفتح. (۱)

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ تمام اشیاء میں نے دارقطنی، عبدالغنی اور ابن ماکولا کے بیانات کا تتبع کرتے ہوئے منضبط کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۲)

۷۔ السفر و السفر (۳)

السفر فاء کے سکون سے اور السفر فاء کے فتح سے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ کنیتیں فاء کے فتح سے اور باقی سکون سے مستعمل ہیں۔ مغارہ میں سے ایسے لوگ ہیں جو فاء کے سکون سے پڑھتے ہیں جیسے ابی السفر سعید بن محمد لیکن یہ اصحاب حدیث کی رائے کے خلاف ہے جیسا کہ دارقطنی نے ذکر کیا ہے۔ (۴) حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ اسماؤ و کنی میں سقر بسکون القاف کا استعمال ہوا ہے۔ کبھی یہ مطلق وارد ہوا ہے جیسے ناموں میں: سقر بن حبیب الغنوی، سقر بن حبیب (دیگر)، سقر بن عبداللہ، سقر بن عبدالرحیم ابن انخی شعبہ، سقر بن عبدالرحمن شیخ لابی یعلیٰ، سقر بن حسین الخداء اور سقر بن عدا۔ اور کنیتوں میں: ابوالسریجی بن یزدا۔ اسی طرح شقر بفتح الشین المعجمہ والقاف بنی تمیم کی شاخ ہے جس کی طرف الشقریوں منسوب ہیں اور معاویہ الشقر بکسر القاف شاعر ہے۔ (۵)

۸۔ عِسل و عَمَل (۶)

عسل عین کے کسرہ اور سین کے سکون کے ساتھ اور عمل عین اور سین کے فتح سے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ میں نے تمام اسماء کو پہلے تلفظ پر پایا اور ان میں عسل بن سفیان بھی ہے، سوائے عسل بن ذکوان الاخباری البصری کے کیونکہ وہ فتح سے آیا ہے۔ اسے دارقطنی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اور میں نے امام ابو منصور الازہری کی کتاب تہذیب اللغة میں ان کے اپنے خط میں کسرہ اور سکون کے ساتھ بھی دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں ولا اراہ ضبطہ. (۷)

۱۔ ابن الصلاح، ۳۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۳۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۳۹؛ تدریب، ۳۶۷

۲۔ ایضاً، ۳۳۷

۳۔ ایضاً، ۳۳۷؛ السفر باسکان الفاء و السفر بفتحها

۴۔ ایضاً، ۳۳۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۵۰؛ المنہل الروی، ۱۲۲

تدریب، ۳۶۷

۵۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۳

۶۔ ابن الصلاح، ۳۳۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۳؛ تدریب، ۳۶۷

۷۔ ایضاً، ۳۳۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۳-۳۹۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۵۰-۲۵۱؛

المنہل الروی، ۱۲۲

## ۹۔ غنّام و عثّام (۱)

غنّام، غین اور نون مشدّدہ کے ساتھ اور عثّام عین اور ثاء مشدّدہ کے ساتھ۔

دوسری نوع میں عثّام بن علی العامری الکوفی والد علی بن عثّام الزاہد کے سوا کوئی مثال نہیں۔ باقی جملہ پہلی نوع میں سے ہیں۔ ان میں غنّام بن اوس صحابی بدری ہیں (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ دوسری قسم میں عثّام بن علی بن عثّام بن علی العامری بھی ہیں۔ ابن الصلاح نے تو عثّام بن علی کی وضاحت میں اسے والد علی بن عثّام سے مقید کیا ہے حالانکہ ہمارے علم کی حد تک عثّام کا کوئی معلوم بیٹا نہیں جس کا نام علی ہو۔ (۳)

## ۱۰۔ قَمِیر و قُمِیر (۴)

حافظ عراقی کہتے ہیں قَمِیر مکبراً یعنی بفتح القاف و کسر المیم و قُمِیر مصغراً (یعنی بضم القاف و فتح المیم، و سکون الیاء بعد ھا راء مہملہ) (۵) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ سب بضم القاف ہیں بشمول مکی ابن قمر عن جعفر بن سلیمان سوائے مسروق بن الاجدع کی بیوی قمر بنت عمرو کے کہ وہ قاف کے فتح اور میم کے کسرہ کے ساتھ آئی ہے۔ (۶)

## ۱۱۔ مَسُور و مَسُور

پہلا میم کے کسرہ اور سین کے سکون کے ساتھ اور دوسرا میم کے ضمہ، سین کی فتح اور واؤ کے فتح اور تشدید کے ساتھ۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ جہاں تک مسور بضم المیم والواو المشدّدة کا تعلق ہے تو وہ مسور بن یزید المالکی الکابلی (۷) ہیں جو صحابی ہیں اور ان کے ساتھ مسور بن عبد الملک الیربوعی (۸) ہیں۔ ان سے معن بن عیسیٰ نے روایت کیا ہے۔ بخاری نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق ان دو کے سوا باقی تمام مسور (بکسر المیم و اسکان السین) ہیں۔ (۹)

- ۱- ابن الصلاح، ۳۳۷؛ غنّام بالغین المعجمة والنون المشدّدة، و عثّام بالعين المہملہ والباء المشدّدة
- ۲- ایضاً، ۳۳۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۵۱؛ تدریب، ۳۶۸؛ المنہل الروی، ۱۲۲؛ غنّام بن اوس بن عمرو بن مالک، عبد اللہ بن غنّام کے والد۔ کتاب الثقات، ۳۲۷/۳
- ۳- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۵۱؛ تدریب، ۳۶۸؛ المنہل الروی، ۱۲۲
- ۴- ابن الصلاح، ۳۳۷
- ۵- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۵
- ۶- ابن الصلاح، ۳۳۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۵۱؛ تدریب، ۳۶۸؛ المنہل الروی، ۱۲۲
- ۷- مسور بن یزید الاسدی الکابلی، صحابی ہیں۔ کوفہ میں قیام پذیر رہے (کتاب الثقات، ۳ / ۳۹۵؛ تقریب التهذیب، ۳ / ۲۳۹)
- ۸- مسور بن عبد الملک بن سعید ربیع المدنی، مقبول، چھٹے طبقے سے ہیں۔ ان کی حدیث السنن کی کتاب الطہارۃ میں ہے، (تقریب التهذیب، ۲ / ۲۳۹)
- ۹- ابن الصلاح، ۳۳۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۵۱؛ تدریب، ۳۶۸؛ المنہل الروی، ۱۲۲

حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ ابن ماکولانے ابن یزید کے علاوہ کسی اور کو بالتشديد ضبط نہیں کیا ہے اور بخاری نے التاریخ الكبير میں سوربن عبدالملک کو مسوربن مخرمہ کے باب میں نقل کیا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بخاری کے نزدیک یہ مخفف ہے اور مسوربن یزید اور مسوربن مرزوق کو ایک باب میں ذکر کیا ہے۔ یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ ابن مرزوق تشدید سے ہو۔ اور جہاں تک الذہبی کا تعلق ہے تو انہوں نے تو گویا ابن الصلاح کی تقلید کی ہے۔ (۱)

## ۱۲. الحمال (۲) و الجمال

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ راویان حدیث یا ان میں سے وہ جو متداول کتب حدیث میں مذکور ہیں کسی کو الحمال بالحاء المهملة صفت یا نام کے طور پر نہیں جانتے سوائے ہارون ابن عبداللہ والد موسیٰ ابن ہارون الجمال الحافظ کے۔ حافظ عبدالغنی بیان کرتے ہیں کہ ہارون بزاز (۳) تھے جب زہد اختیار کیا تو بوجھ اٹھانے لگے (۴) اٹھیلی اور ابن الفلکی کو گمان ہوا کہ جمال لقب ہے کثرت علم کے بوجھ کی وجہ سے لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ اس کے سوا جمال بالجمیم ہیں۔ ان میں محمد بن مهران الجمال ہیں۔ بخاری و مسلم وغیرہ نے ان سے حدیث بیان کی ہے۔ (۵)

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے ”صفة لا اسما“ کہہ کر ان سے احتراز کیا ہے جن کا نام جمال ہے جیسے ایض بن جمال (۶) و جمال بن مالک وغیرہما۔ اور رواة الحدیث استعمال کر کے ان لوگوں کو خارج کر دیا جن کا تعلق فقہا و زہاد سے ہے جیسے رافع بن نصر الجمال الفقیہ صاحب ابی اسحاق اور ایوب الجمال جو بغداد کے طبقہ زہاد سے تعلق رکھتے تھے۔ اور بنان الجمال جو اولیاء مصر میں سے تھے۔ اگرچہ بنان الجمال نے حسن ابن عرفہ وغیرہ سے روایت کی ہے لیکن چونکہ وہ روایت حدیث کے لیے شہرت نہیں رکھتے تھے اس لیے ابن الصلاح پر اعتراض نہیں وارد ہوتا۔ اسی طرح رافع الجمال نے ابو عمر بن مہدی سے سماع کیا؛ اور جن سے روایت ثابت ہے ان میں کئی بن علی بن بنان الجمال اور احمد بن محمد بن الدبس الجمال ہیں جو ابوالنری کے شیوخ میں سے ہیں۔ (۷)

- ۱- فتح المغیث، ۳ / ۳۹۵
- ۲- الحمال بالحاء المهملة ثم الميم المشددة. فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۵۲
- ۳- بزاز: کپڑا بیچنے والا، القاموس، فصل الباء و باب الزاء، ۱۲۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۶
- ۴- زہد کی وجہ سے اجرت پر بوجھ اٹھاتے اور اسی پر گذر کرتے۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۵۲
- ۵- ابن الصلاح، ۳۳۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۹۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۳۴؛ تدریب، ۴۶۸؛ المنہل الروی، ۱۲۲
- ۶- ایض بن جمال بالمهملة و تشدید الميم صحابی ہیں۔ ان سے احادیث مروی ہیں۔ ان کا تعلق یمن سے تھا۔ قبیلہ حمیر کے فرد تھے۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وفات ہوئی۔ تقریب التہذیب، ۱ / ۳۹۱؛ طبقات خلیفہ، ۱۲۳، ۲۳۶
- ۷- فتح المغیث، ۳ / ۳۹۶؛ المنہل الروی، ۱۲۲



اس سلسلے میں ایسے الفاظ بھی ہیں جن کے تلفظ میں غلطی نہیں لگتی جیسے بھی ادا کرے صحیح ہوگا۔ جیسے عیسیٰ بن عیسیٰ الحناط (۱) وہ الحناط (۲) اور الحیاط (۳) بھی ہیں۔ الا یہ کہ وہ الحناط بالحاء والنون سے معروف ہیں۔ وہ کپڑے سینے والے تھے، اسے چھوڑ کر حناط ہو گئے یعنی گیہوں بیچنے لگے، پھر خباط ہو گئے یعنی اونٹوں کا چارہ بیچنے لگے۔ اسی طرح الحباط، بالباء المنقوط بواحدة۔

اس شخص میں بھی تینوں اوصاف جمع تھے۔ امام دارقطنی نے ان دونوں میں تین اوصاف جمع ہونے کا ذکر کیا ہے (۴)۔ حافظ عراقی نے دارقطنی کے ساتھ ابن ماکولا کا ذکر بھی کیا ہے (۵) مزید لکھتے ہیں:

وذلك مشهور بالنسبة الى عيسى قاله في يحيى بن معين و قاله هو عن نفسه فيما حكاه محمد بن سعد و لكن عيسى اشتهر بمهمله و نون و اشتهر مسلم بمعجمة و موحدة، و رجح الذهبی في كل واحد ما اشتهر به. (۶)

عیسیٰ کی نسبت سے یہی مشہور ہے اس نے یحییٰ بن معین کے بارے میں بھی کہا اور محمد بن سعد کے بیان کے مطابق اس نے خود اپنے بارے میں یہی کہا لیکن عیسیٰ حاء مہملہ اور نون کے ساتھ (حناط) مشہور ہوئے اور مسلم حاء معجمہ اور باء موحده (خباط) سے مشہور ہوئے۔ علامہ ذہبی نے اس کو ترجیح دی ہے جس سے وہ مشہور تھے۔

## دوسری قسم

۱- دوسری قسم میں وہ نام اور نسبتیں ہیں جو صحیحین اور موطا میں منضبط ہوئی ہیں (۷) اس کی مثال بشار (بالشین المنقوطة المشددة) ہیں جسے موطا اور صحیحین نے نقل کیا ہے۔ صحیحین میں صرف ایک نام ہے اور وہ بندار جن کا نام محمد بن بشار ہے، کے والد ہیں۔ ابو علی الغسانی نے تفسیر المہمل میں اسے بخاری اور مسلم کے شیوخ میں شمار کیا ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ بشار نام تابعین میں نادر اور صحابہ میں معدوم ہے۔ اسی طرح سیار بن ابی سیار و ردا بن

۳۲۱- الحناط: گندم بیچنے والا۔ القاموس، ۸۵۶، الحباط جو خبط بیچے۔ چارہ جو اونٹ کھاتے ہیں۔ درختوں سے پتے جھاڑ کر انھیں خشک کیا جاتا، پھر انھیں پیس کر آٹے وغیرہ میں ملایا جاتا اور پھر پانی ملا کر لیس دار بنایا جاتا جسے اونٹ نکتے ہیں۔ القاموس، فصل الحاء و الخاء، باب الطاء، ۳۵۶؛ الحیاط - کپڑے سینے والا۔ نیز دیکھئے فتح المغیث للعراقی، ۳۹۱/۳، حواشی، ۵، ۶، ۷

۳- ابن الصلاح، ۳۲۸-۳۲۹

۵- فتح المغیث للعراقی، ۳۹۷/۳

۶- ایضاً، ۳۹۷/۳

۷- ابن الصلاح، ۳۲۹

اس کی کنیت ابوالحکم ہے (۱) اور سیار بن سلامہ (۲) ہیں (۳) تیسرا سلین مخففہ سے مقدم یا ہے۔

صحیحین و موطا میں یہ نام بکثرت وارد ہوا ہے جیسے سلیمان بن یسار (۴) اور ان کے بھائی عطاء بن یسار (۵) اور سعید بن یسار (۶) وغیرہ۔ ابن ماکولانے اس تذکرے میں سنان (بالنون) بھی درج کیا ہے جس سے شبہ ہو سکتا ہے جب کہ علامہ ذہبی کا کہنا ہے کہ اس سے التباس نہیں پیدا ہوگا۔ (۷)

۲۔ اسی قبیل سے بشو (۸) اور بسو (۹) ہے۔ یہ سب موطا اور صحیحین میں ہیں البتہ چار نام ہیں جو بسر ہیں۔ وہ ہیں بسر بن سعید (۱۰)، بسر بن المازنی (۱۱) والد عبد اللہ بن بسر و بسر بن عبید اللہ الحضرمی (۱۲) و بسر بن محجن الدلیلی (۱۳)۔

- ۱۔ بسین المهملة ثم ياء مشاة من تحت مشددة. (فتح المغيث للعراقي، ۳/۳۹۷)؛ سيار بن ابى سيار واسمه وردان ياورد ابوالحکم الواسطی (م ۱۲۲ھ) یہ مساور الوراق کے ماں جایا بھائی ہیں۔ اپنے وقت کے اجل محدثین سے سماع کیا۔ شعبہ، سفیان الثوری اور مسعر وغیرہ محدثین نے ان سے سماع کیا۔ ثقہ شمار ہوتے ہیں۔ التاريخ الكبير، ۲/۱۶۱/ii/۲؛ التاريخ و المعرفة، ۱/۳۰۷؛ تهذيب، ۳/۲۶۳؛ سير اعلام، ۵/۳۹۱؛ تهذيب، ۳/۲۶۳
- ۲۔ سيار بن سلامه (بالتحتالية) ابوالمنهال البصرى (م ۱۲۹ھ) ثقہ ہیں۔ تهذيب التهذيب، ۳/۲۶۳
- ۳۔ فتح المغيث للعراقي، ۳/۳۹۷؛ ابن الصلاح، ۳۳۹
- ۴۔ سليمان بن ييار الهلالى المدنى (م ۱۰۷ھ) ام المؤمنين يمونة يام سلمه کے مولیٰ تھے۔ فقہاء سبعہ میں شمار ہوتا ہے۔ امام زہری، ابن سعد اور دیگر اہل علم نے ان کے علم و فضل اور ثقہ و حدیث میں مہارت کا اعتراف کیا ہے۔ ثقہ و متدین تھے۔ صائم الدر تھے۔ التاريخ الكبير، ۲/۳۱/ii/۲؛ وفيات، ۲/۳۱/iii/۲؛ شذرات، ۱/۱۳۳؛ سير اعلام، ۳/۳۳۳
- ۵۔ عطاء بن ييار الهلالى ابو محمد المدنى (م ۱۰۳ھ) حضرت يمونة کے مولیٰ تھے۔ ثقہ، فاضل، عبادت گزار اور صاحب مواظب تھے۔ التاريخ الكبير، ۳/۳۶۱/ii/۳؛ شذرات، ۱/۱۳۵؛ سير اعلام، ۳/۳۳۸
- ۶۔ سعید بن یسار ابوالحباب (بضم المهلة و موحدتين) المدنى (م ۱۱۶ھ) ان کے ولاء کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق وہ سعید بن مرجانہ کے مولیٰ تھے جو درست نہیں۔ کبار صحابہ سے سماع کیا اور علم کے شائقین کی ایک کثیر تعداد نے ان سے روایت کیا۔ بقول ابن سعد کثیر الحدیث تھے۔ ابن معین، ابوزرعہ اور نسائی وغیرہ نے متقن اور ثقہ قرار دیا ہے۔ التاريخ الكبير، ۲/۵۲۰/i/۲؛ کتاب الثقات، ۳/۲۷۹؛ تهذيب التهذيب، ۳/۹۱
- ۷۔ فتح المغيث للعراقي، ۳/۳۹۸
- ۸۔ بشر بكسر الباء الموحدة و سکون الشين المعجمة (فتح المغيث، ۳/۳۹۸؛ ابن الصلاح، ۳۳۹)
- ۹۔ بر بضم الباء الموحدة و سکون المهملة (فتح المغيث للعراقي، ۳/۳۹۸؛ ابن الصلاح، ۳۳۹)
- ۱۰۔ بسر بن سعید المدنى العابد مولیٰ الحضرمی جلیل القدر عالم تھے۔ ناقدین نے انھیں ثقہ محدث قرار دیا ہے۔ التاريخ الكبير، ۱/۱۳۳/ii/۱؛ سير اعلام النبلاء، ۳/۵۹۳
- ۱۱۔ بسر ابن ابى بسر المازنى صحابى رسول عبد اللہ بن بسر کے والد تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے احادیث کا سماع کیا اور ان کی اشاعت کی۔ تهذيب التهذيب، ۱/۳۹۸؛ کتاب الثقات، ۳/۳۵
- ۱۲۔ بسر بن عبید اللہ الحضرمی الشامی (م ۱۱۰ھ تقریباً)۔ ثقہ محدث تھے۔ اہل علم نے ان کی جلالت علمی کا اعتراف کیا۔ التاريخ الكبير، ۱/۱۳۳/ii/۱؛ سير اعلام النبلاء، ۳/۵۹۳
- ۱۳۔ بسر بن محجن بن ابى محجن الدلیلی اپنے والد ابو محجن الدلیلی صحابى رسول سے روایت کیا۔ شائقین علم نے ان سے استفادہ کیا۔ ثقہ محدث تھے۔ تهذيب التهذيب، ۱/۳۰۰؛ التاريخ الكبير، ۱/۱۳۳/ii/۱

حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ ابن الصلاح نے بسر المازنی کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس کے بیٹے عبداللہ بن بسر کا ذکر کیا ہے (۱) حالانکہ صحیح مسلم میں اس کی روایت ہے جیسا کہ المزنی نے تہذیب میں ذکر کیا ہے (۲) جہاں تک بسر بن مجن کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے امام مالک اور جمہور کی رائے ہے کہ بسر بالمہملۃ ہے۔ سفیان الثوری کا قول نقل ہوا ہے کہ وہ اسے بشر (بالمعجمۃ) پڑھتے ہیں۔ دارقطنی سے منقول ہے کہ سفیان ثوری نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ احمد بن صالح المصری اس کے بیٹے اور خاندان کے لوگوں نے بشر (بالمعجمۃ) نقل کیا ہے (۳) ابن مجن کی حدیث صرف موطاً میں ہے، صحیحین میں نہیں ہے (۴)۔

حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ ان کے تذکرہ کا تشابہ ابوالیسر کعب بن عمرو (۵) سے ہوتا ہے اور اس کی حدیث صحیح مسلم میں ہے اور یہ نام غالباً لازمی طور پر صرف تعریف کے ساتھ ہی آتا ہے، بخلاف پہلی دونوں قسموں کے (۶) اس لیے تشابہ کا امکان نہیں (۷)۔

۳۔ اور اسی طرح بشیر، یسیر، نسیر اور بشیر ہیں۔ جہاں تک پہلے کا تعلق ہے تو وہ بشیر بن یسار الحارثی المدنی (بضم الباء، ۸) ہیں جن کی حدیث صحیحین اور موطاً میں ہے اور بشیر بن کعب العدوی (۹) جو بخاری

- ۱۔ ابن الصلاح، ۳۴۹
- ۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۳۹۸/۴۔ لیکن النکت میں لکھتے ہیں کہ میں نے المزنی کی تقلید میں یہ کہا ہے لیکن بعد میں واضح ہوا کہ یہ وہم ہے مسلم نے بسر کی حدیث نہیں نقل کی اور نہ ہی اس کے نام کا ذکر ہے البتہ اس کے بیٹے کی نسبت سے ذکر ہے۔
- ۳۔ فتح المغیث، ۳۹۸/۴؛ ابن الصلاح، ۳۴۹
- ۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۳۹۸/۴
- ۵۔ ابوالیسر (بالمثناة من تحت و السین المہملۃ المفتوحین) کعب بن عمرو بن عباد السلمی (م ۵۵ھ) جلیل القدر صحابی بدری، ایک سو سال سے زیادہ کی عمر پائی۔ تہذیب التہذیب، ۳۸۱/۸؛ تاریخ خلیفہ، ۲۲۳؛ تاریخ الکبیر، ۲۲۰/۱/۴
- ۶۔ فتح المغیث للعراقی، ۳۹۸/۴
- ۷۔ تدریب، ۴۷۰
- ۸۔ بشیر (بضم الباء الموحدة و فتح الشین المعجمۃ) بن یسار الحارثی المدنی (م تقریباً ۱۰۰ھ) رافع بن خدیج جابر بن بہل بن ابی خثمہ سے روایت کیا اور ان سے یحییٰ الانصاری، ولید بن کثیر اور کئی دوسرے لوگوں نے روایت کی۔ ابن معین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ شیخ کبیر اور فقیہ تھے عام صحابہ کا زمانہ پایا لیکن قلیل الحدیث تھے۔ تہذیب التہذیب، ۳۳۲/۱؛ تاریخ الکبیر، ۲۹۹/۱/۲؛ سیر أعلام النبلاء، ۵۹۱/۴
- ۹۔ بشیر بن کعب العدوی، ابویوب بصری ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ عبدان کا کہنا ہے: ہم نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے کیونکہ ہمارے بعض مشائخ اور اساتذہ نے ایسا کیا ہے۔ ہمیں ان کے صحابی ہونے کا علم نہیں۔ وہ ایک شخص ہے جس نے کتابیں پڑھی ہیں۔ ابن الاثیر کہتے ہیں: لا شک انہ لا صحبة له، اسد الغابۃ، ۲۰۰/۱؛ تاریخ الکبیر، ۱۳۲/ii/۱؛ طبقات ابن سعد، ۲۲۳/۷

کے ہاں مذکور ہیں۔ دوسرے یسیر بن عمرو (۱) اور بقول دیگر یسیر بن جابر۔ ان کی حدیث صحیحین میں ہے اور اسے ہمزہ کے ساتھ اسیر بھی پڑھا گیا ہے۔ (۲) تیسرے نسیر (۳) (بضم النون وفتح السين المهملة) اور قطن (بفتح القاف و الطاء المهملة) و آخرہ نون) بن نسیر (۴) (بالنون المضمومة والسين المهملة) (۵) چوتھے بشیر (بفتح الباء الموحدة و كسر الشين المعجمة) (۶) ان کا ذکر صحیحین اور موطأ میں ہے۔

ان میں بشیر بن ابی مسعود (۷) اور بشیر بن نہیک (۸) وغیر ہما ہیں (۹)

۳۔ ایک مثال یزید (۱۰) کی ہے جو عام طور پر مستعمل ہے صحیحین اور موطأ میں یہی نام زیادہ استعمال ہوا، لیکن تین اور صورتیں بھی ہیں۔ (الف) برید، برید اور برند۔ پہلا برید (بفتح الباء الموحدة و كسر الراء بعدها . و ياء مشناة من تحت) یہ علی بن ہاشم بن البرید کے دادا ہیں۔ امام مسلم نے ان کی روایت لی ہے۔ (ب) دوسرے برید بن عبد اللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الأشعری (۱۱) ہیں۔ شیخین نے ان کی روایت نقل کی ہے۔

- ۱۔ یسیر، بضم الیاء المشاء من تحت و فتح السين المهملة (فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۹)؛ یسیر بن عمرو بن جابر الکوئی (م ۸۵ھ) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصلاً اسیر ہے اور ہمزہ کو یا سے تبدیل کیا گیا ہے۔ نسبت میں اختلاف ہے بعض نے کندی اور بعض نے کچھ اور کہا ہے۔ اس نے صحابہ کو دیکھا ہے۔ ایک قول کے مطابق ابن جابر آخری تابعی ہیں۔ تہذیب التہذیب، ۱۱/۳۳۰ یا کی بجائے ہمزہ کے ساتھ اسیر۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۵۵؛ تدریب، ۴۷۰
- ۲۔ نسیر بن ذعلوق الثوری (بطریق ولایت) ابو طغرہ الکوئی اپنے والد، بن عمر، بکر ابن ماعز اور دوسرے لوگوں سے روایت کی۔ یعقوب بن سفیان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ ابن عبد البر کے مطابق کوفی ثقات میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن حزم کہتے ہیں: "لا شئیء" عبد الحق نے بھی یہی بات کی ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/۳۷۹
- ۳۔ قطن بن نسیر المہری، ابو عباد الغمری المعروف بالزارع جعفر بن سلیمان الضمعی، بشر بن منصور اور عمرو بن النعمان الباہلی الانصاری سے روایت کی۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابو زرعة سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ حدیث چوری کرتے اور پھر وصل کرتے۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا۔ تہذیب التہذیب؛ ۸/۳۴۲
- ۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۹؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۴۷۰
- ۵۔ ایضاً، ۳/۳۹۹؛ ابن الصلاح، ۳۴۹۔ ابن الصلاح کے ہاں مقدم الذکر ہیں جب کہ عراقی نے آخر میں ذکر کیا ہے۔ تدریب، ۴۷۰
- ۶۔ بشیر بن ابی مسعود عقبہ بن عمرو الانصاری المدنی، ایک قول کے مطابق انھیں شرف صحبت رسول حاصل ہے۔ العجلی کے مطابق وہ مدنی، تابعی اور ثقہ ہیں۔ ابن خلفون نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ بشیر حضور اکرم ﷺ کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ تہذیب التہذیب، ۱/۳۷۹؛ التاريخ الكبير، ۱۰۳/ii/1
- ۷۔ بشیر بن نہیک (بفتح النون و كسر الهاء) السدوسی، ایک قول کے مطابق السلوکی، ابو الشعفاء المہری، بشیر بن الخصامیہ اور ابو ہریرہ سے روایت کی۔ العجلی اور نسائی کے ہاں ثقہ لیکن ابو حاتم کہتے ہیں: لا یحتج بحديثه۔ امام احمد نے انھیں ثقہ گردانا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱/۳۱۲-۳۱۳؛ الجرح، ۱/۳۷۹/ii/1
- ۸۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۹۹
- ۹۔ بفتح الیاء المشناة من تحت و كسر الراء، فتح المغیث، ۳/۳۰۰؛ ابن الصلاح، ۳۴۹
- ۱۰۔ برید بن عبد اللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الأشعری (م ۱۳۰ھ) انھوں نے اپنے دادا، حسن المہری، عطاء اور دیگر سے روایت کی۔ ابن معین اور العجلی کے نزدیک ثقہ۔ ابو حاتم کہتے ہیں: لیس بالمتین، یکتب حدیثہ نسائی کہتے ہیں: لیس بہ بأس۔ الجرح، ۱/۳۲۶/ii/1؛ میزان الاعتدال، ۱/۳۰۵؛ سیر، ۶/۲۵۱؛ التاريخ الكبير، ۱/۱۳۰/ii/1

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ بخاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت صلوة میں مالک بن الحویرث (۱) کی روایت نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے۔ کصلوة شیخنا ابی برید عمرو بن سلمة، ابوذر کھروی نے بطریق ابی محمد الحمو (۲) عن الفربری (۳) بخاری سے نقل کیا ہے کہ ابی برید باء کے ضمہ اور راء کے فتح کے ساتھ ہے۔ امام مسلم نے عمرو بن سلمہ کی کنیت میں ایسا ہی نقل کیا ہے۔ بخاری کے عام راویوں میں یزید (بفتح الیاء المثناة من تحت کسر الزاء) ہی استعمال ہوا ہے۔ عبدالغنی کہتے ہیں کہ میں نے زاء کے ساتھ نہیں سنا۔ لیکن مسلم بن الحجاج اس معاملے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ (۴)

(ج) تیسرے بوند، بکسر الباء الموحدة و الراء المهملة المكسورة بعد هانون ساكنة (۵) یہ محمد بن عرعرة بن البرند الشامی کے دادا ہیں۔ (۶)۔ امیر ابو نصر بن ماکولانے باء اور راء کسورہ سے ہی ذکر کیا ہے۔ البتہ عمدة المحدثین میں باء اور راء کے فتح کے ساتھ منضبط کیا گیا ہے۔ ابوعلی الجبائی نے ابن الفرضی سے نقل کیا ہے کہ فتح و کسر دونوں سے پڑھا گیا ہے تاہم کسرہ زیادہ مشہور ہے۔ قاضی عیاض اور ابن الصلاح کے نزدیک بھی بکسر ہی زیادہ مشہور ہے۔ (۷)

۵۔ اسی کی ایک اور مثال البراء (بتخفيف الراء) اور البراء (بتشديد الراء) ہے صحیحین اور موطا میں پہلا نام زیادہ استعمال ہوا ہے جیسے البراء بن عازب (۸) وغیرہ۔ (۹) اور الراء کی تشدید کے ساتھ دو نام آئے ہیں ایک

- ۱۔ مالک بن الحویرث (بالتصغیر) بن حشیش بن عوف ابوسلمان اللیشی (م ۷۷ھ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف ملا۔ بصرہ میں قیام کیا اور علم حدیث کی خدمت کی۔ کتاب المعرفة، ۱۰/۳۲۲؛ تہذیب التہذیب، ۱۰/۱۲؛ التاريخ الكبير، ۳۰۱/۳/۳
- ۲۔ ابو محمد الحمو یفتح الحاء المهملة و ضم الميم المشددة عبد اللہ بن احمد بن حمویہ السرخسی (م ۳۸۱ھ) بوشخ اور حراة میں مقیم رہے۔ ماوراء النہر کا سفر بھی کیا۔ فربری سے ۳۶۶ھ میں بخاری کا سماع کیا۔ حافظ ابو ذر نے ثقہ قرار دیا۔ الانساب، ۲۳۰/۳
- ۳۔ الفربری، ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن مطرب بن صالح (م ۳۲۰ھ) فربر بکسر الفاء و بفتحها بخاری کی ایک بستی ہے۔ مختلف علاقوں کے محدثین سے سماع کے لیے فربر گئے۔ ابو عبد اللہ بخاری سے الجامع کادو بار سماع کیا اور اس کی روایت بھی کی۔ وفيات، ۳/۲۹۰؛ العبر، ۲/۱۸۳؛ شذرات، ۲/۲۸۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۵/۱۰
- ۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۰
- ۵۔ ایضاً، ۳/۳۰۰؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۲۷۰
- ۶۔ ایضاً، ۳/۳۰۰؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۲۷۰
- ۷۔ ایضاً، ۳/۳۰۰؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۲۷۰
- ۸۔ البراء بن عازب بن الحارث بن عدی لأدوی، ابو عمارہ (م ۷۷ھ) صحابی ابن صحابی۔ کوفہ میں قیام پذیر ہوئے اور مصعب بن الزبیر کے زمانے میں وہیں فوت ہوئے۔ ابن قانع کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پندرہ غزوات میں شریک ہوئے۔ پہلی مرتبہ غزوة احد میں شریک ہوئے کیونکہ بقول ابن حبان رسول اکرم ﷺ نے کم عمری کے باعث بدر میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی۔ تہذیب التہذیب، ۱۱/۲۷۷-۲۷۸؛ تاریخ خلیفہ، ۲۶۸؛ الجرح، ۱۱/۳۹۹؛ تاریخ بغداد، ۱/۷۷؛ سیر اعلام، ۳/۱۹۲
- ۹۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۱



ابومعشر البراء (۱) اور دوسرے ابوالعالیہ البراء (۲) ہیں۔ دونوں کی احادیث صحیحین میں ہیں (۳)۔

۶- ایک اور مثال جاریہ اور حارثہ کی ہے (۴) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ صحیحین اور موطا میں جاریہ ابن قدامہ اور یزید بن جاریہ کے سوا سب حارثہ بالحاء و اللثاء ہیں (۵)۔ عراقی لکھتے ہیں: جاریہ (بالجیم المشاة من تحت بعد الرء) (۶) جاریہ بن قدامہ (۷) اور یزید بن جاریہ (۸) ہیں۔ یزید بن جاریہ موطا میں مذکور ہیں۔ امام مالک اور امام بخاری نے قاسم بن محمد عن عبدالرحمن کے ذریعہ یزید بن جاریہ کی دو بیٹیوں کے واسطے سے الخشاء بنت خدام سے روایت نقل کی ہے اور جاریہ بن قدامہ کی روایت بخاری نے کساب الفتن میں نقل کی ہے (۹) اور حارثہ بالحاء المهملة و اللثاء المثناة (۱۰)۔ اس کے تحت کئی نام آتے ہیں، مثلاً حضور اکرم ﷺ کے محبوب صحابی زید بن حارثہ اور حارثہ بن وہب الخزاعی (۱۱)، حارثہ بن العثمان (۱۲) ہیں اور حارثہ بن سراقہ (۱۳) ہیں۔

۱- ابومعشر البراء، یوسف بن یزید العطار عبداللہ بن الاضخ، سعید بن عبداللہ بن جبیر خالد بن ذکوان وغیرہم سے روایت کی۔ ابن معین نے انھیں ضعیف کیا ہے۔ ابوحاتم کے بقول: یکتب حدیثہ ابوداؤد نے کہا: لیس بذالك محمد بن ابوبکر المقدمی نے انھیں ثقہ کہا۔ ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱۱ / ۳۷۸

۲- ابوالعالیہ البراء، زیاد بن فیروز البصری، مولیٰ قریش (م ۹۰ھ)۔ ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر انس بن مالک اور کئی دوسرے صحابہ سے روایت کی۔ ابوزرعہ نے انھیں ثقہ گردانا ہے اور ابن حبان نے ان کا تذکرہ الثقات میں کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱۲ / ۲۶۵

۳- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۱؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۴۷۰

۴- ایضاً، ۴ / ۴۰۱؛ ایضاً، ۳۵۰

۵- ایضاً، ۴ / ۴۰۱؛ ایضاً، ۳۵۰

۶- ایضاً، ۴ / ۴۰۱

۷- جاریہ بن قدامہ بن زہیر لاً خف کے چچا۔ ان کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ سے حدیث: لا تغضب روایت کی ہے۔ بے دھڑک بہادر تھے یزید بن معاویہ کے عہد میں فوت ہوئے۔ التاریخ الکبیر، ۱۱ / ۲۳۷؛ طبقات خلیفہ، ۴۲، ۴۹؛ تہذیب التہذیب، ۲ / ۴۸

۸- یزید بن جاریہ الانصاری المدنی معاویہ سے حدیث: من احب الانصار احبه الله روایت کی۔ نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ دارقطنی کے نزدیک انھیں شرف صحبت حاصل ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱۱ / ۲۷۷-۲۷۸

۹- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۱

۱۰- ایضاً، ۴ / ۴۰۱؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۴۷۱

۱۱- حارثہ بن وہب الخزاعی، عبید اللہ بن عمر کے ماں جابا بھائی انھیں شرف صحبت حاصل تھا۔ کوفہ میں قیام پذیر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت کی اور ان سے ان کے مولیٰ ابوزینب نے روایت کی۔ طبقات ابن سعد، ۶ / ۲۶؛ التاریخ الکبیر، ۱۱ / ۹۳؛ تہذیب التہذیب، ۲ / ۱۳۶؛ طبقات خلیفہ، ۱۰۸، ۱۳۷

۱۲- حارثہ بن العثمان بن نفع بن زید الخزرجی: موسیٰ بن عقبہ اور ابن سعد نے انھیں بدری صحابہ میں شمار کیا ہے۔ بہترین قاری تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی قراءت کی تحسین فرمائی۔ والدہ کے فرمانبردار اور خدمت گزار تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲ / ۹۳؛ سیر اعلام، ۲ / ۳۷۸

۱۳- حارثہ بن سراقہ بن عدی لاً نصاریٰ (م ۲ھ)۔ غزوہ بدر میں شہادت پائی۔ الإصابہ، ۱ / ۲۹۷؛ تاریخ خلیفہ، ۶۱



مسلم نے ابی سلمة عن ابی ہریرة کی سند سے حدیث: ”البشر جبار“ نقل کی ہے (۱) اور عمرو بن ابی سفیان بن اسید بن جاریہ ثقفی۔ امام بخاری نے ابی ہریرہ سے ان کی روایت میں قتل ضعیب کا قصہ نقل کیا ہے اور مسلم نے ابو ہریرہ سے حدیث: ”لکل بنی دعوة يدعو بها“ (۲) نقل کی ہے اور عمرو کے دادا سے مراد اس کا جد اعلیٰ ہے، اس لیے بخاری میں ایک مقام پر عمرو بن اسید بن جاریہ وارد ہوا ہے (۳)۔

۷۔ ایک اور مثال خازم اور حازم کی ہے۔ خازم بالخاء المعجمة محمد بن خازم ابو معاویہ الضریر (۴) ان کے علاوہ تمام خازم بالخاء المهملة ہیں مثلاً ابو حازم الاعرج (۵) اور جریر (۶) بن حازم ہیں (۷)۔

۸۔ اسی طرح حواش اور خواش ہے۔ حواش بکسر الحاء المهملة وفتح الراء و آخره شین معجمة (۸) یہ حواش والدری بن حواش (۹) ہیں۔ کتب تلاش میں ان کے سوا اس نام کا کوئی اور شخص نہیں (۱۰)

- ۱۔ مسلم، الجامع، کتاب الحدود، باب جرح العجماء...، ۵ / ۱۲۷-۱۲۸؛ کتاب الديات، باب دية الجنين، ۵ / ۱۱۰؛ بخاری، کتاب الديات، باب المعدن جبار، ۸ / ۳۶
- ۲۔ مسلم، الجامع، کتاب الايمان، باب اختباء النبي صلى الله عليه وآله وسلم دعوة الشفاعة لامته، ۱ / ۱۳۰-۱۳۱
- ۳۔ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۴۰۱
- ۴۔ ابو معاویہ الضریر، محمد بن خازم السعدی الکوفی (م ۱۹۴ھ) بچپن میں یتائی جاتی رہی۔ لیکن محبت رسول سے سرشار، اہل علم کی مجالس میں حاضری دیتے رہے اور ازاں بعد طلق کثیر نے ان سے سماع کیا۔ اعمش کے قریبی طالب علموں میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہارون رشید ان کی بہت عزت و احترام کرتا۔ عجمی کا قول ہے کہ وہ عقیدہ ارجاء رکھتے تھے دور کوفہ میں اس فرقے کے رئیس تھے۔ ان پر تدلیس کا الزام بھی ہے۔ التاريخ الكبير، ۱ / ۱۱۱ / ۷۴؛ تذكرة الحفاظ، ۱ / ۲۹۴؛ تهذيب التهذيب، ۹ / ۱۳۷؛ سير اعلام، ۹ / ۷۳
- ۵۔ ابو حازم الاعرج، سلمہ بن دینار المدنی القاص (م ۱۳۵ھ) اسود بن سفیان الحزوی کے مولیٰ تھے۔ ابن عمر، سعید بن المسیب، سہل بن سعدی سے روایت کیا۔ امام زہری، ابن ابی ذئب وغیرہ نے ان سے سماع کیا۔ ثقہ محدث تھے۔ احادیث کثرت سے روایت کیں۔ مدینہ کے قاضی بھی رہے۔ تهذيب التهذيب، ۳ / ۱۲۹؛ تاريخ خليفة، ۴۴۱، طبقات خليفة، ۲۶۴
- ۶۔ جریر بن حازم بن زید العمر ابو المنذر الأزدي المصري (م ۱۷۰ھ) اپنے وقت کے ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ طالبان علم کی ایک کثیر تعداد نے ان سے روایت کیا۔ ابن عدی انہیں بصرہ کے چوٹی کے علماء میں شمار کرتے ہیں۔ عمر کے آخری حصہ میں احادیث خلط ملط کر دیتے۔ التاريخ الكبير، ۱ / ۱۱۱ / ۲۳۳؛ الجرح، ۱ / ۵۰۳؛ تذكرة الحفاظ، ۱ / ۱۹۹؛ سير اعلام، ۷ / ۹۸
- ۷۔ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۴۰۲؛ ابن الصلاح، ۳۵۱
- ۸۔ ایضاً، ۳ / ۴۰۲
- ۹۔ ربیع (بکسر الراء المهملة) فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۲۔ ربیع بن حواش بن حمش ابو مریم الکوفی (م ۱۰۴ھ) جلیل القدر صحابہ سے سماع کیا۔ عجمی نے ثقہ کہا۔ علم و اخلاق میں اعلیٰ درجے پر تھے۔ التاريخ الكبير، ۲ / ۳۲۷؛ تهذيب التهذيب، ۳ / ۲۴
- ۱۰۔ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۴۰۲

دوسرا خراش بکسر الخاء المعجمة (۱) اس میں شہاب ابن خراش (۲) وغیرہ جیسے نام ہیں (۳) حافظ عراقی ” کہتے ہیں کہ ابن ماکولانے اس قسم میں خراش بکسر الخاء المعجمة و الدال موضع الراء کو بھی داخل کیا ہے امام مسلم نے صحیح میں خالد بن خراش (۴) سے روایت کی ہے لیکن ذہبی نے مشتبہ النسبة میں کہا ہے کہ خراش (بالدال) میں کوئی التباس نہیں، اس لیے میں نے ابن الصلاح پر استدراک نہیں کیا ہے۔ (۵)

۹- ایک اور مثال حریر اور حریر کی ہے۔ حریر بفتح الحاء المهملة و کسر الراء بعدہا یاء مشنأة من تحت ساکنہ و آخرہ زای (۶) جیسے حریر بن عثمان الرجبی الحمصی (۷) بخاری نے ان کی روایت نقل کی ہے اور ابو حریر عبد اللہ بن الحسین الازدی القاضی (۸) بخاری نے تعلیقاً ان کی روایت لی ہے۔ انہوں نے عمرہ وغیرہ سے روایت کی۔ ان کے سوا سب حریر بفتح الجیم و کسر الراء و تکرارہا (۹) ہیں۔ کتب ثلاثہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ سرفہرست جریر بن عبد اللہ البجلی (۱۰) ہیں۔ جریر بن حازم (۱۱) وغیرہ۔ شیخ احمد محمد

- ۱- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۰۲
- ۲- شہاب بن خراش ابو الصلت الشیبانی الواسطی (م ۱۸۰ھ قریباً) عبدالرحمن بن مہدی نے حدیث و سنت میں مہارت کی تعریف کی۔ ابوحاتم، عجل وغیرہ نے ثقہ کہا۔ التاریخ الکبیر، ۲/ ii/ ۲۳۶؛ میزان، ۲/ ۸۲؛ سیر اعلام، ۸/ ۲۸۴
- ۳- فتح المغیث / ۴۰۲، ابن الصلاح، ۳۵۱
- ۴- خالد بن خراش ابو لہیثم المہملی المہصری (م ۲۲۳ھ) مالک بن انس، ابوعوانہ وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کیا۔ ابوحاتم نے صدوق کہا جب کہ زکریا الساجی نے کہا فیہ ضعف۔ التاریخ الکبیر، ۲/ i/ ۳۶؛ الجرح، ۱/ ii/ ۳۲۷؛ شذرات، ۲/ ۵۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/ ۴۸۸
- ۵- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۰۲
- ۶- ایضاً، ۴/ ۴۰۲؛ تدریب / ۴۷۱؛ الباعث، ۲۱۱
- ۷- حریر بن عثمان الرجبی الحمصی (م ۱۶۳ھ) ثقہ، ثبت، پانچویں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاصیص کی تہمت تھی تراوی (۸۳) سال کی عمر میں وفات پائی۔ تقریب التہذیب، ۱/ ۱۵۹؛ التاریخ الکبیر، ۲/ i/ ۱۰۳؛ تاریخ بغداد، ۸/ ۲۶۵؛ سیر اعلام، ۷/ ۷۹
- ۸- عبد اللہ بن الحسین الازدی: قاضی بختان، ابو حریر المہصری۔ صدوق لیکن غلطی کرتے تھے۔ چھٹے طبقے میں شمار ہوتا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۵/ ۱۶۷
- ۹- فتح المغیث، ۴/ ۴۰۲؛ تدریب / ۴۷۱
- ۱۰- جریر بن عبد اللہ البجلی القسری (م ۵۱/ ۵۲ھ) اجل صحابہ میں سے تھے۔ حسن سیرت و صورت میں ممتاز تھے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام ان کی دونوں خوبیوں کو سراہتے۔ جنگ قادسیہ میں سعد بن ابی وقاص کے ساتھ مینہ پر تعینا تھی۔ التاریخ الکبیر، ۱/ ii/ ۲۱۱؛ الجرح، ۱/ i/ ۵۰۲؛ العبر، ۱/ ۵۷؛ الاستیعاب، ۱/ ۳۳۷
- ۱۱- جریر بن حازم بن زید العمر، ابوالضر لآزدی المہصری (م ۱۷۰ھ) اپنے وقت کے ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ طالبان علم کی ایک کثیر تعداد نے ان سے روایت کی۔ ابن عدی نے انہیں بصرہ کے ممتاز اور چوٹی کے علماء میں شمار کیا۔ عمر کے آخری حصہ میں احادیث میں گڈڈ کر دیتے۔ التاریخ الکبیر، ۱/ ii/ ۲۱۳؛ الجرح، ۱/ i/ ۵۰۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۱۹۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۷/ ۹۸

شاکر کے بقول اس وزن پر اور نام بھی ہیں جیسے حریر اولہ حاء مہملہ و آخرہ راء اور جریر بضم الجیم و فتح الراء و آخرہ زاء اور خزیر، بضم الخاء المعجمة و فتح الزاء و آخرہ راء و جریر بضم الجیم و اسکان الراء و ضم الباء الموحدة و آخرہ زای (۱) بعض اوقات حدیر بضم الحاء المہملہ و فتح الدال و آخرہ راء (۲) سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے (۳) اور اس میں عمران بن حدیر (۴) آتے ہیں جس سے امام مسلم نے روایت کی ہے۔ زید بن حدیر (۵) اور زیاد بن حدیر (۶) بھی شامل ہیں۔ ان کا ذکر بخاری کی کتاب المغازی میں ہے لیکن ان سے روایت نقل نہیں کی گئی (۷) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ یہ اشتباہ بعید ہے اس لیے ان کا نمایاں ذکر نہیں کیا۔ (۸)

۱۰۔ حُصَيْن، حُصَيْن اور حُصَيْن کو بھی بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ (۹) حُصَيْن بفتح الحاء و کسر الصاد (۱۰) صرف ایک ہے اور وہ ابو حُصَيْن عثمان بن عاصم الاسدی (۱۱) ہیں۔ ان کی حدیث صحیحین میں ہے۔ ابو علی الجبائی کہتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق صحیحین میں حُصَيْن بفتح الحاء اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے (۱۲) حُصَيْن (بضم الحاء المہملہ و فتح الصاد المہملہ) (۱۳) کتب ثلاثہ میں موجود ہے اور کئی ناموں کا حصہ ہے جیسے عمران بن حُصَيْن (۱۴) البتہ حُصَيْن بضم الحاء المہملہ و فتح الصاد المعجمة و سکون الیا

- ۱- الباعث الحثيث، ۳۱۱
- ۲- فتح المغيث للعراقي، ۴/۳۰۲
- ۳- ايضاً؛ ابن الصلاح، ۳۵۱
- ۴- عمران بن حدیر السدوسی ابو عبیدة الهمري (م ۴۹ھ) بصرہ کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ ابو حاتم، ابن معین، نسائی، ابن خلفون وغیرہ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/ii/۳۲۵؛ تهذيب التهذيب، ۸/۱۰۶؛ الجرح و التعديل، ۳/i/۲۹۶؛ سير اعلام، ۶/۳۶۳
- ۵- زيد بن حدیر الاسدی الکونی زیاد کے بھائی تھے۔ کتب سنہ اور دیگر کتب حدیث میں ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔ تهذيب، ۳/۳۵۳
- ۶- زیاد بن حدیر ابو المغيرة الاسدی کبار صحابہ سے سماع کیا۔ شعبي، جامع بن شداد، حبيب بن ابی ثابت نے ان سے سماع کیا۔ ابو حاتم و دارقطنی وغیرہ نے ثقہ کہا۔ کوفہ کے امیر بھی رہے۔ تهذيب التهذيب، ۳/۳۱۸؛ التاريخ الكبير، ۳/ii/۳۲۸
- ۷- فتح المغيث للعراقي، ۴/۳۰۲؛ ابن الصلاح، ۳۵۱؛ تدریب، ۴۷۱
- ۸- ايضاً، ۴/۳۰۲
- ۹- ابن الصلاح، ۳۵۱؛ فتح المغيث للعراقي، ۴/۳۰۳؛ تدریب، ۴۷۲
- ۱۰- ايضاً، ۳۵۱؛ ايضاً، ۴/۳۰۳
- ۱۱- ابو حُصَيْن عثمان بن عاصم الاسدی الکونی (م ۱۲۸ھ) ثقہ و ثبت محدث تھے۔ صاحب سنہ تھے۔ عمال دار ہونے کے باوجود امراء سے ہدیہ قبول نہ کرتے۔ التاريخ الكبير، ۳/ii/۲۳۰؛ الجرح و التعديل، ۳/i/۲۱۰؛ سير اعلام، ۵/۳۱۲
- ۱۲- فتح المغيث للعراقي، ۴/۳۰۳؛ ابن الصلاح، ۳۰۱؛ تدریب، ۴۷۲
- ۱۳- ايضاً، ۴/۳۰۳
- ۱۴- عمران بن حُصَيْن بن عبید بن خلف ابو نجيد الخزاعي (م ۵۲ھ) وہ اوران کے والد ھ میں اسلام لائے۔ دوران فتنة لگ تھلگ رہے اور کسی کا ساتھ نہ دیا۔ عابد و زاہد تھے۔ التاريخ الكبير، ۳/ii/۴۰۸؛ تهذيب التهذيب، ۸/۳۵؛ سير اعلام النبلاء، ۲/۵۰۸

المثناة من تحت و آخره نون (۱) اس نام کے حصین بن المنذر ابوساسان (۲) ہیں۔ مسلم نے ان کی روایت لی ہے۔ امام حاکم نے اور ان کے اتباع میں حافظ المزنی نے کہا ہے کہ رواۃ حدیث میں، ہمارے علم کے مطابق اس نام کا کوئی اور آدمی نہیں ہے اور وہ جلیل القدر تابعی ہیں (۳)۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ صحیحین میں ابن شہاب کے طریق سے عتبان بن مالک (۴) کے قصہ میں ہے کہ میں نے الحصین بن محمد الانصاری سے محمود بن الربیع کی حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے تصدیق کی۔ جیسا کہ صاحب المشارق وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ الاصلی (۵) اور القابسی (۶) کا خیال ہے کہ یہ لفظ بالضاد ہے۔ القابسی کہتے ہیں کہ بخاری میں اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ المزنی کہتے ہیں کہ یہ محض وہم ہے اور قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ یہ نام بالصاد المهملة ہے۔ جیسا کہ اکثریت نے کہا ہے۔ (۷)

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ حصین (بالنون) کے حفیر (۸) (بالراء) کا اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔ کتب ثلاثہ میں اسید بن حفیر الاصلی (۹) کا ذکر ہے۔ چونکہ اکثر حالات میں یہ اشتباہ نہیں پیدا ہوتا اس لیے میں نے ابن الصلاح پر استدراک نہیں کیا۔ (۱۰)

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۳؛ تدریب، ۴۷۲

۲- حصین بن المنذر ابوساسان الرقاشی المہری (م ۹۷ھ) کبار صحابہ سے احادیث کا سماع کیا۔ جنگ صفین کے موقع پر حضرت علی کی فوج کے علمبردار تھے۔ حضرت علی نے انھیں اصطر کا گورنر بھی مقرر کیا۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط، ۱۹۴، ۳۱۳، ۳۲۰؛ تہذیب التہذیب، ۲ / ۳۵۶

۳- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۳

۴- عتبان بن مالک بن عمرو بن الجحلی الخزرجی، الانصاری السلمی البدری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا واسطہ سماع کیا۔ کبار صحابہ سے سماع کا شرف بھی حاصل ہوا۔ امیر معاویہ کے دور خلافت میں انتقال ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر اور عتبان (صاحب ترجمہ) کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا۔ تہذیب التہذیب، ۷ / ۸۳

۵- الاصلی عبد اللہ بن ابراہیم ابو محمد (م ۳۹۲ھ) اندلس کے معروف و مقبول محدث اور فقیہ تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ حدیث کے علل و رجال کے ماہر مانے جاتے۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱ / ۲۳۹؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۱۰۲۳، سیر اعلام، ۲ / ۵۶۰

۶- القابسی، ابو الحسن علی بن محمد القابسی المالکی (م ۴۰۳ھ) علوم حدیث اور فقہ پر دسترس حاصل تھی۔ مفید کتب کے مولف تھے۔ اندلس کے معروف محدث تھے۔ وفيات الاعیان، ۳ / ۳۲۰؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۱۰۷۹؛ العبر، ۳ / ۸۵؛ سیر اعلام، ۱۷ / ۱۵۸

۷- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۳؛ تدریب، ۴۷۲

۸- حفیر بضم الحاء المهملة و فتح الضاد المعجمة و الراء فی آخره۔

۹- اسید بضم الهمزة فتح السين المهملة بن حفیر بن سماک بن عیک الانصاری الاصلی ابو یحییٰ (م ۲۰ھ) بیعت عقبہ کے نقباء میں سے ہیں۔ بدر میں ان کی شرکت مختلف فیہ ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱ / ۳۰۳۔ ۳۰۴؛ التاريخ الكبير، ۱ / ۳۲۷؛ سیر اعلام، ۱ / ۳۲۰

۱۰- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۳؛ تدریب، ۴۷۲

۱۱۔ ایسی ہی ایک مثال حَبَّان، حبان اور حیان کی ہے۔ حبان بفتح الحاء المهملة و تشدید الباء الموحدة (۱) اس نام کی کئی شخصیات ہیں جیسے حبان بن منقذ (۲)۔ موطا میں ان کا ذکر ہے۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ ان کے بیٹے واسع بن حبان بن منقذ (۳)، ان کی حدیث موطا اور صحیحین میں ہے اور ان کے بیٹے حبان بن واسع بن حبان (۴)۔ مسلم نے ان کی روایت نقل کی ہے۔ ان کا چچا زاد محمد بن یحییٰ بن حبان بن منقذ (۵) ان کی حدیث موطا اور صحیحین میں مذکور ہے۔ اور حبان بن بلال الباہلی (۶)، ان کی حدیث صحیحین میں وارد ہے۔ حبان بن ہلال کبھی بغیر نسبت کے مطلقاً صحیحین میں وارد ہوئے ہیں اور شیوخ کی وجہ سے فرق کیا جاتا ہے۔ مثلاً حبان عن شعبة؛ و حبان عن وهيب؛ و حبان عن همام، حبان عن ابان، حبان عن سليمان بن المغيرة اور حبان عن ابی عوانة۔ قاضی عیاض المشارق میں کہتے ہیں کہ ان مثالوں میں مذکور شخص سے مراد حبان بن ہلال ہیں۔ ابن الصلاح نے ان کی متابعت میں یہی مثالیں دی ہیں (۷) دوسرے حبان بکسر الحاء المهملة (۸) مثلاً حبان بن عطیہ السلمی (۹)۔ بخاری نے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ابن ماکولا اور صاحب المشارق نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ حباء کے کسرہ کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں ابو الولید الفرضی کا کہنا ہے کہ حباء مفتوحہ ہے۔ ابو علی الجبائی اور صاحب المشارق نے ابو ذر کے بعض رواۃ کے سلسلے میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایسا کہنا وہم ہے (۱۰) اور حبان بن موسیٰ السلمی الروزی (۱۱)، ان سے بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ یہ حبان بغیر نسبت کے

۱۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۰۳

۲۔ حبان بن منقذ بن عمرو بن عطیہ الانصاری الخزرجی نابینا صحابی تھے۔ الاصابہ، ۱/۳۰۳

۳۔ واسع بن حبان بن منقذ بن عمرو الانصاری المازنی، المدنی صحابی ابن صحابی۔ ثقہ۔ دوسرے طبقے سے تعلق ہے۔

تقریب التہذیب، ۲/۳۲۸

۴۔ حبان بن واسع بن حبان بن منقذ بن عمرو الانصاری المازنی المدنی۔ اپنے والد اور خداداد بن سائب سے روایت کی۔ ابن حبان

نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۲/۱۳۹

۵۔ محمد بن یحییٰ بن حبان بن منقذ الانصاری المدنی (م ۱۲۱ھ) ثقہ، فقیہ، چوتھے طبقے سے تعلق ہے۔ چوتھ (۷۴) سال کی عمر میں

وفات پائی۔ تہذیب التہذیب، ۹/۵۰۷؛ کتاب المعرفة، ۱/۳۸۹؛ الجرح، ۳/۱۲۲؛ سیر اعلام، ۵/۱۸۶

۶۔ حبان بن ہلال ابو جیب الباہلی البصری (م ۲۱۶ھ) شعبہ، معمر اور حماد بن سلمہ وغیرہ سے روایت کیا۔ احمد بن حنبل، اسحاق الکوج

اور دیگر اہل علم نے ان سے استفادہ کیا۔ بصرہ کے ثقہ محدث تھے۔ العبر، ۱/۳۶۹؛ تہذیب، ۲/۱۷۰؛ شذرات، ۲/۳۶؛

سیر اعلام، ۱۰/۲۳۹

۷۔ فتح المغیث، ۴/۳۰۳؛ ابن الصلاح، ۳۵۱-۳۵۲؛ تدریب، ۴۷۳

۸۔ ایضاً، ۴/۳۰۳

۹۔ حبان بن عطیہ السلمی، ابو عبد الرحمن، حضرت علی کے حمایتی تھے۔ تہذیب التہذیب، ۲/۱۵۹

۱۰۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۰۳

۱۱۔ حبان بن موسیٰ الروزی الکشمیہنی (بالضم، و السکون و الکسر و تحتانیہ ساکنہ و فتح الہاء) (م ۲۳۳ھ) ابن

البارک، ابو حمزہ السکری وغیرہ سے روایت کی اور اس سے بخاری اور مسلم نے روایت کی۔ ابراہیم بن الجنید کا کہنا ہے کہ وہ

صاحب حدیث نہیں البتہ انہوں نے کہا: لا باس بہ۔ ابن حبان نے الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب،

۱۵۲/۱۵۳؛ التاريخ الكبير، ۲/۹۰؛ شذرات، ۲/۷۷



عبداللہ بن مبارک سے راوی ہیں اور حبان بن العرقہ، ان کا ذکر بھی صحیحین میں ہے۔ عائشہ کی حدیث ہے کہ سعد بن معاذ کو قریش کے جس شخص نے تیر مارا اس کے نام حبان بن العرقہ ہے، یہی مشہور ہے۔ ابن ماکولا بیان کرتے ہیں کہ ابن عقبہ نے مغازی میں اسے حبان (بالجم) ضبط کیا ہے لیکن قول اول صحیح ہے (۱) اور ابو عبید قاسم بن سلام کے بقول العرقہ اس کی ماں کا نام ہے۔ اس لفظ کے ضبط میں اختلاف ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ عین مفتوحہ پھر راء مکسورہ اور اس کے بعد قاف ہے۔ ابن ماکولا نے واقدی کا قول نقل کیا ہے جس میں راء کا فتح ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔ یہ نام اسے اس کی اچھی خوشبو کی وجہ سے دیا گیا۔ ابن کلبی کے مطابق اس کا نام قلابہ (بکسر القاف) بنت سعید (بضم السین) بن سہم تھا اور کنیت فاطمہ تھی۔ اس کے والد کے نام کے سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق حبان بن قیس اور دوسرے کے مطابق ابن ابی قیس تھا۔ (۲)

تیسرے حیان بفتح الحاء المهملة بعدها یا مشاة من تحت بکثرت موجود ہے ہیں اور کتب ثلاثہ میں معتد بہ تعداد میں منقول ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اسی طرح جبار اور خیار میں اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے۔ جبار بفتح الجیم و تشدید الباء الموحدة و آخره راء (۳) جیسے جبار بن صخر (۴) جو بدر میں شریک ہوئے۔ مسلم نے عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت (۵) کی حدیث میں ان کا ذکر کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: (خرجت انا و ابي نطلب العلم في هذا الحي من الانصار. الحديث) (۶) دوسرے خیار بکسر الخاء المعجمة بعدها ياء مشاة من تحت مخففة و آخره راء (۷) جیسے عبید اللہ بن عدی بن الخیار (۸) ہیں صحیحین میں ان کی حدیث نقل ہوئی ہے۔

- ۱- فتح المغیث للعراقی، ۴/۴۰۴
- ۲- ایضاً، ۴/۴۰۴
- ۳- ایضاً، ۴/۴۰۴
- ۴- جبار بن صخر بن امیہ بن خنساء بن سنان الانصاری ثم السلی، کنیت ابو عبد اللہ (م ۳۰ھ) موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب کے ذریعہ انھیں بیعت عقبہ کرنے والوں میں شامل کیا ہے اور ابو الاسود نے بروایت عمروہ اہل بدر میں شمار کیا ہے۔ ابو نعیم کے مطابق وفات کے وقت ان کی عمر ۶۲ سال تھی۔ الاصابة، ۱۰/۲۳۰
- ۵- عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت ابو الصامت الانصاری المدنی اپنے دادا، باپ، ابو یوب اور جابر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن سعید اور عبید اللہ بن عمر نے روایت کی۔ ابو زرعد اور نسائی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ الجرح، ۳/۹۶؛ خلاصہ تہذیب الکمال، ۱۸۸، سیر اعلام، ۵/۱۰۷
- ۶- مسلم نے الجامع کی کتاب الزهد، باب حدیث جابر الطویل، ۸/۲۳۱ میں نقل کیا ہے۔
- ۷- فتح المغیث، ۴/۴۰۴
- ۸- عبید اللہ بن عدی بن الخیار (بکسر المعجمة و تخفیف التحتانية) ابن عدی بن نوفل القرشی النوفلی المدنی (م ۹۵ھ تقریباً) ان کا والد بدر میں قتل ہوا لیکن وہ فتح میں واضح تھے اس لیے صحابہ میں شمار ہوئے۔ العجلی نے انھیں ثقہ تابعین میں شمار کیا ہے۔ ولید بن عبد الملک کی خلافت کے آخر میں فوت ہوئے۔ التاریخ الکبیر، ۳/۳۹۱؛ المعرفة و التاریخ، ۱/۳۱۱؛ سیر اعلام، ۳/۵۱۴؛ تقریب التہذیب، ۱/۵۳۶



احمد محمد شا کرنے حبان اور حیان کے تحت کچھ اور ناموں کا تذکرہ کیا ہے جو وجہ اشتباہ ہو سکتے ہیں، ان کے مطابق حبان بضم المهملة وبالباء الموحدة، حنان بفتح المهملة و بالنون و حبان بالجيم المفتوحة و بالباء الموحدة، و حنان بفتح الجيم و النون و حیان بفتح الجيم و بالياء المثناة التحتية ان سب میں دوسرا حرف مشدود ہے۔ حنان بفتح المهملة و بالنون، و حنان بكسر الجيم و النون ان دونوں میں دوسرا حرف مخفف ہے۔ (۱)

۱۲۔ اسی طرح خُیب اور حیب ہیں۔ بضم الخاء المعجمة و فتح الباء الموحدة بعدها ياء مشناة من تحت ساكنة و آخره باء موحدة (۲) جیسے خیب بن عبد الرحمن بن خیب بن یساف الانصاری (۳) ان کی حدیث صحیحین اور موطا میں ہے۔ اور بغیر نسبت کے ان کا ذکر حفص بن عاصم کے ذریعہ بھی صحیحین میں ہے اور صحیح مسلم میں عبد اللہ بن معن کے روایت میں بھی مذکور ہیں ان کے دادا کا نام بھی خیب ہے لیکن کتب ثلاثہ میں ان کی کوئی روایت نہیں۔ اور خیب بن عدی (۴) جن کا ذکر عاصم بن ثابت الانصاری کی سیرت میں قتل خیب کے سلسلے میں ابو ہریرہ کی روایت میں ہے جسے بخاری نے نقل کیا ہے۔ خیب کا مشہور شعر ہے:

و لست ابالی حين اقتل مسلما  
على اى جنب كان فى الله مصرعى

اسی طرح ابو خیب، یہ عبد اللہ بن الزبیر کی کنیت ہے۔ ان کے بیٹے کا نام خیب ابن عبد اللہ بن الزبیر ہیں (۵) خیب کی کوئی حدیث کتب ثلاثہ میں نہیں، البتہ نسائی نے ایک روایت نقل کی ہے لیکن اس میں بھی نام کا تعین نہیں ہے صرف عن ابن عبد اللہ ہے۔ دوسرے لوگوں نے اسے خیب کہا ہے (۶) دوسرا حیب بفتح الحاء المهملة و كسر الباء الموحدة (۷)۔ حیب کا لفظ کتب ثلاثہ میں موجود ہے ان میں حیب بن ابی ثابت (۸)،

۱۔ الباعث الحثيث، ۲۱۱

۲۔ فتح المغیث، ۴ / ۳۰۵؛ تدریب، ۴۷۳

۳۔ خیب بن عبد الرحمن بن خیب بن یساف الانصاری، ابو الحارث المدنی (م ۱۳۲ھ) چوتھے طبقے سے تعلق ہے۔ ابن سعد نے ثقہ کہا۔ وہ قلیل الحدیث تھے۔ تہذیب التہذیب، ۳ / ۱۳۲، التاريخ الكبير، ۲ / ۲۰۹

۴۔ خیب بن عدی بن مالک بن عامر بن محمد الانصاری الاوسی (م ۵۳ھ) احد میں شریک تھے۔ المل مکہ کے قیدی ہوئے اور شہید کیے گئے۔ القیر والی نے ذکر کیا ہے کہ قتل کے بعد ان کا رخ غیر قبلہ کی طرف کیا گیا لیکن وہ از خود قبلہ کی طرف ہو گیا ایسا انھوں نے کئی مرتبہ کیا پھر عاجز آ کر چھوڑ دیا۔ الاصابة، ۱ / ۳۱۸-۳۱۹؛ تاریخ خلیفہ، ۷۴، ۷۶؛ مسیر، ۱ / ۲۸۶

۵۔ خیب بن عبد اللہ بن الزبیر بن العوام الاسدی (م ۹۳ھ) ثقہ، عابد، تیسرے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ تہذیب، ۳ / ۱۳۲، التاريخ الكبير، ۲ / ۲۰۸

۶۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۰۵؛ تدریب، ۴۷۳

۷۔ ایضاً، ۴ / ۳۰۵؛ تدریب، ۴۷۳؛ ابن الصلاح، ۳۵۲

۸۔ حیب بن ابی ثابت: قیس / حند بن دینار الاسدی، مولا ہم، ابو یحییٰ الکوئی (م ۱۱۹ھ)۔ ثقہ، جلیل، نقیہ، مرسل احادیث بہت بیان کرتے اور تالیس بھی کرتے۔ تہذیب التہذیب، ۳ / ۱۶۳؛ مسیر، ۵ / ۲۸۸

حبیب بن الشہید (۱)، حبیب بن المعلم (۲) اور یزید ابن ابی حبیب (۳) وغیرہم نمایاں ہیں۔ (۴)۔  
۱۳۔ اسی طرح رباح اور رباح کی مثال ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

كل ما فيها من رباح فهو بالباء الموحدة الا زياد بن رباح (۵) و هو ابو  
قيس الراوى عن أبى هريرة فى اشراط الساعة (۶) و مفارقة  
الجماعة (۷) فانه بالياء المشناة من تحت عند الاكثرين. وقد حكى  
البخارى فيه الوجهين بالباء و الياء. (۸)

اسی سلسلے میں رباح بالباء الموحدة ہی وارد ہوا ہے سوائے زیاد بن رباح کے اور وہ ابو  
قیس ہیں جنہوں نے اشراط الساعة اور مفارقة الجماعة سے متعلق ابو ہریرہ سے  
روایت کی ہے اکثر کے نزدیک یہ رباح بالياء المشناة من تحت ہے۔ البتہ بخاری نے  
باء اور ياء دونوں وجوہ سے بیان کیا ہے۔

حافظ عراقی رباح کو ضبط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بكسر الراء بعدها ياء مشناة من تحت. (۹)

یہ جو راء کا کسرہ کہا ہے تو یہ اکثر کی رائے ہے۔ عبداللہ بن ابی حنیفہ اور ابن ماکولانے اس کی تصدیق کی ہے۔ البتہ  
صاحب المشارق نے ابن الجارود سے ہاء کے ساتھ نقل کیا ہے اور بخاری نے دونوں وجوہ بیان کیے ہیں (۱۰) بصری

- ۱۔ حبیب بن الشہید الازدی، ابو محمد البصری (۱۳۵ھ) ثقہ، ثبت۔ پانچویں طبقے سے تعلق ہے۔ التاريخ الكبير، ۱/۱/۱۱۱/۳۲۰؛  
سیر اعلام، ۷/۵۶؛ تہذیب التہذیب، ۲/۱۷۱
- ۲۔ حبیب بن المعلم، ابو محمد البصری معقل بن یسار کے مولیٰ۔ باپ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، زاید یزید تھا۔ صدوق  
تھے۔ چھٹے طبقے سے تعلق ہے۔ تقریب التہذیب، ۱/۱۵۲
- ۳۔ یزید بن ابی حبیب ابو جہا الازدی البصری (م ۱۲۸ھ) جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ معر میں احادیث کی تبلیغ و تشریح میں  
نمایاں کردار رہا۔ سیاہ فام ہونے کے باوجود علم و فضل میں علماء نے انہیں سردار تسلیم کیا۔ التاريخ الكبير، ۳/۱۱/۳۲۳؛  
شہرات، ۱/۱۷۵؛ سیر اعلام، ۶/۳۱
- ۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۵-۳۰۶، تقریب، ۳۷۳
- ۵۔ زیاد بن رباح، ابو قیس البصری و جمال الدینی۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ تقریب التہذیب، ۱/۳۲۱؛  
تہذیب التہذیب، ۳/۳۲۱؛ التاريخ الكبير، ۲/۱/۳۵۱
- ۶۔ مسلم، الجامع، کتاب الفتن، باب احادیث الدجال، ۸/۲۰۷
- ۷۔ مسلم، الجامع، کتاب الامارة، باب الامر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن، ۶/۲۰
- ۸۔ ابن الصلاح، ۳۵۲
- ۹۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۶
- ۱۰۔ التاريخ الكبير، ۲/۱/۳۵۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۶؛ بخاری نے التاريخ الكبير میں نام و کنیت کے اختلاف  
کا بھی ذکر کیا ہے لیکن باء اور ياء کا نہیں۔ ابن الصلاح نے اس میں صاحب المشارق کی پیروی کی ہے التقریب، ۳۹۵

تابعین میں ایک زیاد بن رباح الہذلی (۱) کے نام سے ہیں۔ ان کی کنیت بھی ابو رباح ہے اور وہ بھی راء کے کسرہ کے ساتھ۔ انھوں نے انس بن مالک کو دیکھا اور حسن سے روایت کی تاہم یہ متاخر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ خطیب نے ان کا ذکر المتفق و المفقور میں کیا ہے لیکن ان کی کنیت ابو رباح اور پہلے ابو قیس بیان کی ہے۔ ابن ماکولانے بھی یہی کہا ہے۔ البتہ المزنی نے اختلاف کیا ہے اور وہ پہلے کو ابو رباح کہتے ہیں۔ (۲) جہاں تک رباح کا تعلق ہے تو وہ کتب ثلاثہ میں منقول ہے۔ رباح بن ابی معروف (۳) مسلم کے ہاں معروف ہے اور عطاء بن ابی رباح (۴) صحیحین اور الموطا میں مذکور ہیں اور زید بن رباح (۵) موطا اور بخاری میں منقول ہیں۔

۱۲۔ اسی طرح حُکیم اور حکیم ہیں

پہلا حکیم مصغر بضم الحاء المهملة وفتح الکاف (۶) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

ليس فيها حكيم بالضم الا حكيم بن عبدالله و رزيق بن حكيم. (۷)

اور اس میں کاف کے ضم سے، صرف حکیم بن عبد اللہ اور رزق بن حکیم ہیں۔

حکیم بن عبد اللہ بن قیس بن مخزوم القرشی البصری (۸) ہیں۔ مسلم نے ان کی تین احادیث نقل کی ہیں۔

حدیث کے بعض طرق میں الحکیم (بـالـالف و السلام) بھی نقل ہوا ہے۔ دوسرے رزق بن حکیم (۹) ہیں رزق

۱۔ زیاد بن رباح الہذلی ابو رباح البصری انس بن مالک کو دیکھا۔ حسن بصری سے روایت کیا۔ حکام بن سلم المزنی نے ان سے

روایت کیا۔ تہذیب التہذیب، ۳/۳۲۲؛ تقریب التہذیب، ۱/۳۲۲

۲۔ فتح المغیث، ۱۳۰۶/۳؛ تقریب، ۴۷۳

۳۔ رباح بن ابی معروف بن ابی سارہ الہذلی۔ قیس، عطاء وغیرہ سے روایت کیا۔ زہد و ریح کا غلبہ تھا۔ ابن عدی اور ابو حاتم نے ان

سے احادیث لکھنے کی اجازت دی ہے۔ تہذیب، ۳/۲۱۰؛ التاریخ الکبیر، ۱/۳۱۵

۴۔ عطاء بن ابی رباح ابو محمد القرشی الہذلی (م ۱۱۴ھ) اپنے وقت کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ مکہ میں اتوی میں کوئی ان کا طاقی نہیں

تھا۔ عابد و زاہد اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔ حج سے متعلق مسائل سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ العاریخ الکبیر،

۳/۳۶۳؛ الجرح، ۳/۳۳۰؛ وفيات، ۳/۲۶۱؛ تہذیب، ۴/۱۹۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۵/۷۸؛

کتاب المعرفة، ۷۳/۷۰۲

۵۔ زید بن رباح المدنی (م ۱۳۶ھ) ابن حبان اور ابن عبد البر نے ثقہ کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳/۳۵۸؛ العاریخ الکبیر،

۱/۳۹۳

۶۔ فتح المغیث، ۳/۳۰۶؛ تقریب، ۴۷۳

۷۔ ابن الصلاح، ۳۵۲

۸۔ حکیم بن عبد اللہ بن قیس بن مخزوم القرشی البصری (م ۱۱۸ھ) ابن عمر، نافع بن جبیر بن مطعم اور عامر بن سعد سے روایت کی اور

ان سے زید بن حبیب، اللیث، عمرو بن الحارث اور ابن لہیعہ وغیرہ نے روایت کی۔ نسائی کہتے ہیں: لا بأس بہ ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۲/۳۹۰؛ کتاب الثقات، ۳/۱۸۲

۹۔ رزق بن حکیم الایلی والی ایلیہ۔ عمرہ بنت عبد الرحمن اور سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کی اور ان سے مالک اور ابن عیینہ

وغیرہ نے روایت کی۔ نسائی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے اور ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب،

۳/۲۳۳؛ کتاب المعرفة، ۲/۳۶۱

(مصفر بتقدیم الرواء) باپ کی طرح ان کی کنیت ابو حکیم ہے۔ یہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ایلہ کے گورنر تھے (۱)۔ ابن الخداء نے ذکر کیا ہے کہ وہ مدینہ کے حاکم تھے۔ (۲) ان کا ذکر موطا کی کتاب الحدود میں ہے۔ (۳) اور ان کا ذکر بخاری نے بھی کیا ہے۔ یونس کہتے ہیں کہ رزیق نے ابن الشہاب الزہری کو لکھا اور میں اس کے ساتھ وادی القرئی میں تھا کہ کیا ہم جمعہ قائم کر سکتے ہیں؟ رزیق اس وقت حاکم ایلہ تھے۔ (۴)

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ حکیم بضم الحاء نقل کیا ہے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ علی بن المدینی نے اسی طرح کہا ہے صاحب تفسیر المہمل نے ان سے بیان کیا کہ سفیان بن عیینہ اکثر حکیم بالفتح پڑھتے (۵) اور حکیم مکبر بفتح الحاء و کسر الکاف (۶)۔ کتب ثلاثہ میں یہ نام بکثرت مذکور ہے۔ جیسے حکیم بن حزام (۷) اور حکیم ابی بن حرہ (۸) بخاری نے ان کی ایک حدیث نقل کی ہے اور بہر بن حکیم البخاری (۹) وغیرہ۔ (۱۰)

۱۵- زبید اور زبید.

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ليس في الصحيحين إلا زبید بالباء الموحدة و هو زبید بن الحارث

اليامي و ليس في الموطا من ذلك إلا زبید بياء نين مثنائين من تحت و

هو زبید بن الصلت، يكسر أوله ويضم. (۱۱)

- ۱- فتح المغیث، ۴/۲۰۷
- ۲- ایضاً، ۴/۲۰۷
- ۳- الموطا، کتاب الحدود، باب الحد فی القذف و التعریض، ۵۵۱. الموطا کے میسر نسخہ میں زریق ہے۔
- ۴- بخاری، الجامع، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القرى و المدن، ۱/۲۱۵ (حدیث ۸۹۳)
- ۵- فتح المغیث، ۴/۲۰۷
- ۶- ایضاً، ۴/۲۰۷
- ۷- حکیم بن حزام بن خویلد ابو خالد القرشی الاسدی (م ۵۴ھ) فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ اشراف قریش میں سے تھے۔ حضرت خدیجہ کے بیٹے تھے۔ دمشق میں تجارت کے لیے گئے۔ تاریخ الکبیر، ۲/۱۱؛ تہذیب، ۲/۳۰۰؛ الجرح و التعديل، ۳/۲۰۲؛ سیر اعلام، ۳/۳۳؛ کتاب الثقات، ۳/۷۰
- ۸- حکیم بن ابی حرہ (بضم المهملة و تشدید الرواء) الاسلمی صدوق، تیسرے طبقہ سے تعلق ہے۔ ابن عمر اور سلمان الاغر وغیرہ سے روایت کی۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۲/۳۰۰؛ تاریخ الکبیر، ۲/۱۳
- ۹- بہر بن حکیم بن معاویہ بن حیدرة (م قبل ۱۵۰ھ) اپنے وقت کے بلند پایہ محدث تھے۔ ابن معین، نسائی اور یحییٰ القطان نے ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ کثرت سے غلطیاں کرتے تھے۔ تاریخ الکبیر، ۲/۱۳۲؛ کتاب المعجرو حین، ۱/۱۹۳؛ سیر اعلام النبلاء، ۶/۲۵۳
- ۱۰- فتح المغیث، ۴/۲۰۷
- ۱۱- ابن الصلاح، ۳۵۲-۳۵۳

صحیحین میں صرف زبید (بالباء الموحدة) ہے اور وہ زبید بن الحارث الیامی ہے اور  
موطأ میں صرف زبید ہے (بالیاء بن مثانین من تحت) اور وہ زبید بن صلت ہے اس کا  
پہلا حرف کسور ہے اور مضموم بھی پڑھا جاتا ہے۔

حافظ عراقی نے حسب معمول ترتیب بدلی ہے۔ پہلے زبید کا ذکر کیا اور بعد میں زبید کا (۱)۔ ہم اسی ترتیب کو  
مد نظر رکھیں گے۔ زبید بضم الزاء و کسرہا ایضاً و فتح الیاء المثناة من تحت بعدها یاء مثناة من  
تحت ایضاً ساکنہ و آخرہ دال مہملہ (۲) زبید بن اصلت بن معدیکرب الکندی (۳) ان کا ذکر موطأ  
میں ہشام بن عروہ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا:

خرجت مع عمر بن الخطاب الى الجرف (۴) فنظر فاذا هو قد احتلم  
وصلی فذكر القصة (۵)

میں عمر ابن الخطاب کے ساتھ جرف گیا تھا کہ انھوں نے محسوس کیا کہ ان کو احتلام ہوا تھا اور  
بھول کر نماز ادا کر لی۔

امام مالک نے اصلت بن زبید سے ان کے خاندان کے ذریعہ عمر بن الخطاب کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب  
الشجرہ میں تھے تو انھوں نے خوشبو محسوس کی اور ان کے ساتھ کثیر بن زبید تھے اور آپ نے اس سے پوچھا کہ خوشبو  
کہاں سے ہے؟ تو اس نے کہا کہ امیر المومنین یہ مجھ سے آرہی ہے (۶) عبدالغنی بن سعید نے کہا ہے کہ اصلت بن  
زبید ابن زبید بن اصلت ہی ہیں۔ علی بن الخداء نے بیان کیا کہ ان دونوں اقوال میں بہت بعد ہے۔ اصلت بن  
زبید مدینہ کے قاضی تھے اور ابن الخداء کا قول کہ اس کے والد زبید بن اصلت ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں

۱- فتح المغیث، ۴/۳۰۷

۲- ایضاً، ۴/۳۰۷

۳- زبید بن اصلت بن معدی کرب الکندی حلیف بنی نجح، کثیر بن اصلت کے بھائی۔ واقدی لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد  
میں پیدا ہوئے اور ابو بکر، عمر اور عثمان سے روایت کی۔ ابن ابی حاتم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ابو بکر سے ان کی روایت  
مرسل ہے لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابو بکر سے ان کا سماع ثابت ہے۔ الاصابة، ۱/۵۷۵-۵۷۶

۴- الجرف۔ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ النہایۃ، ۱/۲۶۲ (واصله ما تجر فہ السیول من الاودية)

۵- الموطأ، کتاب الطہارۃ، باب اعادۃ الجنب الصلوۃ، ۳۴

۶- عن مالک، عن الصلت بن زبید، عن غیر واحد من اہلہ، ان عمر بن الخطاب و جد ریح طیب، و هو  
بالشجرۃ، والی جنبہ کثیر بن الصلت فقال عمر، ممن ریح هذا لطیب؟ فقال کثیر: منی یا امیر  
المومنین، لہدت راسی و اردت ان لا احلق، فقال عمر! فاذهب الی شربۃ فاذلک رأ سکت حتی تنقیہ.  
لفعل کثیر بن الصلت. قال مالک: الشربۃ حفیر تكون عند اصل النخلۃ. الموطأ، کتاب الحج، باب ما  
جاء فی الطیب فی الحج، ۳۰۷-۳۰۸

مدینہ کے قاضی تھے، وہم ہے (۱) دوسرے زبید بضم الزاء بعدھا موحدة (۲) کئی ہیں۔ جیسے زبید الیائی (۳) اور ابو زبید عمیر بن القاسم (۴) وغیرہ۔

۱۶- سلیم و سلیم

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

فیہا سلیم بفتح السین واحد، وهو سلیم بن حیان - و من عداہ فہو  
سلیم بالضم. (۵)

موتلف و مختلف میں سلیم بفتح السین اکیلا ہے اور وہ سلیم بن حیان ہے اس کے  
علاوہ سب سلیم بالضم ہیں۔

امام نووی اور سیوطی نے پہلے سلیم اور بعد میں سلیم کا ذکر کیا ہے۔ (۶) حافظ عراقی، ابن الصلاح کے تتبع میں  
کہتے ہیں۔ پہلا نام مکرم ہے سین کے فتح اور لام کے کسرہ کے ساتھ اور وہ سلیم بن حیان (۷) ہے اس کی حدیث  
صحیحین میں ہے اور اس کے علاوہ کوئی سلیم مذکور نہیں ہے۔ دوسرا مصغر ہے (بضم السین و فتح اللام) باقی تمام نام  
یہی ہیں جو کتب تلاش میں وارد ہوئے ہیں مثلاً سلیم بن عامر الخبازی (۸)، ابو اشعث سلیم بن اسود الحاربی بن اخضر (۹)

۱- فتح المغیث، ۳ / ۴۰۸

۲- ایضاً، ۳ / ۴۰۸

۳- زبید الیائی، زبید بن الحارث بن عبد الکریم بن عمرو بن کعب الیائی (م ۱۲۲ھ)۔ انھیں الیائی، ابو عبد الرحمن بھی کہا جاتا ہے۔  
اسی طرح ابو عبد اللہ کی کنیت سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ یعقوب بن سفیان کا کہنا ہے کہ ثقہ ہیں الایہ کہ تشیع کی طرف میلان  
تھا۔ تہذیب التہذیب، ۳ / ۲۶۸؛ التاریخ الکبیر، ۲ / ۳۵۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۵ / ۲۹۶؛ کتاب المعرفۃ،  
۶۷۸ / ۲

۴- میر مصادر میں نزل سکا۔

۵- ابن الصلاح، ۳۵۳

۶- تدریب، ۳۷۳

۷- سلیم بن حیان بن بسطام الحدلی البصری۔ حدیث کے عالم تھے۔ انہوں نے عمرو بن دینار، قتادہ وغیرہ سے احادیث اخذ  
کیں۔ ان سے ان کے بیٹے، یحیی القطان، عبد الرحمن بن مہدی وغیرہ نے روایت کیا۔ احمد، ابن معین اور نسائی وغیرہ نے ثقہ کہا  
ہے۔ تہذیب، ۳ / ۱۵۲

۸- سلیم بن عامر الخبازی، ابو یحییٰ الحمصی (م ۱۳۰ھ)۔ خباز حمیر سے ہیں۔ ابو امامہ، عبد اللہ بن الزبیر اور عوف بن مالک وغیرہ  
سے روایت کی الجلی کہتے ہیں کہ سلیم شامی تابعی اور ثقہ ہیں۔ فتح قادسیہ میں موجود تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲ / ۱۲۵؛

تہذیب التہذیب، ۳ / ۳۶۱-۱۳۷؛ شذرات، ۱ / ۱۳۰؛ سیر اعلام، ۵ / ۱۸۵

۹- ابو اشعث سلیم بن اسود الحاربی الکوفی (م ۸۲ھ) عمر، ابو ذر اور حذیفہ وغیرہ سے روایت کی۔ امام احمد کہتے ہیں: ثقہ۔ خلیفہ کے  
مطابق ان کی وفات الجحیم کے بعد ۸۲ھ میں ہوئی۔ تہذیب التہذیب، ۳ / ۱۳۵؛ التاریخ الکبیر، ۲ / ۱۳۰



اور سلیم بن جبیر (۱) وغیرہ (۲)۔

حافظ ابن الصلاح نے سلم بن زریر (۳)، سلم بن قتیبہ (۴)، سلم بن ابی الذیال (۵) اور سلم بن عبد الرحمن (۶) کو اسی کے تحت ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ چاروں لام کے سکون کے ساتھ واقع ہوئے ہیں۔ ان کے سوا سب سالم (بالالف ہیں) (۷) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے سلم اور سالم کا ذکر کیا لیکن الف کے اضافہ سے اشتباہ پیدا نہیں ہوتا اس لیے میں نے اسے حذف کر دیا ہے۔ (۸) امام نووی نے ابن الصلاح کے تتبع میں ان کا ذکر کیا ہے اور سیوطی نے بھی۔ (۹) اگرچہ حافظ سیوطی نے ضبط نہیں کیا ہے تاہم تدریب محققہ عبد الوہاب عبد اللطیف میں تقریب کا متن مشکول ہے اور اس میں سلم کے لام پر فتح ہے۔ حافظ سیوطی ان ناموں کی عدم شمولیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال: ثم ان اصحاب الموتلف و المختلف لم يدكروا هذه الترجمة في كتبهم، لأنها لا تأتلف خطأ لزيادة الالف في سالم. وانما ذكرها صاحب "المشارك" لبعه ابن الصلاح (۱۰) قلت: قوله: لا تأتلف خطأ ممنوع، لأن القاعدة في علم الخط ان كل علم زاد على ثلاثة يحذف الفه

- ۱- سلیم بن جبیر: ایک قول کے مطابق ابن جبیرہ الدوسی، ابو یونس المہری مولیٰ ابی ہریرہ (م ۱۲۳ھ)۔ ابو ہریرہ اور ابو اسید الساعدی سے روایت کی۔ نسائی کہتے ہیں: ہونلفہ ابن یونس کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات ۱۲۳ھ میں ہوئی۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۱۳۶؛ التاريخ الكبير، ۲/ ۳۲/ ii/ ۲
- ۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۰۸
- ۳- سلم بن زریر العطار دی ابو یونس المہری۔ انہوں نے ابو رجاء العطار دی، عبد الرحمن بن طرفہ وغیرہ سے سماع کیا۔ ابو حاتم اور ابو زرہ نے صدوق وثقہ کہا جب کہ ابن معین نے ضعیف کہا۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۱۱۷
- ۴- سلم بن قتیبہ بن سلم بن عمرو بن حصین الباہلی ان کے والد حجاج بن یوسف کے زمانے میں خراسان کے والی تھے جو سلیمان بن عبد الملک کے دور خلافت میں قتل کر دیے گئے۔ ہشام کے زمانے میں سلم بن قتیبہ خراسان کے والی مقرر ہوئے۔ زاہد و عابد تھے۔ شمارتہ رواۃ میں ہوتا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۱۳۰؛ التاريخ الكبير، ۲/ ۱۵۸/ ii/ ۲
- ۵- سلم بن ابی الذیال المہری۔ حسن بصری، ابن سیرین، قتادہ وغیرہ سے روایت کیا۔ اسماعیل بن علیہ، معتمر بن سلیمان نے ان سے سماع کیا۔ ابن معین اور دارمی وغیرہ نے ثقہ کہا۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۱۱۶؛ کتاب الثقات، ۶/ ۳۱۹
- ۶- سلم بن عبد الرحمن الخثعمی الکوفی ابراہیم نخعی و راد مولیٰ مغیرہ بن شعبہ سے احادیث روایت کیں۔ ان سے ثوری، شریک، عیسیٰ بن المسوب الخثعمی نے روایت کیا۔ دارقطنی، عجل اور ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۱۱۸؛ کتاب الثقات، ۳/ ۳۳۳؛ التاريخ الكبير، ۲/ ۱۵۶/ ii/ ۲
- ۷- ابن الصلاح، ۳۵۳
- ۸- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۰۸
- ۹- تدریب، ۴۷۴
- ۱۰- یہ عبارت حافظ عراقی کی ہے جسے سیوطی نے قدرے تصرف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ التقیید والایضاح، ۳۹۷

خطا، كما ذكره ابن مالك في آخر التسهيل وغيره "فصلح" و "ملك"

ونحوهما، كل ذلك يكتب بلا الف و سالم من هذا القبيل. (۱)

حافظ عراقی نے کہا کہ الموتلف و المختلف کے مصنفین نے ان اسماء کو اپنی کتابوں میں نہیں بیان کیا کہ یہ لکھنے میں ایک جیسے نہیں کیونکہ سالم میں الف کا اضافہ ہے۔ چونکہ صاحب مشارق نے اس کا تذکرہ کیا ہے اس لیے ابن الصلاح نے اس کی متابعت کی ہے۔ حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ عراقی کی یہ بات، کہ خط میں موافقت نہیں، درست نہیں اس لیے کہ علم الخط کا یہ قاعدہ ہے کہ ہر اسم علم جو تین حروف سے زائد ہو اس کا الف لکھنے میں حذف ہو جاتا ہے جیسا کہ ابن مالک نے اپنی تسہیل کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ لہذا صلح اور ملک وغیرہ الف کے بغیر لکھے جاتے ہیں اور سالم اسی قبیل سے ہے۔

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

الامر الثاني: انه فات المصنف و صاحب المشارق قبله ان يستثنى حكام بن سلم الرازي (۲). فقد روى له مسلم في الصحيح في فضائل النبي حديث انس: قبض النبي ﷺ و هو ابن ثلاث و ستين (۳) و ذكره البخاري في البيوع (۴) غير منسوب عند حديث النهي عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. فقال رواه علي بن بحر عن حكام عن عنبة عن زكريا بن خالد عن ابي الزناد. (۵)

دوسری بات یہ ہے کہ مصنف نے اور ان سے پہلے صاحب المشارق نے حکام بن سلم الرازی کو نظر انداز کیا۔ مسلم نے صحیح میں فضائل النبي میں انس کی حدیث ان سے روایت کی

۱- تدریب، ۲۷۴

۲- حکام بن سلم الرازی ابو عبد الرحمن الکنانی الرازی (م ۱۹۰ھ)۔ اپنے وقت کے مشہور محدثین سے سماع کیا۔ یحییٰ بن معین ابو بکر

بن ابی شیبہ بلند پایہ محدث ان کے شاگرد رہے۔ چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ طبقات ابن سعد، ۷/ ۳۸۱؛ العبر، ۱/ ۳۹۲؛

سیر أعلام، ۹/ ۸۸؛ کتاب الثقات، ۶/ ۲۳۲

۳- حدثنا حكام بن سلم، حدثنا عثمان بن زائدة عن الزبير بن عدي عن انس بن مالك قال: قبض رسول الله ﷺ

وهو، ابن ثلاث و ستين. و ابو بكر الصديق و هو ابن ثلاث و ستين و عمر و هو ابن ثلاث و ستين - مسلم،

الجامع، كتاب الفضائل، باب كم سن النبي يوم قبض، ۷/ ۸۷

۴- بخاری، الجامع، كتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل ان يبدو صلاحها، ۳/ ۳۳

۵- التقييد، ۳۹۷

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال تھی اور بخاری نے کتاب البیوع میں نسبت کے بغیر حدیث النہی عن بیع الثمار میں ذکر کیا ہے۔ بخاری کہتے ہیں: اسے علی بن بحر نے حکام سے اس نے عنبر سے اور انھوں نے بذریعہ زکریا بن خالد ابوالزناد سے روایت کیا ہے۔

## ۱۷- سریج و شریح

اور اسی قبیل سے سریج و شریح ہیں۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و فیہا سریج بن یونس، و سریج بن النعمان و احمد بن ابی سریج .  
ہؤلاء الثلاثة بالجیم و السین المهملة و من عداہم فیہا لہو بالشین  
المنقوطة و الحاء المهملة. (۱)

اور اس میں سرتج بن یونس (۲)، سرتج بن النعمان (۳) اور احمد بن ابی سرتج (۴) کے نام شامل ہیں۔ یہ تینوں جیم اور سین سے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو ہیں شین منقوطة اور حاء مہملہ کے ساتھ ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ سرتج بن یونس کی حدیث صحیحین میں ہے۔ ان سے مسلم نے سماع کیا اور بخاری نے بالواسطہ روایت کی۔ اسی طرح سرتج بن النعمان سے بخاری نے صحیح میں روایت کی ہے اور البیہقی نے کہا ہے کہ مسلم نے غیر مسمی شخص (رجل) کے ذریعہ ان سے روایت کی ہے۔ احمد بن ابی سرتج سے بخاری نے روایت کی ہے اور ابو سرتج کا نام الصباح ہے اور ایک قول کے مطابق احمد بن عمر بن ابی سرتج ہے (۵) شرح بضم الشین المعجمة و آخرہ حاء مهملة ہر جگہ مذکور ہے سوائے محولہ بالا اسماء کے کتب ثلاثہ میں وارد ہے۔ ان میں سے شرح القاضی (۶)،

- ۱- ابن الصلاح، ۳۵۳؛ تدریب، ۴۷۴
- ۲- سرتج بن یونس ابوالخارث الروزی ثم البغدادی (م ۲۳۵ھ)۔ ہشیم بن بشیر اور عباد بن عباد وغیرہ سے سماع کیا۔ مسلم (بواسطہ بخاری)، نسائی اور چوٹی کے اہل علم نے ان سے استفادہ کیا۔ عابدوزاہد صاحب خیر شخص تھے۔ نقد صدوق تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ ۲۰۵؛ الجرح، ۳/ ۳۰۵؛ تہذیب التہذیب، ۳/ ۳۵۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۱۳۶
- ۳- سرتج بن النعمان بن مروان ابوالحسین / ابوالحسن، البغدادی الجوهری اللؤلؤی (م ۲۱۷ھ)۔ بخاری اور مسلم کے علاوہ دیگر مؤلفین نے بالواسطہ روایت کیا۔ ذہبی انھیں چوٹی کے محدثین میں شمار کرتے ہیں۔ التاریخ الکبیر، ۲/ ۲۰۵؛ تاریخ بغداد، ۹/ ۲۱۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/ ۲۱۹
- ۴- احمد بن ابی سرتج، ابن الصباح النخعی ابو جعفر الرازی المقرئ (م ۲۳۰ھ)۔ معروف نحوی کسائی سے علم قراءت سیکھا۔ نقد اسباب حدیث میں سے تھے۔ تہذیب التہذیب، ۱/ ۳۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۵۵۲
- ۵- فتح المغیث، ۳/ ۳۰۸
- ۶- شرح القاضی شرح بن الخارث بن قیس الکندی (م ۷۸/۸۷ھ)۔ فارسی الاصل یمن میں ان کا خاندان (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ابو شریح الخزاعی (۱) اور عبدالرحمن بن شریح ابو شریح الاسکندرانی (۲) معروف ہیں۔ (۳)

۴۸- سلمان و سلیمان

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و فیہا سلمان الفارسی، سلمان بن عامر، سلمان الاغر و عبدالرحمن بن سلمان و من عدا هولاء الاربعة سلیمان بالیاء، و ابو حازم الاشجعی الراوی عن ابی ہریرة، و ابورجاء مولی ابی قلابة کل واحد منهما اسمه سلمان بغير یاء لکن ذکر بالکنیة. (۴)

اس مثال میں سلمان الفارسی (۵)، سلمان بن عامر (۶)، سلمان الاغر (۷) اور عبدالرحمن

مقیم تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی میں ایمان لائے لیکن صحبت نہ ملی۔ حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں یمن سے مدینہ منورہ آئے۔ حدیث و فقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ ابن سعد، ۶/۳۶۱، التاریخ الکبیر، ۲/۲۴۸/ii؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۵۵؛ تہذیب التہذیب، ۳/۳۲۸؛ سیر اعلام النبلاء، ۴/۱۰۰ بعد

۱- ابو شریح الخزاعی الکعبی (م ۶۸ھ)۔ ان کے نام کے بارے میں اہل علم کو اختلاف ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ سے احادیث روایت کیں۔ مدینہ کے عاقل فاضل لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ تہذیب التہذیب، ۱۳/۱۱۳؛ الاصابہ، ۳/۱۰۲

۲- ابو شریح الاسکندرانی عبدالرحمن بن شریح المعافری (م ۱۶۷ھ)۔ اپنے ہم عصر علماء سے احادیث کا سماع کیا۔ عبداللہ بن المبارک، عبداللہ بن صالح اور ابن وہب نے ان سے سماع کیا۔ عالم باعمل تھے۔ یحییٰ بن معین نے توثیق کی جب کہ ابو حاتم نے ”لاباس بہ“ کہا۔ التاریخ الکبیر، ۳/i/۳۹۶؛ میزان الاعتدال، ۲/۵۶۹؛ شذرات، ۲/۲۶۳؛ سیر اعلام النبلاء، ۷/۱۸۲؛ کتاب المعرفة، ۱/۱۵۲

۳- فتح المغیث، ۳/۲۰۸

۴- ابن الصلاح، ۳۵۳؛ تقریب مع تدریب، ۳۷۵

۵- سلمان الفارسی (م ۳۳ھ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد ایمان لائے۔ تلاش حق میں سرگرداں رہے حتیٰ کہ حق کو پایا۔ واقدی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے عہد میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب، ۳/۱۲۳؛ سیر اعلام، ۱/۵۰۵؛ الجرح و التعذیل، ۳/۲۹۶

۶- سلمان بن عامر بن اوس بن حجر الضبی صحابی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ غالباً امیر معاویہ کے عہد تک زندہ رہے۔ تہذیب التہذیب، ۳/۱۲۱

۷- سلمان الاغر ابو عبداللہ المدنی مولیٰ تمیم۔ ابو ہریرہ، ابوالدرداء، ابوسعید الخدری وغیرہم سے احادیث اخذ کیں۔ ان سے ان کے صاحبزادوں اور زہری وغیرہم نے استفادہ کیا۔ ابن حبان ابن عبدالبر وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳/۱۲۵؛ کتاب المعرفة، ۱/۲۱۳

بن سلمان (۱) ہیں ان چار کے علاوہ سب سلیمان بالیاء ہیں اور ابو حازم الاشجعی (۲) الراوی عن ابی ہریرہ اور ابو جاء (۳) مولیٰ ابی قلابہ میں سے ہر ایک کا نام سلمان بغیر یاء کے ہے لیکن وہ کنیت کے ساتھ مذکور ہیں۔

حافظ عراقی نے فتح المغیث میں انھیں درج نہیں کیا اور کہا ہے کہ ابن الصلاح نے یہاں سلمان اور سلیمان کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں یاء تصغیر کے اضافے سے اشتباہ کا امکان نہیں ہے، اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا ہے (۴) لیکن انھوں نے التقیید میں قدرے مفصل بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

وفیه امران، أحدهما أن أصحاب الموتلف و المختلف لم یوردوا هذه الترجمة فی کتبهم کالدار قطنی و ابن ماکولا لعدم اشتباههما لزیادة الباء فی المصفر. و انما ذکر ذلك صاحب المشارق تبعه المصنف. و الامر الثانی انه فات المصنف و صاحب المشارق قبله ان یستثنی سلمان بن ربیعہ الباهلی (۵). فقد روى له مسلم فی صحیحہ فی کتاب الزکوٰۃ من روایة ابی وائل عن سلمان بن ربیعہ قال، قال عمر: قسم رسول الله قسما فقلت والله یا رسول الله لغير هؤلاء احق به منهم قال؛ انهم خيرونی قبل أن یسئلونی بالفحش أو یبخلونی و لست بباخل. (۶)

اس میں دو امور ہیں ایک تو یہ کہ الموتلف و المختلف کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں

- ۱- عبد الرحمن بن سلمان، ابو الایس الخولانی الشامی تابعین میں سے تھے۔ ابن حبان نے ان کا شمار ثقات میں کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳ / ۱۷۱
- ۲- ابو حازم الاشجعی سلمان الکوفی (م ۱۰۰ھ) کبار صحابہ سے سماع کیا اور پھر ان سے شائقین حدیث کی ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ ابن محیین، ابو داؤد علی اور ابن عبد البر وغیرہ نے ثقہ قرار دیا۔ تہذیب التہذیب، ۳ / ۳۶۱، کتاب المعرفة، ۲ / ۲۷۳، ۱ / ۲۲۶
- ۳- ابو جاء مولیٰ ابی قلابہ الجرمی البصری۔ ابو قلابہ اور عمر بن عبد العزیز سے سماع کیا۔ ابن حبان اور العجلی نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳ / ۱۲۶
- ۴- فتح المغیث، ۳ / ۲۰۸
- ۵- سلمان بن ربیعہ الباهلی ابو عبد اللہ (م ۲۵ / ۲۹ھ)۔ کہا جاتا ہے کہ صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ ﷺ اور حضرت عمرؓ سے احادیث روایت کیں۔ حضرت عمر نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا حضرت عثمان کے زمانے میں آرمینیا کے غزوہ میں شریک ہوئے۔ ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب، ۳ / ۱۲۲
- ۶- التقیید، ۳۹۷؛ مسلم، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء من سال بفحش، ۳ / ۱۰۳

اس کا تذکرہ نہیں کیا جیسے دارقطنی اور ابن ماکولا۔ سبب یہ ہے کہ مصنف میں اضافی یاہ کی وجہ سے اشتباہ نہیں پیدا ہوتا۔ دوسرا یہ کہ مصنف اور اس سے پہلے صاحب المشارق نے سلمان بن ربیعہ الباہلی کو مستغنی کر کے فرو گذاشت کی حالانکہ مسلم نے اپنی صحیح کی کتاب الزکوٰۃ میں ابوداؤد کی روایت بذریعہ سلیمان بن ربیعہ نقل کی ہے کہ عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ مال تقسیم کیا تو میں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم اس کے مستحق اور لوگ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے مجھے دو چیزوں کو اختیار کرنے کا موقعہ دیا، یا تو مجھ سے وٹھائی سے مانگیں یا مجھے بخیل ٹھہرائیں سو میں بخل کرنے والا نہیں ہوں۔

اسی طرح مسلم نے کتاب الایمان میں بروایت صفوان بن سلیم حدیث نقل کی ہے:

صفوان بن سلیم عن عبد اللہ بن سلمان عن أبيه عن أبي هريرة قال:  
قال رسول الله ﷺ إن الله يبعث ريحا من اليمن الين من الحرير فلا  
تدع احدا في قلبه مثقال ذرة من إيمان الا قبضته. (۱)

صفوان بن سلیم عبد اللہ بن سلمان سے اور وہ بواسطہ اپنے والد اور وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یمن سے ایک ہوا اٹھائے گا جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی اور وہ کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑے گی جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن سلمان کے والد سلمان الاغر ہیں اور مصنف (ابن الصلاح) کے لیے مناسب تھا کہ اس کا ذکر کرتے کیونکہ اس حدیث میں ان کی نسبت مذکور نہیں ہے۔ شاید انھیں گمان ہو کہ یہ کوئی دوسرا آدمی ہے (۲) امام مالک اور امام بخاری نے عبید اللہ بن سلمان سے روایت کی ہے لیکن اس کے والد کے نام کی بجائے کنیت کا ذکر کیا ہے۔ (۳)

امام مالک نے موطا میں یہ روایت بیان کی ہے:

عن زيد بن رباح و عبدا لله بن ابي عبد الله عن ابي عبد الله الاغر عن  
ابي هريرة عن النبي ﷺ انه قال: صلاة في مسجدى هذا خير من الف  
صلوة فيما سواه الا المسجد الحرام. (۴)

۱- مسلم، الجامع، کتاب الایمان، باب فی الريح التي تكون فی قرب القيامة، ۷۶/۱، حدیث ۱۸۵۱

۲- التقييد، ۳۹۸

۳- ايضاً، ۳۹۸

۴- الموطا، کتاب الصلوة، باب ما جاء فی مسجد النبي ﷺ، ۱۲۱-۱۲۲



زید بن رباح اور عبید اللہ بن ابی عبد اللہ دونوں ابو عبد اللہ الاغر سے اور وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ادا کی گئی نماز دوسری مساجد میں ادا کی گئی ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔

امام مسلم نے کتاب الفتن میں بروایت محمد بن فضیل عن ابی اسماعیل عن ابی حازم عن ابی ہریرہ دو حدیثیں مرفوعاً نقل کی ہیں:

۱. قال رسول الله ﷺ: والذي نفسي بيده لا تذهب الدنيا حتى يمر الرجل على القبر فيتمرغ عليه و يقول: يا ليتني كنت مكان صاحب هذا القبر. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی کہ ایک شخص کسی قبر کے پاس سے گزرے گا اور اس پر لوٹ لگائے گا اور کہے گا: اے کاش میں اس صاحب قبر کی جگہ پر ہوتا۔

۲. والذي نفسي بيده لا تذهب الدنيا حتى ياتي على الناس يوم لا يدري القاتل فيم قتل ولا المقتول فيم قتل فويل كيف يكون ذلك؟ قال: الهرج. القاتل والمقتول في النار. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک لوگوں پر وہ دن نہ آجائے جب قاتل کو معلوم نہ ہو کہ اس نے کس وجہ سے قتل کیا اور نہ مقتول کو کہ کس بنا پر قتل ہوا۔ کہا گیا کہ یہ کس طرح ہوگا؟ فرمایا: الهرج یعنی ہنگامہ ہوگا اور قاتل اور مقتول دونوں آگ میں داخل ہوں گے۔

سَلْمَةُ وَ سَلْمَةُ

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

سلمة بكسر اللام عمرو بن سلمة الجرمي امام قومه، و بنو سلمة القبيلة من الانصار و الباقي سلمة بفتح اللام، غير أن عبد الخالق بن سلمة في كتاب مسلم ذكر فيه الفتح و الكسر. (۳)

۱- مسلم، الجامع، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل ... ۸۰ / ۱۸۲ - ۱۸۳

۲- ایضاً، ۸ / ۱۸۳

۳- ابن الصلاح، ۳۵۳ - ۳۵۴؛ تدریب، ۴۷۵

سلمہ لام مکسورہ کے ساتھ جیسے عمرو بن سلمہ الجرمی (۱) جو اپنی قوم کا رہنما تھا اور انصار کا قبیلہ بنو سلمہ ہے۔ باقی لام مفتوحہ کے ساتھ وارد ہوئے ہیں سوائے عبد الخالق بن سلمہ کے جو امام مسلم کے ہاں فتح و کسرہ دونوں کے ساتھ مذکور ہیں۔

عبد الخالق بن سلمہ کے بارے میں حافظ عراقی لکھتے ہیں:

واختلف في عبد الخالق بن سلمة (۲) احد من روى له مسلم و ليس له عنده الا حديث و احد في قدوم و فد عبد القيس و سؤالهم عن الشربة فقال فيه يزيد بن هارون ابن سلمة بفتح اللام و قال ابن عليه سلمة بكسر ها، و ممن حكى فيه الوجهين ابن ماکولا (۳)

اور عبد الخالق بن سلمہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، عبد الخالق مسلم کے روایت میں سے ہیں حالانکہ مسلم کے ہاں ان کی صرف ایک حدیث مروی ہے جس کا تعلق عبد القیس کے وفد کی آمد اور مشروبات کے بارے میں ان کے سوال سے ہے۔ یزید بن ہارون کا کہنا ہے کہ ابن سلمہ لام کے فتح سے ہے اور ابن علیہ نے کہا ہے کہ لام کے کسرہ سے ہے جب کہ ابن ماکولا سے دونوں صورتیں منقول ہیں۔

## سنان و شیبان

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و فيها سنان بن ابی سنان الدؤلی (۴) و سنان بن سَكْمَة (۵) و سنان بن

- ۱- عمرو بن سلمہ الجرمی ابو یزید، اور ابو یزید بھی منقول ہے۔ البھری، (م ۸۵)۔ ان کے والد نبی ﷺ کے ہاں حاضر ہوئے اور عمرو اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے حالانکہ وہ کم عمر تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کا سماع اور ان کی روایت ثابت نہیں، البتہ ابن مندہ نے کتاب الصحابة میں صحیح طریق سے عمرو بن سلمہ سے روایت کی ہے: قال: "و كنت في الوفد اللدین و فدوا علی رسول الله" اس سے ان کی حاضری ثابت ہوتی ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳۸/۸
- ۲- عبد الخالق بن سلمہ الشیبانی ابو روح البھری۔ شعبہ، حماد بن زید اور سعید بن ابی مروہ سے احادیث کا سماع کیا۔ ناقدین نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/۱۱/۳؛ کتاب النقات، ۳۸/۷؛ تہذیب التہذیب، ۳/۶
- ۳- فتح المغیث للعرافی، ۳/۳۰۹
- ۴- سنان بن ابی سنان الدؤلی المدنی (م ۱۰۵ھ) کہار صحابہ سے احادیث اخذ کیں۔ زہری اور زید بن اسلم ایسے چوٹی کے محدثین نے ان سے استفادہ کیا۔ عجل نے ثقہ تابعین میں شمار کیا ہے۔ التاريخ الكبير، ۲/۱۱/۲؛ کتاب المعرفه، ۱/۳۹۰؛ تہذیب التہذیب، ۳/۲۱۹
- ۵- سنان بن سلمہ بن الحجت ابو عبد الرحمن البھری الحدلی۔ بصرہ کے مشہور تابعی محدث جنھوں نے کہار صحابہ سے سماع کیا۔ بصرہ کے گورنر بھی رہے۔ ابن سعد اور عجل وغیرہ نے ثقہ کیا ہے۔ التاريخ الكبير، ۲/۱۱/۲؛ تاریخ خلیفہ بن خیاط، ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۱۴؛ تہذیب التہذیب، ۳/۲۱۹

ربیعة أبو ربیعة (۱) و احمد بن سنان (۲)، وأم سنان، و أبو سنان ضرار  
بن مرة الشیبانی (۳) و من عدا هولاء الستة شیبان بالشین المنقوطة  
و الیاء. (۴)

اور اس میں سنان بن ابی سنان الدؤلی، سنان بن سلمہ، سنان بن ربیعہ ابوربیعہ، احمد بن  
سنان، ام سنان اور ابوسنان ضرار بن مرہ الشیبانی آتے ہیں۔ ان چھ کے علاوہ شین منقوطة اور  
یاء کے ساتھ شیبان ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح کے بیان کے دو پہلو قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ سنان اور شیبان میں کوئی  
التباس نہیں کیونکہ شیبان میں ایک حرف کا اضافہ ہے اسی لیے الموتلف و المختلف کے مصنفین نے ان دو اسماء  
کو اکٹھا کر نہیں کیا۔ دارقطنی اور ابن ماکولانے سنان، یسار اور شبان کو درج کیا ہے۔ ابن ماکولانے شبان کا  
اضافہ کیا ہے لیکن شیبان کا تذکرہ نہیں کیا۔

ابن الصلاح نے صاحب المشارق کے تتبع میں اسے بیان کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابن الصلاح  
کے مذکورہ اسماء کے علاوہ بھی اس نام کے راوی ہیں جو صحاح میں مذکور ہیں مثلاً ہشتم بن سنان (۵) بخاری نے صلوة  
اللیل میں ابو ہریرہ سے اس کی روایت نقل کی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔

عن ابن شہاب قال: أخبرني الهيثم ابن أبي سنان أنه سمع أبا هريرة

۱- سنان بن ربیعہ ابوربیعہ الہمیری۔ انسؓ، ثابت بنانی وغیرہ سے سماع کیا۔ ان سے سماع کرنے والے حماد بن زید، حماد بن سلمہ،  
سعید بن زید ایسے مشہور محدث تھے۔ ابن معین کا کہنا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ ابوحاتم نے ان کو مضطرب الحدیث کہا ہے۔  
التاریخ الکبیر، ۲/ ۱۱۱/ ۲؛ تہذیب التہذیب، ۴/ ۲۱۷

۲- احمد بن سنان بن اسد، بن حبان ابوجعفر الواسطی القطان (م ۲۵۶ھ)۔ اپنے وقت کے چوٹی کے محدثین مثلاً وکیع بن الجراح،  
عبدالرحمن بن مہدی اور یحییٰ القطان سے احادیث اخذ کیں۔ ان کے شاگردوں میں امام بخاری، مسلم، ابوداؤد ایسے اہل علم کے  
نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ صرف بدعتی احادیث سے بغض رکھتا ہے۔ الجرح و التعديل، ۱۰/ ۱۱۱/ ۵۳؛ شذرات،  
۲/ ۱۳۷؛ تلکرة الحفاظ، ۲/ ۵۲۱؛ سیر اعلام، ۳/ ۲۳۳

۳- ابوسنان ضرار بن مرہ الشیبانی الکونی (م ۱۳۲ھ)۔ کوفہ کے اجل محدثین میں سے تھے۔ متقی و پرہیزگار تھے۔ ابن سعد، ابن حبان،  
ابوحاتم وغیرہ چوٹی کے ناقدین نے انھیں ثقہ کہا اور ان کے علم و فضل کی تعریف کی۔ کتاب المعرفة، ۲/ ۷۱۰۔ ۷۱۱؛ ۳/ ۸۸،  
۳۵۱؛ تہذیب التہذیب، ۳/ ۳۲۱

۴- ابن الصلاح، ۳۵۳؛ تہذیب، ۴۷۵

۵- ہشتم بن ابی سنان المدنی، ابو ہریرہ اور ابن عمر سے روایت کیا اور ان سے زہری اور بکیر بن عبداللہ بن الازہج نے روایت کی۔  
ابوحاتم نے صالح الحدیث اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ کتاب المعرفة، ۱/ ۳۹۱؛ ۳/ ۲۹۳؛ کتاب النقات، ۵/ ۵۰۷،  
تہذیب التہذیب، ۱۱/ ۸۶

وهو يقص في قصصه يذكر رسول الله ﷺ: "ان اخالكم لا يقول

الرفث" یعنی بذلتك عبد الله بن رواحة. (۱)

ابن شہاب سے روایت ہے کہ انھیں ہیشم بن ابی سنان نے بتایا کہ انھوں نے ابو ہریرہ کو واقعات

بیان کرتے ہوئے سنا جس میں وہ رسول اللہ کا ذکر کر رہے تھے: "تمہارا ایک بھائی ہے جو

گندی باتیں نہیں کرتا" یعنی عبد اللہ بن رواحہ۔

اسی طرح محمد بن سنان العوقی (۲) (واو کے فتح اور قاف سے) ان کی حدیث صحیح بخاری کے کتاب الجنائز

میں ہے۔ (۳) کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحمتہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسی اسناد کے ساتھ صفت النبی ﷺ میں

حدیث نقل کی ہے: مثلی و مثل قبلی (۴)

ایک اور مثال ابوشان الشیبانی (۵) کی ہے اور یہ ضرار بن مرہ سے مختلف ہیں۔ مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں

وکیع عن ابي سنان الشيباني عن علقمه بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن ابيه رواية كى ہے۔

۱- بخاری، الجامع، کتاب التہجد، باب فضل من تعار باللیل ۲ / ۳۹۔ حدیث میں عبد اللہ بن رواحہ کے اشعار بھی منقول ہیں:

وفينا رسول الله يتلو كتابه

أرانا الهدى (الف) بعد العمى فقلوبنا

بيت يجافي جنبه عن فراشه

إذا امتثلت بالمشركين (ب) المضاجع

الف۔ کتاب المعرفة، ۱ / ۳۹ میں اتانا الہدی ہے۔ ب۔ کتاب المعرفة میں بالکافرین ہے۔ ۱ / ۳۹

۲- محمد بن سنان ابو بکر الباہلی البصری العوقی (م ۲۲۳ھ) ابراہیم بن طھمان، نافع بن عمرو وغیرہ سے روایت کیا۔ بخاری

اور ابوداؤد نے بلا واسطہ احادیث اخذ کیں۔ یحییٰ بن معین، ابو حاتم وغیرہ نے انھیں صدوق اور ثقہ کہا ہے۔

التاریخ الکبیر، ۱ / ۱۰۹؛ الجرح و التعديل، ۳ / ۲۷۹؛ شلرات اللہب، ۲ / ۵۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰ / ۳۸۵

۳- حدثنا محمد بن سنان حدثنا سليم بن حيان، حدثنا سعيد بن ميناء عن جابر أن النبي صلى على اصحمة

النجاشي فكبر اربعاً: بخاری، الجامع، کتاب الجنائز، باب التکبیر علی الجنائز اربعاً، ۲ / ۹۱

۴- حدثنا محمد بن اسماعيل، حدثنا محمد بن سنان حدثنا سليم بن حيان بصرى، حدثنا سعيد بن ميناء

عن جابر ابن عبد الله قال: قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: انما مثلي و مثل الانبياء قبلي كرجل

بنى داراً فأكملها وأحسنها الا موضعة لينة فجعل الناس يدخلونها ويتعجبون منها و يقولون لولا

موضع اللينة. ترمذی، السنن، کتاب الامثال، باب ما جاء فی مثل النبی ﷺ، ۵ / ۱۳۷

۵- ابوشان الشیبانی البرجمی الکوفی اپنے شہر کے زاہد و عابد معروف محدث تھے۔ شععی، طاؤس، ضحاک وغیرہ سے روایت کیا۔

ابو احمد الزبیری، زید بن الحباب وغیرہ نے ان سے سماع کیا۔ ابو حاتم اور ابوداؤد نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ہر سال حج پر جاتے۔

ابن سعد کا قول ہے کہ وہ بدخلق تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲ / ۱۰۷؛ الجرح، ۲ / ۲۷۷؛ کتاب المعرفة، ۲ / ۶۳۱،

۶۶۰، ۸۱۳؛ سیر اعلام، ۶ / ۳۰۶

سمع النبي ﷺ رجلاً في المسجد قال: من دعا إلى الجمل الأحمر

الحديث. (۱)

ابوسفیان الشیبانی کا نام سعید بن سنان ہے امام احمد نے اسی طرح اپنی مسند میں بروایت وکیع اس حدیث کو نقل کیا ہے (۲) ابوالقاسم الملا لکائی نے رجال مسلم میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ جب کہ ابوبکر بن منجویہ نے صرف ابوسنان ضرار بن مرہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ ابوسنان الشیبانی الاکبر ہیں اور ابوسنان الشیبانی الاصغر کا نام سعید بن سنان ہے۔ المزنی کہتے ہیں الملا لکائی کا موقف درست ہے۔ ایک اور راوی سعید بن سنان ہیں جن کی ایک حدیث ابن ماجہ نے بتوسط ابوالزاہر یہ بیان کی ہے (۳)

عُبَيْدَةُ وَ عُبَيْدَةُ

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

عُبَيْدَةُ بفتح العين ليس في الكتب الثلاثة الا عُبَيْدَةُ السلمي (۴)

وَعُبَيْدَةُ بن حميد (۵) و عُبَيْدَةُ بن سفيان (۶) عامر بن عُبَيْدَةَ

الباھلی (۷) و من عدا هؤلاء الأربعة فَعُبَيْدَةُ بالضم. (۸)

- ۱- ان النبي ﷺ لما صلى قام رجل فقال: من دعا إلى الجمل الأحمر؟ فقال النبي ﷺ: لا وجدت، انما بنيت المساجد لما بنيت له. مسلم، الجامع، كتاب المساجد، باب النهي عن نشر الضالة، ۲/ ۸۲
- ۲- التقييد، ۳۹۹
- ۳- ايضاً، ۳۹۹
- ۴- عبیدہ السلمانی المرادی ابو عمرو الکوئی (م ۷۴ھ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے قبل ایمان لائے لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔ کبار صحابہ سے روایت کیا۔ فقہ و قضاء کے معاملات پر خوب نظر تھی۔ ناقدین نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/ ۸۲/ ii/ ۳؛ تاريخ بغداد، ۱۱/ ۱۱۷؛ سير اعلام النبلاء، ۳/ ۳۰؛ تهذيب التهذيب، ۷/ ۷۶
- ۵- عبیدہ بن حمید بن صہیب العسیمی ابو عبد الرحمن الکوئی (م ۱۹۰ھ)۔ معاصر علماء سے احادیث کا سماع کیا پھر شائقین علم نے ان کی طرف رجوع کیا اور مستفید ہوئے۔ دارقطنی، ابن ابی شیبہ اور علی وغیرہ نے ثقہ قرار دیا۔ التاريخ الكبير، ۳/ ۸۶/ ii/ ۳؛ تذكرة الحفاظ، ۱/ ۳۱۱؛ سير اعلام، ۸/ ۵۰۸؛ تهذيب التهذيب، ۷/ ۷۳-۷۴
- ۶- عبیدہ بن سفیان بن الحارث بن الحضرمی المدنی۔ ابو ہریرہ اور زید بن خالد سے استفادہ کیا۔ ابن سعد کے بقول احادیث کم بیان کرتے۔ ابن حبان اور علی نے ثقہ قرار دیا۔ التاريخ الكبير، ۳/ ۸۲/ ii/ ۳؛ تهذيب التهذيب، ۷/ ۷۵
- ۷- عامر بن عبیدہ الباہلی البصری۔ حضرت انس اور ابوالسلیح الحمذلی سے سماع کیا۔ شعبہ اور معاویہ بن عبد الکریم نے ان سے روایت کیا۔ ابن حبان نے ثقہ میں شمار کیا۔ بصرہ کے قاضی بھی رہے۔ التاريخ الكبير، ۳/ ۸۵۲/ ii/ ۳؛ تاريخ خليفة بن خياط، ۳۶۱؛ تهذيب التهذيب، ۷/ ۷۱
- ۸- ابن الصلاح، ۳۵۴؛ تدريب، ۳۷۶

عین کی فتح کے ساتھ عبیدہ کتب ثلاثہ میں سوائے عبیدہ المسلمانی، عبیدہ بن حمید، عبیدہ بن سفیان اور عامر بن عبیدہ الباہلی کے نہیں وارد ہوا۔ ان کے سوا سب عین کے ضمن سے عبیدہ مذکور ہوئے ہیں۔ حافظ عراقی نے ناموں کی ترتیب بدلی ہے لیکن کمی بیشی نہیں کی۔ سب سے پہلے عامر بن عبیدہ الباہلی کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد بقیہ نام ضبط کیے ہیں۔ عامر کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

وقع ذكره عند البخاري في كتاب الأحكام فقال: قال معاوية بن عبد الكريم الثقفي القرشي (١) شهدت عبد الملك بن يعلى (٢) قاضي البصرة و اياس بن معاوية (٣) والحسن (٤) و ثمامة بن عبدالله بن انس (٥) و بلال بن ابي بردة (٦)

- ١- معاوية بن عبد الكريم القرشي الثقفي (مولاہم) ابو عبد الرحمن البصرى (م ١٨٠ھ)۔ عبد الملك بن يعلى، اياس بن معاوية اور حسن بصرى وغيره سے سماع کیا۔ یحییٰ بن یحییٰ، ابن مہدی اور ابن المدینی ان کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ ناقدین فن نے انھیں صالح الحدیث قرار دیا۔ بخاری نے تضعیف کی ہے۔ "ضال" کے نام سے معروف ہوئے کہ مکہ جاتے ہوئے راستہ بھول گئے تھے۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ التاريخ الكبير، ٣٣٤/١/٣؛ تهذيب التهذيب، ١٠/١٩٣-١٩٤
- ٢- عبد الملك بن يعلى اللخمي البصرى (م ١٠٣ھ تقریباً)۔ کبار صحابہ سے روایت کیا۔ معاوية بن عبد الكريم الضال وغيره نے ان سے احادیث روایت کیں۔ بصرہ کے قاضی رہے التاريخ الكبير، ٣٣٤/١/٣؛ تاريخ خليفة، ٣٣٣؛ كتاب الثقات، ١٠٦/٤؛ تهذيب التهذيب، ٦/٣٤٥
- ٣- اياس بن معاوية، ابو اطلہ (م ١٢١ھ)۔ اپنے والد، حضرت انس، سعید بن المسیب وغيرہم سے روایت کیا۔ شعبہ اور حماد بن سلمہ ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ بصرہ کے قاضی رہے۔ ذکاوت و ذہانت میں ضرب المثل تھے۔ التاريخ الكبير، ١/١/٣٣٢؛ وفيات الاعيان، ١/٢٣٤؛ ميزان الاعتدال، ١٠/٢٨٣؛ سير اعلام النبلاء، ٥/١٥٥
- ٤- حسن البصرى بن ابي الحسن يasar ابو سعيد مولی زيد بن ثابت (م ١١٠ھ)۔ اپنے وقت کے علم و عمل دونوں میں سردار تھے۔ وقت کے چوٹی کے علماء ان سے استفادہ کے لیے حاضر ہوتے۔ بلند پایہ فقیہ، ثقہ محدث، عابد و زاہد، فصیح و بلیغ تھے۔ زندقہ کی بے ثباتی کے بارے میں ان کے اقوال مشہور ہیں۔ التاريخ الكبير، ١/١/٢٨٩؛ المعرفة و التاريخ للفسوى، ٢/٣٢؛ الجرح، ١/١/٣٣٨؛ تذكرة الحفاظ، ١/٢١؛ سير اعلام النبلاء، ٣/٥٦٣ و بعد
- ٥- ثمامہ بن عبد اللہ بن انس بن مالک الانصاري البصرى، بصرہ کے قاضی رہے۔ اپنے دادا، انس، براء بن عازب اور ابو ہریرہ سے روایت کی اگرچہ ابو ہریرہ سے نہیں ملے۔ احمد اور نسائی کے بقول ثقہ ہیں۔ ابن عدی نے الکامل میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابو یعلیٰ سے مروی ہے کہ ابن معین نے ان کی تضعیف کی ہے۔ التاريخ الكبير، ١/١/١٤٤؛ الجرح، ١/١/٣٦٦؛ تاريخ خليفة، ٣٦١؛ تهذيب التهذيب، ٢/٢٨؛ سير اعلام النبلاء، ٥/٢٠٣
- ٦- بلال بن ابي بردة بن ابي موسى الأشعري (م ١٢٥ھ)۔ حضرت انس، والد ابو بردہ، قتادہ وغيرہ سے احادیث روایت کیں۔ بقول خليفة ١٠٩ھ میں بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ ابن حبان نے ثقہ کہا۔ تاريخ خليفة بن خياط، ٣٥١، ٣٥٨، ٣٦٢؛ تهذيب التهذيب، ١/٣٥٩-٣٦٠



و عبد الله بن بريدة الاسلمى (۱) و عامر بن عبدة (۲) و عباد بن منصور (۳) يجيزون كتب القضاة بغير محضر من الشهود. (۴) والثاني من الأسماء عبدة بن عمرو يقال ابن قيس السلماني حديثه في الصحيحين والثالث عبدة بن حميد روى له البخاري والرابع عبدة بن سفيان الحضرمي حديثه في الموطأ و صحيح مسلم و ليس عندهما الاحديث واحد وهو حديث أبي هريرة في تحريم كل ذى ناب من السباع. (۵)

بخاری کے ہاں کتاب الاحکام میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ معاویہ بن عبدالکریم القرشی کہتے ہیں کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ عبدالملک بن یعلیٰ و قاضی بصرہ، ایاس بن معاویہ، حسن ثمامہ بن عبداللہ بن انس، بلال ابن ابی بردہ، عبداللہ بن بريدة الاسلمی، عامر بن عبیدہ اور عباد بن منصور قاضی کے مکتوب کو بغیر گواہی کے جائز قرار دیتے تھے۔ ان ناموں میں سے دوسرے عبیدہ بن عمرو ہیں جنہیں ابن قیس السلمانی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی حدیث صحیحین میں ہے۔ تیسرے عبیدہ بن حمید ہیں۔ بخاری نے ان کی روایت نقل کی ہے اور چوتھے عبیدہ بن سفيان الحضرمی ہیں۔ ان کی حدیث موطا اور صحیح مسلم میں ہے۔ ان کے ہاں صرف ایک حدیث ہے اور وہ ابو ہریرہ کی حدیث ہے جو کچلیوں والے درندوں کی حرمت کے بارے میں ہے۔

- ۱- عبد الله بن بريدة بن الحبيب البوسهل الأسلمى الروزى (م ۱۱۵ھ)۔ مرد کے معروف محدث اور قاضی تھے۔ اپنے وقت کے چوٹی کے محدثین سے استفادہ کیا اور تابعین کی کثیر تعداد نے ان سے سماع کیا۔ یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ قرار دیا۔ التاريخ الكبير، ۳/۱/۵۱؛ الجرح، ۲/۱۳/۱۳؛ تهذيب التهذيب، ۵/۱۵۷؛ سير اعلام، ۵/۵۰
- ۲- عامر بن عبیدہ۔ ابوالخ سے سماع کیا اور ان سے عامر نے روایت کیا۔ التاريخ الكبير، ۳/۱۱/۳۵۲
- ۳- عباد بن منصور ابوسلمہ الناجی المهری (م ۱۵۲ھ)۔ عکرمہ، عطاء، قاسم وغیرہ سے روایت کیا۔ نصر بن سمیل، یحییٰ القطان ان کے ہونہار تلامذہ میں سے تھے۔ ابوداؤد کا کہنا ہے کہ وہ پانچ سال تک بصرہ کے قاضی رہے۔ ابوحاتم نے ضعیف قرار دیا لیکن کہا کہ ان سے احادیث لکھی جاسکتی ہیں۔ بعض نے قدری ہونے کا ذکر کیا۔ التاريخ الكبير، ۳/۱۱/۳۹؛ تاريخ خليفة بن خياط، ۳۰۵، ۳۰۷، الجرح و التعديل، ۳/۱/۸۶؛ تهذيب التهذيب، ۵/۱۰۳؛ سير اعلام، ۷/۱۰۵
- ۴- بخاری، الجامع، کتاب الأحكام، باب الشهادة على الخط المختوم، ۸/۱۰۹-۱۱۰
- ۵- فتح المغيب للعراقي، ۲/۳۰۹؛ مسلم، الجامع، کتاب الصيد، باب تحريم اكل كل ذى ناب من السباع، ۶/۵۹؛ اسی حدیث کو بخاری نے ابوشعبہ الحنظلی سے روایت کیا ہے۔ بخاری، الجامع، کتاب الذبائح، باب اكل كل ذى ناب من السباع، ۶/۲۳۰۔ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی یہ حدیث مروی ہے، دیکھئے: ترمذی، السنن، کتاب الصيد، باب ماجاء في كراهية كل ذى ناب، ۲/۷۳؛ السنن، کتاب الصيد، باب تحريم اكل السباع، ۷/۲۰۰؛ ابن ماجه، السنن، کتاب الصيد، باب اكل كل ذى ناب من السباع، ۲/۱۰۷؛ مسند احمد، ۱/۲۳۳، ۲۸۹، ۳۰۲۔ حدیث کے الفاظ ہیں: عن مالك عن اسمعيل بن حكيم، عن عبدة بن سفيان الحضرمي، عن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال: اكل كل ذى ناب من السباع حرام قال مالك: وهو الامر عندنا. الموطأ، کتاب الصيد، باب تحريم اكل ذى ناب من السباع، ۳۱۱

حافظ عراقی مزید لکھتے ہیں کہ ان کے علاوہ عبیدہ (مصغر بضم العين و فتح الباء) ہیں جو کتب ثلاثہ میں مذکور ہیں۔ ان میں عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب (۱)، عبیدہ بن معتب (۲) سعد بن عبیدہ (۳) اور عبد اللہ بن عبیدہ بن نشیط (۴) وغیرہم ہیں (۵)۔

## عُبید و عَبید

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

ومن ذلك عُبید و عَبید كلاهما بغيرهاء التانيث فالاول مصغراً وهو جميع ما في الكتب الثلاثة حيث وقع، قاله ابن الصلاح تبعاً لصاحب المشارق (۶) والثاني عبید مكبر وليس في واحد من الكتب الثلاثة. وهو اسم جماعة من الشعراء عبید بن الأبرص (۷) و عبید بن زهير و عبید بن قماص و في الصحابة جماعة ينسبون الي عوف (۸) بن عبید بن عويج (۹)

- ۱- عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن عبد مناف القرشي المطلبی (م ۲ھ)۔ قدیم الاسلام بنی عبد مناف کے رئیس تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ میں ہے، پھر مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ بدر میں شہید ہوئے۔ الاصابة، ۲/ ۳۳۹؛ شذرات الذهب، ۱/ ۹؛ تاریخ خلیفہ بن خیاط، ۵۹، ۶۱، ۶۲، سیر اعلام، ۱/ ۲۵۶
- ۲- عبیدہ بن معتب الفسی ابو عبد الکریم الکوئی۔ ابراہیم نخعی، فعی اور ابوداؤد وغیرہ سے روایت کی۔ ابن المبارک نے انھیں متروک الحدیث لوگوں میں شمار کیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ضعف کے باوجود ان کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ تہذیب التہذیب، ۷/ ۸۰-۸۱؛ دیوان الضعفاء، ۱/ ۲۳۳
- ۳- سعد بن عبیدہ السلی الیوسی الکوئی۔ اپنے وقت کے چوٹی کے علماء مثلاً مغیرہ بن شعبہ، ابراہیم بن عازب وغیرہ سے سماع کیا۔ ان کے تلامذہ میں اعمش، منصور اور زبید الیامی وغیرہ شامل ہیں۔ ابوحاتم کا کہنا ہے کہ خوارج کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ابن معین اور نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ التاريخ الكبير، ۲/ ۱۱۰؛ تہذیب التہذیب، ۳/ ۴۱۷
- ۴- عبد اللہ بن عبیدہ بن نشیط الربذی مولیٰ بنی عامر بن لوی (م ۱۳۰ھ)۔ جابر سے روایت کی، ایک قول کے مطابق ان سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہبل بن سعد، عقبہ بن عامر الجعفی سے بھی روایت کی۔ دارقطنی کے مطابق وہ ثقہ ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں ضعف ظاہر ہوا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/ ۱۳۳؛ تہذیب التہذیب، ۵/ ۲۷۰-۲۷۱
- ۵- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۱۰
- ۶- حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں: عبید بغيرهاء تانيث هو بالضم حيث وقع فيها. ابن الصلاح، ۳۵۳
- ۷- عبید بن الابرص بن عوف بن حشم ابو زیاد الاسدی (م ۲۵ق ھ)۔ امرء والنیس کا معاشر تھا۔ جاہلیت کے ممتاز شعراء میں شمار ہوتا ہے۔ الأعلام، ۳/ ۱۸۸
- ۸- غالباً یہ عبید بن عوف ہے۔ صاحب الأعلام نے قلندر کی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ اس کی نسل سے بعض صحابہ بھی تھے۔ الأعلام، ۳/ ۱۸۹
- ۹- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۱۰

اور اسی نوع میں سے عبید و عبید بھی ہیں۔ دونوں ہائے تانیٹ کے بغیر ہیں پہلا مصغر ہے اور یہی کتب ثلاثہ میں واقع ہے جہاں کہیں بھی ہے۔ ابن الصلاح نے صاحب المشارق کے تتبع میں یہی کہا ہے دوسرا عبید مکمر ہے اور یہ کتب ثلاثہ میں وارد نہیں ہوا ہے یہ شعراء کی ایک جماعت کا نام ہے جن میں عبید بن الأبرص، عبید بن زہیر اور عبید بن قماص شامل ہیں۔ صحابہ میں کچھ لوگ عوف بن عبید بن عوف کی طرف منسوب ہیں۔

## عُبَادَة و عَبَادَة

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و كذلك عُبَادَة بالضم حيث وقع الأ محمد بن عبادَة الواسطی (۱) من

شیوخ البخاری فإنه بفتح العين و تخفيف الباء. (۲)

اور اسی قبیل سے عبادہ عین کے ضمہ سے واقع ہوا ہے سوائے محمد بن عبادہ الواسطی کے جو

شیوخ بخاری میں سے ہیں۔ وہ عین کے فتح اور مخفف باء کے ساتھ ہے۔

عبادہ کتب ثلاثہ میں مذکور ہے ان میں سے عبادہ بن الصامت (۳) اور ان کا پوتا عبادہ بن الولید (۴) اور

عبادہ (۵) بن نسی ہیں۔ (۶)

## عَبْدَة و عَبَدَة

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

عبدة هو باسكان الباء حيث وقع في هذه الكتب الا عامر بن عبدة (۷)

- ۱- محمد بن عبادہ الواسطی۔ ابو عبد اللہ/ ابو جعفر۔ ابن ابی حاتم، آجری اور ابن حبان وغیرہ نے ثقہ کہا۔ تہذیب التہذیب ۲۱۲/۹
- ۲- بفتح العين المهملة و تخفيف الباء الموحدة و هو محمد بن عبادَة الواسطی شیخ البخاری مختص المغیث للعراقی؛ ۳/ ۳۱۰؛ ابن الصلاح، ۳۵۴
- ۳- عبادہ بن الصامت بن قیس الانصاری ابو الولید المدنی (م ۳۴ھ)۔ غزوة بدر اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے۔ مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو مرثد اور ان کے درمیان رشتہ موآخات قائم کیا۔ فلسطین میں سب سے پہلے قاضی مقرر ہوئے۔ سیر اعلام، ۵/۲؛ تہذیب التہذیب، ۵/۹۹؛ شذرات، ۳۴۰/۲
- ۴- عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت الانصاری المدنی ابو صامت۔ کبار صحابہ سے سماع کیا۔ ابو زرہ، نسائی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۵/ ۱۰۲
- ۵- عبادہ بن نسی الکندی ابو عمرو الشامی (م ۱۱۸ھ)۔ تابعین میں سے تھے۔ ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۵/ ۱۰۱
- ۶- بضم النون و بفتح السين المهملة الخفيفة و تشدید التحتانية (خلاصة، ۱۸۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۱۰)
- ۷- عامر بن عبدہ البجلی ابو ایاس الکوئی۔ ابن مسعود سے علم حاصل کیا اور ان سے میتب بن رافع نے۔ ناقدین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/ ii/ ۳۵۲؛ تہذیب التہذیب، ۵/ ۷۱

فی خطبة کتاب صحیح مسلم، و إلا بجالة بن عبدة (۱) علی ان فیہما  
خلافاً، منهم من سکّن الباء منہما ایضاً، و عند بعض رواة مسلم عامر  
بن عبد بلاہاء ولا یصح. (۲)

عبدہ باء ساکنہ کے ساتھ ان کتب میں واقع ہوا سوائے عامر بن عبدہ کے جو صحیح مسلم کے خطبہ  
میں وارد ہوا ہے یا بجالہ بن عبدہ، لیکن ان کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔ بعض لوگوں  
نے انہیں باء کے سکون سے پڑھا ہے۔ مسلم کے بعض راویوں کے ہاں عامر بن عبد بغیر ہاء  
کے پایا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

حافظ عراقی نے اسے ضبط کرتے ہوئے لکھا ہے:

عَبْدَةُ بفتح العين و سکون الباء و هو بقية ما في الكتب الثلاثة من ذلك  
منهم عبدة بن سليمان الكلابي (۳) و عبدة بن ابی لبابة (۴)  
و غیر ہما. (۵)

عبدہ عین کے فتح اور باء کے سکون سے کتب ثلاثہ میں وارد ہوا ہے۔ ان میں سے عبدہ بن  
سلیمان الکلابی اور عبدہ بن ابی لبابہ وغیر ہما ہیں۔  
عبدہ کے بارے میں حافظ عراقی لکھتے ہیں:

عبدہ بفتح العين المهملة و فتح الباء الموحدة ایضاً، و لیس فیہا الا  
اسمان الاول عامر بن عبدة البجلي الكوفي والثاني بجالة بن عبدة (۶)

- ۱- بجالہ بن عبدہ العنکی ثم العنبري المصري کاتب جزء بن معاویہ۔ انہوں نے عمر بن الخطاب، اور عبدالرحمن بن عوف اور  
عمران بن حصین وغیر ہم سے بھی روایت کی۔ ابو زرہ کے بقول ثقہ ہیں اور ابو حاتم انہیں شیخ قرار دیتے ہیں۔  
تہذیب التہذیب، ۱/ ۳۶۵-۳۶۶
- ۲- ابن الصلاح، ۳۵۴؛ تدریب، ۴۷۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۱۱
- ۳- عبدہ بن سلیمان الکلابی ابو محمد الکونی (م ۱۸۷ھ)۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عبدالرحمن تھا۔ اسماعیل بن خالد، یحییٰ بن سعید  
الانصاری اور عاصم الاحول وغیر ہم سے روایت کی۔ العجلی کہتے ہیں: کان رجل صالح و صاحب قرآن۔  
التاریخ الکبیر، ۳/ ۱۱۱/ ii/ ۳؛ تہذیب التہذیب، ۱/ ۳۶۵-۳۶۶
- ۴- عبدہ بن ابی لبابہ الاسدی القاضی، مولا ہم ایک قول کے مطابق وہ مولیٰ قریش تھے، ابو القاسم المزور الکونی الفقیہ، نزیل  
ومشق، ابن عمر، ابن عمرو، زر بن حبیش اور دوسرے کئی لوگوں سے روایت کی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ فقہاء کوفہ میں سے تھے۔  
ابو حاتم کے مطابق ثقہ تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ ۱۱۳/ ii/ ۳؛ تہذیب التہذیب، ۶/ ۴۰۷-۴۰۸
- ۵- فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۱۱
- ۶- ایضاً، ۴/۳۱۱

عبدہ عین کے فتح اور باء کے فتح سے ہے اور اس میں دو اسماء ہیں، ایک عامر بن عبدہ الجبلی  
الکوفی اور دوسرے بجالہ بن عبدہ ہیں۔

عامر بن عبدہ کی روایت کو مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں درج کیا ہے:

أبو سعيد الأشج، حدثنا و كيع: حدثنا الأعمش عن المسيب بن رافع  
عن عامر بن عبدة قال: عبد الله: ان الشيطان ليتمثل في صورة الرجل  
فيأتى القوم فيحدثهم بالحديث من الكذب، فيتفرقون فيقول الرجل

منهم: سمعت رجلا عرف وجهه، ولا ادري ما اسمه، يحدث. (۱)

ابوسعید الاشج بیان کرتے ہیں کہ کیع نے بیان کیا کہ الأعمش نے مسیب بن رافع سے انھوں  
نے عامر بن عبدہ سے روایت کیا کہ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: شیطان انسانی صورت  
اختیار کرتا ہے اور لوگوں کے پاس آ کر جھوٹی حدیث بیان کرتا ہے لوگ بکھر جاتے ہیں اور ان  
میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں ایک شخص کا چہرہ پہچانتا ہوں اور نام نہیں جانتا جس نے یہ  
حدیث بیان کی۔

عبدہ کو علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، ابو علی الجبلی، التمیمی، الصدنی اور ابن الخذاء نے فتح کے ساتھ ذکر کیا  
ہے۔ دارقطنی اور ابن ماکولا کے ہاں بھی اسی طرح واقع ہوا ہے۔ ان دونوں نے باء کے سکون کا قول بھی نقل کیا ہے۔  
صاحب المشارق کہتے ہیں کہ بعض شیوخ نے بغیر ہاء کے (عبد) نقل کیا ہے لیکن یہ وہم ہے (۲) جہاں تک عامر  
بن عبدہ کا تعلق ہے جس سے ابواسامہ روایت کرتے ہیں تو وہ باء کے سکون سے ہے اور اس کی کوئی روایت کتب  
میں نہیں ہے۔ (۳)

حافظ عراقی کہتے ہیں:

وقول الذهبی فیما قرأته بخطه فی المشتبه (۴) انه يشتبه بعامر بن  
عبدة الباهلی وهم، انما الباهلی عامر بن عبدة بزيادة ياء مشاة من  
تحت بعد الباء الموحدة المكسورة. (۵)

۱- مسلم، الجامع، مقدمة، باب النهی عن الروایة عن الضعفاء، ۹/۱

۲- ابن الصلاح، ۳۵۴

۳- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۱۱

۴- المشتبه، ۴۳۴

۵- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۱۱

اور الذہبی کا قول ہے جسے میں نے ان کے خط میں المشتبه میں پڑھا ہے کہ اس کا اشتباہ عامر بن عبدہ الباہلی سے ہوتا ہے، وہم ہے۔ کیونکہ الباہلی تو عامر بن عبیدہ ہے جو یاء کے اضافہ سے باء مکسورہ کے بعد ہے۔

دوسرے بجالہ بن عبدہ التمیمی ثم العنمری البصری ہیں۔ بخاری نے کتاب الجزية میں ان کی حدیث نقل کی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

قال: كنت كاتباً لجزء بن معاوية (١). عم الأحنف. فجاءنا (فاتاناً) كتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة: فرقوا بين كل ذي محرم من المجوس، ولم يكن عمر اخذ الجزية من المجوس. (٢)

کہتے ہیں کہ میں جزء بن معاویہ کا سیکرٹری تھا کہ ہمیں عمر بن الخطاب کی وفات سے ایک سال پہلے خط آیا جس میں لکھا تھا: مجوسیوں کے محرموں کو ایک دوسرے سے الگ کر دو۔ اور عمر مجوس سے جزیہ نہیں لیتے تھے۔

دارقطنی، ابن ماکولا اور الجبائی نے فتح سے منضبط کیا ہے۔ صاحب المشارق نے کہا ہے کہ بخاری نے اپنی التاریخ میں اور اصحاب الضبط نے اسی طرح نقل کیا ہے الباجی نے عبدہ سکون سے نقل کیا ہے اور کہا ہے بخاری نے بھی اسے سکون سے ضبط کیا ہے۔ (٣)

## عُباد و عَبَاد

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

عُباد بضم العين المهملة و تخفيف الباء الموحدة و هو قيس بن عباد القيسي الضبي البصري (٤) حديثه في الصحيحين و ليس فيها بالضم

- ١- محدثین کے نزدیک جزجیم کے فتح اور زاء کے سکون اور بعد میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اہل نسب اسے زاء کے کسرہ یاء ساکنہ ازل بعد ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔
- جزء ابن معاویہ بن حصن بن عبادہ التمیمی السعدی، عم الأحنف بن قیس ان کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے۔ عمر کے عہد میں اجواز کے گورنر تھے۔ البلاذری کے بقول خلافت معاویہ تک زندہ رہے۔ زیاد نے ان کو بعض ذمہ داریاں دیں۔ فتح الباری، ٦/٣٠١
- ٢- بخاری، الجامع، کتاب الجزية، باب الجزية و الموادعة مع اهل الذمة و الحرب، ٣/٦٢ (حدیث ٣١٥٦)
- ٣- فتح المغیث للعراقی، ٣/٣١١
- ٤- قیس بن عباد القیسی الضبی ابو عبد اللہ البصری۔ حضرت عمر کی خلافت کے دوران مدینہ آئے اور کبار صحابہ سے احادیث روایت کیں۔ ابن سعد نے انھیں ثقہ میں قلیل الحدیث کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ٨/٣٣٦



والتخفيف غيره الا ان صاحب المشارق حكى انه وقع عند أبي  
عبدالله محمد بن المطرف بن المراهط (۱) في الموطأ عباد ابن الوليد  
بن عباد قال وهو خطأ و الكل عباد بن الوليد كما تقدم وهو  
الصواب. (۲)

عباد عین کے ضمہ اور باء مخففہ کے ساتھ صرف قیس بن عباد القیسی الضحی المہری ہیں جن کی  
حدیث صحیحین میں ہے ان کے علاوہ کوئی شخص عین کے ضمہ اور باء مخففہ کے ساتھ نہیں  
ہے۔ صاحب المشارق نے بیان کیا ہے کہ ابو عبد اللہ محمد بن مطرف بن المراهط کے ہاں  
الموطأ میں عباد بن الوليد بن عباد واقع ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ خطا ہے۔ سب عبادہ  
بن الوليد ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور یہی درست ہے۔

دوسرے عباد بفتح العين و تشدید الباء ہیں اور مقدم الذکر کے علاوہ باقی سب عباد ہیں جن کا ذکر کتب  
ملاشہ میں ہے۔ جیسے عباد بن تمیم المازنی (۳)، عباد بن عبد اللہ بن الزبیر (۴) اور ان کے بھتیجے عباد بن حمزہ (۵) اور  
عباد بن العوام (۶) وغیرہم (۷)

حافظ ابن الصلاح نے اختصار کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے لکھا:

عباد هو فيها بفتح العين و تشدید الباء، الا قيس بن عباد فانه بضم

- ۱- میسر مصادر میں نزل سکا۔
- ۲- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۱۰
- ۳- عباد بن تمیم المازنی المدنی عبد اللہ بن زید۔ ام عمارہ، البوقادہ الاضاری سے احادیث کا سماع کیا۔ محمد اور عبد اللہ (ابو بکر کے  
صاحبزادے) اور زہری نے ان سے روایت کیا۔ ناقدین فن نے انہیں ثقافت میں شمار کیا۔ التاریخ الکبیر، ۳ / ii / ۳۴۴؛  
تہذیب التہذیب، ۵ / ۸۶
- ۴- عباد بن عبد اللہ بن الزبیر بن العوام ابو یحییٰ القرظی لأسدی۔ ان کے والد ان کی بہت قدر و منزلت کرتے۔ مکہ میں قضاء کے  
عہدہ پر بھی فائز ہوئے۔ اپنے والد، ثانی اسماء اور والد کی خالہ حضرت عائشہ سے روایت کیا۔ التاریخ الکبیر، ۳ / ii / ۳۴۲؛  
الجرح و التعذیل، ۳ / i / ۸۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۳ / ۲۱۷
- ۵- عباد بن حمزہ بن عبد اللہ بن الزبیر لأسدی۔ اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ صدیقہ سے احادیث روایت کیں۔ سخی اور شریف الطبع  
تھے۔ نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے ثقہ قرار دیا۔ تہذیب التہذیب، ۵ / ۸۲
- ۶- عباد بن العوام بن عمرو ابوسعلم الکلابی الواسطی (م ۱۸۰ھ) ابوما لک الاشجعی، ابن عمون وغیرہ سے سماع کیا۔ ان کے شاگردوں  
میں نمایاں احمد بن حنبل، حسن بن عرفہ وغیرہ ہیں۔ ابوداؤد، ابن سعد وغیرہ نے ثقہ کہا۔ التاریخ الکبیر، ۳ / iii / ۳۴۱؛  
تذکرۃ الحفاظ، ۱ / ۳۶۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۸ / ۵۶۱؛ تہذیب التہذیب، ۵ / ۸۹
- ۷- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۲۳

## العین و تخفیف الباء (۱)

عباد عین کے فتح اور باء کی تشدید کے ساتھ واقع ہوا ہے سوائے قیس بن عباد کہ وہ عین کے ضمہ اور باء مخففہ کے ساتھ وارد ہوا ہے۔

## عُقیل و عقیل

ان کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

لیس فیہا عقیل بضم العین الا عقیل بن خالد و یحییٰ بن عقیل و بنو

عقیل القبیلۃ . و من عدا هؤلاء عقیل بفتح العین . (۲)

اس میں عین کے ضمہ کے ساتھ عقیل صرف عقیل بن خالد، یحییٰ بن عقیل اور قبیلہ بنو عقیل واقع

ہوئے ہیں، ان کے علاوہ عین کے فتح کے ساتھ عقیل ہیں۔

حافظ عراقی نے اپنے تفصیلی انداز میں لکھا ہے:

فالأول مصغر بضم العین المهملة و فتح القاف من ذلك بنو عقیل

القبیلۃ المعروفۃ لهم ذکر فی حدیث عمران بن حصین عند مسلم

كانت ثقیف خلفاء لبني عقیل فذكر حدیث العضباء و أنها كانت

لرجل من بنی عقیل (۳) و كذلك عقیل بن خالد (۴) حدیثہ فی

الصحیحین ، و كذلك یحییٰ بن عقیل الخزاعی البصری (۵) روی له

مسلم و الثانی بفتح العین و كسر القاف مكبر منهم عقیل ابن ابی طالب (۶)

۱- ابن الصلاح ، ۳۵۵

۲- ایضاً، ۳۵۵؛ تدریب، ۴۷۶

۳- مسلم، الجامع ، کتاب النذر، باب لا وفاء فی معصیۃ اللہ و لا فیما لا یملك العبد، ۷/۷۸؛ ابو داؤد،

السنن، کتاب الایمان ، باب النذر فیما لا یملك، ۳/۶۰۹-۶۱۳، مسند احمد، ۲/۴۳۰

۴- عقیل بن خالد الألی ابو خالد الاموی مولیٰ عثمان (م ۱۳۱ھ)۔ اپنے والد اور چچا، زیاد اور نافع مولیٰ ابن عمرو وغیرہم سے

روایت کی۔ امام احمد، اور نسائی کے بقول ثقہ ہیں۔ تہذیب التہذیب، ۷/۲۴۸-۲۴۹؛ شذرات، ۱/۲۱۶؛

سیر اعلام النبلاء، ۶/۳۰۱

۵- یحییٰ بن عقیل الخزاعی البصری۔ انس بن مالک، یحییٰ بن یمر وغیرہ سے روایت کیا اور ان سے سلیمان التیمی، عبداللہ بن کسان

وغیرہ نے روایت کیا۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱۱/۲۴۵

۶- عقیل ابن ابی طالب الباشمی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم زاد تھے۔ ان سے ان کے بیٹے محمد پوتے عبداللہ، موسیٰ بن طلحہ،

عطاء وغیرہ نے روایت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں ہر سال خیبر کی زمینوں سے حصہ دیتے تھے۔ التاریخ الکبیر،

۵۰/۱/۳؛ الجرح، ۳/۲۱۸؛ سیر اعلام النبلاء ۳/۹۹

مذکور فی الحدیث المتفق علیہ: ”وہل ترک لنا عقیل من رباع أو دور“ (۱)

ولیست له رواية عندهما. (۲)

واقد و وافد

حافظ عراقی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

فالاول بالقاف وهو جميع ما فى الكتب الثلاثة منهم واقد بن عبد الله

بن عمر (۳) و ابن اخيه واقد بن محمد بن زيد (۴) وغيرهما و الثانى

واقد بالفاء و ليس فى شىء من الكتب الثلاثة، قاله صاحب المشارق

وتبعه ابن الصلاح (۵) و منهم واقد بن موسى الدارع (۶) و واقد بن

سلامة (۷) ذكرهما الأمير وغيره. (۸)

پہلا قاف سے ہے اور یہی کتب ثلاثہ میں وارد ہوا ہے۔ ان ناموں میں سے ایک واقد بن

عبد اللہ بن عمر اور ان کے بھتیجے واقد بن محمد بن زید وغیرہما ہیں اور دوسرا واقد فاء کے ساتھ ہے

کتب ثلاثہ میں اس نام کا کوئی راوی نہیں۔ یہی بات صاحب المشارق نے کہی ہے اور اسی

کی متابعت ابن الصلاح نے کی ہے۔ ان ناموں میں واقد بن موسیٰ الدارع اور واقد بن

سلامہ ہیں۔ الامیر وغیرہ نے ان دونوں کا تذکرہ کیا ہے۔

- ۱- بخاری، الجامع، کتاب الحج، باب توریث دور مکة، ۲/ ۱۵۷؛ مسلم، الجامع، کتاب الحج، باب نزول الحاج بمكة و توریث دور مکة، ۳/ ۱۰۸؛ ابن ماجه، السنن، کتاب الفرائض، باب میراث اهل الاسلام من اهل الشرك، ۲/ ۹۱۳
- ۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۴۱۳
- ۳- واقد بن عبد اللہ بن عمر۔ انھوں نے اپنے والد اور دیگر محدثین سے روایت کیا۔ شعبہ اور ان کے طبقے کے دیگر طالبان حدیث نے ان سے روایت کیا۔ التاريخ الكبير، ۳/ ii/ ۱۷۳؛ تهذيب التهذيب، ۱۱/ ۹۳
- ۴- واقد بن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی۔ اپنے والد، سعید بن مرجانہ ابن ابی ملیکہ اور دوسرے لوگوں سے روایت کی۔ ابوداؤد اور ابن معین نے ثقہ قرار دیا اور ابن معین دوبار صالح الحدیث کہا۔ ابوحاتم کہتے ہیں: لا بأس به ثقة یحتج به۔ تهذيب التهذيب، ۱۱/ ۹۵
- ۵- ابن الصلاح، ۳۵۵
- ۶- میسر مصادر میں نثر سکا۔
- ۷- واقد بن سلامہ۔ یزید الرقاشی سے روایت کیا اور ان سے ابن وہب نے روایت کیا۔ ضعیف راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ التاريخ الكبير، ۳/ ii/ ۱۹۱؛ میزان الاعتدال، ۳/ ۳۳۰
- ۸- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۴۱۳؛ تدریب، ۲۷۶

ابن الصلاح نے بہت مختصر انداز میں اسے بیان کیا ہے:

وليس فيها واقد بالفاء اصلاً و جميع ما فيها واقد بالقاف. (۱)

اس میں واقد بالکل موجود نہیں ہے اور جو سب نام موجود ہیں وہ واقد بالقاف ہیں۔

## الإنساب

جس طرح اسماء میں اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے اسی طرح انساب کے تلفظ اور تحریر میں بھی اشتباہ واقع ہو سکتا ہے۔ اسی لیے محدثین نے الموتف والمختلف کے سلسلے میں انساب کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے تو اس نوع کے عنوان میں بھی انساب کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس باب کا عنوان ان الفاظ میں باندھتے ہیں۔

النوع الثالث و الخمسون معرفة الموتف و المختلف من الاسماء

والانساب وما يلتحق بها (۲)۔

حافظ عراقی، امام نووی، حافظ سیوطی اور علامہ سخاوی وغیرہ نے بھی ابن الصلاح کا تتبع کیا ہے۔ (۳)

## الأيلى والأبلى

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

ومن ذلك الأيلى والأبلى ، فالأول بفتح الهمزة و سكون الياء المشناة

من تحت منهم هارون بن سعيد (۴) و يونس بن يزيد الأيلى (۵)

وعقيل بن خالد الأيلى (۶) و غيرهم. (۷)

- ۱- ابن الصلاح ، ۳۵۵
- ۲- ايضاً، ۳۲۲
- ۳- تقييد، ۳۸۱؛ تدریب، ۳۶۲؛ فتح المغيب للسخاوی، ۲۳۱/۳
- ۴- ہارون بن سعيد بن الہيثم بن محمد التميمي لأبى السعدى مولاہم ابو جعفر نزىل مصر (م ۲۵۳ھ)۔ ابن عیینہ، ابن وہب، ابی ضمیرہ اور دوسرے لوگوں سے روایت کی۔ ابو حاتم انھیں شیخ کہتے ہیں، نسائی نے کہا: ”لاباس بہ“ ایک دوسرے مقام پر ثقہ قرار دیا۔ ابن حبان نے الثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ کتاب الثقات، ۲۳۰/۹؛ تہذیب التہذیب، ۷/۱۱
- ۵- یونس بن یزید لأبى الويزيد مولى معاوية بن سفيان (م ۱۵۷ھ)۔ اپنے بھائی ابو علی بن یزید اور الخزہری وغیرہ سے روایت کی۔ ابن المبارک کہتے ہیں: ”کتابہ صحیح“ کعب نے انھیں ”سینی الحفظ“ قرار دیا ہے۔ امام احمد کہتے ہیں: ”فی حدیث یونس عن الزہری منکرات“ قاسم بن محمد اور سالم بن عبد اللہ بن عمر کا خیال ہے کہ ان کی وفات بالائی مصر میں ہوئی۔ الجرح و التعديل، ۲۳۸-۲۳۷/ii/۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱۶۲/۱؛ سیر اعلام، ۲۹۷/۶؛ تہذیب، ۱۱/۳۹۵-۳۹۷
- ۶- دیکھیے صفحہ، ۳۲۸، حاشیہ ۴
- ۷- فتح المغيب للعراقی، ۳۱۲/۳؛ تدریب، ۳۷۷

اس قسم میں لائل اور لائل ہیں۔ پہلا ہمزہ کے فتح اور یاء کے سکون سے ہے۔ ان میں ہارون بن سعید، یونس بن یزید لائل اور عقیل بن خالد لائل وغیرہ ہیں۔ حافظ ابن الصلاح قاضی عیاض کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و من الانساب ذكر القاضي الحافظ عياض انه ليس في هذه الكتب الأبتلى بالباء الموحدة المضمومة، و جميع ما فيها على هذه الصورة فانما هو الأيلى بالياء المنقوطة بالنتين من تحت. (۱)

اور انساب کے تحت قاضی حافظ عیاض نے ذکر کیا ہے کہ ان کتب میں باء مضمومہ کے ساتھ لائل موجود نہیں ہے۔ اس شکل میں جو موجود ہے وہ لائل ہے نیچے دو نقطوں والی یاء کے ساتھ ہے۔ قاضی عیاض کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

قلت: روى مسلم الكبير عن شيبان بن فروخ (۲) وهو ابلى بالياء الموحدة، لكن اذالم يكن في شيء من ذلك منسوباً لم يلحق عياضاً منه تخطئة (۳)

میں کہتا ہوں: مسلم نے یواسطہ شیبان بن فروخ سے کثرت سے روایت کی ہے اور وہ باء موحده کے ساتھ لائل ہے لیکن اگر اس میں نسبت کا ذکر نہیں ہے تو قاضی کی خطا نہیں ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں:

وقد تبعت كتاب مسلم فلم اجد فيه شيبان بن فروخ منسوباً فلا تخطئة على القاضي عياض حينئذ فيما قاله. (۴)

میں نے مسلم کی کتاب میں تلاش کیا، مجھ کو اس میں شیبان بن فروخ نسبت کے ساتھ نہیں ملا، لہذا قاضی عیاض کے قول میں غلطی نہیں ہے۔

۱- ابن الصلاح، ۳۵۵؛ تدریب، ۳۷۷

۲- شیبان بن فروخ لائل البصری (م ۱۳۶ھ)۔ حماد بن سلمہ، جریر بن حازم اور دیگر معاصر مل علم سے حدیث کا سماع کیا۔ مسلم، ابوداؤد، حسن بن سفیان وغیرہم نے ان سے روایت کی۔ ابوزرعہ نے صدوق کہا۔ ابوحاتم کا کہنا ہے کہ وہ حمیدہ قدر کے قائل تھے۔ التاريخ الكبير، ۲/۱۱۲/۲۵۳؛ الجرح والتعديل، ۱/۲/۳۵۷؛ سير اعلام، ۱۱/۱۰۱

۳- ابن الصلاح، ۳۵۵؛ تدریب، ۳۷۷

۴- التقييد، ۳۰۰؛ تدریب، ۳۷۷

## البزاز و البزاز

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

لا نعلم في الصحيحين البزاز بالراء المهملة في آخره الا خلف بن

هشام البزاز (۱) و الحسن بن الصباح (۲) البزاز. (۳)

ہمارے علم میں نہیں ہے کہ صحیحین میں خلف بن ہشام البزاز اور الحسن بن الصباح البزاز کے علاوہ بھی کوئی نام واقع ہوا ہے۔

حافظ عراقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ذكر الجيالي في تقييد المهمل في هذه الترجمة يحيى بن محمد

السكن البزاز (۴) من شيوخ البخاري و بشر بن ثابت البزاز (۵)

و استشهد به البخاري قلت: ولم يقع ذكرهما في البخاري منسوبين بل

خاليين من النسبة فلذلك لم استدر كهما في النظم على ابن الصلاح. (۶)

الجيالي تقييد المهمل میں اس تذکرے کے تحت یحییٰ بن محمد السکن البزاز، جو بخاری کے

شیوخ میں سے ہیں، اور بشر بن ثابت البزاز کے نام نقل کیے ہیں اور بخاری سے استشہاد کیا

ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بخاری میں ان کا تذکرہ نسبت کے بغیر ہے اسی لیے میں نے نظم میں

ابن الصلاح کے بیان پر اضافہ نہیں کیا۔

۱- من شيوخ مسلم (فتح المغيب ۴/۴۱۳)؛ خلف بن هشام البزاز البغدادي المقرئ (م ۲۲۹ھ) مالک، حماد بن زيد،

ہشیم وغیرہم سے روایت کی۔ مسلم، ابوداؤد، عباس الدوري، ابوزرعہ وغیرہم نے خلف سے سماع کیا۔ نسائی، ابن حبان نے ثقہ

قراردیا۔ بہت زیادہ مخیر تھے۔ قراءت کے عالم تھے۔ تہذیب التہذیب، ۳/۱۳۱

۲- من شيوخ البخاري (فتح المغيب ۴/۴۱۳) الحسن بن الصباح البزاز الواسطي البغدادي (م ۲۳۹ھ)۔ کعب بن علی

بن المدینی، احمد بن حنبل ایسے بلند پایہ محدثین سے سماع کیا۔ بخاری، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے الحسن سے احادیث روایت کیں۔ نسائی

اور ابن حبان نے ثقہ قراردیا۔ التاريخ الكبير، ۱/۱۱۱/۴۹۵؛ تہذیب التہذیب، ۲/۲۶۲

۳- ابن الصلاح، ۳۵۵

۴- یحییٰ بن محمد السکن البزاز ابو عبد اللہ و یقال ابو عبد الحمیری۔ بغداد میں قیام پذیر رہے۔ نسائی کہتے ہیں: ”لاباس بہ“ اور ایک

مقام پر انھیں ثقہ گردانا ہے۔ مسلمہ کہتے ہیں: بصری صدوق۔ تہذیب التہذیب، ۱۱/۲۳۷

۵- بشر بن ثابت ابو محمد البزاز اپنے وقت کے مشہور اہل علم سے استفادہ کیا۔ شائقین علم کی ایک بڑی تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔

ابن حبان اور دارقطنی نے ثقہ کہا۔ تہذیب التہذیب، ۱/۴۰۵

۶- فتح المغيب للعراقي، ۴/۴۱۳؛ التقييد کی عبارت اس طرح ہے: ”تجلت الترجمتان كما ذكر في صحيح

البخاري لكن غير منسوبين فلا يردان على المصنف، ۴۰۱



والثانی: البزاز ای بالزای المکررة وهو باقی المذکورین فی  
الصحيحین منهم محمد بن الصباح البزاز (۱) و محمد بن عبدالرحيم

البزاز (۲) المعروف بصاعقة وغيرهما. (۳)

دوسرا زای مکررہ کے ساتھ البزاز ہے اور یہی وہ باقی نام ہیں جو صحیحین میں مذکور ہیں۔ ان  
میں محمد بن الصباح البزاز اور محمد بن عبدالرحيم البزاز المعروف بصاعقة وغیرہا ہیں۔

حافظ ابن الصلاح نے اسے جامعیت کے ساتھ نقل کیا ہے:

لا نعلم فی الصحيحین البزار بالرای المهملة فی آخره الا خلف بن

هشام البزار والحسن بن الصباح البزار و اما محمد بن الصباح البزاز

وغيره فيهما فهو بزايين. (۴)

ہمارے علم کے مطابق آخر میں راء مہملہ کے ساتھ البزاز صرف خلف بن هشام البزاز اور حسن

بن الصباح البزاز واقع ہوئے ہیں جہاں تک محمد بن الصباح البزاز وغیرہ کا تعلق ہے تو وہ

سب دو زاء کے ساتھ البزاز ہیں۔

## النصرى و البصرى

وليس في الصحيحين و الموطأ النصرى بالنون والصاد المهملة الا

ثلاثة: مالك بن اوس بن الحدان النصرى (۵) و عبدالواحد بن عبدالله

۱- محمد بن الصباح البزاز ابو جعفر البغدادي (م ۲۲۷ھ) اجل بمعصر علماء سے احادیث کا سماع کیا۔ بخاری، مسلم اور ابوداؤد ایسے

پائے کے محدثین نے ان سے روایت کیا۔ بخاری اور مسلم دونوں نے ان سے اپنی الجامع میں روایت کیا ہے۔ نقادان حدیث  
نے ثقہ ثبت کہا ہے۔ التاريخ الكبير، ۱/۱۱۹؛ تهذيب التهذيب، ۹/۱۹۷-۱۹۸

۲- محمد بن عبدالرحيم البزاز ابو يحيى البغدادي (م ۲۵۵ھ)۔ فارسی الاصل تھے۔ عمدہ حافظہ کی وجہ سے

صاعقة الحافظ کے نام سے مشہور تھے۔ ناقدین حدیث نے انھیں ثقہ، ثبت اور مامون ایسے القابات سے نوازا  
ہے۔ تهذيب التهذيب، ۹/۲۶۸-۲۶۹

۳- فتح المغيث للعراقي، ۳/۳۱۳؛ تدریب، ۴۷۷

۴- ابن الصلاح، ۳۵۵؛ تدریب، ۴۷۷

۵- مالک بن اوس بن الحدان النصرى الحجازى المدنى (م ۸۲ھ)۔ کبار صحابہ سے احادیث کا سماع کیا۔ طلب علم کے بعد شائقین علم کی

ایک کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا اور احادیث روایت کیں۔ حضرت عمر کے ساتھ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر موجود تھے۔  
نصح دلیغ تھے۔ ان کا شمار قلیل الروایہ میں ہوتا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/۳۰۵؛ الجرح و التعديل، ۳/۳۰۳؛

شذرات الذهب، ۱/۹۹؛ سير اعلام النبلاء، ۳/۱۷۱

النصری (۱) و سالم مولی النصرین (۲). و سائر ما فیہا علی ہذہ  
الصورة فهو بصری بالباء الموحدة. (۳)

صحیحین اور موطاً میں نون اور صاد مہملہ کے ساتھ النصری صرف تین شخص وارد ہوئے ہیں:  
مالک بن اوس بن الحدیثان النصری، عبد الواحد بن عبد اللہ النصری اور سالم مولی النصرین۔  
اسی خطی صورت کے باقی تمام باء موحده کے ساتھ البصری ہیں۔

حافظ عراقی اسے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں سے پہلا نون اور صاد  
مہملہ کے ساتھ النصری ہے اور اس کے تحت تین نام آتے ہیں: پہلا سالم مولی النصرین ہے اور وہ مالک بن اوس  
النصری، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، کا مولی ہے۔

مسلم نے اس کی روایت لی ہے اور سالم کے والد کا نام عبد اللہ ہے۔ عبد الغنی بن سعید نے ایضاً الاشکال  
میں کہا ہے: سالم ابو عبد اللہ المدینی، مولی مالک بن اوس ہیں وہی سالم مولی النصرین ہیں وہی سالم مولی الکھربین  
ہیں اور وہ سالم سبلان اور وہی سالم مولی شداد ہیں جن سے ابو سلمہ عبد الرحمن نے روایت کی اور وہی ابو عبد اللہ ہیں جن  
سے بکیر بن اللانج نے روایت کی۔ اور یہ مذکور ہے کہ وہ بڑے شیخ تھے اور وہ سالم ابو عبد اللہ الدوسی ہیں اور وہی سالم  
مولی دوس ہیں۔ صاحب المشارق کہتے ہیں کہ العدری کے ہاں ضاد مجہمہ کے ساتھ العضرین واقع ہوا ہے اور  
ان کے بقول یہ وہم ہے دوسرے عبد الواحد بن عبد اللہ النصری ہیں۔ صحیح بخاری میں واثلہ بن الاسقع سے ایک حدیث  
مردی ہے۔ تیسرے مالک بن اوس الحدیثان النصری ہیں جو مخضرم ہیں لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔  
ان کی حدیث موطاً اور صحیحین میں وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ نون کے ساتھ النصری ان تین  
کے علاوہ نہیں آئے ہیں (۴) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اوس بن الحدیثان بغیر نسبت کے صحیح مسلم کے کتاب الصیام میں  
وارد ہوا ہے (۵) اور باء موحده کے ساتھ البصری کتب ملاحہ میں مذکور ہوا ہے اور البصری باء کے فتح اور کسرہ کے  
ساتھ منقول ہے لیکن کسور پڑھنا زیادہ فصیح ہے۔ (۶)

۱- عبد الواحد بن عبد اللہ النصری ابو بشر الدمشقی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے والد کو محبت کا شرف حاصل ہوا۔ ثقہ محدث تھے۔

مدینہ کے گورنر ہے۔ قاسم بن ابی بکر اور سالم بن عبد اللہ سے معاملات میں مشورہ کرتے تھے۔ پرہیزگار اور صالح تھے۔

التاریخ الکبیر، ۵۵/ii/۳؛ تہذیب التہذیب، ۳۸۱/۶

۲- سالم مولی النصرین (م ۱۱۰ھ)۔ کبار صحابہ سے روایت کیا۔ حضرت عائشہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ان کی

امانت و دیانت سے بہت متاثر تھیں۔ ابن حبان نے ثقہ کہل۔ التاریخ الکبیر ۱۰۹/ii/۲؛ کتاب النقات، ۳۰۷/۳؛

تہذیب التہذیب، ۳۸۱/۳

۳- ابن الصلاح، ۳۵۶

۴- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۱۳

۵- ایضاً، ۳/۳۱۳

۶- ایضاً، ۳/۳۱۳

## التَّوْزِي وَالتَّوْرِي

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ليس فيها التوزي بفتح التاء المثناة من فوق و الواو المشددة  
المفتوحة والزاي الا ابو يعلى التوزي محمد بن الصلت (١) في كتاب  
البخاري في باب الردة (٢) ومن عداه فهو الثوري بالثاء المثناة ومنهم  
ابو يعلى منذر بن يعلى الثوري (٣) خر جاعنه. (٤)  
تاء کے فتح اور واؤ مشددة مفتوحة اور زاء کے ساتھ التوزي صرف ایک ہیں اور وہ محمد بن  
الصلت ہیں جو بخاری کے باب الردہ میں وارد ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ سب ثاء مثناة کے  
ساتھ الثوري ہیں۔ ان میں ابو يعلى منذر بن يعلى الثوري ہیں۔ بخاری اور مسلم دونوں نے  
ان کی روایت نقل کی ہے۔

حافظ عراقی نے توْزِي کے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

التَّوْزِي اصله من توز من بلاد فارس و يقال التوج بالجيم، سكن  
البصرة روى عنه البخاري في كتاب الردة حديث العرنين و ليس فيها  
التوزي غيره (٥)

التوزي کا اصل بلاد فارس کے قریہ توز سے ہے اور اسے التوج بھی کہا جاتا ہے۔ بصرہ میں  
سکونت پذیر ہے۔ بخاری نے کتاب الردة کی حدیث العرنین، ان سے روایت کی  
ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور توزی نہیں۔

حافظ عراقی مزید لکھتے ہیں:

- ١- ابو يعلى محمد بن الصلت التوزي البصري (م ٢٢٨ هـ)۔ فارس کے علاقے توز سے تعلق تھا۔ اجل محدثین سے استفادہ کیا۔  
بخاری و نسائی نے بواسطہ الذہبی روایت کیا۔ ابن حبان اور ابو حاتم نے صدوق ثقہ قرار دیا۔ حافظ عمدہ تھا لیکن کبھی کبھی وہم کا شکار  
بھی ہو جاتے تھے۔ التاريخ الكبير، ١١٨/١؛ تهذيب التهذيب، ٢٠٠/٩
- ٢- بخاری، الجامع، کتاب الردة، باب لم يحسم النبي المحاربين من اهل الردة حتى هلكوا، ١٩/٨
- ٣- ابو يعلى منذر بن يعلى الثوري الكوفي۔ ناقدین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ کم احادیث روایت کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے۔  
التاريخ الكبير، ٣٥٤/٣؛ تهذيب التهذيب، ٢٤١/١٠
- ٤- ابن الصلاح، ٣٥٦؛ تدریب، ٣٤٤
- ٥- فتح المغیث للعراقی، ٣/٣١٣

والثانی بفتح المثلثة وسكون الواو بعدها راء مهملة وهو من عدا محمد بن الصلت المذكور منهم ابو يعلى الثوری (۱)؛ قال صاحب المشارق؛ وهو يلتبس بالمذكور اولا يريد من حيث اتفاق كنيتهما ايضاً، واسم ابى يعلى هذا منذر بن يعلى حديثه فى الصحيحين. (۲)  
اور دوسرے ثاء مثلثہ کے فتح، واو کے سکون اور اس کے بعد راء مہملہ کے ساتھ الثوری ہے اور یہ مذکورہ محمد بن الصلت کے علاوہ ہیں۔ ان میں ابو یعلی الثوری ہیں۔ صاحب المشارق کہتے ہیں کہ وہ محمد بن الصلت سے ملتیس ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کی کنیت ایک ہے اور ابو یعلی کا نام منذر بن یعلی ہے اور ان کی حدیث صحیحین میں مذکور ہے۔

### الجُریری و الحریری

سعید الجریری (۳) و عباس الجریری (۴) والجریری غیر مسمى عن ابى نصره هذا ما فيها من الجيم المضمومة و فيها الحریری بالحاء المهملة يحيى بن بشر (۵) شيخ البخاری و مسلم. (۶)  
سعید الجریری، عباس الجریری اور بغیر نام کے ابو نصرہ الجریری وہ نام ہیں جو جیم مضمومہ کے ساتھ آئے ہیں۔ اس میں حاء مہملہ کے الحریری یحییٰ بن بشر ہیں جو بخاری و مسلم کے شیخ ہیں۔  
حافظ عراقی قدرے توضیح کے ساتھ لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

- ۱- دیکھیے صفحہ ۳۲۵، حاشیہ ۳
- ۲- فتح المغیب للعراقی، ۳ / ۲۱۲؛ تدریب، ۴۷۱
- ۳- سعید بن ایاس الجریری، ابو مسعود البصری (م ۱۴۳ھ)۔ ثقہ تھے لیکن وفات سے تین برس پہلے اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ پانچویں طبقے سے ہیں۔ التاریخ الکبیر، ۲ / ۱ / ۳۵۶؛ تقریب التہذیب، ۱ / ۲۹۱؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱ / ۱۵۵
- ۴- عباس بن فروخ الجریری ابو محمد المصری (م ۱۲۰ھ)۔ اپنے وقت کے اجل محدثین مثلاً ابو عثمان النہدی، حسن بصری، عمرو بن شعیب سے سماع کیا۔ اصمعی کے راوی تھے۔ حدیث کے علاوہ لغت اور ادب کے ماہر بھی تھے۔ ناقدین نے ثقہ کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۵ / ۱۱۲ - ۱۱۳
- ۵- یحییٰ بن بشر بن کثیر الجریری الاسدی ابو زکریا الکوفی (۲۲۷ھ)۔ معاویہ بن سلام، معروف ابو الخطاب، سعید بن بشر اور دیگر لوگوں سے روایت کی اور ان سے مسلم اور عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی وغیرہ نے روایت کی۔ صالح بن محمد کے بقول وہ صدوق ہیں اور دارقطنی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ الجرح و التعذیل، ۳ / ii / ۱۳۱؛ تہذیب التہذیب، ۱۱ / ۱۶۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰ / ۶۴۷
- ۶- ابن الصلاح، ۳۵۶؛ تدریب، ۴۷۷

الأول بضم الجيم وفتح الراء و سكون الياء المشاة من تحت بعدها  
راء ايضاً نسبة الى جرير مصغراً و هو جرير بن عباد بضم العين  
وتخفيف الموحدة و هو عباس بن فروخ الجريري (١) حديثه في  
الصحيحين و سعيد بن اياس الجريري حديثه في الصحيحين ايضاً.  
وكذا اذا ورد في الصحيحين الجريري غير مسمى عن أبي نضرة  
فالمراد به سعيد، هكذا اقتصر ابن الصلاح تبعاً لصاحب المشارق  
على الجريري غير مسمى عن أبي نضرة (٢) و قد ورد في الصحيح  
غير مسمى في غير روايته عن ابي نضرة في غير ما موضع منها في  
مسلم في الكسوف عن الجريري عن حيان بن عمير وغير ذلك. (٣)  
و هكذا اقتصر ايضاً تبعاً لصاحب المشارق على ما فيها من الجريري  
بضم الجيم و زاد الجياني (٤) في التقييد حيان بن عمير الجريري له  
عند مسلم حديث واحد في الكسوف (٥) و أبان بن ثعلب الجريري  
مولاهم روى له مسلم ايضاً وحده. قلت: ولم استدرك هذين الإسمين  
على ابن الصلاح لأنهما و إن كانا في كتاب مسلم فهما باسميهما  
غير منسوبين. (٦)

پہلا جیم کے ضم، راء کے فتح اور نیچے دو نقطوں والی یاء کے سکون کے ساتھ جس کے بعد بھی را  
ہے۔ جریر مصغر کی طرف نسبت ہے اور وہ جریر بن عباد بضم العين و تخفيف الباء،  
عباس بن فروخ الجريري جس کی حدیث صحیحین میں ہے اور سعید بن ایاس الجريري اس کی حدیث  
بھی صحیحین میں ہے۔ اسی طرح اگر صحیحین میں بغیر نام کے الجريري ابی نضرة سے روایت کرتے

- ١- فروخ فاء کے فتح، راء مشددة اور آخر میں خاء مجمعة کے ساتھ۔ (تقریب التہذیب، ١ / ٣٩٨): عباس بن فروخ الجريري،  
ابو محمد المصري (١٢٠٣ھ) ابو عثمان النهدی، حسن بصری وغیرہ سے روایت کیا۔ ثقہ راوی تھے۔ تہذیب التہذیب، ١١٢/٥
- ٢- ابن الصلاح، ٣٥٦
- ٣- مسلم، الجامع، کتاب الكسوف، باب ذکر النداء لصلوة الكسوف، ٣ / ٣٥
- ٤- الجياني سے مراد قاضی عیاض کے شیخ ہیں۔
- ٥- مسلم، الجامع، کتاب الكسوف، باب ذکر النداء بصلوة الكسوف، ٣ / ٣٦
- ٦- فتح المغیث للعراقی، ٢ / ٣١٣ - ٣١٥

ہیں تو اس سے مراد سعید ہیں۔ اسی طرح ابن الصلاح نے صاحب المشارق کی متابعت میں ابونضرة کے بغیر نام کے راوی الجریری پر انحصار کیا ہے حالانکہ بغیر نام کے ابونضرة سے اس کی روایت کے علاوہ دوسرے مقام پر مسلم کی کتاب الکسوف میں الجریری عن حیان بن عمیر وغیرہ مذکور ہے۔ اسی طرح اس نے جیم کے ضمہ کے ساتھ الجریری پر صاحب المشارق کی متابعت میں انحصار کیا ہے۔ الجیانی نے تقييد میں حیان بن عمیر الجریری جس کی ایک حدیث مسلم میں ہے اور ابان بن ثعلب الجریری مولاہم، جس کی روایت بھی مسلم نے نقل کی ہے، کا اضافہ کیا ہے۔ حافظ عراقی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ میں نے ابن الصلاح پر ان ناموں کا اضافہ نہیں کیا کیونکہ یہ اگرچہ مسلم میں ہیں لیکن بغیر نسبت کے مذکور ہیں۔

الجریری کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ عراقی، ابن الصلاح کے بیان کا تجزیہ کرتے ہیں:

حاء مہملہ کے فتح اور راء کے کسرہ کے ساتھ الجریری ہے جیسے یحییٰ بن بشر الجریری جن کی روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے اور ابن الصلاح کا یہ قول کہ وہ بخاری اور مسلم کے شیخ ہیں (۱) دراصل صاحب المشارق کے اتباع میں ہے اور انھوں نے صاحب تقييد المہمل (۲) کی متابعت کی ہے۔ ان سے پہلے ابو عبد اللہ حاکم نے یہی بات کہی ہے۔ انھوں نے یحییٰ بن بشر کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جو بخاری کے ہاں متفق علیہ ہیں۔ اسی طرح الکلابازی نے ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جن کی تخریج بخاری نے کی ہے، حالانکہ ان سب حضرات نے کوئی ثبوت نہیں لکھا۔ بخاری نے ان کی کوئی حدیث نقل نہیں کی انھوں نے یحییٰ بن بشر البلیخی (۳) کی حدیث نقل کی ہے اور الجیانی اور الکلابازی نے ان دونوں ناموں کو ایک سمجھا ہے اور یہ ان کا اور ان کی متابعت کرنے والوں کا وہم ہے۔ یہ دونوں اشخاص میں اپنے شہروں اور اپنی وفات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ جن لوگوں نے ان دونوں کے درمیان امتیاز قائم رکھا ہے ان میں ابی حاتم نے الجرح و التعديل میں اور خطیب نے المتفق والمفترق میں اور اس کی تصدیق حافظ المزنی نے تہذیب میں کی ہے۔ میں نے ابن الصلاح پر جو کچھ جمع کیا ہے، اس میں اس کی وضاحت کردی ہے (۴)۔ ابن الصلاح نے الجریری والجریری پر اکتفا کیا ہے جب کہ الجیانی نے تقييد المہمل میں جیم کے فتح اور راء کے کسرہ کے ساتھ الجریری کا اضافہ کیا ہے اور وہ یحییٰ بن ایوب الجریری ہیں جو جریر بن عبد اللہ البلیخی کی اولاد میں سے ہیں۔ الجیانی کہتے ہیں۔

۱- ابن الصلاح، ۳۵۶

۲- اس سے مراد قاضی عیاض کے شیخ الجیانی ہیں۔

۳- یحییٰ بن بشر البلیخی ابو زکریا الفلاس الزہد (م ۲۰۲ھ)۔ الولید بن مسلم، کعب، روح بن عبادہ وغیرہم سے سماع کیا۔ بخاری نے

ان سے سماع کیا ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱۱ / ۱۶۷

۴- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۱۵؛ تدریب، ۴۷۸



بخاری نے ان سے استشہاد کرتے ہوئے کتاب الادب کے آغاز میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح صاحب المشارق نے کہا کہ بخاری میں جیم کے فتح کے ساتھ یحییٰ بن ایوب البحریری ہیں جن کا ذکر بخاری کے کتاب الادب (۱) میں ہے۔

حافظ عراقی کہتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ میں نے ابن الصلاح پر استدراک نہیں کیا کیونکہ بخاری نے اس کی نسبت کا ذکر نہیں کیا۔ اس نے صرف اس کا نام اور اس کے والد کا نام ذکر کیا ہے (۲)۔

ابن الصلاح نے حسب معمول اختصار کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و فیہا البحریری بفتح الجیم یحییٰ بن ایوب البحریری فی کتاب

البخاری من ولد جریر بن عبداللہ. (۳)

اور اس میں البحریری جیم کے فتح کے ساتھ بھی ہے، مثلاً یحییٰ بن ایوب البحریری جو جریر بن

عبداللہ کی اولاد میں سے ہیں۔

### الجاری و الحارثی

حافظ ابن الصلاح نے اس کے تحت ایک اور نسبت کا بھی تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

الجاری فیہا بالجیم شخص واحد و هو سعد منسوب الی الجار مرفاً

السفن بساحل المدینة و من عداہ الحارثی بالحاء و الشاء. (۴)

الجاری جیم کے ساتھ صرف ایک شخص ہے اور وہ سعد الجاری ہے جو الجار یعنی ساحل مدینہ پر

جہازوں کے لنگر انداز کی جگہ کی طرف منسوب ہے۔ اس کے سوا سب حاء اور ثاء کے ساتھ

الجاری ہیں۔

حافظ عراقی الحارثی و الجاری کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

فالاول بالحاء المهملة و کسر الراء بعدها ثاء مثلثة و هو جمیع ما

وقع من ذلك فی الصحیحین منهم أبوا مامة الحارثی (۵) صحابی له

- ۱- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۱۵؛ امام مسلم نے بغیر نسبت کے یحییٰ بن ایوب کا ذکر کیا ہے۔ مسلم، الجامع، کتاب الایمان، باب و عید من القنطع حق مسلم بيمين فاجرة، ۱۰ / ۸۵
- ۲- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۱۵؛ تدریب، ۳۷۸
- ۳- ابن الصلاح، ۳۵۶
- ۴- ایضاً، ۳۵۶
- ۵- ابوامامہ الأنصاری الحارثی (م ۱۰۰ھ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض دوسرے صحابہ سے روایت کیا۔ آپ ﷺ نے غزوہ بدر میں شرکت کی اجازت نہ دی کیونکہ والدہ بیمار تھیں۔ تہذیب التہذیب ۱۳ / ۱۳؛ سیر، ۳ / ۵۱۷

روایۃ عند مسلم فی کتاب الایمان بکسر الهمزة فی حدیث (من اقتطع حق امری مسلم بيمينه) (۱) الحدیث. والثانی الجاری بالجیم و بعد الرء یاء النسبة و هو سعید الجاری روى له مالک فی الموطأ عن زید بن أسلم عن سعد الجاری مولی عمر بن الخطاب (سألت ابن عمر عن الحیتان یقتل بعضها بعضاً) (۲) ..... الحدیث.

قال صاحب المشارق ینسب الی جده، وقال ابن الصلاح؛ منسوب الی الجار مرفأ السفن بساحل المدینة (۳) والمرفأ بضم المیم وسكون الرء وفتح الفاء مهموز مقصور، قال الجوهری؛ أرفات السفینة قربتها من الشط، وقال و ذلك الموضع مرفأ، وقال الذهبی فی مشتبه النسبة، الجار موضع بالمدینة و ذکر ابو علی الجیانی فیما یشبه بهذه المادة (الخارفی) بالخاء المعجمة و بالفاء مکان الثاء منهم عبدالله بن مرة الخارفی (۴) و قد لا یلبس. (۵)

ان میں سے پہلا حاء مہملہ راء کے کسرہ جس کے بعد ثاء مثلثہ ہے، کے ساتھ الجارٹی ہے اور یہی نسبت صحیحین میں وارد ہوئی ہے انہی میں سے ابو امامہ الجارٹی صحابی ہیں۔ ان کی روایت مسلم کی کتاب الایمان میں ہے جس کے الفاظ ہیں: من اقتطع حق امری مسلم بيمينه الحدیث. دوسرے الجاری جیم اور راء کے بعد یاء نسبت کے ساتھ اور وہ سعید الجاری ہیں۔ امام مالک نے الموطأ میں زید ابن اسلم کے ذریعہ سعید الجاری مولی عمر بن الخطاب سے روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں: سألت ابن عمر عن الحیتان یقتل

۱- حدیث کے الفاظ ہیں: من اقتطع حق امری مسلم بيمينه، فقد أوجب الله له النار و حرم علیه الجنة فقال رجل وان كان شیناً یسیراً یا رسول الله ﷺ قال: وان كان قضیباً من أراك مسلم، کتاب الایمان، باب و عید من اقتطع حق مسلم بيمين، ۸۵/۱؛ الموطأ، کتاب الأفضیة، باب ماجاء فی الحث علی المنبر ۷۷۷

۲- الموطأ، کتاب الصيد، ماجاء فی صید البحر، اس اثر کے الفاظ ہیں: سألت عبدالله بن عمر عن الحیتان یقتل بعضها بعضاً او تموت سرداً. فقال: لیس بها بأس. قال سعد: ثم سألت عبدالله بن عمرو بن العاص، فقال مثل ذلك، ۳۱۰-۳۱۱

۳- ابن الصلاح، ۳۵۶

۴- عبداللہ بن مرہ الخارنی الحمدانی (م ۱۰۰ھ)۔ کوفہ کے ثقہ محدثین میں شمار ہوتے تھے۔ تقریباً ۳۳۹/۱

۵- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۱۲؛ حافظ عراقی نے التقیید میں اس موضوع پر زیادہ مفصل بات کی ہے۔ التقیید، ۳۵۲-۳۵۵

بعضہا بعضاً۔ صاحب المشارق کہتے ہیں اس کی نسبت اپنے دادا کی طرف ہے اور ابن الصلاح کا کہنا ہے کہ الجار کی طرف منسوب ہیں جن کے معنی مدینہ کے قریب جہازوں کی بندرگاہ ہیں۔ اور المر فا میم کے ضمہ راء کے سکون اور فاء کے فتح کے ساتھ ہمزہ ہے۔ الجوبہری کہتے ہیں ارفات السفینة کے معنی ہیں جہاز کو کتارے کے قریب لیا اور کہا کہ اس جگہ کو مر فا کہتے ہیں۔ علامہ ذہبی مشتبہ النسبة میں کہتے ہیں کہ الجار مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ابوعلی الجبائی نے اس مادہ میں اشتباہ کے سلسلے میں خاء عجمہ اور فاء بجائے تاء کے ذکر کیا ہے۔ ان میں عبداللہ بن مرہ الخارنی ہیں حالانکہ اس میں التباس کا امکان نہیں۔

### الحزامی و الحرامی

حافظ ابن الصلاح نے صرف الحزامی کو درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

الحزامی حیث وقع فیہا فہو بالزای غیر المهملة. (۱)  
الحزامی جیسا کہ واقع ہوا ہے وہ زای غیر مہملہ کے ساتھ ہے۔

حافظ عراقی نے دونوں پر لکھا ہے اور قدرے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فالاول بكسر الحاء المهملة و بالزای منہم ابراہیم بن المنذر الحزامی (۲) والضحاك بن عثمان الحزامی (۳) و غیر ہما، و قال ابن الصلاح: انه حیث وقع فیہا فہو بالزای غیر المهملة (۴) انتہی، و قولی: "سوی من ابہما فاختلفوا (۵) هو من الزیادات علی ابن الصلاح" ای سوی من وقع فی الصحیح و ابہم اسمہ فلم یسم بل فیہ فلان الحرامی فان فیہ خلافاً و ذلك فی صحیح مسلم فی او اخر الكتاب فی حدیث أبی الیسر (۶) قال: (كان لی علی فلان بن فلان الحزامی مال

۱- ابن الصلاح، ۳۵۷

۲- ابراہیم بن المنذر رابو اسحاق القرشی لآسدی الحزانی المدنی (م ۲۳۶ھ)۔ اپنے وقت کے اجل محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔ ناقدین نے انھیں ثقہ و صدوق قرار دیا۔ التاریخ الکبیر، ۳۳۱/۱/۱؛ تاریخ بغداد، ۱۷۹/۶؛ میزان الاعتدال، ۶۷/۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۶۸۹/۱۰

۳- ضحاك بن عثمان ابو عثمان الاسدی الحزامی، طبقہ سابقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ثقہ محدث تھے۔ تقریب، ۳۷۳/۱

۴- ابن الصلاح / ۳۵۷

۵- یہ الفیہ کے شعر کا حصہ ہے: فتح المغیث، ۲ / ۲۱۵

و انسب حزامیا سوی من ابہما فاختلفوا والحارثی لہما

۶- مسلم، الجامع، کتاب الزہد، باب حدیث جابر الطویل وقصة ابی الیسر، ۲۳۱/۸

فَأْتَيْتُ أَهْلَهُ) الحديث فقد اختلفوا في ضبط هذه النسبة فرواه أكثر الرواة كما قال القاضي عياض بحاء مهملة مفتوحة وراء، وعند الطبري الحزامي بكسرهما و بالزاي، وعند ابن ما هان الجذامي بضم الجيم و ذال معجمة. وقال ابن الصلاح في حاشية املاها على كتابه: لا يرد هذا لأن المراد بكلامنا المذكور ما وقع من ذلك في انساب الرواة، وكذا قال النووي في كتاب الارشاد وهذا ليس بجيد. لأن ابن الصلاح و تبعه النووي ذكرا في هذا القسم غير واحد ليس لهم في الصحيح ولا في الموطأ رواية بل مجرد ذكر كما تقدم إيضاحه في هذا الفصل فلذلك استثنيته. والثاني بفتح الحاء المهملة والراء وهو فلان بن فلان الحرامى المتقدم على رواية الأكثرين وعد أبو على الجياني في هذا القسم من ينسب الى بنى حرام من الانصار منهم جابر بن عبدالله بن عمرو بن حزم الحرامى (١) وجماعة سواهم، كذا ذكر ابو على وفيه نظر فاني لا أعلم في واحد من الصحيحين ورود هذه النسبة عند ذكره وانما تذكر اسماءهم غير منسوبة فلذلك لم أستدركه على ابن الصلاح، وقد ذكر صاحب المشارق فيما يشبه بهذه المادة (الجذامى) بضم الجيم وبالذال المعجمة فذكر فروة بن نعامة الجذامى (٢) وهو الذى اهدى النبى ﷺ بغلة وقد لا يلبس فلهذا لم أذكره. (٣)

پہلا حاء مہملہ کے کسرہ اور زائ کے ساتھ ہے۔ ان میں ابراہیم بن منذر الحزامی اور ضحاک بن عثمان الحزامی وغیرہا ہیں۔ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ یہ جیسے بھی واقع ہوا ہے زای کے ساتھ ہے اور میں نے جو کہا ہے کہ اس کے سوا جو بھی بہم واقع ہوا ہے اس میں اختلاف ہے۔

- ۱- جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن حزم الخزرجی، المدنی (م ۸۷ھ)۔ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بیعت رضوان میں شریک تھے۔ اپنے وقت میں مدینہ کے مفتی رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سولہ غزوات میں شریک رہے۔ تاریخ الكبير، ۱/۱۱/۲۰۷؛ تذکرة الحفاظ، ۱/۳۰؛ تہذیب، ۲/۳۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۳/۱۸۹
- ۲- فروہ بن نعامة الجذامی: کتاب المعرفة میں اس کے ہدیہ کا ذکر ہے۔ (۲/۳۲۷)
- ۳- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۱۵-۳۱۶

یہ ابن الصلاح پر اضافہ ہے یعنی اس کے سوا جو صحیحین میں واقع ہوا ہے اس کے نام میں ابہام ہے۔ اس کا نام نہیں لیا گیا بلکہ یہ کہا گیا فلان الحرامی تو اس میں اختلاف ہے۔ صحیح مسلم کے اخیر میں ابوالیسر کی روایت میں ہے۔ فلان بن فلان الحزامی کے ذمہ کچھ مال تھا تو میں اس کے گھر گیا۔ انھوں نے اس نسبت کے ضبط میں اختلاف کیا اور جیسا کہ قاضی عیاض نے کہا ہے اکثر راویوں نے اسے حاء مہملہ مفتوحہ اور راء کے ساتھ الحرامی روایت کیا ہے لیکن طبری کے نزدیک حاء کے کسرہ اور زای کے ساتھ الحزامی ہے۔ ابن ماہان کے نزدیک جیم کے ضمہ اور ذال معجمہ کے ساتھ ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے مذکورہ کلام سے مراد وہ ہے جو راویوں کی نسبتوں کے سلسلے میں واقع ہوا ہے اور امام نووی نے یہی بات الارشاد میں کہی ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ یہ اچھی بات نہیں ہے کیونکہ ابن الصلاح اور ان کی متابعت میں امام نووی نے اس قسم میں کئی لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کی صحیحین اور موطا میں کوئی روایت نہیں بلکہ مجرد ذکر ہے جیسا کہ اس فصل میں پہلے گزر چکا ہے۔ اس لیے میں نے استثناء کیا ہے۔

دوسرا حاء مہملہ اور راء کے ساتھ جیسے اکثر راویوں کے مطابق فلان بن فلان الحرامی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ابوعلی الجبائی نے اس قسم میں ان کو شامل کیا جو انصار کے قبیلہ بنو حرام سے منسوب ہیں۔ ان میں جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حزم الحرامی اور دوسرے کئی لوگ شامل ہیں۔ اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے کیونکہ میرے علم کے مطابق صحیحین کا کوئی ایک راوی بھی نہیں جو اس نسبت سے مذکور ہو۔ ان کے صرف نام بغیر نسبت کے وارد ہوئے ہیں لہذا میں نے ابن الصلاح کے کلام کی تصحیح نہیں کی۔ صاحب المشارق نے اس مادہ میں اشتباہ کے سلسلے میں جیم کے ضمہ اور ذال معجمہ کے ساتھ الجذامی کا ذکر کیا ہے اور اس کی مثال کے لیے فروہ بن نعامہ الجذامی کا نام لیا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے حضور اکرم ﷺ کو مادہ خچر ہدیہ کی تھی۔ حافظ عراقی کہتے ہیں: چونکہ اس سے التباس نہیں پیدا ہوتا اس لیے میں نے اسے بیان نہیں کیا۔

السُّلَمِيُّ وَ السَّلْمِيُّ

حافظ ابن الصلاح اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

السُّلَمِيُّ إِذَا جَاءَ فِي الْأَنْصَارِ فَهُوَ بَفَتْحِ السِّينِ نَسَبُهُ إِلَى بَنِي سَلِيمَةَ

ومنهم جابر بن عبد الله (١) و أبو قتادة (٢). ثم، ان أهل العربية يفتحون اللام منه في النسب كما في النمرى و الصدفي و بابهما و اكثر أهل الحديث يقولونه بكسر اللام على الاصل وهو لحن. (٣) السلمي جب انصار کے سلسلے میں آئے تو وہ سین کے فتح سے ہوگا۔ یہ ان کے قبیلہ بنی سلمہ کی طرف نسبت ہے۔ ان میں جابر بن عبد اللہ اور ابو قتادہ ہیں۔ عربی زبان کے ماہرین نسبت میں اسے لام کے فتح سے پڑھتے ہیں جیسے النمری، الصدفي اور اس جیسی نسبتیں۔ اکثر اہل حدیث اسے لام کے کسر سے پڑھتے ہیں لیکن عربیت کے لحاظ یہ غلطی ہے۔

امام نووی نے السلمي کا تذکرہ کیا ہے جو بنی سلیم کی طرف منسوب ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

و بضم السين و فتح اللام في النسبة الي بنى سليم. (٤)

سین کے ضم اور لام کے فتح سے نسبت قبیلہ بنی سلیم کی طرف۔

حافظ عراقی نے اسے الگ قسم کے طور پر نہیں لکھا، البتہ التقييد میں نسبتوں کے ذکر میں حافظ ابن الصلاح کی وضاحت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

و هذا لا يحسن جواباً لأن المصنف و تبعه النووي في مختصره قد ذكر في هذا القسم غير واحد ليس لهم في الصحيحين ولا في الموطأ رواية بل مجرد ذكر منهم بنو عقيل و بنو سلمة القبيلة. (٥) اور یہ اچھا جواب نہیں ہے اس لیے کہ مصنف اور ان کے اتباع میں نووی اپنی دونوں مختصر کتابوں میں اس قسم میں کئی ایسی نسبتوں کا ذکر کیا ہے جن کی کوئی روایت صحیحین اور موطاً میں نہیں ہے صرف ان کا ذکر آیا ہے جیسے بنو عقیل اور بنو سلمہ کے قبیلے۔

الهمدانی و الهمدانی

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

١- دیکھیے صفحہ ٣٥٢، حاشیہ ١

٢- ابو قتادہ الحارث بن ربیع الانصاری السلمي (م ٥٣٣ھ)۔ فارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ غزوہ احد اور بیعت رضوان میں شرکت کی۔ بقول خلیفہ بن خیاط حضرت علی نے انہیں مکہ کا گورنر مقرر کیا اور پھر معزول کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق کوفہ میں انتقال ہوا اور حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ التاریخ الكبير، ١/ ii/ ٣٥٩؛ الجرح والتعديل، ١/ ii/ ٤٣؛ سير اعلام، ٢/ ٣٢٩

٣- ابن الصلاح، ٣٥٤

٤- تدریب، ٢٤٨

٥- التقييد، ٢٠٥



ليس في الصحيحين و الموطأ الهمداني بالذال المنقوطة و جميع ما فيها على هذه الصورة فهو الهمداني بالذال المهملة و سكون الميم. وقد قال أبو نصر بن ماکولا: الهمداني في المتقدمين بسكون الميم أكثر و بفتح الميم في المتأخرين أكثر وهو كما قال. (۱)

صحيحين اور موطأ میں ذال منقوطة کے ساتھ الهمدانی نہیں آیا۔ اس صورت میں سب کچھ جو وارد ہوا ہے وہ ذال، مہملہ ميم ساکن کے الهمدانی آیا ہے۔ ابونصر بن ماکولانے کہا ہے کہ متقدمین کے ہاں ميم ساکن کے ساتھ اور متاخرین کے ہاں ميم کے فتح سے زیادہ آیا ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ابن ماکولانے جو کہا ہے ویسا ہی ہے۔

حافظ عراقی اس کی توضیح کرتے ہوئے مفصل لکھتے ہیں:

فالاول باسكان الميم و إهمال داله وهم المنسوبون إلى قبيلة همدان، وهو جميع ما في الموطأ والصحيحين. قال ابن الصلاح: وليس فيها الهمداني بالذال المنقوطة. (۲) قال صاحب المشارق: لكن فيها من هو من مدينة همدان ببلاد الجبل الا أنه غير منسوب في شيء من هذه الكتب، قال: الا أن في البخاري، مسلم بن سالم الهمداني (۳) ضبطه الأصيلي بسكون الميم بخط يده وهو الصحيح، قال: ووجدته في بعض النسخ للنسفي بفتح الميم و ذال معجمة وهو وهم وانما نسبه نهدي و يعرف بالجهيني لأنه كان نازلاً فيهم. وهذا الاسم وقع عند البخاري في كتاب الانبياء في ذكر ابراهيم في حديث كعب بن عجرة (۴) (الا اهدي لك هدية) (۵) و فيه حدثنا ابو فروة مسلم

۱- ابن الصلاح، ۳۵۷

۲- ايضاً، ۳۵۷

۳- مسلم بن سالم الهمدانی انہدی الوفردہ: کبار محدثین سے سماع کیا۔ شعبہ، سفیان ثوری، نظر بن خلیفہ وغیرہم نے ان سے سماع کیا۔ ابن معین اور ابو حاتم نے صالح الحدیث کہا جبکہ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ کتاب الثقات، ۳۹۵/۵؛

تہذیب التہذیب، ۱۱۸/۱۰؛ نسائی، السنن، کیف الصلاة علی النبی، ۳/۲۷؛ ابن ماجہ، السنن، کتاب

اقامة الصلوة، باب الصلوة علی النبی ﷺ، ۲۹۳/۱

۴- کعب بن عجرہ الانصاری الدنی، ابو محمد مشہور صحابی ہیں۔ ۹۰ سے اوپر عمر میں پچاس ہجری کے بعد وفات پائی۔ کتاب الثقات،

۳۵۱/۳؛ تہذیب التہذیب، ۱۳۵/۳

۵- بخاری، الجامع، کتاب الانبياء، ۱۱۸/۴؛ مسلم، الجامع، کتاب الصلوة، باب الصلوة علی النبی بعد التشهد

۱۶/۲؛ نسائی السنن، کتاب الصلوة باب کیف الصلاة علی النبی ﷺ، ۲/۳۷؛ ابن ماجہ، السنن، کتاب اقامة

الصلوة، باب الصلاة علی النبی ﷺ، ۲۹۳/۱

بن سالم الہمدانی، قال الجیانی، واراہ وھما، قال احمد بن حنبل :  
ابوفروة الہمدانی اسمہ عروہ و ابو فروة النھدی اسمہ مسلم بن  
سالم، قال : و كان ابن مھدی لا یفصل بین ھذین . و ھذا اللفظ فی  
الجملة وقع فی البخاری علی الوھم و لیس بھمدانی علی الرجھین  
معاً؛ وقد ذکر ابن ابی خیشمة حدیث البخاری ھذا فقال فیہ ابوفروة  
الجهنی وھو الصواب. (۱)

پہلا میم کے سکون اور وال مہملہ کے ساتھ ہے اور یہ قبیلہ ہمدان کی طرف منسوب ہے اور یہی  
سب کچھ ہے جو موطا اور صحیحین میں وارد ہوا ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ذال منقوطہ کے  
ساتھ کوئی نام صحیحین میں نہیں ہے۔ صاحب المشارق کہتے ہیں کہ اس میں ایسے اسماء ہیں  
جو بلاد جبل کے شہر ہمدان کے رہنے والے ہیں لیکن ان کتابوں میں کسی طرح کی نسبت کے  
بغیر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بخاری میں مسلم بن سالم الہمدانی وارد ہوا ہے۔ الاصلی نے اسے  
میم ساکن میں ضبط کیا ہے جو صحیح ہے۔ نسلی کے بعض نسخوں میں میم کے فتح اور ذال معجمہ سے  
منضبط کیا ہے اور یہ وہم ہے، فی الحقیقت اس کی نسبت نہدی ہے اور الجہنی کے طور پر معروف  
ہے کیونکہ ان کے ہاں مقیم تھا۔ یہ نام بخاری کے ہاں کتاب الانبیاء میں ابراہیم کے ذکر  
میں کعب بن عجرہ کی حدیث الا اھدی لك میں واقع ہوا ہے اور اس میں ہے: حدثنا ابو  
فروة مسلم بن سالم الہمدانی۔ الجیانی کہتے ہیں کہ میں اسے وہم سمجھتا ہوں۔ احمد بن  
حنبل کہتے ہیں: ابو فروة الہمدانی اسمہ عروہ و أبو فروہ النھدی اسمہ  
مسلم بن سالم فرماتے ہیں کہ ابن مہدی ان دونوں میں امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ اور بخاری  
میں یہ لفظ وہم کی بنا پر آیا ہے اور دونوں وجوہ پر معاً استعمال نہیں ہوا ہے۔ ابن ابی خیشمة نے  
بخاری کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں ابوفروہ الجہنی ہے اور یہی صحیح ہے۔

حافظ عراقی الہمدانی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میم کے فتح اور ذال معجمہ کے ساتھ الہمدانی ہے۔ ابوعلی الجیانی کہتے ہیں کہ ”ان میں ابو احمد المرار بن حمویہ  
الہمدانی (۲) ہے۔“ فرماتے ہیں کہ بخاری نے ابی غسان کے طریق سے ان سے کتاب الشروط میں روایت

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۱۶-۳۱۷؛ تدریب، ۴۷۹

۲- ابو احمد المرار بن حمویہ الہمدانی (م ۲۵۴ھ)۔ اپنے وقت کے اجل اہل علم سے استفادہ کیا۔ وسیع العلم تھے۔ حافظ بہترین تھا،  
ثقہ اور متدین تھے۔ صاحب سنت تھے، فقہ پر دسترس حاصل تھی۔ الجرح، ۳ / ۳۴۳؛ العبر، ۲ / ۷؛ شذرات،  
۱۲۹ / ۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۲ / ۳۰۸

درج کی ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ بخاری کے تمام نسخوں میں اس کی نسبت مذکور نہیں ہے۔ اکثر روایات میں حدثنا ابو احمد آیا ہے اور کنیت پر کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ ابو ذر کی روایت میں سند کے یہ الفاظ آئے ہیں: حدثنا ابو احمد مرار بن حمویہ اور اس کے المرار بن حمویہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ موسیٰ بن ہارون الحمال نے یہ حدیث بخاری کی روایت کی طرح مرار بن حمویہ عن ابی غسان محمد بن یحییٰ کے طریق سے روایت کی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ابو احمد المرار سے مختلف آدمی ہے۔ (۱)

علامہ ذہبی مشتبہ النسبہ میں کہتے ہیں کہ اکثر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اس قبیلے کی طرف منسوب ہیں اور اکثر متاخرین اس شہر کی طرف منسوب ہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ ان کا اور ان کا استیعاب ممکن نہیں۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ میں نے ذہبی کے نوشتہ میں پڑھا ہے کہ شیروہ یعنی ابن شہر دار الدیلمی نے تاریخ ہمدان میں وہم کی بنیاد ایک کثیر تعداد کو قبیلہ کی طرف منسوب کر کے شامل کر لیا ہے۔ حافظ عراقی نے اس سلسلے میں کئی ناموں کی تخریج کی ہے۔ (۲)

ابن الصلاح، عراقی، نووی اور سیوطی نے انہی ناموں پر اکتفا کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس فصل کے اختتام پر لکھتے ہیں:

هذه جملة لورحل الطالب فيها لكانت رحلة رابحة ان شاء الله تعالى،  
ويحق على الحديثي ايدا عها في سويداء قلبه، و في بعضها من خوف  
الانتقاض ما تقدم في الأسماء المفردة، وأنا في بعضها مقلد كتاب  
القاضي عياض و معتصم بالله فيه و في جميع امرى. (۳)

یہ ایک مجموعہ ہے اگر طالب اسی راہ پہ چلے گا تو ان شاء اللہ یہ سود مند سفر ہوگا اور حدیث کے طالب پر لازم ہے کہ وہ اسے مقدم الذکر اسماء مفردہ میں بعض کے معدوم ہونے کے خوف سے انہیں اپنے دل کی گہرائی میں محفوظ رکھے۔ میں بعض اسماء کے سلسلے میں قاضی عیاض کی کتاب کا مقلد ہوں اور اس معاملے میں اور تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔

اہم تصانیف

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر صاحب نظر محدثین نے کتابیں لکھی ہیں۔ ان پر ایک مختصر مفید تبصرہ حافظ عراقی نے لکھا ہے اور قدرے جامع انداز میں حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے۔ دونوں بیانات میں معلومات مشترک ہیں البتہ دونوں مصنفوں نے اپنی اپنی تالیفات کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم پہلے حافظ عراقی کا بیان نقل کرتے ہیں:

۱- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۱۷

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۱۷-۳۱۸

۳- ابن الصلاح، ۳۵۷

وصنف فيه جماعة من الحفاظ كتباً مفيدة وأول من صنف فيه عبد الغنى (۱) بن سعيد ثم شيخه الدار قطنى، وقد تقدم، ان اكمل ما صنف فيه الا كمال لابی نصر بن بن ماکولا (۲) و ذیل علیه الحفاظ ابوبکر بن نقطة (۳) بذیل مفید. ثم ذیل علی ابن نقطة بذیلین صغیرین احدهما للحافظ جمال الدین بن الصابونى والآخر للحافظ منصور بن سلیم المعروف بابن العمادية، وقد ذیل علیهما الحفاظ علاؤ الدین مغلطائی بذیل کبیر لکن اکثره أسماء شعراء و فی أنساب العرب، و جمع فيه الحفاظ أبو عبدالله الذهبى مجلداً سماه مشتبه النسبة و لكنه اجحف فی الاختصار و اعتمد علی ضبط القلم فلا يعتمد علی کثیر من نسخه، وقد فات جميع ما صنف فيه الفاظ کثیرة علق منها جملة و ان یسر الله تعالى جمعها مع ما تقدم فی مجموع و احد لیكون أسهل لتناولها إن شاء الله تعالى. (۴)

حفاظ کی ایک جماعت نے اس فن میں مفید کتابیں تصنیف کی ہیں۔ سب سے پہلے جس شخص نے اس علم میں تصنیف پیش کی وہ عبد الغنی بن سعید ہیں، ان کے بعد ان کے شیخ دارقطنی نے لکھا۔ اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اس میں سب سے زیادہ مکمل تصنیف ابونصر بن ماکولا کی ہے۔ اس پر ابوبکر بن نقطہ نے مفید ذیل لکھی۔ پھر ابن نقطہ کی ذیل پر دو مختصر اور ذیل لکھی گئیں۔ ان میں سے ایک جمال الدین ابن الصابونی کی ہے اور دوسری حافظ منصور بن سلیم المعروف بابن العمادیہ کی ہے۔ اس پر حافظ علاؤ الدین مغلطائی نے بڑی ذیل لکھی لیکن اس کا بڑا حصہ

- ۱- عبد الغنی بن سعید ابو محمد الازدی البصری (م ۴۰۹ھ)۔ اپنے وقت کے حدیث میں امام تھے۔ بہترین حافظ کے مالک ثقہ، مامون اور متدین تھے۔ کئی کتب تالیف کیں۔ وفیات، ۳ / ۲۲۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۱۰۴۷؛ شذرات، ۳ / ۸۸؛ سیر اعلام، ۱۷ / ۲۶۸
- ۲- ابونصر بن ماکولا، علی بن ہدیۃ اللہ (م ۴۷۵ھ)۔ فنون حدیث میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ بہترین ناقد و نسب کے ماہر تھے۔ کئی اہم کتب کے مؤلف تھے۔ علماء کے گھروں پر جا کر سماع کرتے۔ طلب علم کے لیے سفر بھی کیے۔ حدیث میں مہارت کے ساتھ ادب پر بھی دسترس حاصل تھی۔ وفیات، ۳ / ۳۰۵؛ شذرات الذهب، ۳ / ۳۸۱؛ سیر اعلام، ۱۸ / ۵۶۹
- ۳- ابوبکر بن نقطہ، محمد بن عبد الغنی البغدادی الحسینی (م ۶۲۹ھ)۔ ثقہ اور متقن محدث تھے۔ عفت و دیانت کا پیکر تھے۔ کئی کتب تالیف کیں۔ وفیات الأعیان، ۴ / ۳۹۲؛ شذرات، ۵ / ۱۳۳؛ سیر اعلام، ۲۲ / ۳۴۷
- ۴- فتح المغیث، ۴ / ۳۹۱؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۲۱-۲۲۲

شعراء کے اسماء اور انساب العرب پر مشتمل ہے۔ حافظ ابو عبد اللہ الذہبی نے اس موضوع پر ایک جلد لکھی جس کو مشتبہ النسبہ کا نام دیا لیکن وہ اختصار کی طرف مائل رہے اور قلم کے ضبط پر اعتماد کیا۔ لہذا اس کے زیادہ نسخوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اور جو لکھا گیا ان میں بہت سے ناموں کو چھوڑ دیا۔ ان میں سے کچھ پر میں نے تعلق کی ہے اگر اللہ نے سہولت میسر کی تو میں نے ایک مجموعہ میں وہ سب کچھ جمع کر دیا ہے جو پہلے لکھا جا چکا ہے تاکہ اس کا حصول آسان ہو۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کے متعلق ابو احمد عسکری نے ایک کتاب لکھی لیکن اسے اپنی تصنیف التصحیف کے ساتھ ضم کر دیا۔ اس لیے عبدالغنی بن سعید نے ایک مستقل کتاب لکھی۔ اس کتاب کے انھوں نے دو حصے قرار دیے ایک حصہ میں مشتبہ الاسماء ذکر کیے اور دوسرے میں مشتبہ النسبہ۔ عبدالغنی کے شیخ دارقطنی نے بھی اس کے متعلق ایک جامع کتاب لکھی پھر خطیب نے اس کا تامل لکھا۔ پھر ان تمام کتب کو ابو نصر ما کولانے اپنی کتاب کساب الاکمال میں جمع کر دیا اور اس مستقل کتاب میں پچھلے مصنفین کے فرد گزشتہ امور کا ذکر کیا اور ان کے تمام اوہام کو بھی نہایت وضاحت سے بیان کیا۔ ابو نصر کی تالیف چونکہ تمام سابقہ کتابوں پر محیط تھی اس لیے ان کے بعد آنے والے محدثین کا اس پر اعتماد رہا۔ ابو نصر کی کتاب سے پہلے جو امور رہ گئے تھے یا ان کے بعد واقع ہوئے ان کی تلافی ابو بکر بن نقطہ نے ایک ضخیم جلد میں کر دی پھر منصور بن سلیم اور ابو حامد بن صابونی نے اس کا تامل لکھا۔ علامہ ذہبی نے بھی اس کے متعلق ایک نہایت مختصر کتاب لکھی مگر حرکات و سکنات اور نقاط کا ضبط صرف علامات سے کیا گیا تھا اس لیے اس میں بکثرت تصحیف اور غلطیاں ہو گئیں جو موضوع کتاب کے خلاف ہے۔ مگر میں نے بتوفیق باری تعالیٰ اپنی کتاب مسمی بتبصیر المنتبه بتحریر المشتبہ میں اس کی توضیح کر دی اور عمدہ طریقے سے اسماء وغیرہ کو حروف سے منضبط کر دیا اور جو امور ذہبی نے نظر انداز کیے یا جن پر ان کو اطلاع نہیں ہوئی ان کو بھی اس کے ساتھ ضم کر دیا۔ واللہ الحمد علی ذلك۔ (۱)

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس فن کی تین اہم کتابیں طلبہ حدیث کے سامنے ہیں:

## ۱- الإكمال فی رفع عارض الإرتیاب عن المؤتلف والمختلف فی الأسماء والکنی والأنسب

یہ کتاب جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ابن ما کولابی نصر علی بن ہبہ اللہ بن علی التمیمی البغدادی (م ۴۷۵ھ) کی ہے۔ انھوں نے خطیب بغدادی، دارقطنی اور عبدالغنی سعید الأزدی کی تالیفات میں جو اشکالات اور کمی تھی اس کو دور کیا۔ وہ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

آثرت ان اعمل فی هذا الفن کتاباً جامعاً لما فی کتبهم وما شد عنها  
 وأسقط ما لا يقع الإشکال فیہ مما ذکره ، وأذکر ما وهم فیہ أحدہم  
 علی الصحة. (۱)

میں نے پختہ ارادہ کیا کہ میں اس فن میں ایک ایسی کتاب لکھوں جو پہلی کتابوں میں موجود اور  
 متروک کی جامع ہو اور ان مذکورہ اسماء کو چھوڑ دوں جن میں اشکال نہیں ہے۔ نیز ان کو صحیح طور  
 پر ذکر کروں جن کے بارے میں کسی ایک کو بھی وہم ہوا ہے۔

انہوں نے کتاب کو حروف معجم کے مطابق مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ضبط اسماء کے ساتھ معجم رجال بھی ہے۔ اہل  
 علم نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور تعریف کی۔ ابن خلکان کا کہنا ہے:

هو فی غاية الافادة فی رفع الإلتباس والضبط والتقیید و علیہ اعتماد

المحدثین... فانہ لم یوضع مثله. (۲)

ابن العماد کہتے ہیں: ما یحتاج الأمير مع هذا الكتاب إلى فضیلة أخرى. (۳)

ابن کثیر فرماتے ہیں:

خطیب نے دارقطنی کی المؤتلف والمختلف اور عبدالغنی ازوی کی مشتبہ النسبة کو سامنے رکھ کر  
 المؤتلف فی تکملة المؤتلف والمختلف تحریر کی (۴)۔ ابن ماکولانے اس پر مفید اضافے کر کے الاکمال  
 کے نام سے کتاب تحریر کی۔ اس فن پر اس طرح کی کتاب نہ پہلے لکھی گئی نہ بعد میں سوائے ابن نقطہ کے استذراک کے  
 جو انہوں نے اس پر کیا ہے۔ (۵)

ذہبی کہتے ہیں: کتاب نفیس یدل علی تبحر ابن ماکولا و امامتہ (۶)

الکتانی لکھتے ہیں:

یہ کتاب علامہ عبدالرحمن بن یحییٰ المعلمی یمانی کی تحقیق سے حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ ابن ماکولانے اپنی  
 اس کتاب کی تکمیل تہذیب مستمر الأوهام علی ذوی المعرفة و اولی الافہام لکھ کر کی۔ یہ بھی شائع ہو چکی ہے۔

۱- الاکمال، ۲/۱

۲- وفيات الاعیان، ۲/۳۶۶؛ الرسالة، ۹۷

۳- شذرات، ۳/۳۸۱-۳۸۲؛ الرسالة، ۹۷

۴- سیر اعلام، ۱۸/۲۹۱، حاشیہ، ۸؛ ۱۸/۵۷۳؛ الرسالة المستطرفہ، ۹۷

۵- البدایہ والنہایہ، ۱۲/۵۹۵-۵۹۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۳۱-۲۳۲

۶- تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۳۰۳



اہل علم نے اس کتاب کی مختلف پہلوؤں سے خدمت کی۔ ابو بکر محمد بن نقطہ (م ۶۲۹ھ) ایک ذیل مشتبه الأسماء والنسب اور تکملة الاكمال کے عنوان سے ذیل تحریر کیے۔ اس میں ابن ماکولا کی کتاب پر بعض استدراکات ہیں۔ (۱) ابن النجار البغدادی (م ۶۳۳ھ) نے بھی ایک ذیل لکھا۔ (۲)

وجیہ الدین ابوالمنظف منصور بن سلیم الاسکندرانی (م ۶۷۳ھ) نے ابن نقطہ کے ذیل پر ایک ذیل مرتب کیا۔ (۳) ابو حامد محمد علی الصابونی (م ۶۸۰ھ) نے بھی ابن نقطہ کی مذکورہ بالا کتاب پر تکملة اكمال تالیف کیا جو تراجم ابن نقطہ سے رہ گئے تھے یا ان کی وفات کے بعد سامنے آئے انھوں نے اس ذیل میں شامل کیے (۴)۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں راویان حدیث کے علاوہ مختلف اصناف کے افراد مثلاً شعراء، اطباء، وزراء، امراء وغیرہ کو بھی شامل کیا۔ لیکن غالب تعداد روایہ حدیث کی ہے۔ تکمله اكمال الاكمال کی ترتیب حروف معجم پر ہے۔ علاء الدین مغلطائی (م ۷۶۲ھ) نے ایک ضخیم ذیل مرتب کیا جو مذکورہ بالا ذیول کا جامع ہے۔ اس میں زیادہ تر شعراء اور انساب کا ذکر ہے۔ (۵) ابو عبد اللہ محمد بن محمود البخاری، مستغفری، ابن الفرضی وغیرہ نے بھی ذیول مرتب کیے۔ (۶)

## ۲۔ المشتبه فی الرجال: اسمائهم و انسابهم

اس کتاب کے مولف ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م ۷۴۸ھ) ہیں۔ اسماء الرجال پر ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ اس کتاب کو انھوں نے مشتبه راویوں کے لیے مختص کیا ہے۔ کتاب کو حروف معجم پر مرتب کیا۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں اس فن پر لکھی گئی ماقبل کتب سے استفادہ کیا، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ ماقبل کتب کا خلاصہ ہے۔ (۷) مولف خود لکھتے ہیں انّ العمدة فی مختصری هذا علی ضبط القلم... فاتقن - یا اخی - نسختک، واعتمد علی الشكل، والنقط، ولا بد، وآلا، لم تصنع شیئاً (۸)۔

مولف نے کتاب میں کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔ مشتبه اسماء انساب میں حروف کی حرکات و سکنات اور نقاط کا

- ۱- سیر اعلام، ۳۳۸/۲۲، فتح المغیث للسخاوی، ۲۳۲/۳؛ شذرات، ۱۳۳/۵؛ الرسالة، ۹۷
- ۲- سیر اعلام النبلاء، ۱۳۳/۲۳
- ۳- ایضاً، ۵۶۹/۱۸، حاشیة، ۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲۳۲/۳
- ۴- فتح المغیث للسخاوی، ۲۳۲/۳؛ الرسالة، ۹۷
- ۵- ایضاً، ۲۳۲/۳؛ ایضاً، ۹۸
- ۶- ایضاً، ۲۳۲/۳؛ ایضاً، ۹۸
- ۷- الرسالة، ۹۹
- ۸- المشتبه، مقدمة، ۲/۱

ضبط علامات سے کیا ہے۔ جس کی وجہ سے اسماء کا اشتباہ دور نہیں ہو سکا۔ علاوہ ازیں کتاب نہایت مختصر ہے، لہذا محقق کو مطلوبہ مشتبہ راوی کتاب میں ملتا ہی نہیں یا وہ اس سے بآسانی استفادہ نہیں کر سکتا۔ (۱)

ان کمزوریوں کے باوجود اس کتاب نے بعد میں اس موضوع پر لکھنے والوں کے لیے راہ کھولی، انھوں نے مختصر کی تفسیر بیان کی، جو راوی رہ گئے تھے ان کا ذکر کیا اور اسماء کو منضبط کیا۔

کتاب کی افادیت کے پیش نظر بعض اہل علم نے اس کی ذیول لکھے۔ امام ذہبی کے شاگرد تقی الدین محمد بن رافع سلامی (م ۷۷۷ھ) نے ایک مختصر رسالے میں اس پر استدراک کیا۔ (۲)

ذہبی کی کتاب پر مفید تعلیقات لکھے گئے۔ محمد بن ناصر الدین الدمشقی (م ۸۴۲ھ) نے اپنی کتاب توضیح المتشبه فی اسماء الرجال میں ذہبی کی فرد گزاشتوں کی تلافی کی۔ وہ نام کو حروف کے ذریعے پوری احتیاط سے ضبط کرتے ہیں اور روایات کے بارے میں معلومات میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔ وہ ذہبی کے اوہام کی بڑے سلیقے اور منطقی انداز میں دلائل کے ساتھ تصحیح کرتے ہیں۔ اپنے ماخذ و مصادر اور ذہبی کے مصادر اور جن لوگوں نے وہم میں ذہبی کی پیروی کی اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ (۳)

ذہبی نے تراجم میں نسبتوں کو مطلق بیان کیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ یہ نسبت کس جد، قبیلے، شہر، پیشہ کی طرف ہے۔ ابن ناصر الدین نے اس کی تلافی بھی کی ہے۔ یہ کتاب مطبوع ہے۔

ابن ناصر الدین ہی نے ایک اور کتاب الاعلام بما وقع فی مشتبہ الذہبی من الأوہام لکھی۔ (۴) یہ کتاب ان کی درج بالا ضخیم کتاب کا اختصار ہے تاکہ استفادہ میں سہولت ہو۔ اس اختصار کا ایک اور پہلو مؤلف کے سامنے یہ تھا کہ مشتبہ راویوں کے ناموں کی وضاحت حروف سے منضبط کر دی جائے اور جو اوہام ہیں ان کو مختصر بیان کر دیا جائے۔

### ۳۔ تبصیر المنتبہ بتوضیح المشتبہ

اس کتاب کے مؤلف حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) ہیں۔ کتاب کے آغاز میں وجہ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذہبی کی کتاب المشتبہ اس کی تحریر کا باعث بنی۔ کیونکہ ذہبی کی کتاب کئی پہلوؤں سے کمزور ہے، مثلاً انھوں نے مشتبہ ناموں کو حروف کے بجائے حرکات و علامات سے ضبط کیا جس کی وجہ سے ضبط میں خلل

۱- الرسالة المستطرفة، ۹۹: خلیفہ کہتے ہیں اعتمد فیہ علی ضبط القلم فکثر فیہ الغلط والتحریر کشف الظنون، ۱۶۹۱/۲

۲- تبصیر المنتبہ، مقدمہ، ۱/۱؛ الرسالة، ۹۹؛ صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے شائع ہوا۔

۳- کشف الظنون، ۱۶۹۱/۲؛ الرسالة، ۹۹

۴- الرسالة المستطرفة، ۹۹: یہ کتاب مکتبۃ العلوم والحکم سے شائع ہو چکی ہے۔

پڑ گیا، نیز انھوں نے کتاب کو نہایت مختصر کر دیا۔ ہر باب میں چند ناموں کا ذکر کرنے کے بعد بے شمار ناموں کو چھوڑ دیا۔ رواۃ کے حالات جو ان کی دیگر کتب میں تھے وہ بھی اس میں شامل نہ کیے (۱)۔

ابن حجر نے اپنی اس کتاب میں ذہبی کی کمزوریوں کی تلافی کرنے کی کوشش کی ہے۔ مشکل اسماء اور کلمات کو حروف کے ذریعے ضبط کیا، مشتبہ ناموں کی تفصیل بیان کی اور کچھ نئے تراجم بھی اس میں شامل کیے۔ وہ اپنی کتاب میں بڑی عمدگی سے زمانہ جاہلیت کے شہسواروں اور شعراء وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بقول ان کے یہ نام عموماً کتب مغازی، سیرت، نسب اور تاریخ کی کتب میں وارد ہوئے ہیں، لہذا ان ناموں کو ضبط کیا ہے۔ ذہبی کی عبارت پر اضافے کو قاری پر واضح کرنے کے لیے ابتدا میں قلت اور آخر میں انتھی کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

یہ اس فن پر جامع کتاب ہے۔ مشتبہ ناموں کے بارے میں شرح صدر ہو جاتا ہے۔ علی محمد بجاوی کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔



## المتشابه

حافظ ابن حجر نے المتشابه کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وان اتفقت الأسماء خطأً ونطقاً واختلفت الآباء نطقاً مع ائتلافها خطأً  
 كمحمد بن عقيل (١) بفتح العين و محمد بن عقيل (٢) بضمها. الاول  
 نيسابوري و الثاني فريابي وهما مشهوران و طبقتهما متقاربة  
 أو بالعكس كأن تختلف الأسماء نطقاً و تألف خطأً و تتفق الآباء  
 خطأً و نطقاً كشریح ابن النعمان (٣) و سريج بن النعمان (٤). الاول  
 بالسين المعجمة و الحاء المهملة و هو تابعی یروی عن علی و الثاني  
 بالسين المهملة و الجيم و هو من شیوخ البخاری فهو النوع الذي  
 يقال له المتشابه. و كذا ان وقع ذلك الاتفاق في الاسم و اسم الأب و  
 الاختلاف في النسبة. (٥)

اگر راویوں کے نام خط اور تلفظ میں متفق ہوں مگر ان کے آباء کے نام بلحاظ تلفظ مختلف ہوں اور  
 بلحاظ خط متفق ہوں جیسے محمد بن عقیل عین کے فتنہ سے اور محمد بن عقیل عین کے ضمہ سے، پہلے

- ١- محمد بن عقیل النسیابوری ابو عبد اللہ (م ۲۵۷ھ) حاکم نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ شرف و عزت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ نسائی اور ابن حبان نے ان کو ثقافت میں شمار کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳۰۰/۹
- ٢- میسر مصادیر میں نہ مل سکا۔
- ٣- شرح ابن النعمان الصائدی الکوفی علی سے روایت کی اور ان سے اس کے بیٹے سعید، سعید بن عمرو بن اشوع اور ابواسحاق السہمی نے روایت کی۔ وہ ایک بہت سچے انسان (صدوق) تھے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر الثقات میں کیا ہے ابوحاتم کہتے ہیں: ما اقرب حدیثہ ولا یحتج بہ ابن سعد کے بقول لقیل الحدیث تھے۔ التاريخ الكبير، ۲/۱۱/۲؛ ۲۲۹؛ تہذیب التہذیب، ۳۹۰/۳
- ٤- سرج بن النعمان بن مروان اللؤلؤی البغدادی ابوالحسین (م ۲۱۷ھ) انھیں ابوالحسن بھی کہا جاتا ہے۔ اصلاً خراسان سے تعلق تھا۔ لیخ بن سلیمان اور حماد بن وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ المعجمی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ جنبل بن اسحاق کے بقول ۲۱۷ھ میں وفات پائی۔ التاريخ الكبير، ۲/۱۱/۲؛ ۲۵۵؛ کتاب الثقات، ۳۰۶/۸؛ تاریخ بغداد، ۲۱۷/۹
- میر اعلام، ۲۱۹/۱۰؛ تہذیب التہذیب، ۳۹۷/۳
- ٥- نزہة النظر، ۶۹

نیسا پوری ہیں اور دوسرے فریابی۔ دونوں مشہور ہیں اور دونوں کے طبقے قریب قریب ہیں یا برعکس ہو کہ راویوں کے نام بلحاظ تلفظ مختلف اور بلحاظ خط متفق ہوں اور ان کے آباء کے نام خط و تلفظ میں متفق ہوں۔ جیسے شریح بن النعمان اور سرتج بن النعمان۔ اول شین معجمہ اور حاء مہملہ سے تابعی ہیں اور علیؑ سے روایت کرتے ہیں۔ دوم سین مہملہ اور جیم معجمہ سے بخاری کے شیخ ہیں۔ ایسے اسماء کو مشابہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر راویوں کے اور ان کے آباء کے ناموں میں تلفظ اور خط ایک جیسے ہوں مگر ان کی نسبتوں میں تلفظ کا اختلاف اور خط کا اتفاق ہو تو اسے بھی تشابہ کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح کے ہاں ”نوع یترب من النوعین اللذین قبلہ“ کا عنوان ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وهو أن يوجد الاتفاق المذكور في النوع الذي فرغنا منه آنفاً في إسمي شخصين أو كنيتهما التي عرفا بها و يوجد في نسبهما أو نسبتهما الاختلاف والاتلاف المذكوران في النوع الذي قبله، أو على العكس من هذا بأن يختلف و ياتلف اسماهما و يتفق نسبتهما أو نسبهما اسماً أو كنيةً. (۱)

اور وہ یہ ہے کہ وہ اتفاق جو اس نوع میں مذکور ہے جس سے ہم ابھی فارغ ہوئے ہیں، دو شخصوں کے نام یا ان کی معروف کنیتوں میں پایا جائے اور ان کے نسب یا نسبت میں وہ اختلاف و اتلاف پایا جائے جس کا ذکر اس سے پہلی نوع میں ہوا ہے۔ یا اس کے برعکس اس طرح ہو کہ ان کے ناموں میں اختلاف و اتلاف ہو لیکن نسبت اور نسب میں نام اور کنیت میں اتفاق ہو اور متلف و مختلف سے وہ اسماء بھی ملحق ہیں جو متقارب اور مشابہ ہیں اگرچہ وہ خطی صورت میں بعض حروف میں مختلف ہوں۔

علامہ سیوطی نے تقریب کی عبارت کو واضح کرتے ہوئے لکھا:

وهو أن يتفق أسماءهما أو نسبهما في اللفظ و الخط و يفرقا في الشخص، و ياتلف و يختلف ذلك في أسماء أبيهما بأن ياتلفا خطأ و يفرقا لفظاً أو عكسه بأن ياتلف اسماهما خطأ و يختلفا لفظاً، يتفق اسماء أبيهما لفظاً و خطأ، أو نحو ذلك بأن يتفق الاسمان أو الكنيتان و ما أشبه ذلك (۲) تشابہ یہ ہے کہ ان کے نام اور نسب میں لفظاً اور خطاً اتفاق ہو لیکن شخصیتیں مختلف ہوں اور ان

۱- ابن الصلاح، ۳۶۵؛ الايضاح و التقييد، ۳۶۲؛ فتح المغيث للعراقي، ۳ / ۳۲۶

۲- تدریب الراوی، ۳۹۰

کے والدوں میں اختلاف و اختلاف ہو اس طرح کہ خط میں مؤلف ہوں اور لفظ میں مفترق یا اس کے برعکس کہ ان کے نام خط کے لحاظ سے مختلف ہوں اور لفظ میں مختلف ہوں اور ان کے والدوں کے ناموں میں لفظاً اور خطاً اتفاق ہو۔ یا اس طرح کہ ان کے نام اور کنیتیں متفق ہوں اور اس سے مشابہ صورتیں۔

مثالیں

حافظ ابن حجر نے جو مثالیں دی ہیں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے اور ان کے تتبع میں حافظ عراقی، امام نووی اور علامہ سیوطی نے جو مثالیں دی ہیں انھیں ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح نے انھیں دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

قسم اول:

نام و کنیت میں اتفاق اور نسب و نسبت میں اختلاف و اختلاف۔

۱۔ نسب میں اختلاف و اختلاف

موسیٰ بن علی (۱) عین کے فتح سے اور موسیٰ بن علی بضم العین۔ (۲)

۱۔ ابن الصلاح، ۳۶۵، ۳۶۶: موسیٰ بن علی نام کے کئی لوگ ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں: فمن الاول جماعة منهم ابو عيسى الختلى (بغداد مضمومة و مئاة ثقبلة مضمومة ايضاً المشبه، ۳۶۶) امام نووی کثیروں کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ تقریب مع تدریب، ۳۹۰۔ حافظ عراقی کہتے ہیں: وهم جماعة متاخرون ليس في الكتب الستة منهم احد الا في تاريخ البخاري ولا في كتاب ابن ابي حاتم الا الثاني في الذي فيه الخلاف منهم موسى بن علي ابو عيسى الختلى۔ (فتح المغيث للعراقي، ۳/۳۳۶) حافظ سیوطی نے التقييد سے حافظ عراقی کی مذکورہ کتب پر ابن ابی خيثمة، حاکم، ابن يونس، ابو نعیم، ثقات ابن حبان، طبقات ابن سعد، کامل ابن عدی کا اضافہ کیا ہے۔ (تدریب، ۳۹۰) حافظ عراقی نے موسیٰ بن علی نام کے سات افراد کا ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے: فهو لاء المذکورون في تواريخ الاسلام من الشرق والغرب إلى زمن ابن الصلاح لم يبلغوا حد الكثرة. فوصف الشيخ محي الدين رحمه الله لهم بانهم كثيرون فيه تجوز والله اعلم. (التقييد والايضاح، ۳۱۸-۳۱۹)

۲۔ موسیٰ بن علی بن رباح اللخمي المصري ابو عبد الرحمن (م ۱۶۳ھ) "علی" اہل مصر عین کے فتح سے اور اہل عراق عین کے ضم سے پڑھتے ہیں، اپنے والد، زہری، ابن المنکدر اور دوسرے کئی لوگوں سے روایت کی اور ان سے اسامہ بن زید اللیش (وہ ان سے عمر میں بڑے تھے) ابن لہیعہ الليث اور دوسرے کئی لوگوں نے روایت کی۔ احمد، ابن معین العجلی اور نسائی نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں: كان رجلاً صالحاً يتقن حديثه لا يزيد ولا ينقص، صالح الحديث و كان من ثقات المصريين. الساجی کہتے ہیں کہ وہ صدوق تھے چھ سال سے زیادہ مصر کے والی رہے۔ التاريخ الكبير، ۳/۳۸۹؛ تهذيب التهذيب، ۱۰/۳۲۳-۳۲۴؛ شذرات، ۱/۲۵۸



## ۲۔ نسبت کا اختلاف

محمد بن عبداللہ الحزرمی (۱) بضم المیم الاولی و کسر الراء المشددة مشہور صاحب حدیث نسبت بغداد کے محلہ محرم کی طرف اور محمد بن عبداللہ الحزرمی (۲) بفتح المیم اسکان الخاء المعجمة غیر مشہور ہیں۔ امام شافعی سے روایت کی (۳) اور ان سے عبدالعزیز بن محمد بن الحسن بن زبالہ نے روایت کی۔

## ۳۔ کنیت میں اتفاق اور نسبت میں اختلاف و اختلاف

ابوعمر و الشیبانی (۴) اور ابوعمر و السیبانی (۵) دونوں تابعی ہیں دونوں میں فرق شین اور سین کا ہے۔ پہلے کا نام سعد بن ایاس ہے اور ان کے ساتھ کنیت میں ابوعمر و الشیبانی اللغوی کو اشتراک حاصل ہے جن کا نام اسحق بن مرار ہے۔ دوسرے کا نام زرعه ہے اور وہ یحییٰ بن ابی عمر و السیبانی الشامی کے والد ہیں۔ تابعی محضرم ہیں۔ بخاری نے ان کی عقبہ بن عامر پر موقوف حدیث نقل کی ہے۔ امام اوزاعی کے چچا ہیں۔ (۶)

۳۔ صورت کے اختلاف کے باوجود جہاں تقارب اور اشتباہ واقع ہوتا ہے۔

اس کی مثال ثور بن یزید الکلاعی الشامی (۷) اور ثور بن زید الدیلی (۸) المدنی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے امام مالک روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث صحیحین میں ہے اور اول الذکر کی حدیث مسلم میں ہے۔ (۹)

- ۱۔ محمد بن عبداللہ ابن المبارک ابو جعفر القرشی البغدادی الحزرمی الحافظ قاضی حلوان (م ۲۵۳ھ) ابو معاویہ الضریر، یحییٰ القطان اور ابن مہدی وغیرہم سے روایت کی۔ بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابوحاتم وغیرہم نے ان سے روایت کی۔ ابوحاتم نے نسائی اور دارقطنی نے ثقہ کہا۔ تہذیب التہذیب، ۹ / ۲۳۳-۲۳۴؛ تاریخ بغداد، ۵ / ۳۲۲؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲ / ۵۹
- ۲۔ محمد بن عبداللہ الحزرمی، ابن ماکولا کہتے ہیں کہ شاید وہ محرم بن نوفل کی اولاد میں سے ہیں۔ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۲۷
- ۳۔ ابن الصلاح، ۳۶۶
- ۴۔ ابوعمر و سعد بن ایاس الشیبانی الکلونی التابعی محضرم (م ۹۸ھ) حضرت علی داہن مسعود وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے منصور اور اعمش وغیرہ نے روایت کیا۔ مؤلفین کتب ستہ نے ان کی روایت کو لیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا۔ التاریخ الکبیر، ۲ / ii / ۱۱۳؛ تہذیب التہذیب، ۳ / ۳۶۸؛ شدرات الذهب، ۱ / ۱۱۳؛ سیر اعلام، ۳ / ۱۷۳
- ۵۔ ابوعمر و السیبانی الشامی القسطنطینی کا نام زرعه تھا۔ امام اوزاعی کے چچا تھے۔ کہا صحابہ سے روایت کیا۔ ان سے ان کے بیٹے یحییٰ اور عمر بن عبدالملک وغیرہ نے روایت کیا۔ ان کا شمار ثقہ تابعین میں ہوتا ہے۔ بخاری، کتاب الکنی، ۵۳، تہذیب التہذیب، ۱۳، ۱۳۳
- ۶۔ ابن الصلاح، ۳۶۷
- ۷۔ ثور بن یزید الکلاعی ابو یزید (م ۱۵۳ھ) اپنے وقت کے ممتاز محدثین سے روایت کیا۔ ان سے روایت کرنے والوں میں سفیان ثوری، ابن المبارک ابو عامر الثمیل ایسے چوٹی کے محدثین ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عقیدہ قدر کے قائل تھے بعد میں رجوع کر لیا تھا۔ ثقہ محدث تھے فقہ پر دسترس تھی۔ تاریخ خلیفہ، ۳۲۷؛ التاریخ الکبیر، ۱ / i / ۱۸۱؛ میزان الاعتدال، ۱ / ۳۷۳؛ سیر اعلام، ۶ / ۳۳۳
- ۸۔ ثور بن زید الدیلی مولا ہم المدنی (م ۱۳۵ھ) عکرمہ، حسن بصری ایسے ممتاز اہل علم سے روایت کیا۔ احمد، ابوحاتم، ابن معین وغیرہم نے ثقہ قرار دیا۔ ابن عباس سے مرسل روایات کیں۔ التاریخ الکبیر، ۱ / i / ۱۸۱؛ الجرح، ۱ / i / ۳۶۸؛ میزان الاعتدال، ۱ / ۳۷۳؛ تہذیب التہذیب، ۲ / ۲۹
- ۹۔ ابن الصلاح، ۳۶۶

حافظ عراقی، حافظ ابن الصلاح کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صاحب الکمال اور اس کی متابعت میں المزنی نے تہذیب الکمال میں لکھا ہے کہ امام مالک نے ان سے روایت کی ہے لیکن انھیں یہ روایت نہیں ملی۔ وہ لکھتے ہیں:

ولكن لم ار رواية مالك عنه لا في الموطأ ولا في شيء من الكتب

الستة ولا في غرائب مالك للدارقطني ولا غير ذلك (۱)

اسی طرح ابن الصلاح کا یہ قول کہ ثور بن یزید کی روایت مسلم کے ہاں ہے درست نہیں یہ وہم ہے مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے کوئی شے نقل نہیں کی البتہ بخاری نے ان کی روایت درج کی ہے۔ (۲)

۱. عن سفیان عن ثور عن خالد بن معدان عن ابی امامة قال: كان

النبي ﷺ اذا رفع مائدته قال الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه. (۳)

خالد بن معدان ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دسترخوان اٹھاتے تو فرماتے، اللہ کے لیے بہت سی پاکیزہ اور برکت والی حمد ہے۔

۲. عن ثور عن خالد بن معدان عن المقدم عن النبي ﷺ قال: ما اكل

احد طعاماً قط خيراً من أن ياكل من عمل يده، وان نبى الله داؤد عليه

السلام كان ياكل من عمل يده. (۴)

ثور خالد بن معدان سے اور وہ بذریعہ مقدم بنی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کسی شخص نے اپنے ہاتھ سے کمائے رزق سے بہتر کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

۳. عن ثور عن خالد بن معدان عن المقدم بن معد يكرب عن

النبي ﷺ قال: كيلوا طعامكم يبارك لكم. (۵)

ثور خالد بن معدان سے اور وہ مقدم بن معد يكرب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے کھانے کی چیزوں کا وزن کرو اس میں تمہارے لیے برکت ہے۔

۱- التقييد والإيضاح، ۴۲۰

۲- ايضاً، ۴۲۰

۳- بخاری، الجامع، كتاب الاطعمة، باب ما يقول اذا فرغ من طعامه، ۶/۲۱۴

۴- بخاری، الجامع، كتاب البيوع، باب كسب الرجل و عمله بيده، ۳/۹

۵- ايضاً، باب ما يستحب من الكيل، ۳/۲۲

۴. عن ثور بن يزيد عن خالد بن معدان أن عمير بن الأسود العنسي حدثه انه اتى عبادة بن الصامت وهو نازل في ساحل حمص و هو في بناء له و معه ام حرام، قال عمير فحدثتنا ام حرام انها سمعت النبي ﷺ يقول: اول جيش من امتي يغزون البحر قد اوجبوا. قالت ام حرام: قلت: يا رسول الله انا فيهم؟ قال: انت فيهم. ثم قال النبي ﷺ: اول جيش من امتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم، قلت: انا فيهم يا رسول الله ﷺ؟ قال: لا. (۱)

ثور، خالد بن معدان سے اور وہ عمیر سے کہ انھوں نے بیان کیا کہ وہ عبادہ بن الصامت کے پاس گئے جبکہ وہ ساحل سمندر پر اپنے گھر میں ام حرام (بیوی) کے ساتھ تھے۔ عمیر کہتے ہیں کہ ام حرام نے بتایا کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا ”جو دستہ بحری غزوہ کا آغاز کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔ ام حرام نے یہ بھی بتایا کہ جب میں نے پوچھا کیا میں بھی اس دستہ میں ہوں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم بھی ان میں ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: فوج کا جو دستہ قیصر کے شہر کو فتح کرے گا اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا۔ ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا کیا میں ان میں شامل ہوں گی۔ آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا۔

کنیت میں اتفاق اور نسبت میں اختلاف و اختلاف کی توضیح کرتے ہوئے حافظ عراقیؒ لکھتے ہیں:

اقتصر المصنف على ذكر اثنين بالشين المعجمة و ترك ثالثاً اولي بالذکر من ابى عمرو الشيباني اللغوي لكونه اقدم منه و لكون حديثه فى السنن و ليس لابی عمرو و الشيباني النحوى حديث فى شىء من الكتب الستة. انما له عند مسلم ان احمد بن حنبل سأل عن اخنع اسم فقال اوضع (۲) و اسم الذى لم يذكره المصنف هارون بن عنتره بن

-۱ بخارى، الجامع، كتاب الجهاد، باب ما قيل فى قتال الروم، ۳/۲۳۲

-۲ مسلم، الجامع، كتاب الاداب، باب تسمى بملك الاملاك، ۶/۱۷۳؛ بخارى، الجامع، كتاب الاداب،

باب ابغض الاسماء الى الله، ۷/۱۱۹؛ ابو داؤد، السنن، كتاب الاداب، باب فى تفسير اسم القبيح،

۵/۲۳۵؛ ترمذی، السنن، كتاب الاداب، باب ما يكره من الاسماء، ۵/۱۳۳

عبدالرحمن الشیبانی (۱) و المعروف أن كنيته أبو عمرو. هكذا كناه يحيى بن سعيد القطان وعلی بن المدینی و البخاری فی التاریخ و مسلم و النسائی و أبو احمد الحاكم فی كتبهم فی الكنى و الخطيب فی كتاب تلخیص المتشابه. واما ما جزم المزى به فی تهذيب الكمال من كنيته بأبي عبدالرحمن فهو و هم. (۲)

مصنف نے شیخین معجم کے ساتھ دو شخصیتوں کے ذکر پر اقتصار کیا اور تیسرے کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ وہ ابو عمرو الشیبانی سے اقدم ہیں اور ان کی حدیث سنن میں موجود ہے۔ ابو عمرو الشیبانی انخوی کی کوئی حدیث کتب ستہ میں نہیں۔ ہاں مسلم نے ذکر کیا ہے کہ احمد بن حنبل نے ان سے انسخ کے معنی پوچھے تو انہوں نے کہا: اوضح۔ اور جس کا ذکر مصنف نے نہیں کیا اس کا نام ہارون بن عمرو بن عبدالرحمن الشیبانی ہے۔ معروف یہ ہے کہ اس کی کنیت ابو عمرو ہے۔ اسی کنیت کا ذکر یحییٰ بن سعید القطان اور علی بن المدینی نے کیا ہے بخاری نے تاریخ میں مسلم، نسائی، ابو احمد الحاکم نے کنیت پر اپنی کتابوں میں یہ نقل کیا ہے اور خطیب نے تلخیص المتشابه میں بیان کیا ہے۔ جہاں تک المزی کا تعلق ہے تو انہوں نے تهذيب الكمال میں یقین کے ساتھ اس کی کنیت ابو عبدالرحمن لکھی ہے جو ان کا وہم ہے۔

## قسم دوم

دوسری قسم پہلی کے برعکس ہے یعنی اسماء میں اختلاف و امتلاف ہوگا اور نسبتوں یا نسبوں میں اتفاق ہوگا۔ حافظ ابن الصلاح نے مندرجہ ذیل مثالیں دی ہیں اور ان ہی کا تتبع کیا ہے نووی، حافظ عراقی اور علامہ سیوطی نے۔ حافظ ابن حجر نے ایک مثال عراقی سے لی ہے اور ابن الصلاح سے کوئی مثال نہیں لی۔

## مثالیں

۱۔ عمرو بن زرارہ (بفتح العين) اور عمر بن زرارہ (بضم العين)

۱- ہارون بن عمرو بن عبدالرحمن الشیبانی (م ۱۴۲ھ) انہوں نے اپنے والد، محارب بن دثار، عبدالرحمن بن الاسود اور کئی دوسرے لوگوں سے روایت کی ہے۔ امام احمد نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابو زرہ کہتے ہیں: لا بأس به مستقیم الحدیث۔ دارقطنی کے مطابق: یحتج به۔ تهذيب التهذيب، ۱۰/۱۱

۲- التقييد / ۴۲۱؛ فتح المغيب للعراقي، ۴ / ۳۲۷-۳۲۸؛ حافظ سيوطي نے بھی اس انداز میں لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ماخذ یہی ہے۔ تدریب / ۴۹۲؛ حافظ ابن حجر نے المزی کے تتبع میں اس کی کنیت ابو عبدالرحمن لکھی ہے۔ تهذيب التهذيب، ۱۰/۱۱

پہلے نام کی ایک جماعت موجود ہے جن میں سے ابو محمد النسیا پوری (۱) ہیں جن سے مسلم نے روایت کی ہے (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے صرف مسلم کی روایت کا ذکر کیا ہے جو درست نہیں ہے کیونکہ بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ان سے بکثرت روایات نقل کی ہیں۔ یہ روایات اسماعیل بن علیہ ہشیم، عبدالعزیز بن ابی حازم، ابو عبیدہ الحداد، قاسم بن مالک المزنی اور زیاد بن عبداللہ البکائی سے مروی ہیں۔ امام مسلم نے صرف ابن علیہ، ہشیم اور عبدالوہاب بن عطاء الخفاف سے نقل کی ہیں۔ شاید ابن الصلاح نے مسلم پر اکتفا کرنے میں خطیب کا تتبع کیا ہے جنہوں نے تالی التلخیص میں کہا ہے کہ ان سے مسلم بن الحجاج اور محمد بن اسحاق السراج نے روایت کی ہے۔ (۳)

دوسرے الحدیث کے طور پر معروف ہیں۔ ہمیں دارقطنی سے یہ قول پہنچا ہے کہ سرحدی علاقے میں شہر ہے جسے الحدیث کہتے ہیں ابو احمد الحاکم کی روایت ہے کہ وہ اہل الحدیث میں سے ہیں اور اسی کی طرف منسوب ہیں۔ (۴) ان سے البغوی المنعمی (۵) روایت کرتے ہیں۔ حافظ عراقی "ابن الصلاح کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خطیب نے تالی التلخیص میں ابو بکر البرقانی (۶) کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ البرقانی کو وہم ہوا ہے ابن معین نے عمرو بن زرارہ سے کوئی روایت نہیں کی۔ ان کی روایت صرف عمرو بن زرارہ سے ہے۔ (۷)

۲۔ عبید اللہ بن ابی عبد اللہ اور عبد اللہ بن ابی عبد اللہ کی ہے۔

پہلے ابن الاغر سلمان ابی عبد اللہ صاحب ابی ہریرہ ہیں۔ ان سے امام مالک نے روایت کی اور دوسرے نام کی

- ۱۔ ابو محمد النسیا پوری المقری، عمرو بن زرارہ بن واقد (م ۲۳۸ھ) قراءت کا علم کسائی سے حاصل کیا۔ ہشیم، ابن عیینہ، ابن علیہ وغیرہم سے روایت کیا۔ ان سے روایت کرنے والوں میں نمایاں امام بخاری، مسلم اور نسائی ہیں۔ پست قد تھے۔ کیا جاتا ہے کہ اخلاق عمدہ نہ تھا۔ نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/۳۳۲؛ شذرات، ۲/۹۰؛ سير اعلام، ۱۱/۳۰۶
- ۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۷
- ۳۔ التقييد، ۳۲۱-۳۲۲
- ۴۔ ابن الصلاح، ۳۶۷
- ۵۔ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد البغوی (م ۳۱۷ھ)۔ خراسان کے شہر بخشور کی طرف نسبت ہے۔ اہل علم خاندان سے تعلق تھا۔ ممتاز اہل علم سے اخذ کرنے کے بعد طلبہ کی ایک کثیر تعداد کو مستفید کیا۔ دارقطنی نے انہیں ثقہ جبل کہا ہے۔ تاريخ بغداد، ۱۰/۱۱۱؛ سير اعلام، ۱۳/۳۳۰؛ شذرات، ۲/۲۷۵
- ۶۔ ابو بکر البرقانی احمد بن محمد الخوارزمی (م ۳۲۵ھ) اپنے وقت کے ممتاز فقیہ اور محدث تھے۔ متعدد کتب کے مؤلف تھے۔ خطیب اور الباجی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ تاريخ بغداد، ۳/۳۷۳؛ تذكرة الحفاظ، ۳/۱۰۷۴؛ سير اعلام، ۱۷/۳۶۳
- ۷۔ التقييد، ۳۲۲

ایک جماعت موجود ہے ان میں سے ایک عبداللہ بن ابی عبداللہ المقرئ الاصبہانی ہیں ان سے ابوالشیخ الاصبہانی (۱) نے روایت کی۔ (۲)

۳۔ حیان الاسدی (۳) بالیاء المشددة اور حنان الاسدی (۴) بالنون الخفيفة ہیں۔

پہلے حیان بن حصین التابعی ہیں جو عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں۔ دوسرے حنان الاسدی بن اسد بن شریک بضم الشین وہ مسدد (۵) کے والد مسدد کے چچا ہیں۔ دارقطنی نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابوعثمان النخعی (۶) سے مرسل روایت کرتے ہیں اور ان سے حجاج الصواف نے روایت کی۔ (۷)

۴۔ حافظ عراقی نے ایک مثال بھی دی ہے اور وہ ہے: ابوالرجال الانصاری (۸) اور ابوالرجال الانصاری (۹)

- ۱۔ ابوالشیخ الاصبہانی۔ عبداللہ بن محمد بن جعفر (م ۳۶۹ھ) چھوٹی عمر سے علم حدیث سے شغف تھا۔ وقت کے اہم محدثین سے سفرد حضر میں سماع کیا۔ صاحب تصنیف تھے۔ متقن، صدوق، ثقہ، محدث تھے۔ صاحب سنت اور عالم باعمل تھے۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۹۳۵؛ العبر، ۲ / ۳۵۱؛ شذرات، ۳ / ۶۹؛ سیر اعلام، ۱۶ / ۲۷۶
- ۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۷-۳۶۸
- ۳۔ حیان بن حصین الاسدی الکونی ابوالھیاج، علی اور عمار سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹوں جریر اور منصور اور ابوداؤد اور شعبی نے روایت کی۔ ابن حبان نے الثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور الجلی کہتے ہیں: تابعی ثقة ابن عبدالبر کے مطابق وہ عمار کے کاتب تھے۔ التاريخ الكبير، ۱ / ۲ / ۵۳؛ کتاب الثقات، ۳ / ۱۷۰؛ تہذیب التہذیب، ۳ / ۵۹
- ۴۔ حنان الاسدی بنو اسد سے تعلق تھا، بصری تھے۔ ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ التاريخ الكبير، ۱ / ۲ / ۱۱۲؛ تہذیب التہذیب، ۳ / ۵۰
- ۵۔ مسدد بن مسدد بن سر بل ابوالحسن الاسدی البصری (م ۲۲۸ھ) بصرہ کے چوٹی کے محدثین میں سے تھے۔ اپنے وقت کے ممتاز محدثین سے سماع کیا۔ ان سے بخاری ابوداؤد، ابوزرعہ، ابو حاتم وغیرہ ایسے بلند پایہ محدثین نے سماع کیا۔ صاحب تصنیف تھے۔ ثقہ اور صدوق تھے۔ التاريخ الكبير، ۱ / ۳ / ۷۲؛ الجرح، ۱ / ۳ / ۳۳۸؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲ / ۳۲۱؛ شذرات الذهب، ۲ / ۶۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰ / ۵۹۱؛ سرحد۔ میم کے ضمہ اور سین مہملہ کے فتح کے ساتھ بعد میں رام ساکنہ اور ہاء مفتوحہ۔ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۲۹
- ۶۔ ابوعثمان النخعی، عبدالرحمن بن مل البصری (م ۹۵ھ)۔ مخضرم اور معمرین میں سے تھے۔ صحبت کا شرف حاصل نہ ہوا۔ ثقہ تابعین میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت عمر کے عہد میں متعدد معرکوں میں حصہ لیا۔ الجرح، ۲ / ii / ۲۸۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱ / ۶۱؛ شذرات الذهب، ۱ / ۱۱۸؛ سیر اعلام، ۳ / ۱۷۵
- ۷۔ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۲۸؛ التقیید، ۳۲۲؛ ابن الصلاح، ۳۶۸
- ۸۔ محمد بن عبدالرحمن ابوالرجال الانصاری البخاری۔ ان کے دادا حارث اہل بدر میں سے تھے۔ ابن سعد کے بقول: کثیر الحدیث، امام احمد اور ابو حاتم نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۹ / ۲۶۳
- ۹۔ محمد بن خالد ابوالرجال انس سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا شمار ضعفاء میں ہوتا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں: "منکر الحدیث لیس بقوی"۔ المغنی، ۲ / ۵۷۳-۵۷۵



پہلے (بکسر الراء و تخفيف الجيم) ان کا نام محمد بن عبدالرحمن مدنی ہے۔ انھوں نے اپنی والدہ عمرہ بنت عبدالرحمن وغیرہا سے روایت کی ان کی حدیث صحیحین میں ہے۔ دوسرے (بفتح الراء و تشدید الحاء المہلۃ) بصری ہیں۔ ان کا نام محمد بن خالد اور ایک قول کے مطابق خالد بن محمد ہے۔ ترمذی میں انسؓ سے ان کی ایک روایت ہے اور وہ ضعیف ہیں۔ (۱)

مصادر المتشابه

تلخیص المتشابه

خطیب نے متشابہ کے موضوع پر عمدہ کتاب لکھی جس کا نام تلخیص المتشابه رکھا (۲) ازاں بعد اس کا ذیل لکھا جس میں ان اسماء کو شامل کیا جو تلخیص میں شامل نہ ہو سکے تھے۔ (۳) ابن الصلاح نے کہا: وہو من احسن کتبہ (۴) خطیب نے اس پر ایک ذیل تالی تلخیص کے عنوان سے لکھا۔ کتاب کئی اجزا میں ہے اور بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔

علاء الدین بن الترمکانی (م ۷۵۰ھ) نے اس کا اختصار لکھا۔ سیوطی نے ایک اختصار تحفة النابہ فی تلخیص المتشابه کے عنوان سے مرتب کیا۔ (۵)



۱- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۲۸-۳۲۹

۲- نزہة النظر، ۳۹؛ ابن الصلاح، ۳۶۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۲۶؛ تدریب، ۳۹۰

۳- نزہة النظر، ۶۹

۴- ابن الصلاح، ۳۶۵؛ تدریب، ۳۹۰؛ فتح المغیث، ۳/ ۳۲۶

۵- کشف الظنون، ۱/ ۳۷۵

## دیگر اقسام

حافظ ابن حجر نے المتشابه کی بحث میں ابن الصلاح کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے لکھا ہے:

ویترکب منه و مما قبله أنواع (۱).

یعنی متفق و مؤتلف اور تشابہ سے اور اقسام بھی پیدا ہوتے ہیں۔  
ان میں ایک قسم وہ ہے جس میں خطی اتفاق اور لفظی اختلاف ہوتا ہے۔ دوسری وہ جس میں تقدیم و تاخیر سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔

پہلی قسم

وہ لکھتے ہیں:

منها ان يحصل الاتفاق أو الاشتباه في الاسم واسم الأب مثلاً الافي  
حرف أو حرفين فاكثر من أحدهما أو منهما و هو على قسمين اما أن  
يكون الاختلاف بالتغيير مع ان عدد الحروف ثابت في الجهتين، أو  
أن يكون الإختلاف بالتغيير مع نقصان بعض الأسماء عن بعض (۲)  
من جملہ ایک قسم یہ ہے کہ راویوں کے یا ان کے آباء کے یا دونوں کے ناموں میں جو اتفاق  
خطی اور اختلاف لفظی واقع ہوتا ہے وہ کبھی ایک حرف میں اور کبھی متعدد حروف میں ہوتا  
ہے۔ پھر جن میں یہ اتفاق و اختلاف واقع ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ تغیر کا  
اختلاف ہے لیکن دونوں میں حروف کی تعداد ثابت ہے یہ برابر ہوگی۔ دوسرے یہ کہ تغیر کا  
اختلاف ہوگا لیکن کچھ اسماء میں حروف کی کمی ہوگی۔

پہلی قسم: حافظ ابن حجر نے پہلی قسم یعنی اختلاف لفظی اور اتفاق خطی کی دو اقسام بیان کی ہیں اور ان کی مندرجہ  
ذیل مثالیں دی ہیں۔

الف: وہ اسماء جن میں لفظی اختلاف لیکن خطی اتفاق ہے ان کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱- نزہة النظر، ۶۹

۲- ایضاً، ۶۹

## ۱۔ محمد بن سنان (۱) اور محمد بن سیار (۲)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ محمد بن سنان نام کی ایک جماعت موجود ہے، جن میں امام بخاری کے شیخ العوقی (۳) بھی ہیں اور محمد بن سیار نامی جماعت بھی موجود ہے جن میں یحییٰ بن یونس (۴) شامل ہیں۔  
سنان اور سیار میں اختلاف لفظی اور اتفاق خطی موجود ہے۔ نون اول اور یا میں موافقت ہے اسی طرح نون ثانی اور را میں ہے۔

## ۲۔ محمد بن حنین (۵) اور محمد بن جبیر (۶)

دونوں مشہور تابعی ہیں۔ محمد بن حنین ابن عباس وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ محمد بن جبیر بن مطعم بھی مشہور تابعی ہیں۔ حنین اور جبیر میں اختلاف لفظی اور اتفاق خطی موجود ہے۔ حاء اور جیم میں، نون اول و باء میں اور نون ثانی اور راء میں خطی موافقت ہے۔

## ۳۔ معرف (۷) اور مطرف

معرف بن واصل کوئی مشہور شخص ہیں اور مطرف بن واصل بھی معروف ہیں ان سے ابو حذیفہ نہدی روایت کرتے ہیں۔ معرف و مطرف میں لفظی اختلاف اور خطی اتفاق موجود ہے اور یہ صرف عین اور طاء میں ہے۔

## ۴۔ احمد بن الحسین اور احمید بن الحسین

احمد بن الحسین ابراہیم بن سعد وغیرہ کے شاگرد ہیں اور احمید بن حسین بخاری ہیں ان سے عبداللہ بن محمد بیکندی روایت کرتے ہیں۔ احمد اور احمید میں لفظی اتفاق ہے اور خطی اختلاف صرف میم اور یا میں ہے۔

۱۔ محمد بن سنان یہ العوقی ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں؛ دیکھیے صفحہ ہذا حوالہ ۳

۲۔ میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۳۔ العوقی، ابو بکر محمد بن سنان الباعلی البصری (م ۲۲۳ھ) ابراہیم بن طہی، جزیر بن حازم وغیرہما سے سماع کیا۔ کتب ستہ کے اکثر مؤلفین نے براہ راست ان سے روایت کیا۔ ثقہ و صدوق تھے۔ التاریخ الکبیر، ۱/ ۱۱/ ۱۰۹؛ العبر، ۱/ ۳۸۸؛ سیر اعلام، ۱۰/ ۳۸۵

۴۔ یحییٰ، شیخ عمر بن یونس ابو حفص (م بعد ۲۰۰ھ) ممتاز علماء سے احادیث روایت کیں۔ شائقین کی ایک کثیر تعداد نے ان سے سماع کیا۔ نسائی اور یحییٰ بن معین نے ثقہ تسلیم کیا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ ۱۱/ ۲۰۶؛ العبر، ۱/ ۳۲۱؛ تہذیب التہذیب، ۷/ ۵۰۶؛ سیر اعلام، ۹/ ۲۲۲

۵۔ محمد بن حنین، ابن عباس سے احادیث روایت کیں اور ان سے عمرو بن دینار نے غیر معروف رواۃ میں سے ہیں۔ تہذیب، ۹/ ۱۱۵

۶۔ محمد بن جبیر ابوسعید (م ۱۰۰ھ) اپنے وقت کے امام اور فقیہ تھے۔ علم حدیث سے خصوصی شغف تھا۔ مکتوب ذخیرہ احادیث رکھتے تھے۔ ناقدین نے مثبت اور ثقہ تسلیم کیا۔ التاریخ الکبیر، ۱/ ۱۱/ ۵۲؛ تہذیب، ۹/ ۹۱؛ سیر اعلام، ۳/ ۵۲۳

۷۔ معرف بن واصل الکوفی ابو بدل۔ ناقدین نے کہا ہے کہ ان سے احادیث لکھی جاسکتی ہیں۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/ ۲۰۷؛ التاریخ الکبیر، ۲/ ۳۰؛ الجرح و التعديل، ۳/ ۱۱۰؛ الکامل، ۸/ ۲۲۱

ب۔ وہ اسماء جن کے حروف کی تعداد مساوی نہیں ان کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱. حفص بن میسرۃ (۱) جعفر بن میسرۃ (۲)

حفص بن میسرہ بخاری اور امام مالک کے طبقے میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جعفر بن میسرہ مشہور شیخ ہیں اور عبید اللہ بن موسیٰ کوفی کے استاد ہیں۔ حفص میں جعفر سے ایک حرف کم ہے۔

۲. عبد اللہ بن زید (۳) اور عبد اللہ بن یزید (۴) (یاء مفتوحہ و الزای مکسورۃ)

عبد اللہ بن زید نام کی پوری جماعت موجود ہے۔ صاحب الاذان صحابی جن کے دادا کا نام عبد ربہ ہے اور حدیث وضو کے راوی صحابی جن کے دادا کا نام عاصم ہے۔ یہی نام رکھتے ہیں۔ یہ دونوں انصاری ہیں عبد اللہ بن یزید نام کی بھی ایک جماعت موجود ہے۔ صحابی ابو موسیٰ <sup>کخطمی</sup> جن کی حدیث صحیحین میں ہے یہی نام رکھتے ہیں۔ زید میں زید سے ایک حرف کم ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں اسی نام کے ایک قاری ہیں جن کا ذکر حدیث عائشہ میں ہے۔ ان کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ <sup>کخطمی</sup> ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ (۵)

۳. عبد اللہ بن یحییٰ (۶) اور عبد اللہ بن نجی (۷)

عبد اللہ بن یحییٰ نام کی ایک جماعت موجود ہے اور عبد اللہ بن نجی مشہور تابعی ہیں اور علی سے روایت کرتے ہیں۔ نجی میں یحییٰ سے بلحاظ رسم الخط ایک حرف کم ہے۔

۱- حفص بن میسرہ ابو عمر الصنعانی العقلمی (م ۱۸۱ھ) ہشام بن عروہ اور زید بن اسلم سے روایت کیا۔ امام ثوری، ابن وہب، سوید بن سعید نے ان سے روایت کیا۔ عابد وزاہد تھے۔ احمد اور ابن معین نے توثیق کی ہے۔ الجرح و التعديل، ۱/۱۸۷/ii؛ تہذیب، ۲/۳۱۹؛ میزان، ۱/۵۶۸

۲- میسرہ مصادر میں متعین نہ ہو سکا۔

۳- عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ لا انصاری الخزرجی ابو محمد المدنی (م ۳۲ھ) غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے خواب میں اذان کے الفاظ سکھائے گئے۔ سیر اعلام، ۲/۳۷۵؛ تہذیب التہذیب، ۵/۲۰۰

۴- عبد اللہ بن یزید بن زید ابو موسیٰ الانصاری الاوسی المدنی ثم الکوفی (م قبل ۷۰ھ) بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ حضرت علی کے ساتھ جنگ صفین اور نہروان میں تھے۔ ابن الزبیر کی طرف سے کوفہ کے والی بھی رہے۔ الجرح و التعديل، ۲/۱۹۷/ii؛ تہذیب التہذیب، ۶/۷۸؛ سیر اعلام، ۳/۱۹۷

۵- نزہة النظر، ۷؛ القاری (بتشديد الياء) نسبت ہے قبیلہ قارہ کی طرف۔ شرح نخبة الفكر للقاری، ۲۲۹

۶- عبد اللہ بن یحییٰ الثقفی۔ اپنے وقت کے ممتاز محدث تھے۔ ابن خلفون اور علی نے ثقہ راوی تسلیم کیا۔ تہذیب، ۶/۷۱

۷- عبد اللہ بن نجی بن سلمہ الکوفی الحضری اپنے والد اور دیگر اہل علم سے روایت کیا۔ اہل علم کی ایک کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/۱۱۳/ii؛ تہذیب التہذیب، ۶/۵۱

دوسری قسم یہ ہے کہ دو اسموں میں یوں تو لفظاً و خطاً اتفاق ہو لیکن تقدیم و تاخیر سے دونوں میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تقدیم کبھی دو اسموں میں ہوتی ہے اور کبھی ایک ہی اسم میں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

أو يحصل الاتفاق في الخط و النطق لكن يحصل الاختلاف أو الاشتباه بالتقديم و التأخير إما في الإسمين جملة أو نحو ذلك، كان يقع التقديم و التأخير في الإسم الواحد في بعض حروفه بالنسبة إلى ما يشبه به۔ (۱)

یاد یہ کہ خط اور نطق میں اتفاق حاصل ہو لیکن تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اختلاف و اشتباہ پیدا ہو۔ یہ اشتباہ دونوں اسموں میں پیدا ہو یا یہ تقدیم و تاخیر ایک اسم کے بعض حروف میں واقع ہو جس سے اشتباہ پیدا ہوا۔

حافظ ابن الصلاح نے اسے مستقل نوع قرار دیا ہے جس کا عنوان ہے:

معرفة الرواة المتشابهين في الاسم و النسب المتمايزين بالتقديم و التأخير في الابن و الأب (۲)

امام نووی نے عنوان میں تھوڑی سی تبدیلی کی ہے:

المتشابهون في الاسم و النسب و المتمايزون بالتقديم و التأخير۔ (۳)

لیکن حافظ عراقی نے اسے المشتبه المقلوب کے عنوان سے درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

هذا النوع مما يقع فيه الاشتباه في الذهن لا في صورة الخط و ذلك ان يكون اسم احد الراويين كاسم أب الآخر خطأ و لفظاً، و اسم الآخر كاسم أب الاول فينقلب على بعض اهل الحديث كما انقلب على البخاري ترجمة مسلم بن الوليد المدني فجعله الوليد بن مسلم كالوليد بن مسلم الدمشقي المشهور و خطاه في ذلك ابن ابي حاتم في كتاب له في خطأ البخاري في تاريخه حكاية عن ابيه و هذه الترجمة ليست في بعض نسخ التاريخ۔ (۴)

۱- نزہة النظر، ۷۶

۲- ابن الصلاح، ۳۶۸؛ التقييد، ۴۲۳

۳- التقريب مع تدريب، ۴۹۳

۴- فتح المغيث للعراقی، ۴/۴۲۹؛ نیز دیکھیے التاريخ الكبير، ۲/۱۵۳ اور تعقيب کے لیے، کتاب خطا البخاری،

۱۳۰؛ الجرح و التعديل، ۴/۱۹۷

یہ وہ نوع ہے جس میں اشتہاء ذہن میں واقع ہوتا ہے صورت خطی میں نہیں۔ اور یہ اس طرح کہ ایک راوی کا نام دوسرے راوی کے والد کے نام سے خطا اور لفظاً مشابہ ہو۔ اور دوسرے کا نام پہلے کے باپ کے نام سے مشابہ ہو اس طرح بعض اہل الحدیث کے ہاں یہ مہلب ہوتا ہے۔ جیسے امام بخاری کے ہاں مسلم بن ولید المدنی تبدیل ہوا ہے۔ انہوں نے اسے مشہور ولید بن مسلم الدمشقی کی طرح ولید بن مسلم لکھا ہے۔ یہ غلطی ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب ”خطا البخاری فی تاریخہ“ میں اپنے والد سے نقل کی ہے۔ یہ ترجمہ تاریخ بخاری کے بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے۔

مثالیں

حافظ ابن حجر نے جو مثالیں دی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱. اسود بن یزید (۱) اور یزید بن الاسود (۲)

پہلے اسود بن یزید التیمی الفاضل ہیں، ابراہیم التیمی کے ماموں ہیں۔ کبار تابعین میں سے ہیں۔ عالم ربانی مشہور تھے۔ ہر روز سات سو رکعت نفل ادا کرتے۔ کوفہ سے سفر کر کے ۸۰ حج اور عمرہ ادا کئے۔ دوسرے یزید بن الاسود الخزاعی صحابی ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ان کا شمار مکینوں میں ہوتا ہے اور الحمزی کے بقول وہ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح یزید بن الاسود الجرحی (۳) ہیں تابعی مخضرم کنیت ابو الاسود تمیمی۔ شام میں سکونت پذیر تھے اور اہل الصلاح میں شمار ہوتے۔ اہل دمشق کے لیے معاویہ نے نماز استسقاء پڑھائی اور دعائیں کہا:

”اللہم انا نستشفع بک الیک الیوم بخیرنا و افضلنا“

اسی وقت بارش ہوئی کہ لوگوں کو گھروں تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔ (۴)

اگر غور کریں تو اسود، اسود کے ساتھ اور یزید، یزید کے ساتھ لفظاً اور خطاً متفق ہے مگر جب اسود بن یزید کو جو دو اسموں پر مشتمل ہے تقدیم و تاخیر کے ساتھ یزید بن اسود کہا جائے گا تو یہ یزید بن اسود کے مشتبہ ہوگا۔

۱- اسود بن یزید التیمی الکونی (م ۷۷۵) ممتاز محدثین سے سماع کیا ازاں بعد شائقین علم کی ایک بڑی تعداد نے ان سے روایت کیا۔ جلالت علمی اور ثقہ ہونے میں مسروق کے مانند تھے۔ بہت زیادہ روزے رکھنے والے، تہجد گزار اور کثرت سے حج کرنے والے تھے۔ تاریخ الکبیر، ۱/۱/۱، ۳۳۹؛ العبر، ۱/۱، ۸۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱، ۳۸؛ سیر اعلام، ۳/۵۰

۲- یزید بن الاسود الخزاعی حلیف قریش، بعض نے انہیں العامری کہا ہے۔ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ سے نماز کے بارے میں حدیث روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے جابر بن یزید بن الاسود نے روایت کی ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱/۲۷۳

۳- یزید بن الاسود الجرحی تابعی مخضرم شام میں سکونت پذیر تھے۔ متدین اور سراپا صلاح و خیر تھے۔ تاریخ الکبیر، ۳/۱/۱، ۳۱۸؛ کتاب المعرفة، ۲/۳۸۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۳/۳۶

۴- ابن الصلاح، ۳۶۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۳۰؛ تدریب، ۳۹۳



اسی طرح عبداللہ بن یزید اور یزید بن عبداللہ ہیں۔

## ۲۔ ولید بن مسلم (۱) و مسلم بن ولید (۲)

ولید بن مسلم البصری تابعی ہیں اور جناب بن عبداللہ الحمیلی سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح ولید بن مسلم دمشقی (۳) امام اوزاعی کے شاگرد ہیں۔ احمد بن حنبل اور دوسرے لوگوں نے ان سے روایت کی۔ دوسرے مسلم بن ولید بن رباح المدنی ہیں اپنے والد وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدالعزیز الدرادرودی وغیرہ نے روایت کی۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کیا اور ان کے نام و نسب کو بدل دیا (الولید بن مسلم) اس پر ان کا مواخذہ ہوا۔ (۴)

حافظ ابن الصلاح نے دو مثالوں پر اور عراقی نے ایک مثال پر اکتفا کیا ہے جب کہ ابن حجر نے ایک مثال کا اضافہ کیا ہے اور یہ مثال ہے جب تقدیم و تاخیر ایک اسم میں ہو۔ ایوب بن سیار (۵) اور ایوب بن یسار۔ ایوب بن سیار مدنی مشہور ہیں مگر قوی نہیں اور ایوب بن سیار مجہول شخص ہیں (۶) سیار میں یاء اگر سین پر مقدم کی جائے گی تو یسار کے ساتھ مشتبہ ہوگا۔

## مصادر المشتبه

### ۱۔ رافع الارتياب في المقلوب من الاسماء والانساب

اس موضوع پر سب سے اچھی کتاب ہے۔ اس کے مصنف خطیب بغدادی ہیں۔ اس فن پر متعدد اہل علم نے تالیفات مرتب کیں جن میں حسن بن عبداللہ العسکری (م ۳۸۲ھ)، محمد بن احمد الایورودی (م ۵۰۷ھ)، یحییٰ بن علی الحضرمی ابن الطحان (م ۴۱۶ھ)، ابن القیسرانی، محمد بن طاہر بن علی المقدسی (م ۵۰۷ھ) وغیرہ ہیں۔ (۷)

- ۱۔ ولید بن مسلم البصری تابعی عالم حدیث تھے۔ ابن معین، ابو حاتم اور ابن حبان نے ان کی ثقاہت کا اعتراف کیا۔ التاريخ الكبير، ۳۳/۱/۳؛ الجرح، ۱۶/۱۱/۳؛ تهذيب، ۱۱/۱۳۳
- ۲۔ مسلم بن ولید بن رباح المدنی تابعی مولیٰ آل ابی ذباب۔ الجرح، ۱۹۷/۱/۳
- ۳۔ ولید بن مسلم ابو العباس دمشقی صاحب الاوزاعی (م ۱۹۵ھ) طلب حدیث کے لیے کثرت سے سفر کیے اور کئی مجموعہ ہائے حدیث تالیف کیے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابوزرعہ الرازی انھیں مغازی کا ماہر تسلیم کرتے تھے۔ شام کے ممتاز محدث مانے جاتے۔ التاريخ الكبير، ۱۵۳/۱/۳؛ الجرح، ۱۶/۱۱/۳؛ تذكرة الحفاظ، ۱/۳۰۲؛ سير اعلام، ۲۱۱/۹
- ۴۔ ابن الصلاح، ۳۶۹
- ۵۔ ایوب بن سیار مدنی ابن معین کہتے ہیں کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ التاريخ الكبير، ۳۸۶/۱/۱۰
- ۶۔ نزہة النظر، ۷۰
- ۷۔ كشف الظنون، ۱۶۳۷/۲

## ۲۔ مشتبه النسبة

اس کتاب کے مولف محمد عبدالغنی بن سعید الازدی (م ۴۰۹ھ) ہیں۔ (۱) کتاب مطبوع ہے۔

## ۳۔ ذیل مشتبه النسبة

اس کے مولف محمد بن رافع سلامی (م ۷۷۴ھ) ہیں۔ یہ امام ذہبی کی کتاب مشتبه النسبة کا ذیل ہے۔  
ڈاکٹر صلاح الدین منجد کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔

محدثین نے جس محنت اور دقت نظر سے راویوں کا جائزہ لیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی، تلفظ، کتابت اور لفظ میں اختلاف و اشتباہ کا کھوج لگایا ہے اور باریک بینی سے تمام امکانات اور نتائج کو بیان کیا ہے۔ قاری جب المتفق والمفترق، الموتلف و المختلف اور متشابه اور متشابه المقلوب کو پڑھے گا تو اسے اندازہ ہوگا کہ محدثین نے کتنی محنت اور کیسی دقت نظر سے راویوں کا جائزہ لیا ہے۔ وجہ صرف ایک ہے کہ راوی حضور اکرم ﷺ کی حدیث کے بیان میں وارد ہوا ہے اور اس کی وجہ سے حدیث رسول کو نقصان نہ پہنچے۔<sup>۱</sup>



## طبقات الرواة

حافظ ابن حجر کے پیش نظر چونکہ اختصار تھا اس لیے انہوں نے خاتمہ کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے اس کے تحت کئی موضوعات جمع کر دیے ہیں۔ ہم نے چونکہ کتاب میں ان ہی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے لہذا اس میں جملہ موضوعات اسی ترتیب کے ساتھ بیان کریں گے جو حافظ ابن حجر نے پیش نظر رکھی ہے۔ اس کا آغاز طبقات الرواة سے کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

و من المهم عند المحدثين معرفة طبقات الرواة. (۱)  
محدثین کے نزدیک طبقات الرواة کی معرفت اہم امور میں سے ہے۔

### طبقات کا مفہوم

طبقات طبقہ کی جمع ہے اور طبقہ کے لغوی معنی: القوم متشابہون (۲) ہے یعنی ایک جیسے لوگ حافظ ابن الصلاح کے مطابق: عبارة عن القوم المتشابہين (۳) بعض لوگوں نے کہا ہے:

الطبقة القوم المتشابہون في صفة من الصفات  
طبقہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو صفات میں سے کسی ایک صفت میں ایک جیسے ہوں۔  
محدثین کی اصطلاح میں حافظ ابن حجر کے بقول:

والطبقة في اصطلاحهم: عبارة عن جماعة اشترکوا في السن و لقاء  
المشاخ. (۴)

اصطلاحاً طبقہ سے وہ جماعت مراد ہوتی ہے جس کے افراد ہم عصر ہوں اور متین مشائخ سے روایت کرنے میں شریک ہوں۔  
حافظ عراقی نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے:

۱- نزہة النظر، ۷۰

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳۶۳/۳

۳- ابن الصلاح، ۳۹۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳۷۳/۳

۴- نزہة النظر، ۷۰

وأما في الإصطلاح فالمراد التشابه في الأسان و الإسناد و ربما  
اكتفوا بالتشابه في الإسناد. (۱)  
جہاں تک اصطلاح کا تعلق ہے تو اس سے مراد عمر اور اسناد میں تشابہ ہے اور اکثر اسناد میں  
تشابہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

## اہمیت

حافظ ابن حجر اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے علم سے دو متشہہ ناموں میں امتیاز ہو جاتا ہے،  
تدلیس کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسناد معنعن میں اتصال ہے کہ نہیں۔ (۲) حافظ عراقی لکھتے ہیں:

وبسبب الجهل بمعرفة الطبقات غلط غير و احد من المصنفين فر بما

ظن راويا راويا آخر غيرہ و ربما أدخل راويا في غير طبقته (۳)

معرفت طبقات سے ناواقفیت کے باعث کئی مصنفین سے غلطی ہوئی ہے ایک راوی کو دوسرا  
راوی سمجھا اور بعض اوقات ایک راوی کسی اور طبقے میں شامل کر دیا۔

ابن الصلاح نے مختصر اور جامع تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

و ذلك من المهمات التي افترض بسبب الجهل بها غير واحد من  
المصنفين وغيرهم. (۴)

اور یہ ان اہم معاملات میں سے ہے۔ جس سے ناواقفیت کی وجہ سے کئی مصنفین بدنام  
ہوئے ہیں۔

## طبقات

یوں تو راوی کا تعلق ایک طبقہ سے ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص مختلف حیثیتوں سے دو  
طبقوں میں شمار ہوتا ہے۔ انس بن مالک بایں حیثیت کہ ان کو آنحضرت ﷺ سے شرف صحبت حاصل ہے عشرہ مبشرہ  
کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں اور اس حیثیت سے کہ اس وقت وہ صغیر السن تھے بعد کے طبقہ میں شمار کیے جاتے  
ہیں۔ (۵) حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۴-۳۶۵؛ حافظ سخاوی نے بھی یہی تعریف کی ہے، فتح المغیث، ۴ / ۳۷۳

۲- نزہة النظر، ۷۰؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۳۷۳

۳- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۵

۴- ابن الصلاح، ۳۹۸

۵- نزہة النظر، ۷۰

فرب شخصین یكونان من طبقة واحدة لتشابهما بالنسبة الى جهة،  
ومن طبقتين بالنسبة الى جهة اخرى لا يتشابهان فيها. فانس بن مالك  
الأنصاري وغيره من أصغر الصحابة مع العشرة وغيرهم من  
أكابر الصحابة من طبقة واحدة اذا نظرنا الى تشابههم في اصل صفة  
الصحة. (۱)

کبھی دو شخص ایک طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں بہ سبب نسبت کی ایک جہت کے اور نسبت کی  
دوسری جہت کے لحاظ سے دو طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ تشابہ نہیں پایا جاتا مثلاً انس بن  
مالک انصاری جیسے اصغر صحابہ اکابر صحابہ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں اگر ہم صفت صحبت میں  
تشابہ کو پیش نظر رکھیں۔

طبقات صحابہ کے سلسلے میں دو طریقے اختیار کیے گئے جس مصنف نے شرف صحبت کو بنیاد بنایا اس نے تمام  
صحابہ کو ایک طبقہ میں شمار کیا جیسے ابن حبان وغیرہ اور جس نے اسلام میں سبقت، غزوات میں شرکت اور ہجرت کا لحاظ  
رکھا اس نے صحابہ کے دس سے اوپر طبقات قرار دیئے۔ اس لحاظ سے انس بن مالک وغیرہ جیسے اصغر صحابہ کو بعد کے  
طبقات میں شمار کیا۔ (۲) حافظ عراقی نے بارہ طبقات بیان کیے ہیں۔ (۳) اور بنیاد حاکم کو قرار دیا ہے۔ (۴)  
اسی طرح تابعین میں صحابہ سے صرف حدیث روایت کرنے کا جس نے لحاظ رکھا اس نے ان کا ایک ہی طبقہ  
قرار دیا۔ ابن حبان کی یہی رائے ہے اور جس نے اس کے ساتھ ملاقات کی قلت و کثرت کا لحاظ رکھا اس نے کئی  
طبقات قرار دیے جیسے محمد بن سعد بغدادی، اس نے متعدد طبقے قائم کئے۔ (۵) مسلم نے کتاب الطبقات میں ان  
کے تین طبقات قرار دیئے۔ ابن سعد نے بھی ایسا ہی کیا اور شاید چار طبقات قرار دیئے۔ حاکم نے علوم الحدیث  
میں پندرہ طبقات بیان کیے اور آخری وہ لوگ ہیں جنہوں نے اہل بصرہ میں سے انس بن مالک، اہل کوفہ میں سے  
عبداللہ بن اوفیٰ اور اہل مدینہ میں سے سائب بن یزید سے ملاقات کی، اہل مصر میں عبداللہ بن الحارث الجری سے اور  
اہل شام میں سے ابوامامہ الباہلی سے ملاقات کی۔ (۶)

۱- ابن الصلاح، ۳۹۹

۲- نزہة النظر، ۷۰؛ ابن الصلاح، ۳۹۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۶۵؛ تدریج، ۵۳۰

۳- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۳۶

۴- معرفة علوم الحدیث، ۲۲-۲۳

۵- نزہة النظر، ۷۰

۶- معرفة علوم الحدیث، ۳۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۵۸

## طبقات الرواة کے مصادر

طبقات الرواة کا موضوع بڑی اہمیت کا حامل ہے اور محدثین نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ علماء کی ایک کثیر تعداد نے رواۃ حدیث کے حالات طبقات کی بنیاد پر مرتب کیے ہیں۔ ان علماء میں قابل ذکر محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ)، ابن سعد (م ۲۳۰ھ)، خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ)، ابن المدینی (م ۲۳۴ھ)، امام مسلم (م ۲۶۳ھ)، امام نسائی (م ۳۰۳ھ)، مسلمہ بن القاسم اندلسی (م ۳۵۳ھ) وغیرہ ہیں۔ اس فن پر کئی اہم کتابیں ہیں۔ ہم ذیل میں دو اہم ترین تالیفات کا ذکر کریں گے۔

### ۱۔ الطبقات الکبریٰ

محمد بن سعد کی تصنیف ہے اور اس موضوع پر سب سے اچھی اور جامع تصنیف ہے (۱)۔ ابن صلاح کہتے ہیں:

کتاب حفیل کثیر الفوائد، و هو ثقة غیر انه کثیر الروایة فیہ عن الضعفاء. (۲)

یہ ایک جامع اور بہت فائدہ مند کتاب ہے اور مصنف ثقہ ہیں الا یہ کہ ضعیف راویوں سے بہت روایت کی۔

حافظ عراقی نے قدرے مفصل تبصرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

و کتابہ الکبیر جلیل کثیر الفائدة و ابن سعد ثقة فی نفسہ و قد وثقه ابو حاتم وغیرہ. ولکنہ کثیر الروایة فی الکتاب المذكور عن الضعفاء کمحمد بن عمر بن واقد الاسلامی الواقدی (۳) و یقتصر کثیراً علی اسمہ واسم ایہ من غیر نسب، و کھشام بن محمد بن السائب الکلبی (۴) و نصر بن باب الخراسانی (۵) فی آخرین منهم علی ان

۱- نیز دیکھیے کتاب ہذا میں مصادر تابعین

۲- ابن الصلاح، ۳۹۸

۳- محمد بن عمر بن واقد الاسلامی الواقدی، قاضی بغداد ابو عبد اللہ (م ۲۰۷ھ) امام مالک اور اہل مدینہ سے روایت کی۔ انھیں جنگیں اور غزوات حفظ تھے۔ وہ ثقہ رواۃ سے منقول اور مثبت لوگوں سے معصل روایتیں نقل کرتے تھے۔ یہ کہا گیا کہ وہ عمداً منقول روایت کیا کرتے تھے۔ احمد بن حنبل انھیں کذاب کہتے تھے۔ المجروحین، ۲/۲۹۰-۲۹۱

۴- ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابو المنذر (م ۲۰۶ھ) اہل کوفہ میں سے تھے۔ اپنے والد اور معروف مولیٰ سلیمان اور دیگر عراقیوں سے عجائب اور ایسی خبریں بیان کرتے جن کی کوئی اصل نہ ہوتی۔ شباب العصری اور عبد اللہ بن الضحاک الھمدادی سے روایت کرتے۔ تشیع میں غلو رکھتے تھے۔ غلط اخبار بیان کرنے کی شہرت رکھتے تھے۔ المجروحین، ۳/۹۱

۵- نصر بن باب الخراسانی ابراہیم الصلیح اور داؤد بن ابی ہند سے روایت کی اور ان سے ان کے شہر کے لوگوں اور دیگر عراقیوں نے روایت کی۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ثقات سے منقول روایت کرتے اور مثبت لوگوں سے ایسی روایات بیان کرتے جو ثقات سے مشابہت نہیں رکھتی تھیں۔ جب ایسی روایت زیادہ ہوئیں تو اہل علم نے ان سے روایت لینی چھوڑ دی۔ المجروحین، ۳/۵۳



اکثر شیوخہ ائمة ثقافت کسفیان بن عیینة (۱) و ابن علیة (۲)  
و یزید بن ہارون (۳) و معن بن عیسیٰ (۴) و ہشیم (۵) و ابی  
الولید الطیالسی (۶) و ابی أحمد الزبیری (۷) و انس بن

- ۱- سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ابو محمد اھلالی الکوفی (م ۱۹۸ھ) چھوٹی عمر سے علم حدیث کی طلب کا آغاز کیا۔ سند عالی کی تلاش میں مختلف علاقوں میں مقیم محدثین سے استفادے کے لیے سفر کیے۔ حجاز کے محدثین کے علم کے امین بنے، اساتذہ نے ان کی مجالس علمی میں شرکت کی اور ان سے روایت کیا۔ حدیث میں ثقہ، متقن تسلیم کیے جاتے ہیں۔ زہد و ورع اور خشیت الہی سے معمور تھے۔ التاریخ الکبیر، ۹۳/ii/۲؛ و فیات الاعیان، ۳۹۱/۲؛ تاریخ بغداد، ۹/۱۷۴؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳۶۲/۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۸/۴۵۴
- ۲- ابن علیہ، اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم ابو بشر الاسدی کوفی الاصل (م ۱۹۴ھ) اپنی والدہ کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ اپنے وقت کے چوٹی کے محدثین سے سماع کیا۔ احمد بن حنبل، علی بن المدینی، شعبہ ایسے بلند پایہ محدثین نے ان سے روایت کیا۔ حفاظ حدیث میں سے تھے۔ فقہ پر دسترس تھی فتوے دیا کرتے تھے۔ ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ ثقہ و متقن تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳۴۲/i/۱؛ تاریخ خلیفہ، ۳۶۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳۲۲/۱؛ میزان، ۲۱۶/۱؛ تہذیب التہذیب، ۲۷۵/۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۹/۱۰۷
- ۳- یزید بن ہارون بن زاذی/ زاذان ابو خالد السلمی مولاہم الواسطی (م ۲۰۶ھ) ممتاز محدثین سے سماع کیا۔ بقیہ بن الولید، علی بن المدینی، احمد بن حنبل ایسے نابھ روزگار محدثین نے ان سے روایت کیا۔ بہترین حافظہ کے مالک تھے۔ جب بغداد گئے تو طالبان حدیث کے ایک جم غفیر نے ان کی مجلس میں شرکت کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے والوں میں سے تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳۶۸/ii/۳؛ العبر، ۳۵۰/۱؛ تاریخ بغداد، ۳۳۷/۳؛ سیر اعلام، ۹/۳۵۸
- ۴- معن بن عیسیٰ بن یحییٰ بن دینار ابو یحییٰ المدنی مولیٰ ائجیح القزاز (م ۱۹۸ھ) چوٹی کے معاصر محدثین سے روایت کیا۔ علی بن المدینی، ابن معین، ابو یوسف وغیرہم نے ان سے روایت کیا۔ مالک بن انس کے نہایت قابل اعتماد شاگردوں میں سے تھے۔ امام مالک سے ان کی الموطا سنی، عباسی خلیفہ رشید اور اس کے صاحبزادوں کو بھی موطا سنائی۔ ثقہ کثیر الحدیث، ثبت اور مامون تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳۹۰/ii/۳؛ الجرح، ۲۷۷/i/۳؛ شنورات، ۳۵۵/۱؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳۳۲/۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۹/۳۰۴
- ۵- ہشیم بن بشر بن ابی خازم ابو معاویہ السلمی الواسطی (م ۱۸۳ھ) مجلس علمی باوقار ہوتی۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں ہشیم کی صحبت میں چار سال سے زیادہ رہا۔ اور ان کے رعب و دبہ کی وجہ سے دوبار سے زیادہ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ آخری عمر تک حافظہ بہترین رہا۔ ثقہ اور متدین تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳۳۲/ii/۳؛ تاریخ بغداد، ۸۵/۱۳؛ میزان، ۲۵۷/۲؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۳۸؛ سیر اعلام، ۸/۲۸۷
- ۶- ابو الولید الطیالسی ہشام بن عبد الملک الباطلی البصری (م ۲۲۷ھ) اپنے علم و فضل کی وجہ سے وقت کے شیخ الاسلام تسلیم کیے گئے۔ حافظہ بہترین تھا اس لیے احادیث کی کتابت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے اساتذہ میں خواتین محدثات بھی شامل تھیں۔ بصرہ کے مجتہد فقیہ، ثقہ و حافظ محدث تھے۔ التاریخ الکبیر، ۱۹۵/ii/۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳۸۲/۱؛ شنورات الذهب، ۶۲/۲؛ سیر اعلام، ۱۰/۳۳۱
- ۷- ابو احمد الزبیری محمد بن عبد اللہ بن الزبیر الکوفی مولیٰ بنی اسد (م ۲۰۳ھ) کوفہ کے ثقہ محدث تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سفیان سے مروی احادیث میں غلطی کر جاتے۔ ابن حنبل، ابن معین، عجل وغیرہ نے ثقہ محدثین میں شمار کیا۔ عجل کہتے ہیں کہ وہ شیعیت کی طرف مائل تھے۔ التاریخ الکبیر، ۱۳۳/i/۱؛ العبر، ۳۳۱/۱؛ تہذیب، ۲۵۴/۹؛ سیر اعلام، ۹/۵۲۹

عیاض (۱) وغیرہم ولکنہ اکثر الروایۃ فی الكتاب عن شیخیہ الأولین. (۲)  
ان کی بڑی کتاب شاندار اور بہت فائدہ مند ہے۔ ابن سعد ثقہ ہیں۔ ابو حاتم وغیرہ نے ان  
کی توثیق کی ہے لیکن وہ اس کتاب میں ضعیف راویوں سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔ ان  
میں محمد بن عمر بن واقد الاسلمی الواقدی ہیں اور زیادہ تر راویوں کے نام اور ان کے آباء کے  
نام بغیر نسب کے ذکر کرتے ہیں، اور دوسرے لوگوں میں ہشام بن محمد بن السائب الکلمی اور  
نصر بن باب الخراسانی شامل ہیں۔ تاہم ان کے اکثر شیوخ ائمہ ثقات ہیں جیسے سفیان بن  
عمینیہ، ابن علیہ یزید بن ہارون معن بن عیسیٰ، ہشیم، ابوالولید الطیالسی، ابو احمد الزبیری اور  
انس بن عیاض وغیرہم لیکن کتاب کی اکثر روایات پہلے دو شیوخ سے ہیں۔

یہ کتاب کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ سب سے پہلے لائینڈن سے چھپی ازاں بعد اس کے کئی ایڈیشن  
شائع ہوئے۔

## تذکرۃ الحفاظ

تذکرۃ الحفاظ کے مؤلف شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م ۷۴۸ھ) ہیں۔ آغاز میں صرافی کا  
پیشہ اختیار کیا اس لیے الذہبی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مختلف علاقوں میں مقیم اجل اہل علم سے استفادہ کیا۔ ان کے  
شیوخ کی تعداد کثیر ہے جن میں سے کچھ کا ذکر اپنی اس کتاب کے آخر میں کیا۔ اہل علم نے ان کی جلالت علمی کا  
اعتراف کیا ہے۔ علامہ سبکی انہیں محدث العصر کہتے ہیں (۳) ابن حجر العسقلانی نے ان کے علمی تفوق کا ذکر کرتے  
ہوئے تالیفات کی کثرت اور اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

کان اکثر اہل عصرہ تصنیفا... ورغب الناس فی توالیفہ ورحلوا الیہ بسببہا... (۴)

امام ذہبی نے اس کتاب میں حفاظ راویان حدیث کے ذکر کا اہتمام کیا ہے۔ کتاب کو طبقات پر تقسیم کیا ہے  
اور حفاظ رواۃ کے اکیس طبقات مقرر کیے ہیں۔ پہلے طبقہ میں صحابہ کرام کا ذکر ہے۔ اس طبقہ کے آخر میں چند  
صحابیات کا ذکر ہے۔ دیگر طبقات میں خواتین رواۃ کا ذکر نہیں ملتا (۵) کتاب کے آخر میں اپنے شیوخ کا ذکر کیا

- ۱- انس بن میاض ابو صمرۃ اللبخی المدنی (م ۲۰۰ھ) ہشام بن عروہ اور ریحہ الرائی سے روایت کیا۔ ابو زرعہ اور نسائی نے کہا کہ ان  
سے احادیث روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ التاریخ الکبیر، ۱/ ۱۱۱/ ii، العبر، ۱/ ۳۳۲، شذرات الذهب،  
۱/ ۳۵۸، سیر اعلام النبلاء، ۹/ ۸۶
- ۲- فتح المغیب للعراقی، ۳، ۳۶۵
- ۳- سبکی، الطبقات، ۱۵۳/ ۷
- ۴- المعبر الکامنہ، ۳/ ۳۳۷
- ۵- دوسرے طبقے میں صرف ام الدرداء کا ذکر ہے۔ ۵۳۸

ہے۔ کتاب کا آغاز حمد و ثنا اور اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر ورود و سلام سے کیا ہے۔ منہج کتاب کے بارے میں صرف اتنا ہی کہتے ہیں:

هذه تذكرة معدلى حملة العلم النبوى ومن يرجع الى اجتهادهم فى

التوثيق والتضعيف والتصحيح والتزييف . (۱)

ذہبی نے اس کتاب میں گیارہ سو چھتر (۱۱۷۶) منتخب اہل علم کے تراجم کا احاطہ کیا ہے۔ کتاب کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ تراجم میں راوی کا نام و نسب، شیوخ اور تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ راوی کے علمی مرتبہ و مقام اور اگر اس کی کوئی تالیف و تصنیف ہو تو اس کا ذکر اور تاریخ ولادت و وفات بھی بیان کرتے ہیں۔ عموماً ترجمہ کے آخر میں اس سال کے وفات پانے والے محدثین کرام کے نام اور بعض وقت چائے تدفین بھی بتاتے ہیں۔ راوی سے متعلق کوئی اہم واقعہ یا اس نے کوئی اہم خدمت سرانجام دی ہو تو اس کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

راوی سے مروی بعض احادیث بیان کرتے ہیں اور بعض صورتوں میں راوی مبہم ہو تو اس کا تعین بھی کرتے ہیں۔ بعض رداۃ کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ بعض وقت وہ اسلامی مملکت میں مقیم دوسرے اہل علم کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض مواقع پر راوی نے جن علاقوں کے شیوخ سے سماع کیا ہو اس کی تفصیل بھی دیتے ہیں۔ عموماً ہر طبقہ کے آخر میں اس وقت کی عالم اسلام کے سیاسی و علمی حالات کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔ (۲) اہل علم نے کتاب کی مختلف پہلوؤں سے خدمت کی۔

حافظ ذہبی کے شاگرد ابو الجاسن محمد بن علی حسینی دمشقی (م ۷۶۵ھ) نے ۷۴۲ھ تا ۷۶۵ھ کے رداۃ پر ایک ذیل لکھا۔ تقی الدین ابو الفضل محمد بن محمد بن فہد المکی (م ۸۷۱ھ) نے لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ لکھا جس میں ذہبی اور ابو الجاسن سے جو چیزیں رہ گئی تھیں ان کو شامل کیا۔

جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) نے التذکرۃ بذیل طبقات الحفاظ تالیف کیا۔ انہوں نے اس میں ما قبل ذیل میں جو کمی تھی اس کو پورا کیا اور دسویں صدی ہجری کے اوائل تک کے حفاظ کو شامل کیا۔ یہ تمام ذیل شائع ہو چکے ہیں۔ سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص بھی لکھی۔ (۳) ذہبی کے بعض ناموں کو حذف کیا جبکہ بعض کا اضافہ

۱- تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱

۲- چوتھے طبقے کے آخر میں بصرہ میں ظاہر ہونے والے فتنہ اعتزال، قدریہ کے ظہور اور غراسان میں جہم بن مغوان وغیرہ کے فتنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۵۹-۱۶۰)؛ پانچویں طبقے کے آخر میں اس دور کے خلفاء ابو جعفر بن منصور، ہارون الرشید وغیرہ کے عقل و حلم اور خدمات دین کا ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض صاحبین امت کا ذکر کرتے ہیں۔ مامون کے دور میں روافض اور معتزلہ کو قوت و شوکت حاصل ہونے، عقیدہ بخلق قرآن، علماء کی تعذیب اور بعض علوم جدیدہ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۳۳)

۳- ذیل طبقات الحفاظ، ۳۳۷

کیا۔ یہ کتاب چوبیس طبقات پر مشتمل ہے۔ اکیسویں طبقہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

هذا آخر ما أوردہ الحافظ الذہبی وأنا أذیل علیہ لمن جاء بعده (۱)

اس کے بعد حافظ ذہبی اور ان کے بعد دیگر علماء کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں ابن حجر کا ذکر ہے۔ پہلا طبقہ صحابہ کرامؓ

کا ہے۔ تراجم میں اختصار سے کام لیا ہے۔

احمد رافع الحسینی القاسمی الطہطاوی نے مذکورہ تینوں ذیول کو سامنے رکھا۔ بقول ان کے انہوں نے اس میں کچھ

اضافے کیے اور کچھ اغلاط کی اصلاح کی اور اس کا نام التنبیہ والایقاظ لما فی ذیول طبقات الحفاظ رکھا۔ (۲)

کتاب متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ ہمارے سامنے مطبعہ مجلس دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن کا

۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء کا ایڈیشن ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت سے زکریا عیرات کے حواشی کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں شائع

ہوا۔ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور نے اردو ترجمہ بھی شائع کیا ہے۔



## معرفة مواليدهم ووفيات الرواة

راویوں کی معرفت کے سلسلے کا ایک اہم پہلو ان کی ولادت اور وفات کا جاننا ہے۔ حافظ ابن حجر نے موالیدهم ووفیات کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے لکھا ہے:

و من المهم ايضاً معرفة مواليدهم ووفياتهم. لأن بمعرفة فتهم يحصل الأمن من دعوى المدعى للقاء بعضهم و هو في نفس الأمر ليس كذلك. (۱)

راویوں کی پیدائش اور وفات کا زمانہ جاننا بہت اہم ہے کیونکہ اس کی معرفت سے انسان مدعی کے دعویٰ ملاقات سے محفوظ ہو جاتا ہے جب کہ حقیقت میں اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔ حافظ ابن حجر نے ایجاز و اختصار کے ساتھ جو بات کہی اس پر علوم الحدیث کے مصنفین نے مفصل گفتگو کی ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے معرفة تواریخ الرواة کا عنوان دیا ہے۔ (۲) عراقی نے تواریخ الرواة والوفیات لکھا ہے (۳) امام نووی اور سیوطی نے ابن الصلاح کے تتبع میں تواریخ والوفیات لکھا ہے۔ (۴) اس باب میں انھوں نے بعض روایہ کی موالیدهم ووفیات کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و فيها معرفة وفيات الصحابة و المحدثين و العلماء و مواليدهم و مقادير أعمارهم و نحو ذلك. (۵)

اس میں صحابہ، محدثین اور علماء کی وفات، پیدائش اور عمروں کا اندازہ وغیرہ کی معرفت ہے حافظ ابن کثیر نے ابن الصلاح کی توضیح سے عنوان قائم کیا ہے:

معرفة وفيات الرواة و مواليدهم و مقدار أعمارهم. (۶)  
راویوں کی وفات، پیدائش اور مقدار عمر کی معرفت۔

۱- نزہة النظر، ۷۱

۲- ابن الصلاح، ۳۸۰

۳- فتح المغیث، ۳/۳۳۸

۴- تدریب، ۵۰۳

۵- ابن الصلاح، ۳۸۰

۶- الباعث الحثیث، ۲۲۲

علوم الحدیث کے عام مصنفین نے اسے تواریخ (۱) کا عنوان دیا ہے۔ حافظ سخاوی تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وحقیقة التاریخ: التعریف بالوقت الذى تضبط به الاحوال فى الموالىد والوفیات و يلتحق به مايتفق من الحوادث و الوقائع التى ينشأ عنها معان حسنة مع تعديل و تجریح و نحو ذلك و حينئذ فالعطف بالوفیات من عطف الأخص على الأعم. يقال: تاریخ و توریح، و ارخت الكتاب و ورخته بمعنى. و قال الصولى: تاریخ كل شىء غاية، و وقته الذى ينتهى إليه زمنه، و منه قيل لفلان: تاریخ قومہ، اى إليه المنتهى فى شرف قومہ، كما قاله المطرزی، اولكونه ذاكرًا للإخبار، و ما شاكلها. و ممن لقب بذلك ابوالبركات محمد بن سعد بن سعيد البغدادي العسال المقرئ الحنبلي المتوفى سنة تسع و خمسمائة. و اول من أمر به عمر بن الخطاب، و ذلك فى سنة ست عشرة من الهجرة النبوية من مكة الى المدينة و اخير لابتدائه اول سنيها بعد ان جمع المهاجرين و الأنصار و استشارهم فيه؛ لأنها فيما قيل غير مختلف فيها، بخلاف وقت كل من البعثة و الولادة. و أما وقت الوفاة فهو وإن لم يختلف فيه فالابتداء به و جعله أصلاً غير مستحسن عقلاً لتهيجه للحزن و الأسف، و أيضاً: فوقت الهجرة مما يتبرك به، لكونه وقت استقامة ملة الاسلام، و توالى الفتح، و ترادف الوفود و استيلاء المسلمين.

ثم اختير أن تكون السنة مفتحة من شهورها بالمحرم؛ لكونه شهر الله، و فيه يكسى البيت و يضرب الورد، و فيه يوم تاب فيه قوم

۱۔ علم طبقات الرواة اور علم التاريخ کے درمیان عموم خصوص من وجه کی نسبت ہے۔ راویوں کی نسبت سے دونوں میں اجتماع ہے اور تاریخ واقعات کی وجہ سے منفرد ہو جاتی ہے: حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ بعض متاخرین نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے کہ تاریخ اصلاً پیدائش اور وفات کو دیکھتی ہے اور بالتبع احوال سے بحث کرتی ہے جب کہ طبقات میں اصلاً احوال پر توجہ دیتے ہیں اور بالعرض پیدائش وفات پر۔ فتح المغیث، ۴ / ۳۰۴



فتیب علیہم۔ و کان السبب فیہ کما رواہ ابن جریر من طریق الشعبي ان  
 ابا سوسى الأشعري كتب إلى عمر انه تأتينا منك كتب ليس فیها تاریخ  
 فارخ . بل روى ايضاً من طریق ابن شهاب ان النبي ﷺ لما قدم  
 المدينة، وقد مها فی شهر ربيع الأول امر بالتأريخ . و من طریق عمرو بن  
 دينار: أول من ارخ يعلى بن أمية، وهو باليمن و لكن المعتمد الأول. (۱)  
 تاریخ سے مراد اس وقت کا بیان ہے جس سے پیدائش اور وفات کے احوال منضبط ہوتے  
 ہیں اور اس سے وہ حوادث و واقعات ملحق ہوتے ہیں جن سے تعدیل و تخریج وغیرہ جیسے اچھے  
 معانی ظاہر ہوتے ہیں اور اس وقت و فیات کا عطف خاص کا عام پر عطف ہوگا۔ کہا جاتا ہے:  
 تاریخ اور تواریخ اور میں نے خطیر تاریخ ڈالی اور میں نے اس کی تاریخ متعین کی ایک  
 معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ الصولی کہتے ہیں: ہر شے کی تاریخ اس کی غایت ہے اور اس کا وہ  
 وقت ہے جس پر اس کا زمانہ ختم ہوتا ہے۔ اور اس سے وہ قول جو کسی سے کہا جاتا ہے اس قوم  
 کی تاریخ یعنی اس پر اس قوم کے شرف کی انتہا ہے۔ جیسا کہ المطرزی نے یہ کہا ہے یا اس قوم  
 کے لیے اخبار اور ان کی تشکیل کی یاد دہانی ہے اور جس کو مؤرخ کا لقب دیا گیا وہ  
 ابوالبركات محمد بن سعد بن سعيد العسال المقرئ الحسبى التونى ۵۰۹ھ ہے۔ اس سلسلے  
 میں پہلا فیصلہ عمر بن الخطاب نے کیا اور یہ ۱۶ ہجری میں کیا گیا۔ اسی موقعہ پر سال کے  
 آغاز کا فیصلہ ہوا۔ مہاجرین اور انصار کے اجتماع اور ان کی مشاورت سے ہوا اور جیسا کہ  
 کہا گیا یہ فیصلہ بغیر کسی اختلاف کے ہوا بخلاف بعثت اور ولادت کو اختیار کرنے کے۔  
 جہاں تک وفات کو بنیاد بنانے کا تعلق ہے۔ اگرچہ اس میں اختلاف نہ تھا تاہم اسے بنیاد  
 بنانے کا فیصلہ عقلاً غیر مستحسن تھا کیونکہ یہ حزن اور افسوس برا ہیجنتہ کرنے کا باعث ہے۔ اور  
 یہ فیصلہ اس لیے بھی اچھا تھا کہ ہجرت کا وقت با برکت ہے کیونکہ یہ ملت اسلامیہ کی  
 استقامت، پے در پے فتوحات اور یکے بعد دیگرے وفود کی آمد اور مسلمانوں کے غلبے کا  
 وقت تھا۔ پھر سال کا آغاز کے لیے محرم کو اختیار کیا گیا کیونکہ یہ اللہ کا مہینہ ہے، اس میں  
 بیت اللہ کو غلاف پہنایا جاتا ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں ایک قوم نے توبہ کی اور اس کی  
 توبہ قبول کی گئی ہے۔

اس کا سبب جیسا کہ ابن جریر نے شعسی کے طریق سے روایت کی ہے کہ ابو موسیٰ الاشعری نے عمرؓ کو لکھا کہ آپ کی طرف سے بغیر تاریخ کے خطوط آتے ہیں لہذا آپ تاریخ لکھا کریں۔ بلکہ ابن شہاب کے طریق سے روایت کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لائے اور یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا تو آپ نے تاریخ کا حکم دیا۔ عمرو بن دینار کے طریق سے یہ روایت کہ جس شخص نے تاریخ کا تعین کیا وہ یمن میں یعلیٰ بن امریہ تھے لیکن قابل اعتماد پہلی روایت ہے۔

## تاریخ کی اہمیت

محدثین کے ہاں تاریخ کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سند کے اتصال اور انقطاع کا تعین ہوتا ہے اور اس سے راویوں کے احوال کا پتہ چلتا ہے اور کذابوں کی افترا پر دازیاں مبرہن ہوتی ہیں۔ سفیان ثوری نے کہا:

لما استعمل الرواة الكذب استعملنا لهم التاريخ. (۱)

جب راویوں نے جھوٹ گھڑنا شروع کیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ کو استعمال کیا۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ہم تک حفص غیاث کی روایت پہنچی جس میں انہوں نے کہا:

”إذا اتهمتم الشيخ فحاسبوه بالسنين“ یعنی احسبوا سنہ و سن من

كتب عنه. (۲)

جب تم کسی شیخ کو متہم کرو تو برسوں سے اس کا محاسبہ کرو یعنی اس کی عمر اور جس سے اس نے لکھا ہے اس کی عمر کا حساب لگاؤ۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

وهو فن عظيم الوقع من الدين، قديم النفع به للمسلمين، لا يستغنى

عنه ولا يعتنى بأعم منه، خصوصاً ما هو القصد الاعظم منه؟ وهو

البحث عن الرواة و الفحص عن أحوالهم في ابتداءهم، و حالهم

و استقبالهم؛ لأن الأحكام الاعتقادية، والمسائل الفقهية مأخوذة من

۱- ابن الصلاح، ۳۸۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۳۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۳۰۷؛ تدریب، ۵۰۵؛

الباعث الحثیث، ۲۲۲؛ المنهل الروی، ۱۳۱

۲- ابن الصلاح، ۳۸۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۳۹ عراقی نے حفص بن عتاب القاضی کی طرف منسوب کیا ہے؛

فتح المغیث للسخاوی، ۴/۳۰۷؛ تدریب، ۵۰۵؛ الباعث الحثیث، ۲۲۲

كلام الہادی من الضلالة، والمبصر من العمى و الجهالة صلی اللہ علیہ وسلم و النقلة  
 لذلك هم الوسائط بیننا و بینہ، والروابط فی تحقیق ما اوجبه و سنه،  
 فكان التعریف بہم من الواجبات و التشریف بتراجمہم من المهمات،  
 ولداقام بہ فی القديم و الحدیث اهل الحدیث، بل نجوم الہدی و  
 رجوم العدی، و وضعوا التاریخ المشتمل علی ما ذکرناہ مع ضمہم لہ  
 الضبط لوقت کل من السماع و قدوم المحدث البلد الفلانی فی رحلة  
 الطالب و ما اشبهہ. (۱)

یہ ن دین کے نقطہ نظر سے عظیم المرتبہ اور مسلمانوں کے لیے قدیم سے نفع رکھتا ہے۔ اس سے  
 استغناء ممکن نہیں اور اس سے زیادہ وسعت پذیر سے اعتناء ممکن نہیں۔ خاص طور اس سے  
 سب سے بڑے مقصد کا حصول یہ ہے کہ راویوں کی جستجو ہوتی ہے اور ان کی ابتداء، حال اور  
 مستقبل کے احوال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اس لیے کہ اعتقادی احکام اور فقہی مسائل  
 گمراہی سے ہدایت دینے والے اور اندھے پن اور جہالت سے روشنی دینے والے اصلی اللہ  
 علیہ وسلم کے کلام سے ماخوذ ہیں لہذا یہ راوی ہمارے اور ان کے درمیان واسطے اور رابطے ہیں  
 اس تحقیق کے ضمن میں جو انہوں نے واجب اور مستنون قرار دیے۔ اس لیے قدیم و جدید اہل  
 الحدیث جو ہدایت کے ستارے اور دشمن کے لیے تعاقب کرنے والے شعلے ہیں اس کا اہتمام  
 کیا ہے اور تاریخ کو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، متعین کیا ہے ہر سماع کے وقت کو منضبط کرنے  
 اور رحلہ علمیہ میں فلاں شہر کے محدث کی آمد سے اسے مربوط/منضبط کیا ہے۔

حسان بن یزید کہتے ہیں:

لم نستعن علی الکذابین بمثل التاریخ، نقول للشیخ: سنة کم و لدت؟  
 فاذا اقر بمولده عرفنا صدقه من کذبہ. (۲)

ہم نے کذابوں کے خلاف تاریخ سے زیادہ کسی چیز سے مدد نہیں لی۔ ہم شیخ سے کہتے ہیں!  
 آپ کس سال پیدا ہوئے اگر وہ اپنی ولادت کے سال کا تعین کرتا ہے۔ تو ہمیں اس کے سچ  
 اور جھوٹ کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱- فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۳۰۵

۲- تدریب، ۵۰۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۳۰۷؛ فتح المغیث للمراقی، ۳/ ۳۳۹

ابو عبد اللہ الحمیدی الاندلسی (۱) کہتے ہیں کہ متہم کرنے سے پہلے تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے: الععل، المؤلف والمختلف اور وفیات الشيوخ۔ الععل کے موضوع پر دارقطنی کی کتاب اچھی ہے، نیز المؤلف والمختلف پر سب سے عمدہ کتاب ابن ماکولا کی ہے اور وفیات الشيوخ لیکن اس پر کوئی کتاب نہیں ہے (۲)۔ حافظ عراقی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاید ان کے پیش نظر تحقیق تھی ورنہ موضوع پر کتابیں تو موجود ہیں۔ جیسے ابن زبرکی و فیات اور ابن قانع کی و فیات اور ابن زبرکی تالیف پر کئی ذیول لکھی گئی ہیں اور یہ سلسلہ ہمارے زمانے تک جاری ہے۔ حافظ ابو محمد عبدالعزیز بن احمد الکنانی نے ذیل لکھی اور پھر اس پر ابو محمد حبیب اللہ بن احمد الاکفانی نے ذیل لکھی۔ الاکفانی پر حافظ ابو الحسن علی بن المفصل نے ذیل لکھی اور ابن المفصل پر ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری نے بڑی مفید ذیل لکھی اور منذری پر شریف عزالدین احمد بن محمد الحسینی نے اور شریف کی ذیل پر محدث شہاب الدین احمد بن ایبک الدمیاطی نے طاعون کے سال سات سو انچاس ہجری میں لکھی اور ایبک پر میں نے ذیل لکھی۔ (۳)

یہی وجہ ہے کہ علماء نے حدیث کے طالب کے لیے تاریخ کا جاننا ضروری قرار دیا ہے اور اس اہتمام کے ساتھ شیوخ کی وفیات کی معرفت ضروری قرار دی کیونکہ یہ اہم علوم حدیث ہیں۔ خاص طور پر جن تاریخوں کا تعلق حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین سے ہے۔ لہذا ان سے غفلت جائز نہیں بالخصوص طالب علم کے لیے۔ جن لوگوں نے اللہ کے دین کے لیے جدوجہد کی ان کے ساتھ قلبی ارتباط دین کا تقاضا ہے۔

مثالیں

حافظ ابن ابن الصلاح کہتے ہیں:

۱. وهذا کنحو مار ویناہ عن إسماعیل بن عیاش قال: کنت بالعراق فأتانی أهل الحدیث و قالوا: ہاھنا رجل یحدث عن خالد بن معدان فأتیتہ فقلت: ای سنة کتبت عن خالد بن معدان قال: سنة ثلاث عشرة یعنی و مائة. فقلت: انت تزعم انک سمعت من خالد بن معدان بعد موته بسبع سنین؟ قال: اسماعیل: مات خالد سنة ست و مائة. (۴)

- ۱- ابو عبد اللہ، محمد بن ابی نصر الازدی، الحمیدی الاندلسی (م ۴۸۸ھ) اپنے وقت کے پائے کے فقیہ تھے۔ ابن حزم کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ ۴۲۸ھ میں طلب علم کے لیے سفر کا آغاز کیا۔ صاحب تصانیف تھے۔ العسر، ۳ / ۳۲۳؛ تذکرة الحفاظ، ۳ / ۱۲۱؛ نفع الطیب، ۲ / ۱۱۲؛ سیر أعلام، ۱۹ / ۱۲۰
- ۲- تدریب، ۵۰۵؛ ابن الصلاح، ۳۸۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۲۰
- ۳- فتح المغیث، ۳ / ۳۲۰؛ تدریب، ۵۰۵
- ۴- ابن الصلاح، ۳۸۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۲۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۳۰۵؛ تدریب، ۵۰۵؛ الباعث الحثیث، ۲۲۲؛ الکفاية، ۱۱۹

اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو ہم تک اسماعیل بن عیاش سے پہنچا ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں عراق میں تھا کہ میرے پاس اہل الحدیث آئے اور کہا کہ یہاں ایک شخص ہے جو خالد بن معدان سے حدیث بیان کرتا ہے میں اس کے پاس گیا اور کہا: آپ نے خالد بن معدان سے کس سال حدیث لکھی؟ اس نے کہا: ۱۳ ہجری میں، یعنی ایک سو تیرہ میں۔ میں نے کہا: تمہارا خیال ہے کہ تم نے خالد بن معدان سے ان کی موت کے سات سال بعد سماع کیا ہے۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ خالد ۱۰۶ ہجری میں وفات پا گئے تھے۔

۲. قال عفیر بن معدان الکلاعی: قدم علينا عمر بن موسى حمص، فاجتمعنا اليه في المسجد، فجعل يقول: حدثنا شيخكم الصالح، فلما اكثر قلت له: من شيخنا هذا الصالح؟ سمه لنا نعرفه. قال: فقال: خالد بن معدان. قلت له: في اي سنة لقيته؟ قال: لقيته سنة ثمان ومائة. قلت فاین لقيته؟ قال: لقيته في غزاة ارمينية، قال فقلت: اتق الله يا شيخ ولا تكذب! مات خالد بن معدان سنة اربع و مائة، وانت تزعم انك لقيته بعد موته بربع سنين (۱)

عفیر بن معدان الکلاعی کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں حمص میں عمر بن موسیٰ آئے۔ ہم لوگ ان کے پاس مسجد میں جمع ہوئے تو انہوں نے کہنا شروع کیا: تمہارے صالح شیخ نے ہم سے حدیث بیان کی۔ جب اس نے بہت دفعہ کہا تو میں نے کہا: یہ ہمارے صالح شیخ کون ہیں؟ اس کا نام بتائیے تاکہ ہمیں پتہ چلے تو انہوں نے کہا: خالد بن معدان۔ میں نے کہا کہ آپ کس سال ان سے ملے؟ کہنے لگے میں اسے ایک سو آٹھ ہجری میں ملا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یا شیخ اللہ سے ڈرو اور جھوٹ نہ بولو۔ خالد بن معدان ایک سو چار ہجری میں فوت ہوئے اور تمہارا خیال ہے کہ تم انہیں وفات کے چار سال بعد ملے ہو۔

۳۔ ابو عبد اللہ حاکم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

لما قدم علينا ابو جعفر بن حاتم الكشي (۲) وحدث عن عبد بن حميد سألته عن مولده فذكر أنه ولد سنة ستين و مائتين. فقلت أصحابنا: سمع هذا الشيخ من عبد بن حميد بعد موته بثلاث عشر سنة. (۳)

۱۔ الکفایۃ، ۱۹؛ ابن الصلاح، ۳۸۰-۳۸۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۳۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۳۰۶  
 ۲۔ الکشی، کس کی طرف نسبت ہے جو جرجان کے قریب ایک بستی ہے (الباعث الحثیث، حاشیہ ۲۲۳) عبدالوہاب عبداللطیف کے بقول یہ کسی ہے اور کس بکسر الکاف و تشدید السین، کس کی طرف نسبت ہے جو ماوراء النہر کا ایک شہر ہے اور نخب کے قریب ہے لیکن عموماً کاف کے فتح اور شین منقوطہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ تدریب، ۵۰۵  
 ۳۔ ابن الصلاح، ۳۸۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۳۹-۳۴۰؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۳۰۶؛ تدریب، ۵۰۵؛ الباعث الحثیث، ۲۲۲؛ الوسیط، ۶۵۲-۶۵۳

جب ہمارے ہاں ابو جعفر محمد بن حاتم الکاشی آئے اور عبد بن حمید سے احادیث روایت کرنے لگے تو میں نے ان سے تاریخ پیدائش کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ دو سو ساٹھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: شیخ نے عبد بن حمید سے ان کی وفات سے تیرہ سال بعد سماع کیا ہے۔

اس باب میں حافظ ابن الصلاح نے اور ان کے تتبع میں عراقی، سخاوی اور سیوطی نے بعض موالید و وفیات کا ذکر کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ، خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ کی وفیات کو بیان کیا ہے۔ دوسرے درجے پر دو شخصوں کا تذکرہ جو ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ اسلام میں زندہ رہے۔ حکیم بن حزام اور حسان بن ثابت۔ تیسرے درجے پر اصحاب مذاہب الخمسة المتبوعہ۔ ابن الصلاح نے سب سے پہلے سنیان بن سعید الثوری کا ذکر کیا ہے بعد میں مالک، ابو حنیفہ، الشافعی اور احمد بن حنبل ہیں۔

چوتھے درجے میں اصحاب کتب الحدیث الخمسة المعتمدة۔ بخاری سے نسائی تک۔ حافظ ابن کثیر نے ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزویٰ صاحب السنن کا اضافہ کیا ہے جن سے صحاح ستہ تکمیل ہوتی ہیں۔ (۱)  
پانچویں درجے پر سات اٹھ جنہوں نے شاندار تصانیف چھوڑیں جن سے عظیم فوائد حاصل ہوئے ان میں سے دارقطنی، حاکم نیسابوری، ابو محمد عبد الغنی بن سعید الازدی حافظ مصر، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی الحافظ کے موالید و وفیات کو بیان کیا ہے۔ اور دوسرے طبقہ کے تحت ابو عمر بن عبد البر، ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی اور ابو بکر احمد ابن علی الخطیب البغدادی کا تذکرہ ہے۔ (۲)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مناسب ہوتا اگر ان چند اہل علم کو بھی شامل کیا جاتا جن کی تصانیف سے اہل الحدیث کو بہت نفع پہنچا ہے۔ انہوں نے طبرانی، (م ۳۶۰ھ)، حافظ ابو یعلیٰ الموصلی (م ۳۰۷ھ)، حافظ ابو بکر المزاری (م ۲۹۲ھ)، امام الائمہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) اور ابو حاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ) کے نام لکھے ہیں (۳)۔

### مصادر موالید الرواة ووفیاتہم

راویان حدیث کے تراجم پر مختصر و طویل تالیفات کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہو چکا تھا۔ مولفین بالعموم ہجرت کے سال سے آغاز کرتے اور اپنی وفات سے قبل تک کے روایات کے حالات سنیں، اور بیان کرتے۔ ان کتب میں متعلقہ سال میں پیش آمدہ حالات، روایات کا تذکرہ، ان پر جرح و تعدیل کا حکم اور وفات کا تذکرہ ہوتا یا حروف تہجی کے اعتبار سے اہل علم کے ضروری حالات و واقعات اور ان کے سال وفات کا ذکر کرتے۔ ان کتب کو بالعموم

۱- الباعث الحثیث، ۲۴۵

۲- تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن الصلاح، ۳۸۰-۳۸۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۳۹-۳۴۳؛ تدریب، ۵۰۶-۵۱۹

۳- الباعث الحثیث، ۲۴۷



کتب التواریخ کا نام دیا گیا مثلاً اللیث بن سعد مصری (م ۷۵ھ)، عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)، یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) کی التاریخ والعلل، علی بن المدینی (م ۲۳۳ھ) کی التاریخ، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، بخاری (م ۲۵۶ھ) کی التاریخ الکبیر، ابن حزم اندلسی (م ۳۵۰ھ) وغیرہم کی کتب بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں۔ (۱) ایک عرصے تک اسی منہج پر تالیفات مرتب ہوتی رہیں۔ غالباً چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں الوفیات کے عنوان سے بھی تالیفات منظر عام پر آتی ہیں۔ الوفیات کے مؤلفین نے ہجرت سے لے کر اپنے زمانے تک کے اہل علم کے حالات و واقعات اور وفات کا تذکرہ سنین وار مرتب کیا۔ ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز (م ۳۱۷ھ) نے تاریخ و فاة الشیوخ اور قاضی ابوالحسن عبدالباقی بن قانع (م ۳۵۱ھ) وغیرہ نے الوفیات کے عنوان سے کتب مرتب کیں۔ آخر الذکر کتاب ہجرت سے لے کر ۳۳۶ ہجری تک کے رواد کے حالات و وفیات پر مشتمل ہے۔

### ۱۔ التاریخ الکبیر

سید المحدثین امام بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ (م ۲۵۶ھ) نے امت مسلمہ کو مستند اور صحیح احادیث پر مشتمل ایک عظیم تحفہ الجامع الصحیح کی صورت میں دیا تو انہوں نے اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا کہ حدیث کی صحت کو پرکھنے کا ایک اہم پیمانہ/میزان، احادیث کے بیان کرنے والوں کے حالات کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ امت ضعیف اور کمزور راویوں کو ثقہ راویوں سے متمیز کر سکے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے رواد حدیث پر تین کتب التاریخ الکبیر، التاریخ الاوسط اور التاریخ الصغیر تالیف کیں۔ رواد کے حالات پر بے شمار کتب مدون ہوئیں لیکن بقول خطیب یربوی علی هذه الکتب، کلها (۲) یہ کتاب اس موضوع پر پہلی جامع کتاب مانی جاتی ہے۔ ابو احمد حاکم کا قول ہے:

کتاب لم یسبق إلیه و من ألف بعده من التاریخ ... لم یستغن عنه (۳)

ابوالعباس بن سعید بن عقدہ کا قول ہے:

لو أن رجلاً کتب ثلاثین ألف حدیث لما استغنی عن تاریخ البخاری (۴)

جب اس کتاب کی خیر اہل علم تک پہنچی تو انہوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کتاب کی صحت کا اندازہ امام بخاری

کے اس بیان سے ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کا تین بار اعادہ کیا۔ (۵)

۱- سیر اعلام، ۱۳۶/۸، ۱۳۷/۸، ۱۳۸/۸، ۱۳۹/۸، ۱۴۰/۸، ۱۴۱/۸، ۱۴۲/۸، ۱۴۳/۸، ۱۴۴/۸، ۱۴۵/۸، ۱۴۶/۸، ۱۴۷/۸، ۱۴۸/۸، ۱۴۹/۸، ۱۵۰/۸ وغیرہ

۲- فتح المغیث للنسخاوی، ۲۶۶/۳

۳- سبکی، طبقات، ۲۲۵/۲-۲۲۶

۴- الجامع للاحلاق الراوی، ۱۸۷/۲، فتح المغیث للنسخاوی، ۲۶۶/۳

۵- التاریخ الکبیر (مقدمة)، ۱/۱، تاریخ بغداد، ۲/۴، سیر اعلام، ۳۰۳/۳، سبکی، طبقات، ۲۲۱/۲

ان کے ہم عصر محدث و فقیہ اور استاد ابن راہویہ (م ۲۳۸ھ) نے جب التاریخ الکبیر کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اسے سحر سے تعبیر کیا۔ ابن راہویہ نے علم دوست حاکم وقت عبداللہ بن طاہر کی خدمت میں کتاب پیش کی تو وہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ (۱)

امام بخاری کی جلالت علمی کا اعتراف اہل علم نے کھلے دل سے کیا ہے۔ وہ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کے علل پر خوب دسترس رکھتے تھے۔ امام ترمذی کا قول ہے:

لم أر بالعراق ولا بخراسان في معنى العلل و التاريخ و معرفة الأسانيد

أعلم من محمد بن اسماعيل (۲)

امام مسلم نے طبیب الحدیث فی عللہ کا خطاب دیا۔ (۳)

امام بخاری نے اپنی کتاب میں صحابہ کرامؓ سے لے کر اپنے عہد تک کے راویان حدیث کے تراجم بیان کیے ہیں۔ اس میں ثقہ اور ضعیف دونوں قسم کے رواۃ کو بیان کیا گیا ہے۔ امام بخاری نے یہ کتاب روضۃ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب چاندنی راتوں میں ترتیب دی (۴)۔ امام بخاری نے طوالت کے خوف سے رواۃ کے حالات میں اختصار سے کام لیا ہے (۵)۔

رواۃ کے تراجم حروف مجہم کی ترتیب پر مرتب کیے ہیں۔ آغاز محمد ﷺ کے مختصر حالات سے کیا ہے۔ اس کے بعد دیگر محمد نامی رواۃ کے تراجم بیان کیے ہیں۔ مقدمہ کتاب میں کہتے ہیں:

هذه الأسماء وضعت على ب، ت، ث وانما بدئ بمحمد من بين

حروف ا، ب، ت، ث لحال النبي صلى الله عليه وسلم لأن اسمه

محمد صلى الله عليه وسلم (۶)

محمد نامی رواۃ کے بعد دیگر رواۃ حروف مجہم کی ترتیب سے بیان کیے ہیں مثلاً سب سے پہلے ان رواۃ کا ذکر ہے جو الف سے شروع ہوتے ہیں۔ پھر ان ناموں کو والد کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ یعنی باب ابراہیم میں ان راویوں کا نام پہلے بیان کیا ہے جن کے والد کا نام حرف ”الف“ سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے اگلے باب میں وہ راوی ہیں جن کے والد کا نام حرف ”ب“ سے شروع ہوتا ہے۔ یہی طریقہ آخری حرف مجہم تک اختیار کیا ہے۔ داخلی ترتیب

۱- التاريخ الكبير، ۱/۱/۷؛ تاريخ بغداد، ۲/۷؛ سير أعلام، ۱۲/۳۰۳؛ سبكي، طبقات، ۲/۲۲۱

۲- سير أعلام، ۱۲/۳۳۲؛ تاريخ بغداد، ۲/۲۷؛ سبكي، طبقات، ۲/۲۲۰

۳- سير أعلام النبلاء، ۱۲/۳۳۲؛ سبكي، طبقات، ۲/۲۲۳

۴- التاريخ الكبير (مقدمة)، ۱/۱/۶؛ تاريخ بغداد، ۲/۷؛ سير أعلام النبلاء، ۱۲/۳۰۰؛ تذكرة الحفاظ، ۱/۵۵۵

۵- التاريخ الكبير (مقدمة)، ۱/۱/۶؛ تاريخ بغداد، ۲/۷؛ سير أعلام النبلاء، ۱۲/۳۰۰

۶- التاريخ الكبير (مقدمة)، ۱/۱/۱۱

سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نام جو کثیر روایہ کا ہے ان کو مقدم کیا ہے۔ اگر کسی حرف سے صحابی کا نام ہے تو اسے ابتدا میں لائے ہیں اور حرف کی ترتیب کا خیال نہیں رکھا۔ ایسا راوی جس کے نام کا کوئی اور راوی نہیں بلکہ وہ تنہا ہے تو حرف کے آخر میں مفردات کے تحت درج کرتے ہیں اور مبہم راویوں کا بیان من الہاء الناس کے تحت کیا ہے۔

امام بخاری کا عموماً یہ طریقہ ہے کہ جب وہ کسی راوی کا ترجمہ بیان کرتے ہیں تو ان کے والد، دادا، کنیت، علاقے اور قبیلے کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔ بعض صورتوں میں روایہ کی غزوات میں شرکت یا کوئی اہم ذمہ داری جو اس نے ادا کی ہو تو اس کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ بعض روایہ کے شیوخ اور تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض روایہ سے مروی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد اس بات کا تعین بھی کرتے ہیں کہ راوی نے روایت کب اور کہاں سنی۔ کہیں کہیں روایہ کے سنین و وفات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ تراجم بالعموم مختصر ہیں بلکہ بعض اوقات کوئی خاص معلومات مہیا نہیں کی گئی ہیں۔

امام بخاری روایہ کی توثیق و تضعیف کے لیے جرح و تعدیل کے لیے بعض مختص الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن وہ ان الفاظ کے استعمال میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ جرح کے لیے عموماً نرم اور معتدل الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً فلان فیہ نظر، فلان سکتوا عنہ وغیرہ، شدید ترین الفاظ ”لا یصح حدیثہ؛ فی حدیثہ نظر؛ منکر الحدیث؛ یتکلم فیہ استعمال کیے ہیں۔ (۱) لفظ کذاب یا وضاع بہت کم استعمال کیا ہے۔ (۲)

ثقة یا مستند روایہ کے لیے لفظ ثقة؛ حسن الحدیث جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں (۳)۔ معتد بہ تعداد ان روایہ کی بھی ہے جن کے بارے میں امام بخاری نے سکوت اختیار کیا ہے۔

ایک باب ان روایہ پر مشتمل ہے جو اپنے آباء کی نسبت سے معروف ہیں۔ کتاب کے آخر میں باب الکنی (۴) یعنی ان روایہ کا ذکر ہے جو کنیتوں سے معروف ہیں۔ آخر میں ان چند خواتین کا ذکر ہے جو کنیتوں سے معروف ہیں۔ کتاب میں بارہ ہزار سے زیادہ روایہ کا تذکرہ موجود ہے۔ کتاب الکنی میں مذکور روایہ شامل کیے جائیں تو تعداد تیرہ ہزار سے اوپر پہنچ جاتی ہے۔

اس فن پر بعد میں لکھنے والوں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کو بنیاد بناتے ہوئے کچھ اضافے کیے۔

دارقطنی نے اس پر ایک ذیل مرتب کیا۔ (۵)

- ۱- التاريخ الكبير، ۱/۱۱۱، ۱۳۰/۱۸۹؛ ۱/۲۱۲، ۲۷۷، ۳۳۳، ۳۷۰، ۳/۱۱۱، ۱۹۷، ۴۰۷، ۴۱۳؛ ایسی مثالیں دیگر مقامات پر بھی دیکھی جاسکتی ہیں؛ سیر اعلام، ۱۲/۳۳۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۲/۱۳۱؛ سبکی، طبقات، ۲/۲۲۳-۲۲۵
- ۲- سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۳۳۹-۳۴۱؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۲/۱۳۱؛ سبکی، طبقات، ۲/۲۲۳
- ۳- التاريخ الكبير، ۱/۱۱۱، ۱۰۱، ۱۷۷، ۳۶۳؛ ۱/۳۰۸؛ ۳/۱۱۱، ۷۹
- ۴- التاريخ الكبير کے اختتام پر موجود ہے۔ کتاب الکنی کے نام سے علیحدہ بھی متعدد بار چھپ چکی ہے۔ پہلی بار حیدرآباد سے ۱۳۶۰ھ میں چھپی۔
- ۵- لسان المیزان، ۳۶/۵

بعض ائمہ جرح و تعدیل نے التاریخ الکبیر پر نقد کیا ہے، جن میں ابو زرعد رازی، ابو حاتم رازی اور خطیب بغدادی ہیں (۱)۔ بعض اہل علم نے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے (۲)۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اتنی ضخیم کتاب میں اگر سو (۱۰۰) اغلاط بھی ہوں تو یہ تعداد بہت معمولی ہے۔ اگر ہم تیسری صدی ہجری کے وسائل سفر اور دیگر سہولتوں یعنی طباعت اور میڈیا وغیرہ کو مد نظر رکھیں تو تعجب اغلاط کی کمی کو دیکھ کر ہوتا ہے۔

یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ پہلی بار حیدرآباد دکن سے ۱۳۱۸-۱۳۶۰ھ تک شائع ہوتی رہی۔ اس وقت ہمارے سامنے اس کے بعد شائع ہونے والے دو ایڈیشن ہیں۔ ایک بیروت سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ یہ چھ مخطوطات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں مفید حواشی بھی ہیں۔

دوسرا ایڈیشن مصطفیٰ عبدالقادر عطا کی تحقیق سے دارالکتب العلمیہ بیروت ہی سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔ آغاز میں محقق کا مقدمہ ہے۔ اس میں انھوں نے علم جرح و تعدیل کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے اس فن کی اہمیت اور امام بخاری کے مختصر حالات زندگی بیان کیے ہیں اور کتاب کے منہج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

## ۲۔ کتاب الجرح والتعدیل

کتاب الجرح والتعدیل کے مؤلف عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) ہیں۔ اہل علم نے ان کے علم و فضل اور تقاہت کو سراہا ہے۔ ابو یعلیٰ الخلیلی کا قول ہے:

أخذ علم أبيه و أبي زرة، كان بحرأفي العلوم و معرفة الرجال (۳)

مؤلف نے اپنی اس کتاب میں صحابہ کرام سے لے کر اپنے زمانے تک کے روایت حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تالیف کا اصل محرک امام بخاری کی التاریخ الکبیر بنی جس میں روایت پر نقد و جرح بالعموم موجود نہیں۔ ابو حاتم الرازی (والد عبدالرحمن) اور ان کے معاصر ماہر حدیث اور ممتاز ناقد ابو زرعد رازی نے ارادہ کیا کہ وہ امام بخاری کی کتاب کی اس کمی کو پورا کریں گے یعنی روایت کے حالات کے ساتھ ساتھ وہ ان کے مستند یا غیر مستند ہونے کے بارے میں مشہور ائمہ نقد کی آراء بھی بیان کریں گے۔

ان دو ائمہ حدیث کے منصوبے کو ابن ابی حاتم نے عملی جامہ پہنایا۔ ابن ابی حاتم متقدمین ناقدین حدیث

۱۔ ناقدین نے ان اغلاط کی نشاندہی کی ہے اور ابن ابی حاتم نے ان اغلاط کو بیان خطاء ابی عبداللہ بخاری فی تاریخہ میں ذکر کیا ہے۔ یہ التاریخ الکبیر کے آخر میں شائع ہوئی ہے۔ خطیب بغدادی نے الموضوع لأوهام الجمع والتفريق میں نقد کیا ہے۔

۲۔ اہل علم میں نمایاں شخصیت شیخ عبدالرحمن بن یحییٰ المعلمی کی ہے۔ انہوں نے خطیب کی مندرجہ بالا کتاب کے مقدمہ میں امام بخاری کا دفاع کیا ہے۔

۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۸۳۰/۳، شذرات، ۳۰۸/۲، سبکی، طبقات، ۲۲۵/۳

کے اقوال کے پہلو بہ پہلو وہ اپنے والد کے علم و تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ د/نور الدین عتر کہتے ہیں:

وهو كتاب جليل في هذا الشأن، اعتمد فيه مصنفه على ائمة العلم

لاسيما الامام الكبير والده. (۱)

کتاب کا سرسری جائزہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ بالعموم رِوَاة کی جرح و تعدیل میں ابو حاتم اور ابو زرہ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ گویا کہ یہ کتاب امام بخاری اور ابو حاتم اور ابو زرہ کے علم و تجربے کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ (۲) د/اکرم العمری کہتے ہیں:

وهو من اجمع كتب الجرح والتعديل تابع فيه التاريخ الكبير للبخاري

الا أنه اكثر من إيراد الفاظ الجرح والتعديل واستوعب الكثير من

اقوال ائمة الجرح والتعديل في الرجال فصار خلاصة لجهود

السابقين العارفين بهذا الفن (۳).

ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ وہ ری میں تھے کہ انہوں نے ابن عبدویہ الوراق سے کہا کہ تم ابو زرہ اور ابو حاتم کو کتاب التاریخ سناتے ہو جسے تم نے ان دونوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ وہ بولے کہ جب ان دونوں کے پاس کتاب التاریخ پہنچی تو دونوں نے کہا:

هذا علم لا يستغنى عنه ولا يحسن بنا ان تذكره عن غيرنا فاقعدا ابن

ابى حاتم فصار يسألهما عن رجل بعد رجل و هما يجيبانه و زاد ا فيه

و نقصا (۴)

غالباً یہی حقیقت ہے کہ جس کی وجہ سے جرح و تعدیل پر لکھی گئی کتب میں اس کتاب کو نمایاں مقام ملا اور بعد میں آنے والوں کے لیے مستند ماخذ کے طور پر استعمال ہوئی۔

آٹھ جلدوں پر مشتمل کتاب اور مقدمہ علیحدہ مستقل جلد میں موجود ہے۔ یہ مقدمہ جرح و نقد کے اصول اور مشہور ناقدین فن کے تراجم، سنت اس کی اہمیت و ضرورت اور دیگر اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

جلد اول میں بھی اڑتیس (۳۸) صفحات کا مفید مقدمہ ہے جس میں سنت کی اہمیت، اس کی حفاظت اور

۱- منهج النقد، ۱۳۱

۲- تذكرة الحفاظ، ۳/۹۷۸

۳- بحوث في تاريخ السنة المشرفة، ۱۵۱

۴- تذكرة الحفاظ، ۳/۹۷۸

جرح و تعدیل کی ضرورت وغیرہ کا ذکر ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی اس کتاب میں صحابہ سے لے کر اپنے زمانے تک کے روایہ کا ذکر کیا ہے۔ راوی کے حالات کے ضمن میں عموماً وہ اس کے نام، نسب، نسبت اور کنیت کا ذکر کرتے ہیں۔ ترجمہ میں راوی کے شیوخ و اساتذہ کے ذکر کے علاوہ اس کے علمی اسفار، زہد و تقویٰ اور اگر کسی راوی سے متعلق کوئی اور نمایاں وصف ہو تو اس کو بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد اس کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ روایہ کے سنین و فوات کا کم کم ذکر کرتے ہیں۔ بعض روایہ کے حالات نہایت مختصر ہیں، کئی مقامات پر کوئی خاص معلومات نہیں جبکہ بعض تراجم میں صرف نام روی عن اور روی عنہ پر اکتفا کیا گیا ہے (۱)۔ کتاب میں ایک معتد بہ تعداد ان روایہ کی بھی ہے جن کی ثقاہت یا ضعف کے بارے میں کوئی حکم موجود نہیں۔ مؤلف نے خود اس طرف قاری کو توجہ دلائی ہے، وہ کہتے ہیں:

انا قد ذکرنا اسامی کثیرة مہملة من الجرح والتعدیل کتبناھا لیشتمل  
الکتاب علی کل من روی عنہ العلم رجاء وجود الجرح والتعدیل  
فیہم فنحن ملحقوھا بہم من بعد ان شاء اللہ تعالیٰ (۲)۔

مؤلف نے تراجم حروف مجتم کے مطابق ترتیب دیے ہیں۔ ایسے روایہ جو کسی حرف سے کثیر تعداد میں ہیں، قاری کی سہولت کے لیے ان کو آباء کے ناموں پر حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً اسماعیل نامی روایہ کی تعداد کثیر ہے۔ ان میں سب سے پہلے وہ اسماعیل مذکور ہیں جن کے والد کا نام حرف ”الف“ سے شروع ہوتا ہے۔ پھر وہ روایہ جن کے والد کا نام ”ب“ سے شروع ہوتا ہے اور اسی طرح آخر حرف تک۔

نقد و جرح کے بارے میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقصدنا بحکایتنا الجرح والتعدیل فی کتابنا ہنا الی العارفین بہ  
العالمین لہ متأخراً بعد متقدم الی ان انتہت بنا الحکایة الی ابی و ابی  
زرعة رحمہما اللہ ولم نحک عن قوم قد تکلموا فی ذلك لقلۃ  
معرفتهم بہ، و نسبنا کل حکایة الی حاکیہا والجواب الی صاحبہ،  
ونظرنا فی اختلاف اقوال الائمة فی المسئولین عنہم فحذفنا تناقض  
قول کل واحد منہم وألحقنا بکل مسؤل عنہ ما لاق بہ واشبهہ من

۱- قاری کو اس کی مثالیں جلد اول ہی سے مل سکتی ہیں دیکھیے: الجرح والتعدیل، ۱/۱، ۴۰، ۱۵۰، ۱۵۱، ۲۲۳، ۳۹۹، ۵۳۰، ۵۵۲ وغیرہ۔

۲- کتاب الجرح والتعدیل، ۱/۱، ۳۸



جوابہم۔ (۱)

نقل اقوال میں دیانت داری سے کام لیا ہے۔ اگر کسی راوی کے بارے میں ابوزرعہ سے کسی دوسرے شخص نے دریافت کیا ہے تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور دونوں میں فرق سالت اور سئل سے کرتے ہیں، کہتے ہیں:

كَلِمَا أَقُول سئل ابو زرعة فباني قد سمعته منه إلا أنه سأله غيري

بحضرتی فلذلك لا أقول سالتہ، وأنا فلا ادلس بوجه ولا سبب۔ (۲)

ابن ابی حاتم نے ائمہ کے اقوال جمع کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض مواقع پر اپنی رائے کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں۔ جرح و تعدیل کے متعارض اقوال کی صورت میں تدبر اور باریک بینی سے کام لیتے ہوئے صحیح حکم مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تراجم کا آغاز احمد نامی رواۃ سے کیا ہے۔ باب الف میں سب سے پہلے احمد کا ذکر ہے اور باب م میں سب سے پہلے محمد نامی رواۃ کے حالات کا ذکر کیا ہے۔ اگر کسی نام کا ایک ہی راوی ہو یا غیر منسوب ہو تو ایسے راوی کو ہر حرف کے آخر میں باب الافراد کے تحت لائے ہیں۔ تراجم کے بیان میں حرف معجم کے اعتبار کے ساتھ ساتھ اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ اگر اس حرف سے کسی صحابی کا نام ہے تو اس کا ذکر آغاز میں کرتے ہیں۔ کتاب کے آخری جز کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب ان رواۃ پر مشتمل ہے جو اپنے والد کی نسبت سے معروف ہیں۔

دوسرا باب ان راویان حدیث کے لیے مختص ہے جو اخو فلان کی نسبت سے مشہور ہیں۔

تیسرا باب مبہم رواۃ کے لیے ہے۔

چوتھا باب ان راویوں کے لیے ہے جو نام کے بجائے کنیت سے معروف ہیں۔

پانچواں باب ان خواتین رواۃ کے لیے مختص ہے جو کنیت سے مشہور ہیں۔

کتاب میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ راویان حدیث کے تراجم ہیں۔ یہ کتاب بعد میں آنے والوں کے لیے اہم مرجع بنی۔ ہر جلد کے آغاز میں یا اختتام پر تراجم کی فہرست موجود ہے۔

ابن ابی حاتم نے بخاری کے بعض اوہام کا ذکر بھی کیا بلکہ ایک مستقل رسالہ میں امام بخاری کا تعاقب کیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ بخاری نے بعض رواۃ کو ضعیف کہا حالانکہ حقیقت میں وہ ثقہ ہیں (۳)۔

۱- کتاب الجرح والتعديل، ۱/۱/۳۸

۲- ایضاً، ۲/۱/۵۰۱

۳- امام بخاری کے اوہام سے متعلق ابن ابی حاتم کا یہ رسالہ امام بخاری کی التاریخ الکبیر کے ساتھ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہمارے سامنے اس کتاب کے دو ایڈیشن ہیں۔ پہلا حیدرآباد دکن سے مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ کا جو ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن جو پہلے کا عکس ہے اسے دار احیاء التراث العربی، بیروت نے شائع کیا۔ اس پر سن طباعت موجود نہیں۔ مختلف مخطوطات کے تقابلیں کے بعد یہ ایڈیشن تیار کیا گیا ہے۔ کتاب چار جلدوں اور ہر جلد دو اجزاء پر مشتمل ہے جب کہ مقدمہ تقدمة الجرح علیحدہ مستقل جلد میں ہے۔ ناشرین نے ہر جز کو علیحدہ علیحدہ نمبر دیا لہذا بشمول مقدمہ یہ کتاب نو جلدوں پر مشتمل ہے۔

### ۳۔ کتاب الوفيات

ابن زمر الربعی، محمد بن عبد اللہ دمشقی (م ۳۷۹ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ اس کتاب میں ہجرت سے لے کر ۳۳۸ھ تک وفات پانے والے اہل علم کے حالات سنین و وفات کے مطابق مرتب کیے گئے ہیں۔ اہل علم نے اس کتاب کی خدمت کی اور متعدد ذیول لکھے گئے۔

ابو محمد عبدالعزیز بن احمد الکتانی (م ۴۶۶ھ) نے ایک ذیل ۳۳۸ھ تا ۴۶۵ھ لکھا۔ کتابی کے ذیل پر ان کے ایک شاگرد الا کفانی، ابو محمد حبیب اللہ (م ۵۲۴ھ) نے ایک ذیل لکھا۔ ازاں بعد حافظ ابوالحسن علی بن المفضل المقدسی (م ۶۱۱ھ) نے ایک ذیل ۵۸۱ھ تک وفات پانے والے راویوں کے حالات پر مرتب کیا۔

عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م ۶۵۶ھ) نے ایک تفصیلی ذیل بعنوان التکملة لوفیات النقلة مرتب کیا۔ انہوں نے اپنے اس ذیل میں ماقبل ذیول سے جو رواۃ رہ گئے تھے ان کو بھی شامل کیا۔

ابن ایبک الدمیاطی (م ۷۴۹ھ) نے ذیل لکھا جو ۷۴۹ھ تک وفات پانے والے رواۃ پر مشتمل تھا۔ اس ذیل پر زین الدین عراقی (م ۸۰۵ھ) صاحب فتح المغیث اور ابو زرہ عراقی (م ۸۲۶ھ) نے اپنے زمانے تک کی شخصیات کو شامل کیا۔ یہ تمام ذیول رواۃ کے سنین و وفات کے مطابق ہیں اور اصل کتاب کی نسبت زیادہ مفصل ہیں (۱)۔



اور علیحدہ بھی مطبوع ہے۔ ابن رجب بھی کہتے ہیں کہ امام بخاری شامی رواۃ کے سلسلے میں وہم کا شکار ہوئے ہیں۔ جامع العلوم والحکم، ۲۴۴/د/۱، اکرم ضیاء العمری نے بخاری کا دفاع کیا ہے۔ دیکھیے بحوث فی تاریخ السنہ، ۱۴۰۔ ان معلومات کو کشف الظنون (۲/۲۰۱۹-۲۰۲۰) اور الرسالة المستطرفة (۱۷۱-۱۷۳) سے اخذ کیا گیا ہے۔

## معرفة بلدان الرواة و اوطانهم

ہم نے یہ عنوان ابن حجر کی ترتیب کے مطابق لکھا ہے (۱)۔ حافظ ابن الصلاح کے ہاں یہ معرفة اوطان الرواة و بلدانہم ہے (۲)۔ چونکہ مدعا ایک ہے اور مقصود میں فرق نہیں ہے اس لیے الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حافظ ابن حجر نے حسب معمول ایجاز سے کام لیتے ہوئے صرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ومن المهم أيضاً معرفة بلدانهم و اوطانهم. (۳)  
اور ان (رواة) کے وطن اور شہروں کی معرفت بھی اہم ہے۔

### اہمیت

راویوں کے ناموں، کنیتوں اور نسبتوں اور نسبوں کی اہمیت مسلم ہے۔ محدثین نے اس سے اعتنا کیا ہے اور اس سلسلے میں اہم تفصیلات مہیا کی ہیں۔ ان ہی کی طرح راویوں کے وطن اور شہروں کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفائدته الامن من تداخل الاسمين اذا اتفقا نطقاً لكن افتراقاً  
بالنسبة (۴).

اس کے جاننے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دو ہم نام راویوں کے متداخل ہونے سے حفاظت ہو اور متفرق نسبتیں واضح ہو جائیں۔

گویا راویوں کو اپنے شہر سے منسوب کرنے سے ہم نام راوی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ شہروں اور علاقوں کی نسبت سے نہ صرف امتیازات قائم ہوتے ہیں بلکہ انفرادی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ محدثین نے اس لحاظ سے باریک بینی کا مظاہرہ کیا ہے اور نہایت احتیاط سے ان نسبتوں کو واضح کیا اور محفوظ بنایا ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱- نزہة النظر، ۱۷

۲- ابن الصلاح، ۳۰۳، ابن الصلاح کے ہاں یہ آخری باب ہے اور اسی پر کتاب ختم ہوتی ہے۔

۳- نزہة النظر، ۱۷

۴- ابناً، ۱۷

و ذلك مما يفتقر حفاظ الحديث الى معرفته في كثير من تصرفاتهم، و من مظان ذكره ”الطبقات“ لا بن سعد. و قد كانت العرب انما تنتسب الى قبائلها، فلما جاء الاسلام و غلب عليهم سكنى القرى والمدائن حدث فيما بينهم الانتساب الى الأوطان، كما كانت العجم تنتسب، وأضاع كثير منهم أنسابهم؛ فلم يبق لهم غير الانتساب الى أوطانهم (۱). اور یہ اس لیے ہے کہ حافظان حدیث اپنے بہت سے معاملات میں اس کی معرفت کے محتاج ہیں اور اس کے مآخذ و مصادر میں طبقات ابن سعد ہے۔ عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ صرف قبائل کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ جب اسلام آیا اور ان پر بستیوں اور شہروں کی رہائش غالب آئی تو ان کے درمیان اوطان کی طرف انتساب شروع ہوا جیسا کہ عجمیوں کے ہاں انتساب ہوتا تھا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے انساب ضائع کر دیے۔ اب ان کے لیے اوطان کی طرف انتساب کے سوا کچھ نہ بچا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ علماء حدیث کی اکثریت نے اس سے اعتنا کیا ہے اور اس کے کئی فوائد ہیں ان میں سے ایک راوی کے شیخ کی معرفت ہے جو شاید اس کے بغیر مشتبہ ہو۔ جب اس کے شہر کا پتہ چل جائے تو اس کی شہریت کا تعین ہو سکتا ہے اور یہ بہت اہم ہے۔ (۲) حافظ ابن الصلاح کی بات کو انھوں نے اپنے انداز میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

و قد كانت العرب انما ينسبون الى القبائل و العماثر و العشائر و البيوت و العجم الى شعوبها و رسا تيقها و بلد انها، و بنو اسرائيل الى اسباطها، فلما جاء الإسلام وانتشر الناس في الاقاليم، نسبوا اليها والى مدنها و قراها. (۳)

اور جہاں تک عربوں کا تعلق ہے تو قبائل، ان کی شاخوں، آل اولاد اور خاندانوں کی طرف منسوب ہوتے تھے اور عجمی اپنے گروہوں، دیہاتوں اور شہروں کی طرف منسوب ہوتے جب کہ بنو اسرائیل اپنے اسباط (قبائل) کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ جب اسلام آیا اور لوگ مختلف علاقوں میں پھیل گئے تو ان کی نسبتیں بھی انہی علاقوں، شہروں اور بستیوں کی طرف ہو گئیں۔

۱- ابن الصلاح، ۴۰۴؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۴۶۷؛ تدریب، ۵۳۲

۲- الباعث الحثیث، ۲۳۲

۳- ایضاً، ۲۳۲

راوی کے شیخ کی معرفت کے ساتھ خود راوی کے بارے میں اس طرح کی معلومات مفید ہیں کیونکہ مشابہ الاسم راوی کو اس کی نسبت سے متمیز کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مہمل کا تعین ہو سکتا ہے مدلس راوی ظاہر ہو سکتا ہے اور راویوں کی ملاقات کے سلسلے میں وضاحت ہو سکتی ہے اس سے راوی کی حدیث ضعیف کا پتہ چل سکتا ہے جیسے یعقوب ابن شیبہ نے امام معمر بن راشد کے بارے کہا:

سما ع اهل البصرة من معمر حين قدم عليهم فيه اضطراب لأن كتبه  
لم تكن معه. (۱)

اہل بصرہ کے ہاں جب معمر آئے تو ان سے ان کا سماع میں اضطراب ہے کیونکہ معمر کے پاس ان کی کتابیں نہ تھیں۔

حافظ عراقی نے سب پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے جامع بیان نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

مما يحتاج إليه أهل الحديث معرفة أوطان الرواة و بلد انهم، فان ذلك  
ربما ميز بين الإسمين المتفقين في اللفظ فينظر في شيخه و تلميذه  
الذي روى عنه فر بما كان أو أحدهما من بلد أحد المتفقين في الاسم  
فيغلب على الظن أن بلديهما هو المذكور في السند لا سيما إذا لم  
يعرف له سماع بغير بلده، وايضاً ربما استدل بذكر وطن الشيخ أو  
ذكر مكان السماع على الإرسال بين الراويين إذا لم يعرف لهما  
اجتماع عند من لا يكتفى بالمعاصرة، و سمعت شيخنا الحافظ ابا  
محمد عبدالله بن ابي بكر القرشي يقول غير مرة: كنت اسمع قراءة  
الحافظ ابي الحجاج المزني في كتاب عمل اليوم والليله للحسن بن  
علي ابن شبيب المعمرى فمر حديث من رواية يونس بن محمد  
المؤذن عن الليث بن سعد فقلت للمزني في أين سمع يونس من  
الليث؟ فقال لعله سمع منه في الحج، ثم استمر في القراءة ثم قال: إلا  
الليث ذهب في الوسيلة إلى بغداد فسمع منه هناك. (۲)

اہل الحدیث کو جن چیزوں کی احتیاج ہے ان میں راویوں کے وطن اور شہروں کی معرفت بھی

۱- شرح العلل، ۲/۶۰۲

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۶۷

ہے، کیونکہ یہ دو متفق اللفظ اسماء کے درمیان ایک امتیاز ہے لہذا اس کے شیخ اور اس سے روایت کرنے والے شاگرد کو دیکھا جائے گا۔ ممکن ہے دو یا ایک متفق اللفظ ناموں میں سے کسی ایک کے شہری ہوں اس طرح غالب گمان ہے کہ ان دونوں کے شہر وہی ہوں جو سند میں مذکور ہیں خاص طور پر جب اپنے شہر کے سوا ان کا سماع ثابت نہ ہو اور کبھی شیخ کے وطن اور سماع کی جگہ کے ذکر سے دور اویوں کے درمیان ارسال پر استدلال کیا جائے، بالخصوص ان کے نزدیک جو معاشرت کو کافی نہیں سمجھتے، ان کا اجتماع معروف نہ ہو۔

میں نے اپنے شیخ حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن ابوبکر القرشی کو کئی مرتبہ کہتے سنا: میں نے حافظ ابو الحجاج المزنی کو حسن بن علی بن شیبہ المعمری کی کتاب عمل الیوم واللیلۃ کی قراءت کو سنا۔ وہ یونس بن محمد الموزن کی لیث بن سعد سے روایت کردہ حدیث سے گزرے تو میں نے المزنی سے کہا: یونس نے لیث سے کہاں سنا؟ تو انھوں نے کہا: شاید اس نے حج کے موقع پر سنا ہو۔ پھر انھوں نے قراءت جاری رکھی پھر کہا: مگر لیث بغداد گئے اور اس نے وہاں سنا ہوگا۔

راوی جس شہر یا بستی میں قیام کرتا اسی سے منسوب ہوتا لیکن بعض اوقات ایک سے زائد جگہوں پر قیام کرتا تو

ان سب کا تذکرہ ضروری ہوتا۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و من كان من الناقلة من بلد إلى بلد وأراد الجمع بينهما في الانتساب فليبدأ بالأول ثم بالثاني المنتقل إليه، و حسن ان يدخل على الثاني كلمة "ثم" فيقال في الناقلة من مصر إلى دمشق مثلاً: فلان المصري ثم الدمشقي، و من كان من أهل قرية من قرى بلدة فجائز أن ينتسب إلى القرية وإلى البلدة أيضاً وإلى الناحية التي منها تلك البلدة. (۱)

اور جو شخص ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونے والا ہو اور اس کے انتساب میں دونوں جمع کرنا ہو تو پہلے سے شروع کرے پھر دوسرے کا ذکر کرے اور مستحسن یہ ہے کہ دوسرے سے پہلے لفظ "ثم" کا اضافہ کرے مثلاً مصر سے دمشق منتقل ہونے والے کے لیے کہا جائے گا: "فلان المصري ثم الدمشقي" اور جو کسی شہر سے متعلق بستی کا رہنے والا ہے تو اس بستی اور شہر کا ذکر درست ہے اور اس علاقہ کا ذکر جس سے اس شہر کا تعلق ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کسی شہر کی نسبت کے لیے ضروری ہے کہ وہاں چالیس سال

۱- ابن الصلاح، ۳۰۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۶۷؛ فتح المغیث للسحاری، ۳ / ۳۸۳؛ تدریب، ۵۳۲؛ امام نووی نے الناحیۃ پر اقلیم کا اضافہ کیا ہے۔



قیام کیا جائے لیکن یہ بات محل نظر سے۔ (۱)

حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ اگر نسبتیں ایک سے زیادہ ہوں تو سب کی طرف نسبت ہو سکتی ہے اور ایک کی طرف بھی اور عام سے شروع کر کے خاص کی طرف جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

فیقول: فیمن هو من "حراستا" مثلاً، وہی قرية من قرى الغوطة التي هي كورة من كورة دمشق "الحراستائی" او "الغوطة" او "الدمشقی" او "الشامی" وله الجمع فيها، فبدأ بالأعم وهو الاقليم، ثم الناحية، ثم البلد، ثم القرية فيقال: الشامی، الدمشقی الغوطة الحراستائی و كذا فی النسب إلى القبائل، يبدأ بالعام قبل الخاص ليحصل بالثاني فائدة لم تكن لازمة في الاول. (۲)

مثلاً جو شخص حراستا سے ہے اور حراستا الغوطة کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور الغوطة دمشق کا ایک ضلع ہے اسے کہا جائے گا الحراستائی، یا الغوٹی، یا الدمشقی یا الشامی۔ ان کو جمع بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور جو سب سے عام ہے اس سے شروع کیا جائے گا اور وہ اقليم ہے، پھر ناحیہ ہے، پھر بلد اور پھر قریہ۔ لہذا کہا جائے گا: الشامی، الدمشقی، الغوٹی الحراستائی اسی طرح قبائل کی طرف نسبتوں کا معاملہ ہے۔ خاص سے پہلے عام سے شروع کیا جائے گا۔

مثالیں

حافظ ابن الصلاح نے مثالیں دینے سے پہلے کہا ہے کہ ہم حافظ ابو عبد اللہ حاکم کی اقتداء میں احادیث مع اسناد روایت کریں گے اور رواۃ کے شہروں سے آگاہ کریں گے۔ حافظ کے لیے مستحسن ہے کہ وہ حدیث کو سند کے ساتھ روایت کرے پھر ایک ایک کر کے راویوں کے وطن اور دیگر احوال کا تذکرہ کرے۔ (۳)

۱. أخبرني الشيخ المسند المعمر أبو حفص عمر بن محمد بن المعمر، رحمه الله بقراءتي عليه ببغداد، قال: أخبرنا أبو بكر محمد بن عبد الباقي بن محمد الانصاري، قال: أخبرنا أبو اسحاق إبراهيم بن أيوب ماسي، قال حدثنا أبو مسلم إبراهيم بن عبد الله الكنجي قال:

۱- الباعث الحثيث، ۲۳۳

۲- تدریب، ۵۳۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳۸۳/۴

۳- ابن الصلاح، ۳۰۵

حدثنا محمد بن عبد الله الأنصاري قال: حدثنا سليمان التيمي عن  
انس قال: قال رسول الله ﷺ: لا هجرة بين المسلمين فوق ثلاثة ايام  
”او قال“: ثلاث ليال. (۱)

سليمان التيمي انس سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
مسلمانوں کے درمیان تین دنوں سے زیادہ قطع تعلق درست نہیں یا آپ ﷺ نے فرمایا:  
”تین راتیں۔“

۲. أخبرني الشيخ المسند أبو الحسن المؤيد بن محمد بن علي  
المقرئ بقراءتي عليه بنيسابور عوداً علي بدء من ذلك مرة علي  
رأس قبر مسلم بن الحجاج، قال: أخبرنا فقيه الحرم أبو عبد الله.  
محمد بن الفضل الفراوي، عند قبر مسلم ايضاً و أخبرني أم المؤيد  
زينب بنت أبي القاسم عبد الرحمن بن الحسن الشعري بقراءتي  
عليها بنيسابور مرة و بقراءة غيري مرة أخرى رحمها الله قلت:  
أخبرك اسماعيل بن أبي القاسم بن أبي بكر القاري قراءة عليه قال:  
أخبرنا أبو حفص عمر بن أحمد بن مسرور، قال: أخبرنا أبو عمرو  
اسماعيل بن نجيد السلمي، قال: أخبرنا أبو مسلم إبراهيم بن عبد الله  
الكجبي، قال: حدثنا محمد بن عبد الله الأنصاري قال: حدثني حميد  
الطويل، عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: انصر أخاك ظالماً  
أو مظلوماً، قلت: يا رسول الله ﷺ، انصره مظلوماً فكيف انصره  
ظالماً؟ قال: تمنعه من الظلم، فذلك نصره إياه. (۲)

..... انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ  
ظالم ہو یا مظلوم“ انس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، ”مظلوم کی مدد تو کروں،

۱- ابن الصلاح، ۳۰۵-۳۰۶؛ بخاری، الجامع، کتاب الادب، باب الهجرة ...، ۹۰، ۹۱؛ مسلم  
الجامع، کتاب البر، باب تحریم الہجر فوق ثلاث، ۸/۹، ۱۰  
۲- ابن الصلاح / ۳۰۶؛ بخاری، الجامع، کتاب الاکراه (۹۰)، باب یمین الرجل لصاحبه انه اخره،  
۵۸/۸؛ مسند احمد، ۳/۹۹-۲۰۱

ظالم کی کیسے مدد کروں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد ہے۔

حافظ ابن الصلاح ان دونوں حدیثوں کی سند میں نسبتوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں سماع میں عالی مرتبہ رکھتی ہیں مزید یہ سند لطیف اور متن صحیح ہے۔ پہلی حدیث میں انس سے ابو مسلم تک بصری ہیں اور اس کے بعد ابو مسلم سے ہمارے شیخ تک اس میں بغدادی ہیں دوسری حدیث میں انس سے نیچے ابو مسلم تک بصری ہیں اور اس کے بعد ابو نجید سے ہمارے شیخ تک نيسابوری ہیں۔

۳. أخبرني الشيخ الزكي أبو الفتح منصور بن عبد المنعم بن أبي

البركات ابن الامام أبي عبدالله محمد بن الفضل الفراوي بقراءتي

عليه بنيسابور رحمه الله، قال: أخبرنا جدي أبو عبدالله محمد بن

الفضل، قال: أخبرنا أبو عثمان سعيد بن محمد البحيري قال: أخبرنا

أبو سعيد محمد بن عبدالله بن حمدون، قال: أخبرنا أبو حاتم مكي بن

عبدان، قال: أخبرنا عبدالرحمن بن بشر، قال: أخبرنا عبدالرزاق، قال:

أخبرنا ابن جريج، قال: أخبرني عبدة بن ابى لبابة ان وراداً مولى

المغيرة بن شعبة اخبره، ان المغيرة بن شعبة كتب الى معاوية، كتب

ذلك الكتاب له وراداً، انى سمعت رسول الله ﷺ يقول حين يسلم:

”لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، اللهم لا مانع

لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (۱)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اس کا ہے، تعریف اسی کو زیبا ہے، وہ

ہر شے پر قادر ہے۔ اے اللہ سے کوئی روکنے والا نہیں جو تو عطا کرے اور اسے کوئی دینے والا

نہیں جسے تو روک دے۔ اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش تیرے سامنے نفع نہیں دیتی۔

حافظ ابن الصلاح کے مطابق اس حدیث کی سند میں، مغیرہ بن شعبہ، ورا د اور عبده کوفی ہیں، ابن جریج مکی،

عبدالرزاق صنعانی یمنی ہیں۔ عبدالرحمن بن بشر سے ہمارے شیخ تک سب نيسابوری ہیں۔

## مصادر بلدان الرواة

مواطن الرواة و بلدانهم کے عنوان سے لکھی گئی کتب بالعموم کسی خاص شہر یا علاقے کے ہارے میں

۱- ابن الصلاح، ۳۰۷، بخاری، الجامع، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوة، ۷/ ۱۵۱

معلومات و واقعات کے ساتھ ساتھ وہاں کے رہائشی رجال حدیث اور روایۃ کی معرفت کے بیان پر مشتمل ہوتی ہیں۔ (۱) اس نوع کی کتابیں راویان حدیث کی پہچان اور ان سے بیان کردہ روایات کی صحت و عدم صحت متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس منہج پر لکھی گئی قدیم ترین کتاب غالباً مکمل (م ۲۹۲ھ) کی تاریخ واسط ہے جو مولف نے ۲۸۸ھ میں تالیف کی۔ امام حاکم (م ۴۰۵ھ) کی تاریخ نيسابور چند ابتدائی کتب میں سے ہے۔ (۲) کتاب المحدثين باصفهان والواردين عليها جس کے مؤلف ابو الشیخ الانصاری (م ۳۶۹ھ) ہیں۔ یہ کتاب اصفہان میں مقیم اور وہاں تشریف لانے والے صحابہ کرام، تابعین اور دیگر بعد میں آنے والے محدثین کے حالات پر مشتمل ہے۔ (۳) ایک اور اہم کتاب ابو نعیم الاصفہانی (م ۴۳۰ھ) کی کتاب ذکر اخبار اصفہان ہے (۴)۔ ان مقامی تواریخ میں اس شہر اور اس کے مضافات میں مقیم محدثین کرام کے حالات بڑے اہتمام اور صحت کے ساتھ محفوظ کیے گئے ہیں۔ یہاں ہم اس نوع کی ایک اہم کتاب تاریخ بغداد پر اختصار سے گفتگو کریں گے۔

## تاریخ بغداد

اس کتاب کے مؤلف علوم حدیث پر مہارت تامہ رکھنے والے ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) ہیں۔ (۵) خطیب بغدادی اپنے علم اور فضل کی وجہ سے متقدمین اور متاخرین میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ابن ماکولا کہتے ہیں:

كان أحد الأعيان ممن شاهدناه معرفة و حفظا و اثباتا و ضبطا لحدیث  
رسول الله ﷺ و تفننا فی علله و اسانیده و علما بصحیحه و غریبه (۶)  
ابن السمعانی کہتے ہیں:

كان مهيبا و قورا ثقة متحريرا حجة حسن الخط كثير الضبط فصیحا

- ۱- کتب مواطن الروایة و بلدانهم کے لیے دیکھیے: بحوث فی تاریخ السنة، ۲۶۰-۲۶۵؛ المدخل إلى دراسة، ۳۲۳-۳۲۷
- ۲- اصل کتاب مفقود ہے۔ اس کا اختصار موجود ہے جو طہران سے شائع ہوا۔
- ۳- یہ کتاب شائع ہو چکی ہے، پہلے سید کسروی کے تحقیق کے ساتھ ۱۹۸۹ء میں بیروت سے چھپی۔ اسی کتاب کو عبد الغفور عبد الحق نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت سے ۱۹۹۲ء میں مفید مقدمہ و حواشی کے ساتھ شائع ہوئی۔
- ۴- یہ کتاب بھی سید کسروی حسن کی تحقیق کے ساتھ، دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔
- ۵- مؤلف کے حالات کے لیے دیکھیے: سیر اعلام، ۲۷۰/۱۸؛ وفيات، ۷۶/۱-۷۷؛ مسکي، طبقات، ۲۹/۴
- ۶- شذرات الذهب، ۳۱۲/۳؛ تذكرة الحفاظ، ۱۱۳۷/۳؛ مسکي، طبقات، ۳۱/۴

ختم به الحفظ (۱)

خطیب بغدادی نے علوم حدیث کی بیشتر انواع پر مفید تالیفات مرتب کیں۔ تاریخ بغداد اپنی جامعیت اور صحت کے اعتبار سے مفید اور مشہور کتاب ہے۔ اہل علم نے اس کی گونا گوں خوبیوں کو سراہا ہے۔

حافظ سخاوی کہتے ہیں: والتاریخ للخطیب سماہ تاریخ بغداد و هو تاریخ العالم (۲)۔

ابن العماد حنبلی فرماتے ہیں: وله تاریخ بغداد الذی لم یصنف مثله (۳)۔

حاجی خلیفہ کہتے ہیں:

کتب علی طريقة المحدثین جمع فیہا رجالہا ومن ورد بہا وضمّ الیہ

فوائد جمعة (۴)

ابن خلکان کہتے ہیں:

لولم یکن له سوی التاریخ لکفاه۔ (۵)

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب میں بغداد کی تعمیر سے لے کر اپنی وفات تک کے اہل علم محدثین، فقہاء، مفسرین، متکلمین، خلفاء و امراء، ملوک، ماہرین نحو و صرف کے حالات بیان کیے ہیں۔ (۶) عروس البلاد 'بغداد' جو اس وقت علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا مرکز تھا اہل علم کی توجہ کا مرکز بنا۔ مؤلف نے اپنی کتاب میں بغداد کے علماء، محدثین کے علاوہ ان محدثین و فقہاء کا ذکر بھی کیا ہے جو اپنے علمی اسفار کے دوران یہاں وارد ہوئے اور یہاں کے محدثین کی مجالس علمی میں شریک ہوئے یا بغداد کے محدثین نے استفادے کے لیے اہل علم کو دوسرے علاقوں سے بغداد بلایا۔ اس کتاب میں بغداد کے علاوہ قرب و جوار کے معروف علاقوں اور مقامات پر رہنے والے صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد کے محدثین کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب میں تراجم کی غالب تعداد علوم دینیہ بالخصوص علماء حدیث کی ہے۔ یہ کتاب رواۃ حدیث اور ان کے بارے میں آئمہ نقد کی آراء کی معرفت کے لیے قابل اعتماد ماخذ ہے۔

کتاب کے آغاز میں تفصیلی مقدمہ ہے جو تقریباً ایک سو ستائیس صفحات پر مشتمل ہے اس مقدمہ میں بغداد کے محل وقوع، اس کی آب و ہوا، اہم مقامات، شاہراہوں، سیرگاہوں، مساجد اور شہر کی خوبصورتی سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ مقدمے کے بعد مدائن، اس کی فتح اور یہاں آنے والے صحابہ کرام کا تذکرہ ہے جو صفحہ ایک سو ستائیس سے دو سو بارہ تک محیط ہے۔ آغاز کتاب میں بغداد میں رہائش اختیار کرنے اور تشریف لانے والے صحابہ کرام کا ذکر

۲- الإعلان بالتوبیخ، ۱۵۱

۳- کشف الظنون، ۱/۲۸۸

۶- تاریخ بغداد، ۱/۱۳۲-۱۳۳

۱- شذرات الذهب، ۳/۳۱۲

۳- شذرات الذهب، ۵/۲۶۳

۵- وفيات الاعیان، ۱/۷۶

ہے۔ بعد ازاں بغداد اور اس کے مضافات کے محدثین کے حالات حروف معجم پر مرتب کیے گئے ہیں۔ محمد نامی حضرات کو پہلے لائے ہیں اور اس کی وجہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک ہے۔ ایسے اسماء کے حامل روادے جو کثیر ہیں، ان کی ترتیب آباء و اجداد کا لحاظ کرتے ہوئے حروف معجم کے مطابق کی ہے۔

خطیب بغدادی، معرفت حدیث اور نقد میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ لہذا روادے کی صحت و عدم صحت کے بارے میں ان کا قول بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس فن پر بعد میں لکھی جانے والی کتب میں ان کے اقوال کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ محدثین کے ترجمہ میں رادی کا نام و نسب، نسبت، کنیت، شیوخ و تلامذہ اور بعض ممتاز عادات و خصائل اور مناصب کا ذکر کرتے ہیں۔ روادے کے بارے میں علمائے نقد کے اقوال بھی درج کرتے ہیں اور بعض وقت وہ اپنی ذاتی رائے بھی بیان کرتے ہیں۔

جرح و تعدیل میں خطیب کے منہج کے بارے میں ابو محمد ابن الا بنوسی کہتے ہیں:

کل من ذکر فیہ أقاویل الناس من جرح و تعدیل فالتعویل علی

ما آخرت (۱)

راویان حدیث سے مردی بعض احادیث کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ کتاب میں سات ہزار آٹھ سو اکتیس (۷۸۳۱) تراجم کا ذکر کیا ہے۔

اہل علم نے کتاب کی افادیت کے پیش نظر مختلف پہلوؤں سے خدمت کی ہے۔ صاحب کتاب الانساب، سمعانی (م ۵۲۲ھ) نے اس پر ایک ذیل لکھا (۲)۔ عماد الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد الکاتب (م ۵۹۷ھ) نے بھی ایک ذیل بعنوان السیل علی الذیل تالیف کیا۔ انہوں نے سمعانی سے جو چیزیں رہ گئی تھیں ان کو بھی اس میں شامل کیا (۳)۔

اس ذیل پر ابو عبد اللہ محمد بن سعید المعروف بابن الدبیشی (م ۶۳۷ھ) نے بھی ایک ذیل لکھا۔ ابن الدبیشی کے ذیل پر ابن القطعی نے ذیل لکھا۔ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے ابن الدبیشی کے ذیل کا خلاصہ/اختصار لکھا۔

ابن النجار بغدادی (م ۶۳۲ھ) نے ایک ضخیم ذیل لکھا جس کے بارے میں حاجی خلیفہ کہتے ہیں جمع فیہ و اوعی۔ ابن النجار کے ذیل پر تقی الدین محمد بن رافع (م ۷۷۷ھ) نے ایک ذیل تالیف کیا۔ بقول حاجی خلیفہ و هو

فی غایۃ الاتقان

محمد بن رافع کے ذیل پر ابو بکر المارستانی کا اور مارستانی کے ذیل پر تاج الدین علی بن انجب الساعاتی کا ذیل

۱- تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۱۳۹

۲- کشف الظنون، ۱/۲۸۸، ۸۳۲، سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۲۸۹ حاشیہ، ۳

۳- ایضاً، ۱/۲۸۸



ہے۔ دمیاطی (م ۷۴۹ھ) نے بھی ایک ذیل لکھا ہے۔ ابی الیمن مسعود بن محمد البخاری (م ۴۶۱ھ) نے تاریخ بغداد کا ایک اختصار مرتب کیا۔

ابن النجار (م ۶۴۲ھ) نے ذیل کے علاوہ ایک اختصار بھی تالیف کیا۔ دمیاطی (م ۷۴۹ھ) نے ایک تلخیص بعنوان المستفاد من ذیل تاریخ بغداد لکھی (۱)

عصر حاضر میں بھی کتاب اور مؤلف کتاب دونوں کی قدر دانی ہوئی۔ علم حدیث میں رسوخ رکھنے والے د/العمری نے موارد الخطیب اور استاذ یوسف العث وغیرہ نے خطیب بغدادی مورخ بغداد و محدثا کے عنوانات سے متعلق مفید تحقیقات کیں۔ ایک جامع فہرست بھی شائع ہوئی ہے۔ (۲) یہ فہارس، اعلام، مصادر، قبائل، آیات، احادیث و آثار وغیرہ پر مشتمل ہے۔

ہمارے سامنے اس وقت تاریخ بغداد کے دو ایڈیشن ہیں۔ پہلا ایڈیشن دارالکتب العربی، بیروت سے چودہ جلدوں میں شائع ہوا۔ ہر جلد کے آخر میں فہرست تراجم دی گئی ہے۔

دوسرا ایڈیشن بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت سے ۱۹۹۷ء/۱۴۱۷ھ میں استاذ مصطفیٰ عبدالقادر عطا کی تحقیق و حواشی کے ساتھ شائع ہوا۔ اصل کتاب چودہ جلدوں میں ہی ہے۔ محقق نے مفید حواشی تحریر کیے ہیں۔ تراجم کی دیگر مصادر میں تخریج و تحدید کی گئی ہے۔ احادیث کی تخریج کے ساتھ کتاب میں مذکور بعض واقعات کی تحدید و تعیین بھی دوسرے مصادر سے کی گئی ہے۔ سرخیوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تراجم کی تعداد سات ہزار آٹھ سو تیس ہے۔ اس ایڈیشن کی پندرہویں جلد ابن الدبیشی کے ذیل اور امام ذہبی کے اختصار پر مشتمل ہے۔ جلد سولہ تا بیس (۱۶-۲۰) میں ابن النجار کا ذیل ہے۔ اس طرح یہ چھ جلدیں تاریخ بغداد کے دو ذیول اور ایک اختصار پر مشتمل ہے اور اصل کتاب چودہ جلدوں میں ہے۔



۱- ان تمام معلومات کا مأخذ کشف الظنون، ۱/۲۸۸؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۲۸۹، حاشیہ ۳، تاریخ ادب العربی (براکلمن کی کتاب کا عربی ترجمہ)، ۶/۵۶ ہے۔  
۲- اس فہرست تک رسائی نہ ہو سکی۔

## الجرح والتعديل

جرح و تعديل اصول حدیث کا ایک اہم موضوع ہے اصول حدیث کے ہر مصنف نے اس پر اظہار خیال کیا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ ہم اس اہم موضوع کا آغاز تعریف سے کرتے ہیں یعنی جرح تعديل کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کے بیان سے شروع کرتے ہیں۔ یہ دو اصطلاحوں کا مجموعہ ہے اور دونوں مل کر ہی صورت گیری کرتی ہیں۔ جرح کا اپنا مفہوم اور تعديل کا اپنا۔

### الجرح ☆ کے لغوی معنی

جرح کا مادہ ج، ر، ح ہے۔ لغت میں اس کے معنی بیان کرتے ہوئے ابن منظور نے کہا:

الجرح . بالفتح . التأثير في الجسم بالسلاح . (۱)

تقہ کے ساتھ الجرح کسی کو ہتھیار کے ساتھ جسمانی طور پر متاثر کرنا۔

بعض فقہاء لغت کے نزدیک ضمہ کے ساتھ الجرح جسمانی زخم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (۲) اور الجرح فتح

کے ساتھ معنوی زخم کے لیے مستعمل ہے۔ جیسے زبان سے سب دشتم کرنا یا کسی عزت و آبرو پر طعن کرنا (۳) کہا جاتا ہے:

جرح فلانا بلسانه اذا سبه و شتمه . (۴)

اس نے فلاں شخص کو اپنی زبان سے مجروح کیا جب اس نے اسے گالی دی۔

اس کے علاوہ یہ لفظ گواہ کی حیثیت کو مجرد ح قرار دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہا جائے:

جرح الحاكم الشاهد اذا اعثر منه على ما تسقط به عدالته من كذب

وغیره . (۵)

☆ ایک معاصر مؤلف عبداللہ الحدادی نے جرح، اسباب جرح اور اصول جرح پر تفصیلی بحث کی ہے۔ دیکھیے تحریر علوم

الحدیث، ۱/۳۵۵-۳۷۸

۱- لسان العرب، ۲/۳۲۲؛ مادہ ”جرح“؛ تاج العروس، ۲/۱۳۰؛ القاموس المحيط، ۱/۲۵۵

۲- تاج اللغة و صحاح العربية، ۱/۳۵۸؛ معجم اللغة، ۱/۱۸۶، مادہ ”جرح“

۳- تاج العروس، ۲/۱۳۰، مادہ جرح

۴- ایضاً، ۲/۱۳۰؛ القاموس، ۱/۲۱۸

۵- ایضاً، ۲/۱۳۰؛ لسان العرب، ۲/۳۲۲

حاکم نے گواہ پر جرح کی جب حاکم کو گواہ کے متعلق کوئی ایسی شکایت ہو جس سے اس کی عدالت ساقط ہو جائے جیسے کذب وغیرہ۔

ابن منظور اور زبیدی نے لکھا ہے:

وهو الطعن على الرجل ورد شهادته. (۱)

اس کا مطلب کسی شخص پر طعن اور اس کی شہادت کا رد ہونا ہے۔

علامہ مخشری نے اس لفظ کو فساد کے معنی میں بھی بیان کیا ہے اور استدلال میں عبدالملک بن مروان کے خطبہ میں اس کے استعمال کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ عبدالملک نے کہا:

وقد وعظتكم فلم تزدادوا على الموعدة الا استجراحاً  
أى فساداً. (۲)

میں نے تمہیں نصیحت کی لیکن تم نے نصیحت پر صرف فساد میں اضافہ کیا۔  
زمخشری نے تابعی ابن عون کا یہ قول نقل کیا ہے:

كثرت هذه الأحاديث و استجرحت أی فسدت و قل صحاحها. (۳)  
احادیث زیادہ ہو گئیں اور ان میں خرابی پیدا ہو گئی یعنی صحیح حدیثوں کی کمی ہو گئی۔  
ابن منظور نے اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا:

أراد أن الاحاديث كثرت حتى احوجت اهل العلم بها الى جرح بعض  
رواتها ورد روايته. (۴)  
ان کی مراد یہ ہے کہ احادیث زیادہ ہوئیں حتیٰ کہ اہل علم کو بعض راویوں پر جرح اور ان کی روایت کو رد کرنے کی احتیاج ہوئی۔

اہل لغت کی وضاحت سے ظاہر ہوا کہ جرح کا لفظ اہل عرب کے ہاں منفی معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اس کا استعمال جب بھی ہوگا کسی عیب کی نشاندہی کے لیے ہی ہوگا اس استعمال کے مطابق مجروح شخص ناقابل اعتماد ٹھہرے گا اور اس کی بات کو قبول کرنے میں تردد ہوگا۔

اصطلاحی معنی

محمد شین نے جرح کے لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے اصطلاحی تعریف وضع کی ہے۔ ابن الاثیر نے جرح کی

۱- لسان العرب، ۲/۳۳۳؛ تاج العروس، ۲/۱۳۰؛ القاموس المحيط، ۱/۲۲۵

۲- الفائق، ۱/۲۰۸؛ ابن منظور، لسان العرب، ۲/۲۲۳

۳- الفائق، ۱/۲۰۸؛ اساس البلاغة / ۸۸؛ لسان العرب، ۲/۳۲۳

۴- لسان العرب، ۲/۳۲۳

تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

الجرح وصف متى التحق بالراوى و الشاهد سقط الاعتبار بقوله  
وبطل العمل به. (۱)

جرح ایک ایسا وصف ہے جو کسی راوی اور گواہ میں پایا جائے تو اس کی بات کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور اس پر عمل کرنا باطل ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر نور الدین عمر نے جرح کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

هو الطعن فى راوى الحديث بما يسلب اويخل بعد الته او ضبطه. (۲)

حدیث کے راوی پر ایسا طعن جس سے اس کی عدالت اور ضبط سلب ہوتی ہے۔

ایک اور معاصر مصنف ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی جرح کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو بيان لعيوب رواة الحديث التي لأجلها تسقط عدالتهم، ويكون

حديثهم فى عداد الضعاف. (۳)

جرح راویوں کے ان عیوب کے بیان کرنے کو کہتے ہیں جن سے ان کی عدالت ساقط ہو

جائے اور ان کی حدیث کا شمار ضعیف میں ہو۔

عبدالوہاب عبداللطیف نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

الجرح فهو رد الحافظ المتقن رواية الراوى لعله قاذحة فيه أو فى

روايته من فسق أو تدليس أو كذب أو شذوذ نحوه. (۴)

کسی حافظ و متقن کا کسی راوی کی روایت کو علت قاذحہ، فسق، تدلیس، کذب بیانی یا شذوذ

وغیرہ کے باعث رد کرنے کو جرح کہتے ہیں۔

ان تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کچھ اخلاقی و علمی عیوب ہیں جن کی موجودگی کسی راوی کو ساقط

الاعتبار کر دیتی ہے۔ عام طور پر جن کا ذکر کیا جاتا ہے وہ عدالت، ثقاہت اور حفظ و ضبط ہیں ان کی کمی یا کمزوری جرح

کا سبب بنے گی۔ راوی کا اخلاق، اس کا حفظ و ضبط اور کردار بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ راوی جس میں کوئی ایسا

۱- جامع الاصول، ۱/۱۳۱

۲- منهج النقد فى علوم الحديث، ۹۲، تقریباً یہی تعریف د/عجاج الخلیب نے بیان کی ہے۔ اصول  
الحديث، ۲۶۰

۳- دراسات فى الجرح و التعديل، ۵۲

۴- المختصر فى علم الرجال و الاثر، ۳۵

عیب ہو جس کی وجہ سے اس کا بیان یا اس کی گواہی قابل قبول نہ ہو اسے مجرد راوی کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی نے کہا ہے:

وَإِذَا كَانَ الْأَغْلَبُ الْمَعْصِيَةَ فَهُوَ الْمَجْرُوحُ (۱)

جب معصیت غالب ہو تو وہ مجرد ہوگا۔

☆ التَّعْدِيلُ

تعدیل کے معنی کسی کو عادل قرار دینا ہے۔ تعدیل میں موثر صفت عدل ہے۔ عدل کا مصدر عدالت ہے جسے اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ عدل کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کریں گے۔

عدل کے لغوی معنی

عربوں کے ہاں عدل کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً عدل کا معنی تیر کو سیدھا کرنا ہے۔ (۲) ظلم کی ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے اہل لغت نے کہا:

مَا قَامَ فِي النُّفُوسِ أَنَّهُ مُسْتَقِيمٌ وَهُوَ ضِدُّ الْجَوْرِ. (۳)

وہ بات جو دل میں قرار پائے وہ مستقیم ہے اور عدل ظلم کی ضد ہے۔

اس کے معنی صحیح فیصلہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔

عَدْلُ الْحَاكِمِ فِي الْحُكْمِ وَحُكْمٌ بِالْحَقِّ. (۴)

حاکم نے فیصلے میں عدل کیا اور حق کے ساتھ فیصلہ کیا۔

باہلی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

رَجُلٌ عَدْلٌ وَعَادِلٌ جَائِزُ الشَّهَادَةِ. (۵)

آدمی انصاف کرنے والا اور گواہی کے قابل ہے۔

رَجُلٌ عَدْلٌ وَرِضًا وَمَقْنَعٌ فِي الشَّهَادَةِ. (۶)

انصاف کرنے والا پسندیدہ آدمی اور گواہی کے لیے معتبر ہے۔

۱- الکفاية، ۷۹

☆ تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: عبداللہ بن یوسف الجریج، تحریر علوم الحدیث، ۱/۲۳۳-۳۳۹

۲- لسان العرب، ۱۱/۴۳۰

۳- ایضاً؛ ۱۱/۴۳۰؛ تاج العروس، ۸/۹؛ القاموس المحيط، ۴/۱۳

۴- لسان العرب، ۱۱/۴۳۱

۵- ایضاً؛ ۱۱/۴۳۰؛ تاج العروس، ۸/۹

۶- تاج العروس، ۸/۹

حضرت عمر بن الخطابؓ نے آیت کریمہ ”ذوی عدل منکم“ میں وارد ”ذوی عدل“ سے مراد وہ شخص لیا ہے جو لوگوں کے نزدیک منصف اور پسندیدہ ہو۔ امانت اور دیانت والے ہوں۔ (۱)

مشہور تابعی محدث سعید بن المسیب نے عدل کے معنی عقل و دانش کے بیان کئے ہیں۔ انہوں نے آیت قرآنی ”واشهدوا ذوی عدل منکم“ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

ذوی عدل ای ذوی عقل. (۲)

ابن ابی حاتم شرائط عدالت اور رواۃ کی چھان بین کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حق علينا معرفتهم و وجب الفحص عن الناقله و البحث عن أحوالهم  
و اثبات الذين عرفناهم بشرائط العدالة و الثبت في الرواية مما يقتضيه  
حكم العدالة في نقل الحديث و روايته بان يكونوا امناء في انفسهم،  
علماء بدينهم، اهل ورع و تقوى و حفظ الحديث و اتقان به و ثبت فيه،  
و ان يكونوا اهل تمييز و تحصيل، لا يشوبهم كثير من الغفلات، ولا تغلب  
عليهم الأوهام فيما قد حفظوه و وعوه و لا يشبه عليهم بالاغلوطات. (۳)

عدل کے اصطلاحی معنی

محدثین کے ہاں عدل اور عدالت دونوں الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اور تعدیل کے معنی کسی کی عدالت کی توثیق کرنا یا کسی کو عدل یا عادل قرار دینا ہے۔ ابراہیم مردزی نے بیان کیا ہے کہ کسی شخص نے عبد اللہ بن مبارک سے عدل کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا:

من كان فيه خمس خصال: يشهد الجماعة ولا يشرب هذا الشراب  
ولا تكون في دينه خربة ولا يكذب ولا يكون في عقله شيء. (۴)

جس شخص میں پانچ اوصاف ہوں وہ عادل ہے، جماعت سے نماز پڑھتا ہو، شراب نہ پیتا ہو،  
اس کے دین میں کوئی خرابی نہ ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو اور اس کی عقل میں خلل نہ ہو۔  
امام حاکم نے اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا:

۱- الطلاق / ۲، تفسیر الطبری، ۲۸ / ۱۵۳

۲- لسان العرب، ۱۱ / ۳۳۱

۳- مقدمة الجرح، ۵

۴- الكفاية، ۷۹



وأصل عدالة المحدث أن يكون مسلماً لا يدعو إلى بدعة ولا يعلن من أنواع المعاصي ما تسقط به عدالته. فان كان مع ذلك حافظاً لحديثه فهو أرفع درجات المحدثين. (۱)

اور محدث کی عدالت کی اصل یہ ہے، کہ وہ مسلمان ہو، کسی بدعت کا داعی نہ ہو اور ایسے معاصی کا اعلانیہ مرتکب نہ ہو جن سے اس کی عدالت ساقط ہو جائے۔ اگر اس کے ساتھ اپنی حدیثوں کا حافظ بھی ہو تو اس کا تعلق محدثین کے اعلیٰ درجات سے ہے۔ خطیب کے ایک اور قول کے مطابق عادل وہ ہے:

العدل بين المسلمين من لم يظهر فيه ريبة. (۲)

مسلمانوں کے ہاں عادل وہ شخص ہے جس کے بارے میں کوئی شک واقع نہ ہو۔

امام زہریؒ نے جب سعید بن المسیب سے عدالت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا:

ليس من شريف ولا عالم ولا ذى سلطان، الا وفيه عيب لا بد، ولكن من الناس من لا تذكر عيوبه؛ من كان فضله اكثر من نقصه وهب نقصه لفضله. (۳)

ایسا کوئی عالم اور شریف حکمران نہیں جس میں قطعاً کوئی عیب نہ ہو لیکن بہتر انسان وہ ہے جس کے عیوب کا تذکرہ نہ کیا جائے اور اس کے فضائل نقائص پر غالب ہوں۔ خطیب ہی نے اہل عراق کی تعریف نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

زعم أهل العراق أن العدالة هي إظهار الإسلام، و سلامة المسلم من فسق ظاهر و متى كانت هذه حاله و جب أن يكون عدلاً. (۴)

اہل عراق کا خیال ہے کہ عدالت عبارت ہے، اظہار اسلام اور مسلمان کا ظاہری فسق سے محفوظ ہونے سے۔ جب اس کی یہ حالت ہو تو لازم ہے کہ وہ عادل ہو۔

امام شافعی نے عدل کی تعریف کرتے ہوئے وسعت اختیار کی۔ ان کا قول ہے:

لو كان العدل من لا ذنب له لم نجد عدلاً ولو كان كل مذنب عدلاً لم نجد مجروحاً و لكن العدل من اجتنب الكبائر و كانت محاسنه اكثر

۱- معرفة علوم الحديث، ۵۳

۲- الكفاية، ۷۸

۳- ايضاً، ۷۹

۴- ايضاً، ۸۲

من مساوئہ. (۱)

محدثین کی اصطلاح میں تعدیل کے معنی ہیں راویوں کے بارے میں عادل و ضابط ہونے کے فیصلے کے اور جس شخص میں عدالت کی صفات پائی جائیں وہ عادل ہے۔ خطیب عدالت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان العدل هو من عرف بآداء فرائضه و لزوم ما أمر به و توقي ما نهى عنه و تجنب الفواحش المسقطه و تحرى الحق و الواجب فى المعالہ و معاملته و التوقى فى لفظه مما يثلم الدين و المروءة . فمن كانت هذه حالته فى المعالہ فهو الموصوف بأنه عدل فى دينه و معروف بالصدق. (۲)

عادل وہ ہے جو فرائض کی ادائیگی، اوامر کے التزام، منہیات سے بچاؤ، عدالت ساقط کرنے والے فواحش سے اجتناب، اپنے افعال و معاملات میں حق کی جستجو اور ایسے اظہار سے اجتناب جو دین و انسانیت کو نقصان پہنچائے، کے لیے معروف ہو۔ جس شخص کا اپنے افعال میں یہ حال ہو وہ اپنے دین میں صفت عدل سے متصف اور صداقت کے لیے معروف ہے۔ ابن حبان نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

العدالة فى الانسان أن يكون أكثر أحواله طاعة الله لأن امتى لم نجعل العدل الا من لم يوجد منه معصية بحال، اذانا ذلك إلى أن ليس فى الدنيا عدل اذا الناس لا تخلوا أحوالهم من ورود خلل الشيطان فيها بل العدل من كان ظاهر أحواله طاعة الله والذى يخالف العدل من كان أكثر أحواله معصية الله. (۳)

انسان کی عدالت یہ ہے کہ اس کے اکثر احوال اللہ کی اطاعت پر مبنی ہوں اس لیے کہ جب ہم عادل اسے قرار دیں جس نے کسی حال میں معصیت نہ کی ہو تو یہ چیز ہمیں اس طرف لے جائے گی کہ دنیا میں کوئی عادل نہیں کیونکہ لوگوں کے احوال شیطان کا خلل واقع ہونے سے خالی نہیں ہیں۔ بلکہ عادل وہ ہے جس کے ظاہری احوال اللہ کی اطاعت پر قائم ہیں اور جو عدل کے مخالف ہے وہ ایسا شخص ہے جس کے اکثر احوال اللہ کی معصیت پر مبنی ہیں۔

۱- الروض الباسم، ۲۷؛ الکفایة، ۷۹ پر اسی مفہوم کی روایت ہے۔

۲- الکفایة، ۸۰

۳- الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، ۱/۱۵۱: یہ وہی حقیقت ہے جس کی طرف امام شافعی نے اشارہ کیا۔

نظاً ابن الصلاح فرماتے ہیں:

اجمع جماهير الامة الحديث والفقه على انه يشترط فيمن يحتج بروايته ان يكون عدلاً ، ضابطاً لما يرويه، وتفصيله ان يكون مسلماً بالغاً، عاقلاً، سالماً من اسباب الفسق و خوارم المروءة متيقظاً غير مغفل حافظاً ان حدث من حفظه ضابطاً لكتابه ان حدث من كتابه و ان كان يحدث بالمعنى اشترط فيه مع ذلك ان يكون عالماً بما يحيل المعالي. (۱)

حدیث و فقہ کے ائمہ کی بہت بڑی اکثریت کا اجماع ہے کہ کسی راوی کی روایت کو حجت گرداننے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ عادل، اپنی روایت کا ضابطہ ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو بالغ و عاقل ہو، فسق کے اسباب اور انسانیت کو نقصان پہنچانے والے اعمال سے پاک ہو۔ ہوشیار ہو، لاپرواہ اور بے خبر نہ ہو۔ اگر حافظے سے حدیث بیان کرے تو حافظ ہو اور اگر کتاب سے بیان کرے اور اپنی کتاب کا ضابطہ ہو۔ اگر بالمعنی بیان کرے تو اس میں شرط ہے کہ معانی کے تبدیل ہونے کا عالم ہو۔

عبدالوہاب عبداللطیف کے بقول:

وصف الراوی بما یقتضی قبول روایتہ. (۲)

راوی کی ان صفات سے توصیف جو اس کی روایت کو قبول کرنے کا تقاضا کرتی ہیں۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

والمراد بالعدل: من له ملكة تحمله على ملازمة التقوى والمروءة والمراد بالتقوى اجتناب الاعمال السيئة من شرك أو فسق أو بدعة. (۳)  
عادل وہ شخص ہے جس میں ایسی راسخ قوت ہو جو تقویٰ اور مروءت پر مجبور کرتی ہو شرک، فسق اور بدعت وغیرہ اعمال بد سے اجتناب کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔

المروءة کی وضاحت کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

المروءة بضم الميم و الراء بعدها و اوساكنة ثم همزة و قد تبدل ویدغم. وهو كمال الانسان من صدق اللسان و احتمال عشرات

۱- ابن الصلاح ، ۲۴-۱۰۵

۲- المختصر فی علم رجال الاثر، ۳۵

۳- لزهة النظر، ۳۹

الاخوان، وبذل الاحسان الى اهل الزمان و كف الاذى عن الجيران  
وقيل: المروءة التخلق باخلاق أمثاله و أقرانه في لبسه و مشيه  
و حركاته و سكناته و سائر صفاته و في المفاتيح خوارم المروءة  
كالدباغة و الحجامه و الحياكة ممن لا يليق به من غير ضرورة  
و كالبول في طريق و صحة الاراذل و اللعب بالحمام و امثال ذلك  
و مجملها الاحتراز عما يذم عرفا. (۱)

مروءة ميم اور اس کے بعد راء کے ضمہ واؤ ساکنہ بعد میں ہمزہ کے ساتھ جو تبدیل بھی ہوتا  
اور مدغم بھی۔ اس سے مراد ایک انسان کا زبان کی صداقت، بھائیوں کی لغزشوں کی  
برداشت، اپنے ہم زمانہ لوگوں سے احسان کا سلوک اور ہمسایوں کو اذیت سے گریز کرنے  
میں کمال حاصل کرنا ہے۔ ایک قول ہے کہ المروءة اپنے جیسے اور ہم پلہ لوگوں کے لباس،  
ان کی چال ڈھال، حرکات و سکنات اور ساری صفات میں ان کے مشابہ ہونا اور ان کے  
اخلاق سے متصف ہونا ہے۔ اور المفاتيح میں ہے کہ مروءت کو نقصان پہنچانے والی چیزوں  
میں، رنگریزی، حجام کا پیشہ اور جلا ہے وغیرہ کا پیشہ ہے جو بغیر ضرورت کے اختیار کرنا مناسب  
نہیں ہے اسی طرح رستے میں پیشاب کرنا گھٹیا لوگوں کی صحبت میں رہنا، کبوتروں سے کھیلنا اور  
اسی طرح کے دوسرے مشاغل الخقران چیزوں سے احتراز جو عرف عام میں مذموم ہیں۔

ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب العدل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العدل اصطلاحاً: هو من لم يظهر في أمر دينه و مروءته ما يخل بهما  
فيقبل لذلك خبره و شهادته إذا توفرت فيه بقية الشرائط التي  
ذكرناها في أهلية الأداء. (۲)

اصطلاحی معنوں میں عدل سے مراد وہ شخص ہے جس کے دین و مروءت میں کوئی ایسی شے  
ظاہر نہ ہو جو ان دونوں میں مخل ہو۔ اس لیے اس کی خبر اور شہادت قبول کی جائے گی جب کہ  
اس میں باقی شرائط پوری ہوں جس کا ذکر ہم نے اہلیۃ الاداء (۳) میں کیا ہے۔

وہ تعدیل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- ۱- شرح نخبۃ الفکر، ۵۳
- ۲- اصول الحدیث علومہ و مصطلحہ، ۲۶۰؛ تقدمة الكتاب الجرح و التعديل لابن ابی حاتم، ۶۵
- ۳- یہ تقریباً وہی شرائط ہیں جو ابن الصلاح نے قبول روایت کے لیے بیان کی ہیں۔ ابن الصلاح، ۱۰۴-۱۰۵؛  
اصول الحدیث علومہ و مصطلحہ، ۲۲۹-۲۳۲

والتعديل وصف الراوى بصفات تزكیه فتظهر عدالته و يقبل خبره. (۱)  
تعديل کا مطلب راوى کا ایسی صفات سے متصف ہونا جو اسے عادل قرار دے اس طرح  
اس کی عدالت واضح ہو اور اس کی خبر قبول کی جائے۔

اکرم ضیاء العمری علم الجرح والتعديل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو علم يتعلق ببيان مرتبة الرواة من حيث تضعيف أو توثيقهم  
بتعابير فنية متعارف عليها عند العلماء. (۲)

فقہاء اور محدثین کے ہاں کے عدل کی تعریف مختلف طریقوں سے کی گئی ہے تاہم اس میں بنیادی عنصر لغوی  
مفہوم کا ہے۔ امیر الصنعانی عدل کی تعریفات کے سلسلے میں علامہ آمدی کا قول نقل کرتے ہیں:

قال المحقق الآمدی فی کتابہ ”الإحکام فی اصول الأحکام“ ما نصه  
”العدل فی اللغة عبارة عن المتوسط فی الأمور من غیر افراط فی  
طرفی الزیادة و النقصان، منه قوله تعالیٰ: و كذلك جعلنا کم امةً  
وسطاً (۳). ای عدلاً، فالوسط و العدل بمعنی عدل و قد يطلق و  
یراد به المصدر المقابل للجور، و هو انصاف الغير بفعل ما یجب له و  
ترك ما لا یجب، و الجور فی مقابله، و قد يطلق و یراد به ما کان من  
الافعال الحسنة یتعدى الفاعل الی غیره، و منه یقال للملك المحسن الی  
رعیتہ: عادل و اما فی لسان المتشرعة و قد يطلق و یراد به قبول  
الشهادة و الروایة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قال الغزالی فی  
معنی هذه الاهلیة: انها عبارة عن استقامة السیرة و الدین، و حاصلها  
یرجع الی هیئة راسخة فی النفس تحمل علی ملازمة التقوی و المروءة  
جميعاً، حتی تحصل ثقة النفوس بصدقه. و ذلك انما یتحقق باجتنا ب  
الكبائر و بعض الصغائر و بعض المباحات، فقد روى ابن عمر عن أبیه  
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: (الكبائر تسع: ”الشرك بالله

- ۱- اصول الحدیث علومہ و مصطلحہ، ۲۶۰، ۲۶۱؛ موضوع پر مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: المدخل الی درامة علوم الحدیث، ۳۰۵-۳۱۵
- ۲- بحوث فی تاریخ السنة، ۹۱
- ۳- البقرہ/۱۳۳

تعالیٰ، وقتل النفس المؤمنة، وقذف المحصنة، والزنا، والفرار من الزحف، والسحر، و أكل مال الیتیم وعقوق الوالدین المسلمین والاحاد بالیت الحرام (۱) وروی ابو هريرة مع ذلك؛ أكل الربا، والانقلاب الى الأعراب بعد هجرة. وروی عن علی علیه السلام انه أضاف الى ذلك: السرقة، و شرب الخمر وأما بعض الصغائر فما يدل علی فعله علی نقص الدين و عدم الترفع عن الكذب و ذلك كسرقة لقمة، و التطفیف بحبة و اشتراط اخذ الأجرة علی إسماع الحديث و نحوه. و أما بعض المباحات فما يدل علی نقص المروءة و دناءة الهمة كالأكل فی السوق والبول فی الشوارع وصحبة الاراذل، و الافراط فی المزح، و نحو ذلك مما يدل علی سرعة الاقدام علی الكذب و عدم الاكتراث به. و لا خلاف فی اعتبار اجتناب هذه الامور فی العدالة المعتبرة فی قبول الشهادة. و الرواية عن النبی صلی الله علیه وسلم: لأن من لا یجتنب هذه الامور احرى ان لا یجتنب الكذب، فلا یكون موثقاً بقوله، و لا خلاف ایضاً فی اشتراط هذه الامور الاربعة فی الشهادة و تختص الشهادة بشروط آخر، كالحرية والذكورة و العدد و البصر و عدم القرابة و العداوة. (۲)

محقق الآدمی نے اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں تصریح کرتے ہوئے کہا ہے: لغت میں عدل سے مراد زیادتی اور نقصان کے پہلوؤں میں افراط کے بغیر امور میں متوسط ہوتا ہے۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اس طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے“ یعنی ”عدل“۔ سو وسط اور عدل بمعنی عدل۔ کبھی غیر مشروط استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد جور کے مقابلے میں بطور مصدر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب دوسرے کے لیے ایسے عمل کے ذریعہ انصاف ہے، جس کا کرنا واجب اور نہ کرنا غیر واجب ہے اور اس کے مقابل مستعمل ہے۔ کبھی مطلق استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ اچھے اعمال ہوتے ہیں جنہیں انجام

۱- اس مضمون کو کتب حدیث میں مختلف صحابہ سے الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ بخاری، ترمذی، نسائی، ابو داؤد، دارمی اور مسند احمد، ۱/ ۲، ۱/ ۲۱۳، ۳/ ۳۹۵ میں کہا ہے کہ فہرست مروی ہے۔ دیکھیے، مسلم، طبع جامع، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر، ۱/ ۶۳، ۶۴، ۶۵؛ تیسیر الوصول، ۳/ ۳۵

۲- توضیح الافکار، ۲/ ۱۱۷-۱۱۸



دینے والا دوسروں کے لیے ادا کرتا ہے۔ اس سے وہ قول ہے جب رعیت کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے بادشاہ کو عادل کہا جاتا ہے۔ جہاں تک اہل شریعت کی زبان کا تعلق سے تو ان کے ہاں بعض اوقات غیر مشروط استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد شہادت اور نبی کریم ﷺ سے روایت کو قبول کرنا ہوتا ہے۔ غزالی نے اہلیت کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا مطلب سیرت اور دین کی استقامت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ باطن میں ایک ہیئتِ راسخہ کی صورت اختیار کرتا ہے جو تقویٰ اور مروءت کے التزام کا حامل بناتی ہے یہاں تک اس کے صدق کی وجہ سے نفوس کو ثقاہت حاصل ہوتی ہے اور ایسا اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کبائر سے اجتناب اور بعض صغائر اور بعض مباحات کو ترک کیا جاتا ہے۔ ابن عمرؓ نے اپنے والد کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کبیرہ گناہ سات ہیں: اللہ کے ساتھ شرک، مومن جان کا قتل، پاک دامن عورت پر تہمت، زنا، میدان جہاد سے فرار، جادوگری، یتیم کا مال کھانا، مسلمان والدین کی نافرمانی اور بیت المحرام کی بے حرمتی ہے۔ ابو ہریرہؓ نے اس کے ساتھ سود خوری اور ہجرت کے بعد بادیہ نشینوں کی طرف لوٹنے کا اضافہ کیا ہے۔ اور علی علیہ السلام سے مروی کہ انہوں نے چوری اور شراب خوری کا اضافہ کیا ہے۔ جہاں تک بعض صغیرہ گناہوں کا تعلق ہے تو ان سے مراد وہ اعمال ہیں جن کا کرنا دین کے نقصان اور جھوٹ سے بلند نہ ہو سکنے پر دلالت کرے جیسے لقمہ کی چوری ایک دانے کے برابر تول میں کمی بیشی اور حدیث سنانے پر اجرت کی شرط رکھنا اور اسی قبیل کے دوسرے اعمال اور بعض مباحات کا معاملہ ہے تو وہ اعمال جن سے انسانیت کی کمی اور ہمت کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے جیسے بازار میں کھانا، راستوں میں پیشاب کرنا، گھٹیا لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور مزاح میں افراط سے کام لینا اور اس طرح اقدام کذب میں جلدی کرنا اور اس بارے میں لا پرواہی برتنا۔ ایسی عدالت کے لیے جو قبول شہادت اور نبی اکرم ﷺ سے روایت کے لیے معتبر ہو ان امور سے اجتناب کرنے کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ جو شخص ان امور سے مجتنب نہیں وہ اس بات کا زیادہ سزاوار ہے کہ جھوٹ سے نہ بچے لہذا وہ اپنی بات میں ثقہ نہیں ہوگا۔ اور شہادت کے سلسلے میں ان چار امور کے شرط ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ شہادت اور شرائط کے ساتھ بھی مختص ہے جیسے آزادی، مرد ہونا، تعداد، پینا ہونا، غیر قرابت دار ہونا اور دشمنی نہ رکھنا۔

## علم جرح و تعدیل

جرح و تعدیل علوم حدیث میں سے ایک اہم علم ہے۔ بلکہ حدیث کی حقیقت کو متعین کرنے کے لیے جرح و تعدیل کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں:

معرفة الجرح و التعديل و هما في الأصل نوعان كل نوع منها علم

برأسه و هو ثمرة هذا العلم و المراقبة الكبيرة منه. (۱)

ابن ابی حاتم سے جرح و تعدیل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا:

اظهر أحوال أهل العلم من كان ثقة أو غير ثقة. (۲)

اس حیثیت سے اہل علم کے احوال کا ظہور کہ یہ معلوم ہو کون ثقہ یا غیر ثقہ ہے۔

حاجی خلیفہ علم جرح و تعدیل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو علم يبحث فيه عن جرح الرواة و تعديلهم بالفاظ مخصوصة و عن

مراتب تلك الألفاظ. (۳)

اس سے مراد وہ علم ہے جس میں مخصوص الفاظ کے ساتھ راویوں کی جرح و تعدیل کے لیے بحث کی جاتی ہے اور ان الفاظ کے مراتب کے متعلق بھی۔

نواب صدیق حسن خان علم جرح و تعدیل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و هو علم يعرف به موضوع الحديث من ثابته و يعرف حال الواضع

من حيث صدقه و كذبه و الغرض منه تحصيل ملكة التمييز بين

الصدق والكذب والصادق والكاذب و غايته التحرز عن روايته الا

معروفا ببيان و ضعه. (۴)

یہ وہ علم جس کے ذریعہ موضوع حدیث کی ثابت سے پہچان ہوتی ہے اور وضع کرنے والے

کے صدق و کذب کے احوال کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا مقصود ایسے ملکہ کا حصول ہے جو صدق و کذب

اور صادق و کاذب کے درمیان تمیز ہو سکے، اور اس کی غایت اس کی روایت سے بچنا ہے الا

یہ کہ اس کے وضع کرنے کا بیان معروف ہو۔

۱- معرفة علوم الحديث ، ۵۲

۲- الكفاية ، ۳۸

۳- كشف الظنون ، ۱ / ۵۸۲

۴- الحطة ، ۱۱۵ ؛ ابجد العلوم ، ۳ / ۲۱۱

ڈاکٹر عجاج الخطیب کے الفاظ ہیں:

فعلم الجرح والتعديل: هو العلم الذي يبحث في أحوال الرواة من

حيث قبول رواياتهم أو ردّها. (۱)

جرح و تعديل کا علم وہ علم ہے جو راویوں کے احوال سے اس حیثیت سے بحث کرتا ہے کہ ان

کی روایات کو قبول کیا جائے یا رد کیا جائے۔

گویا جرح و تعديل کا علم راویوں کے احوال کا آئینہ ہے۔ یہی وہ علم ہے جس کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ

روایت کرنے والا صادق ہے یا کاذب، حافظ و ضابط ہے یا مخطئ؟ اس کے ساتھ و شیوخ کس پایے کے ہیں؟

حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال کرنے والا ہے یا نہیں؟ عبادات میں کیسا اور معاملات میں کس طرح کا رویہ رکھنے

والا ہے؟ اخلاقی و علمی، تقویٰ و دین کی پاسداری وغیرہ وہ سب امور ہیں جن کو جاننے کے لیے محدثین نے جانفشانی

سے کام لیا۔

ڈاکٹر نور الدین کے بیان کے مطابق:

ولولا ما بذله الائمة النقاد في هذا الشأن من الجهود في البحث عن

عدالة الرواة و اختبار حفظهم و تيقظهم حتى رحلوا في سبيل ذلك،

وتكبدوا المشاق، ثم قاموا في الناس بالتحذير من الكذابين و الضعفاء

المخلطين، لا شتبه أمر الإسلام، واستولت الزنادقة و يخرج

الدجالون. (۲)

اگر نقاد ائمہ نے راویوں کی عدالت کی چھان بین، اور ان کے حفظ اور بیدار مغزی کے

جائزے میں کادشیں نہ کی ہوتیں، اس راہ میں سفر نہ کیے ہوتے اور مشقتیں نہ اٹھائی ہوتیں

اور پھر لوگوں میں کھڑے ہو کر کذاب ضعفاء مخلطین سے لوگوں کو خبردار نہ کیا ہوتا تو اسلام کا

معاملہ مشتبہ ہو جاتا، زنادقہ غالب آجاتے اور دجال خروج کرتے۔

علم جرح و تعديل منہج النقد کا ایک اہم پہلو ہے۔ علوم الحدیث سے معمولی واقفیت رکھنے والا انسان بھی کہے گا کہ

محدثین نے احادیث رسول کی منہج کرنے کے لیے کس باریک بینی سے کام لیا ہے۔ دنیا کے مذہبی ادب میں روایات کی

جانچ پڑتال اور راویوں کے احوال و کوائف سے اس طرح بحث کہیں نہیں ملتی۔ تنقید کے جو اسالیب مغرب کی علمی روایت

میں مشہور ہیں ان میں ظن و تخمین اور داخلی رجحانات کا خصوصی دخل ہے۔ جس غیر جانبداری (Objectivity) کا

۱- اصول الحدیث، ۲۶۱

۲- منہج النقد فی علوم الحدیث، ۹۳

دعویٰ کیا جاتا ہے وہ معروضی سے زیادہ داخلی پیمانوں پر مبنی ہے جرح و تعدیل پر آئندہ آنے والی بحثوں سے اندازہ ہوگا کہ محدثین نے مسئلے کے کتنے جوانب کا احاطہ کیا ہے۔ اس میں علمی دیانت تحقیقی گہرائی اور تنقیدی معیار کی اعلیٰ سطح کھل کر سامنے آئے گی۔

حافظ ابن حجر نے تعدیل و تخریح کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

و من المهم ايضاً معرفة أحوالهم تعديلاً و تجريحاً و جهالة لأن

الراوي اما ان تعرف عدالته او يعرف فسقه اولا يعرف فيه شيء (۱)

راویوں کے حالات ان معنوں میں جاننا بہت اہم ہے کہ وہ عادل ہیں، مجروح ہیں یا مجہول اس لیے کہ یا تو راوی کی عدالت معروف ہو یا اس کا فسق معروف ہو گا یا اس کے بارے کوئی چیز بھی معروف نہ ہوگی۔

گویا حدیث کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں اس وقت تک کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا جب تک راوی کی عدالت، فسق یا جہالت کی وضاحت نہ ہو جائے اس اعتبار سے علم جرح و تعدیل بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

## جرح و تعدیل کی دینی اساس

رسول اکرم ﷺ نے جس معاشرے کی تشکیل کی اسے صدق و امانت کے اصولوں پر منظم کیا لہذا معاشرے کے دینی شخص کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے جھوٹ اور خیانت سے پاک رکھا جائے۔ اسلامی اجتماعیت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ معاشرے میں جھوٹی خبریں اور خیانت کے اعمال جاری رہیں۔ خود قرآن مجید نے خبر کی چھان پھٹک کو ضروری قرار دیا۔ ارشاد باری ہے:

يا ايها الذين آمنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا ان تصيبوا قوماً بجهالة

فتصبحوا على ما فعلتم ندمين. (۲)

اے ایمان والو اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو اور پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

يا امر تعالیٰ بالثبوت في خبر الفاسق ليحتاط له، وقد نهى الله عز وجل

عن اتباع سبيل المفسدين، و من هاهنا امتنع طوائف من العلماء من

۱- نزہة النظر، ۷۱

۲- الحجرات/ ۶

قبول روایۃ مجہول الحال، لا حتمال فسقہ فی نفس الأمر و قبلہا

آخرون. (۱)

اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم دیا ہے تاکہ احتیاط رہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مفسدوں کے طریقہ کی اتباع سے منع کیا اور اس سے علماء کے بعض گروہوں نے مجہول الحال کی روایت کو قبول کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں فسق کا احتمال ہے جب کہ بعض دوسرے علماء نے اسے قبول کیا ہے۔

ابوبکر الجصاص نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

آیت کا مقصد یہ ہے کہ فاسق کی دی ہوئی خبر کی چھان بین کرنا واجب ہے اور تحقیق و تفتیش کے بغیر نیز اس کے مدلول کی صحت کا علم حاصل کئے بغیر اس خبر کو قبول کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ممانعت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت میں دو قراءات ہیں ایک فتبتوا ہے، اور تبت کے معنی ہیں چھان بین کرنا، دوسری قراءت فتبتنوا ہے جس کے معنی چھان پھٹک کرنا ہے۔ دونوں الفاظ خبر کی صحت کا علم حاصل کئے بغیر اسے قبول کرنے کی ممانعت کرتے ہیں جب کہ پہلی قراءت کے لحاظ سے تبت کا حکم دیا گیا ہے یعنی چھان بین کر لی جائے تاکہ نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ (۲)

اسی طرح سورۃ النساء میں خبر کی تصدیق و تحقیق کا حکم دیا گیا ہے:

وإذا جاءهم أمر من الأمن أو الخوف إذا عوا به ولو ردوه إلى الرسول

وإلى أولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم. (۳)

جہاں انہیں کوئی خبر امن یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول اکرم ﷺ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ بلا تصدیق و تحقیق خبریں پھیلاتا اچھا نہیں بلکہ انہیں اہل علم و معاملہ اور صاحبان بصیرت تک پہنچانا چاہئے تاکہ وہ ان کا تجزیہ کر سکیں۔ گویا یہ ایک اصولی ہدایت ہے کہ خبر پر کوئی بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے خبر اور اس کے بیان کرنے والے کا جائزہ لے لیا جائے۔ بالخصوص اگر کوئی شخص فاسق ہے تو اس کی خبر کی ہر صورت میں

۱- مختصر ابن کثیر، ۳/ ۳۶۰

۲- احکام القرآن (اردو ترجمہ)، ۶/ ۲۲۹

۳- النساء/ ۸۳

تحقیق کرنی چاہئے۔ اگرچہ یہ ہدایت بنیادی طور پر مسلمان معاشرے کے استحکام سے متعلق ہے کہ غیر ذمہ دارانہ افواہیں پھیلانے سے معاشرے کو کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے، جو لوگ بے سبب افواہیں پھیلاتے اور سنی سنائی باتوں کی تشہیر کرتے ہیں ان کو تنبیہ کی ہے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ لیکن اس حکم کی روح، خبر اور اس کے بیان کرنے والے سے متعلق ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

انكار على من يبادر إلى الامور قبل تحقيقها فيخبر بها و يفشيها  
وينشرها و قد لا يكون لها صحة و قد قال مسلم في مقدمة صحيحه  
عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: كفى بالمرء كذباً ان يحدث بكل ما  
سمع. (۱)

اس شخص پر اظہار تا پسندیدگی ہے جو تحقیق سے پہلے امور کی طرف جلدی کرتا ہے، انہیں بیان کرتا ہے، افشا کرتا ہے اور انہیں پھیلاتا ہے۔

خبر کی تفتیش و تحقیق کے متعلق قرآن مجید کی ان ہدایات پر محدثین نے جرح و تعدیل کی بنیاد رکھی ہے۔ ہر راوی کے حالات کی چھان بین کرنا تا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال صحیح طور پر منتقل ہو سکیں۔ جرح و تعدیل میں خبر کے ساتھ خبر دینے والے کے بارے میں رائے کا اظہار ہوتا ہے اور اکثر اوقات اس کے بعض عیوب کا ذکر ہوتا ہے تو کیا یہ مناسب ہے؟ محدثین نے اس پہلو کی طرف بھی توجہ کی ہے اور اس کی دینی بنیادیں متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے بعض ارشادات سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً:

۱- امام ترمذی نے فاطمہ بنت قیس کا واقعہ نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے بعض اشخاص کی شخصیتوں پر تبصرہ فرمایا ہے۔ چونکہ ان سے مشورہ طلب کیا تھا لہذا آپ ﷺ نے اپنی رائے کا بلا کم و کاست اظہار کیا ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کو بتایا گیا کہ اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی ہے اور اس کے لیے رہائش کا انتظام نہیں کیا۔ وہ رسول اللہ کے پاس آئیں اور واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ام شریک کے گھرمیت گذارو پھر فرمایا:

ان بيت أم شريك بيت يغشاه المهاجرون و لكن اعتدى في بيت أم مكتوم،  
فعسى ان تلقى ثيابك فلا يراك. فاذا نقضت عدتك فجاء احد  
يخطبك فاتيني. فلما انقضت عدتي، خطبني أبو جهم و معاوية. قالت  
فاتيت رسول الله ﷺ، فذكرت ذلك له، فقال: أما معاوية فرجل لا  
مال له، وأما أبو جهم فرجل شديد على النساء، قالت فخطبني أسامة

۱- مختصر ابن کثیر، ۱/۳۱۶-۳۱۷: مسلم، الجامع، مقدمة، باب النهی عن الحدیث بكل ما سمع، ۸/۱



ابن زید، فتز و جنی، فبارك الله لي في أسامة. (۱)

ام شریک کے گھر میں مہاجرین کا ہجوم رہتا ہے تم ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کہ اگر تم کبھی کپڑے اتارو تو وہ نہیں دیکھے گا۔ جب تمہاری عدت پوری ہو اور کوئی تمہیں نکاح کا پیغام دینے آئے تو میرے پاس آنا۔ جب میری عدت پوری ہوئی تو ابو جہم اور معاویہ نے پیغام نکاح بھیجا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور ان سے معاملہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے تو وہ ایسا شخص ہے جس کے پاس مال نہیں اور ابو جہم ایسا آدمی ہے جو عورتوں کے لیے سخت گیر ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اسامہ بن زید نے مجھے پیغام نکاح بھیجا اور پھر شادی کر لی۔ اللہ نے اسامہ میں میرے لیے برکت رکھی۔

بخاری نے عائشہ کی روایت نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں اپنی رائے دی۔

عن عائشة: إن رجلاً استأذن علي النبي ﷺ، فلما رآه قال: بنسب أخوال العشيرة، و بنس ابن العشيرة فلما جلس تطلق النبي ﷺ في وجهه و انبسط إليه، فلما انطلق الرجل قالت له عائشة: يا رسول الله! حين رأيت الرجل قلت له كذا و كذا ثم تطلعت، في وجهه و انبسط إليه، فقال رسول الله ﷺ: متى عهدتني فاحشاً؟ إن شر الناس عند الله منزلة يوم القيامة من تركه الناس اتقاء شره (۲)

عائشہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے کنبے کا برا بھائی یا برا بیٹا ہے، اسے آنے دو۔ جب وہ بیٹھا تو آپ ﷺ خندہ پیشانی سے پیش آئے اور مسرت کا اظہار کیا جب وہ شخص چلا گیا تو عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ، جب آپ ﷺ نے اس آدمی کو دیکھا تو آپ ﷺ نے ایسا ویسا کہا پھر آپ ﷺ نے خندہ پیشانی اور بے تکلفی سے معاملہ کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ تم نے مجھے بدگو کب پایا۔ اللہ کے نزدیک قیامت کے روز وہ شخص برا ہوگا جس کو لوگ اس کی برائی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

۳- امام بخاری نے سہل بن سعد الساعدي سے روایت نقل کی ہے جس میں دو اشخاص کے بارے میں رائے کا

۱- ترمذی، السنن، ابو اب النکاح، باب ماجاء لا یخطب الرجل علی خطبة أخیه، ۳/۳۳۱-۳۳۲

۲- بخاری، الجامع، کتاب الادب، باب لم یکن النبی فاحشاً ولا متفاحشاً، ۷/۸۱؛ مسلم الجامع، کتاب البر والصلۃ، باب مداراة من یتقی فحشہ، ۸/۳۱؛ مسلم کے ہاں الان له القول اور انت له القول کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح ترکہ کے ساتھ ودعہ کا لفظ بھی ہے ۸/۲۱

اظہار کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کی رائے بھی سنی اور اپنی رائے بھی دی:

عن سهل بن سعد الساعدي أنه قال: مر رجل على رسول الله ﷺ فقال لرجل عنده جالس! ما رأيك في هذا؟ فقال: رجل من أشرف الناس، هذا والله حرّى ان خطب ان يُنكح، و إن شفع ان يُشفع، قال: فسكت رسول الله ﷺ، ثم مر رجل فقال له رسول الله ﷺ: ما رأيك في هذا؟ فقال: يا رسول الله ﷺ، هذا رجل من فقراء المسلمين، هذا حرّى ان خطب ان لا يُنكح، وان شفع ان لا يُشفع، وان قال ان لا يُسمع لقوله.

فقال رسول الله ﷺ! ”هذا خير من مل الأرض من مثل هذا“ (۱)

سهل بن سعد الساعدي روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے سامنے سے گزرا۔ آپ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے شخص کو کہا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس شخص نے کہا: یہ آدمی اعلیٰ سطح کے لوگوں میں سے ہے۔ خدا کی قسم یہ شخص اس لائق ہے کہ اگر یہ پیغام نکاح دے تو قبول کیا جائے گا اور اگر کسی کی سفارش کرے تو وہ مانی جائے گی۔ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے۔ پھر ایک اور شخص گذرا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ یہ شخص غریب مسلمانوں میں سے ہے۔ اگر کہیں نکاح کا پیغام بھیجے تو رد کیا جائے گا اور اگر سفارش کرے تو قبول نہ ہوگی اور اگر بات کرے تو اسے سنا نہ جائے گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! یہ آدمی اس طرح کے زمین بھر کے لوگوں سے بہتر ہے۔

ان احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی شخص کے کردار کے بارے میں اظہار کرنے اور رائے کے سننے میں باک نہیں محسوس کرتے تھے۔ جھوٹ اور فسق شخصیت کے ایسے پہلو ہیں جو اس کو قابل اعتبار بنانے کی راہ میں رکاوٹ ہیں اس لیے آپ ﷺ نے خائن اور جھوٹے آدمی کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سلیمان بن موسیٰ سے روایت ہے:

ان رسول الله ﷺ رد شهادة الخائن و الخائنة وذی الغمر علی أخیه. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے خائن شخص اور خائن عورت اور اپنے بھائی کے لیے کینہ رکھنے والے کی شہادت رد کر دی۔

۱- بخاری، الجامع، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، ۷/ ۱۷۸؛ کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، ۶/ ۳۳

۲- ابو داؤد، السنن، کتاب القضاء، باب من ترد شهادته، ۴/ ۲۳ (حدیث: ۳۶۰۰)

سليمان بن موسىٰ کی ایک اور روایت کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

قال رسول الله ﷺ: لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا زان ولا زانية  
ولا ذى غمر على أخيه. (۱)

رسول اللہ نے فرمایا: خائن مرد، خائن عورت، زانی مرد اور زانیہ عورت اور اپنے بھائی سے کینہ رکھنے والے کی شہادت قابل قبول نہیں۔

عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے موسیٰ الجندی سے روایت کی ہے:

رد رسول الله ﷺ شهادة رجل فى كذبة كذبها. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی اس کے جھوٹ کی وجہ سے شہادت کو رد کر دیا۔

معمر کہتے ہیں کہ میں نہیں کہتا کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کے رسول پر یا لوگوں میں سے کسی پر۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے موقع بہ موقع لوگوں کی تعریف کی جو تعدیل کے ضمن میں آتی ہے۔ صحابہ کے فضائل کے ابواب میں کتب حدیث نے حضور اکرم ﷺ کے ارشادات نقل کئے ہیں۔ ایک دفعہ نجران سے کچھ لوگ آئے اور حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے پاس تعلیم کے لیے کسی شخص کو بھیجیں تو آپ ﷺ نے ابو عبیدہ سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ! جب وہ کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هذا أمين هذه الأمة. (۳) و فى رواية: لكل امة أمين وامين هذه الأمة

ابو عبیدہ بن الجراح.

یہ امت کے امین ہیں۔ ایک روایت میں ہے: ہر امت کا ایک امین ہے اور اس امت کے

امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔

ام المومنین حضرت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن عمر کے بارے میں فرمایا:

ان عبد الله رجل صالح. (۴)

یلاشبہ عبد اللہ ایک صالح مرد ہیں۔

ایک روایت میں ہے: نعم الرجل عبد الله لو كان يصلى من الليل. (۵)

- ۱- ابو داؤد، السنن، کتاب القضاء، باب من ترد شهادته، ۲ / ۲۵-۲۶؛ عبدالرزاق، المصنف، کتاب الشهادات، ۸ / ۳۲۰
- ۲- التمهيد، ۱ / ۶۸
- ۳- بخاری، الجامع، کتاب المغازی، باب قصة اهل نجران، ۵ / ۱۳۰؛ کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب ابو عبیدہ بن الجراح، ۲ / ۲۱۱
- ۴- بخاری، الجامع، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عبد الله بن عمر، ۳ / ۲۱۵
- ۵- ایضاً، ۳ / ۲۱۵

صحابہ کرامؓ کے بارے میں انفرادی طور پر جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کتب حدیث کے ابواب المناقب میں موجود ہے۔ مجموعی طور پر عہد صحابہ و تابعین کی فضیلت بیان فرمائی:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم. (۱)

تمام انسانوں سے بہتر میرا زمانہ پھر جو لوگ ان کے بعد ہیں اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں۔

عمران بن حصین کے روایت میں خیر کم قرنی کے الفاظ ہیں۔ (۲)

خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کے بارے میں انفرادی طور پر فضائل اور کلمات خیر کا تذکرہ کتب حدیث میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ابو بکرؓ کو بھائی (۳) کہا، عمرؓ کے بارے میں کہا کہ شیطان ان سے ڈرتا اور بھاگتا ہے (۴) بیعت الرضوان میں عثمانؓ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ (۵) خلفائے ثلاثہ کے بارے میں بخاری نے نقل کیا ہے:

عن انس بن مالک قال: صعد النبی احد و معہ ابو بکر و عمر و عثمان فرجت بہم، فضربہ برجلہ و قال: اثبت احدا فما علیک الا نبی او صدیق او شہیدان. (۶)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکر، عمر اور عثمانؓ تھے۔ پہاڑ لرزا تو آپ ﷺ نے اپنا پاؤں مارا اور فرمایا: ٹھہر جاؤ تم پر صرف نبی یا صدیق یا دو شہید ہی تو ہیں۔

علیؓ کے متعلق فرمایا:

اما ترضی أن تكون منی بمنزلة ہارون بموسی. (۷)

- ۱- بخاری، الجامع، کتاب الانبیاء، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ، ۱۸۸/۳؛ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونہم، ۱۸۳/۷، ۱۸۵
- ۲- ایضاً، کتاب الشهادات، باب لا یشہد علی شہادة جور، ۱۵۱/۳؛ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، ۱۸۶/۷؛ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل من رأى النبی ﷺ و صحبہ، ۶۹۵/۵؛ ابن ماجہ، السنن، کتاب الاحکام، باب کراهیة الشہادة لمن لم یشہد، ۷۹۱/۲
- ۳- بخاری، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب لو كنت متخذاً..... ۱۹۱/۳
- ۴- ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب عمر، ۶۲۰-۶۲۲/۵
- ۵- ابن ہشام، السیرة، ۳/۳۳۰؛ ابن سعد، ۱/۳۱۳؛ البدایة، ۳/۱۶۸
- ۶- بخاری، الجامع، فضائل الصحابة، باب مناقب عمر، ۱۹۹-۲۰۰؛ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان، ۶۲۳/۵
- ۷- بخاری، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب علی، ۲۰۸/۳؛ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب علی، ۶۳۱/۵

کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تمہاری حیثیت ایسے ہو جیسے ہارون کی موسیٰ کے ساتھ۔

ان علیاً منی وانا منہ، و هو ولی کل مومن بعدی. (۱)

بلاشبہ علی مجھ سے ہیں اور میں اس سے ہوں اور میرے بعد وہ ہر مومن کے ولی ہیں۔

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کی صفات اور ان کے فضائل بیان کرتے اور ضرورت کے تحت ان کے عیوب بھی ظاہر کرتے اور لوگوں کی رائے سنتے اور بعض اوقات اس کی تصحیح بھی فرماتے۔ حضور اکرم کے اس طرز عمل کو محدثین نے بنیاد بنایا ہے کہ کسی شخص کی صفات اور اس کے عیوب کو دینی و معاشرتی ضرورت کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جرح و تعدیل کے جو اصول محدثین نے بیان کئے ان کی بنیاد راویوں کے وہ خصوصی حالات تھے جن میں دین صدق اور امانت کا وہ معیار نہیں تھا جو صحابہ کرام میں موجود تھا اس لیے صحابہ سب عدول تھے ان کو مجروح نہیں قرار دیا جاسکتا۔

کسی صحابی کے بارے میں تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی جھوٹی بات کہے۔ یہ لوگ صدق و امانت کی روشن مثالیں تھیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کی وعید موجود تھی جس کے ہوتے ہوئے کوئی شخص یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من کذب علی متعمداً فلیتبعوا مقعده من النار. (۲)

جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

حضور اکرم ﷺ کے طرز عمل نے وہ بنیاد فراہم کی جس پر صحابہ کرام، تابعین عظام اور محدثین کرام نے اپنے رویوں کو مستحکم کیا۔ صحابہ کرام احادیث کے بیان اور قبولیت میں احتیاط کے تمام تقاضے پورے کرتے۔ قبیسہ بن ذؤیب کی روایت کے مطابق ابو بکر صدیقؓ نے وراثت میں دادی کے حصے کا اس وقت تک فیصلہ نہیں کیا جب تک مغیرہ بن شعبہ نے حضور اکرم ﷺ کے فیصلے کا ذکر نہ کیا اور محمد بن مسلمہ نے اس کی تائید نہیں کی اس حکم کے مطابق آپ ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا۔ (۳) علامہ ذہبی نے اسے ثبت فی الروایة اور تحری فی الروایة کی روش قرار دیا ہے۔ (۴)

امام ترمذی نے ابوسعید خدری کی روایت نقل کی ہے جس سے عمر کی محتاط روش کا پتہ چلتا ہے:

۱- ترمذی، السنن، ابواب المناقب، ۶۳۲/۵، ۶۳۳

۲- مسلم، الجامع، کتاب العلم، باب فی التحذیر من الکذب، ۸، ۷/۱، ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب علی، ۶۳۳/۵

۳- ابو داؤد، السنن، کتاب الفرائض، باب فی الجدة، ۳۱۶/۳ - ۳۱۷

۴- تذکرة الحفاظ، ۳/۱

عن ابی سعید قال: استأذن أبو موسىٰ علىٰ عمرؓ، فقال: السلام عليكم  
 أَدْخِلْ؟ فقال عمر: واحدة، ثم سكت ساعة، ثم قال: السلام عليكم  
 أَدْخِلْ؟ فقال عمر: ثنتان، ثم سكت ساعة، فقال: السلام عليكم  
 أَدْخِلْ؟ فقال عمر: ثلاث، ثم رجع، فقال عمر للبواب: ما صنع؟ قال:  
 رجع، قال: علىٰ به. فلما جاءه، قال: ما هذا الذي صنعت؟ قال:  
 السنة. قال: السنة؟ والله لتأتيني علىٰ هذا بيهان أو بيينة أو لأفعلن  
 بك، قال: فاتانا ونحن رفقة من الأنصار، فقال: يا معشر الأنصار!  
 أستم أعلم الناس بحديث رسول الله ﷺ؟ ألم يقل رسول الله ﷺ:  
 الاستئذان ثلاث، فإن أذن لك وإلا فارجع؟ فجعل القوم يمازحونه.  
 قال أبو سعيد: ثم رفعت رأسي إليه فقلت: ما أصابك في هذا من  
 العقوبة فأنا شريكك، قال: فأتى عمر فأخبره بذلك، فقال عمر: ما  
 كنتُ علمت بهذا. (1)

ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ نے عمرؓ سے اذن طالب کیا اور کہا: السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟  
 عمرؓ نے کہا: ایک، ابو موسیٰ ایک لمحہ خاموش رہے پھر کہا: السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟ تو عمرؓ  
 نے کہا: دو، ابو موسیٰ کچھ دیر خاموش رہے پھر کہا: السلام علیکم، میں داخل ہو جاؤں؟ عمرؓ نے کہا:  
 تین، پھر وہ لوٹ گئے۔ اس پر عمرؓ نے دربان سے کہا: اس نے کیا کیا؟ دربان نے کہا کہ وہ  
 لوٹ گئے۔ عمرؓ نے کہا: اسے میرے پاس لائیے۔ جب ابو موسیٰ ان کے پاس آئے تو عمرؓ نے  
 پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا ہے؟ ابو موسیٰ نے کہا: سنت پر عمل کیا۔ عمرؓ نے کہا: اس پر دلیل لائیے یا  
 گواہ ورنہ میں اس پر تم سے کچھ معاملہ کروں گا (یعنی سزا دوں گا) ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ  
 ہمارے پاس آئے اور ہم کچھ انصاری ساتھی تھے اور کہنے لگے۔ اے گردہ انصار! کیا تم  
 رسول اللہؐ کی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے نہیں؟ کیا رسول اللہؐ نے فرمایا نہیں تھا:  
 ”اذن طلبی تین مرتبہ ہے۔ اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ لوٹ جاؤ۔“ لوگ ان سے  
 مزاح کرنے لگے۔ ابوسعیدؓ کہتے ہیں: پھر میں نے سراٹھایا اور کہا: اس سلسلے میں آپ کو جو سزا  
 ہوگی میں اس میں آپ کے ساتھ شریک ہوں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوسعیدؓ آئے اور عمرؓ کو اس  
 سے آگاہ کیا۔ تو عمرؓ نے کہا: مجھے اس کا علم نہ تھا۔

۱- ترمذی، السنن، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی الاستئذان ثلاث، ۵ / ۵۳ - ۵۴؛ مسند احمد، ۳ / ۳۹۳



علامہ ذہبی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عمر کے پیش نظر اس خبر کی تحقیق و تصدیق تھی کہ دیگر لوگ بھی اس کی تصدیق کریں کیونکہ اس کا امکان تھا کہ ابو موسیٰ اشعری بھول گئے ہوں یا وہم کا شکار ہوئے ہوں۔ جب دو ثقہ شخص ایک بات پر قائم ہوں تو وہم دور ہو جاتا ہے۔ (۱)

علیٰ قرابت اور قرب نبوی کی وجہ سے خصوصی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ علوم نبوت کے امین اور ارشادات و احکام نبوی سے واقف تھے لیکن حدیث سننے اور سنانے میں احتیاط برتتے تھے۔ کسی روایت پر اگر انہیں تردد ہوتا تو سنانے والے سے قسم لیتے تھے۔ علماء حدیث نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے ان کے رویے کا پتہ چلتا ہے:

كنت اذ سمعت عن رسول الله ﷺ حديثا نفعني الله بما شاء منه

و إذا حدثني محدث استحلفته فان حلف لي صدقته. (۲)

میں نے جب کبھی نبی ﷺ سے کوئی حدیث سنی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے نفع ہی دیا اور جب بھی کسی نے مجھ سے حدیث بیان کی تو میں نے اس سے قسم لی اگر وہ قسم اٹھالیتا تو میں نے اس حدیث کو قبول کیا۔

علامہ ذہبی نے ان کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

كان اماماً عالماً متحريراً في الأخذ بحديث انه يستحلف من يحدث  
بالحديث. (۳)

صحابہ کرام کا عمومی رویہ احتیاط اور تحقیق کا تھا حتیٰ کہ مکہ میں صحابہ بھی ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھتے کہ وہ ایک بھاری ذمہ داری اٹھا رہے ہیں لہذا آنجناب ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہوئے خشیت الہی کی کیفیت میں ہوتے۔ یہ اسی گروہ کی توجہ اور محنت کا نتیجہ ہے کہ سنت رسول کو ہر قسم کی آلائش سے محفوظ رکھنے کے لیے صداقت و دیانت کو اپنایا اور اسے بے کم و کاست لوگوں تک پہنچایا۔ سو اللہ نے وعدہ فرمایا کہ وہ قیامت کے دن ان کو رسوا نہ کرے گا۔ سو جماعت صحابہ کرام کے بارے میں اجماع امت ہے کہ وہ عادل اور جھوٹ و کذب سے دور ہیں۔

کیا جرح و تعدیل کا عمل غیبت کے تحت آتا ہے؟

تعدیل تو قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ اس میں کسی شخص کی عدالت اور ثقاہت کو بیان کیا جاتا ہے لیکن جرح میں شخص عیوب اور علمی و اخلاقی کمزوریوں کا تذکرہ ہوتا ہے کیا یہ عیب جوئی نہیں؟ اور کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کے عیوب بیان کرنا غیبت کے زمرے میں نہیں آتا؟ اگر یہ غیبت کے زمرے میں آتا ہے تو یہ بالکل جائز نہیں کیونکہ قرآن و سنت میں غیبت کی سخت مذمت آئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

۱- تذكرة الحفاظ، ۶/۱

۲- ایضاً، ۱۰/۱؛ الکفایة، ۸۳

۳- ایضاً، ۱۰/۱

يا ايها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضاً ايحب أحدكم ان يا كل لحم أخيه ميتاً فكرهتموه واتقوا الله ان الله تواب رحيم. (۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے، جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس میں پائے جانے والے عیب کا ذکر کیا جائے تو یہ غیبت ہوگی اور اگر عیب نہ پایا جائے تو یہ بہتان ہوگا۔

عن ابي هريرة، قيل لرسول الله ﷺ ما الغيبة؟ قال ذكرك أخاك بما يكره. (قيل)، أفرأيت إن كان فيه ما يقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبه و إن لم يكن فيه ما تقول فقد بهته. (۲)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ سے عرض کیا گیا کہ غیبت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرے جسے وہ ناپسند کرے۔ عرض کیا گیا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ جو کچھ کہا گیا وہ اس میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو وہ کچھ کہتا ہے جو اس میں پایا جاتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر جو کچھ تو کہتا ہے اس میں نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جرح میں کسی کے عیوب و مفاسد ہی کا ذکر کیا جاتا ہے بلکہ نقادان حدیث نے تو راویوں کے عیوب پر مبنی اور ان کے حالات کے تجزیہ پر کتابیں لکھی ہیں اس لیے یہ غیبت تو بنتی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اصول جرح و تعدیل غیبت کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟ اگر آتے ہیں تو دینی طور پر کیا اس کا جواز موجود ہے۔ محدثین کے سامنے یہ مسئلہ تھا اس لیے انہوں نے اس پر اظہار رائے کیا ہے۔ ذیل میں ہم کچھ پہلوؤں کا ذکر کریں گے اور محدثین کی آراء پیش کریں گے:

قاضی عیاض نقل کرتے ہیں:

قال بعض الصوفية لابن المبارك - و سمعه يضعف بعض الرواة - يا أبا

۱- الحجرات / ۳

۲- مسلم، الجامع، کتاب البر والصلۃ، باب تحريم الغيبة، ۸ / ۲۱: حدیث ۳۵۸۹؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی الغيبة، ۵ / ۱۹۱-۱۹۲. حدیث: ۳۸۷۴؛ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ، باب فی الغيبة، ۳ / ۳۲۹؛ حدیث: ۱۹۳۳

عبدالرحمن تغتاب؟ قال: اسکت، اذا لم نبین، فمن أين يعرف الحق من الباطل. (۱)

کسی صوفی نے عبداللہ بن المبارک سے کہا: اور وہ بعض راویوں کی تضعیف کر رہے تھے، ابو عبدالرحمن غیبت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: خاموش رہو، اگر اہم وضاحت نہ کریں تو باطل سے حق کیسے پہچانا جائے گا۔

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ ابو تراب النخشی صوفی (۲) احمد بن حنبل کے پاس آئے: فجعل ابی یقول: فلان ضعیف، فلان ثقة، فقال ابو تراب: یا شیخ لا تغتب العلماء؛ فالتفت ابی الیہ وقال له: و یحك! هذا نصیحة، لیس بغیبة. (۳) میرے والد کہہ رہے تھے: فلاں شخص ضعیف ہے اور فلاں ثقہ ہے۔ اس پر ابو تراب نے کہا: یا شیخ! غیبت نہ کرو۔ میرے والد اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: یہ تو خیر خواہی ہے، غیبت نہیں۔ ابن علیہ سے جرح کے بارے میں مندرجہ ذیل قول منقول ہے:

ان هذه أمانة لیس بغیبة. (۴)

یہ امانت ہے غیبت نہیں ہے۔

ان ہی کے سامنے ایک شخص کی حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے کہا:

لا تحدث عن هذا، فانه لیس بثبت.

تو اس سے روایت نہ کر کیونکہ وہ مثبت نہیں۔

تو انہیں کہا گیا کہ آپ نے غیبت کی ہے تو اسماعیل بن علیہ نے کہا:

ما اغتابه و لكنه حکم علیہ انه لیس بثبت. (۵)

غیبت نہیں کی بلکہ اس کے بارے میں یہ کہا کہ وہ مثبت نہیں ہے۔

۱- ترتیب المدارك، ۳/ ۵۱، شرح علل الترمذی، ۱/ ۳۶؛ الکفایة، ۲۵

۲- النخشی، ابو تراب عسکر بن الحصین (م ۲۳۵ھ) نخشب کا شہر بلخ کے نواح میں سے ہے۔ اسے نف بھی کہا جاتا ہے۔ صوفی

محدث تھے۔ حج کی ادائیگی کے لیے جاتے ہوئے راستے میں فوت ہوئے۔ حلیة الاولیاء، ۱/ ۳۵؛ تاریخ بغداد،

۱۳/ ۳۱۵؛ العبر، ۱/ ۳۳۵؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۵۳۵

۳- طبقات الحنابلة، ۱/ ۲۳۸، ۲۳۹؛ الکفایة، ۳۵

۴- شرح علل الترمذی، ۱/ ۳۶؛ الضعفاء الکبیر، ۱/ ۱۱-۱۲

۵- الجرح و التعديل، ۱/ ۲۳؛ التعديل و التجريح، ۱/ ۲۸۸؛ الکفایة، ۳۳؛ المحدث الفاصل، ۵۹۳

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ، ابن المبارک، سفیان الثوری اور مالک بن انس سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا جو متھم بالکذب تھا تو انہوں نے کہا: انشرہ فانہ دین اسے بیان کرو کیونکہ یہ دین ہے۔ (۱)  
شعبہ سے جب سوال کیا گیا:

هذا الذى تكلم فى الناس اليس هو غيبة؟ فقال يا احمق هذا دین. (۲)  
یہ جو لوگوں کے بارے میں بات کرتے ہو یہ غیبت نہیں؟ تو شعبہ نے کہا: احمق آدمی، یہ دین ہے۔  
نظر بن شميل کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کو کہتے سنا!  
تعالوا حتى نغتاب فى دین الله. (۳)  
آؤ اللہ کے دین کے لیے غیبت کریں۔  
امام شافعی کا قول ہے:

لولا شعبة ما عرف الحديث بالعراق. (۴)  
اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کی معرفت نہ ہوتی۔  
ابن عدی نے نقل کیا ہے کہ لوگ شعبہ کی مجلس میں جانے سے احتراز کرنے لگے تھے:  
عن اسود بن سالم يقول: سمعت هشيماً يقول: كنا ندع مجالس شعبة، لانه كان يدخلنا فى الغيبة. (۵)  
اسود بن سالم کہتے ہیں کہ ہشیم کو کہتے سنا: ہم شعبہ کی مجالس ترک کرتے کیونکہ وہ ہمیں غیبت میں شامل کرتے۔  
ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ويظهر ان بعض الناس تركوا الجلوس مع شعبة، لانه كان يتكلم فى الرجال، ظناً منهم بأن ذلك من الغيبة المحرمة شرعاً. (۶)

۱- مقدمة الكامل، ۱/ ۱۳۹-۱۵۰؛ مقدمة التمهيد، ۳۷؛ الضعفاء للعقيلي، ۱/ ۳-۶

۲- الاسرار المرفوعة، ۸۰؛ الكفاية، ۳۵؛ مقدمة الكامل، ۱/ ۱۵۰

۳- الكفاية، ۳۵؛ مقدمة الكامل، ۱/ ۱۵۲؛ الضعفاء الكبير، ۱/ ۱۱، ۱۵؛ كتاب المجروحين، ۱/ ۱۹؛ اس اہم دینی

خدمت کی ادائیگی کی وجہ سے کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شعبہ کے درجات بلند کرے گا۔

۴- الجامع لاختلاق الراوى والسامع، ۲/ ۱۷۰؛ سير اعلام النبلاء، ۷/ ۲۰۶

۵- مقدمة الكامل، ۱/ ۱۵۲

۶- دراسات فى الجرح و التعديل، ۲۵۰

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے شعبہ کے ساتھ بیٹھنا ترک کر دیا اس لیے کہ وہ رجال کے بارے میں بات کرتے جب کہ ان کا خیال تھا کہ یہ غیبت ہے جو شرعاً حرام ہے۔

عبداللہ بن المبارک نے سفیان الثوری سے پوچھا:

ابن عباد بن کثیر یغلط فی الحدیث فاذا کره للناس؟ قال نعم اذکره. (۱)

قال ابو بکر خلاد: قلت لیحییٰ بن سعید: اما تخشى ان یکون هو لاء الذین ترک حدیثهم خصماء ک عند الله یوم القیامة؟ فقال: لأن یکون هو لاء خصمائی أحب الی من ان یکون خصمی رسول الله ﷺ، یقول: لم حدثت حدیثا عنی أنه کذب. (۲)

ابو بکر خلاد کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے کہا: کیا تمہیں ڈرنہیں ہے کہ یہ لوگ جن کی حدیث تم ترک کرتے ہو قیامت کے دن اللہ کے ہاں تمہارے خلاف کھڑے ہوں گے؟ انہوں نے کہا: ان لوگوں کا میرے مخالف کھڑے ہونا مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے رسول اکرم ﷺ میرے خلاف کھڑے ہوں اور یہ فرمائیں: تم نے وہ حدیث کیوں بیان کی جسے تم جھوٹ سمجھتے تھے۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری، شعبہ، سفیان بن عیینہ اور مالک بن انس سے ایک واہی الحدیث شخص کے بارے میں پوچھا کہ اس کے بارے میں بات کروں تو سب نے جواب دیا کہ یہ میں کہوں: لیس ہو ثبناً و ان ابین امره (۳) وہ ثابت نہیں ہے اور میں اس کے معاملے کو واضح کروں۔

ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی نے اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

وعلیٰ هذا اجماع المسلمین. (۴)

اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

دارقطنی کہتے ہیں:

- ۱- المحدث الفاصل، ۵۹۳؛ الجرح و التعديل، ۲۳/۱/۱؛ مقدمة الكامل، ۱۱۳/۱؛ شرح علل الترمذی، ۳۵/۱
- ۲- المدخل، ۱۱۱؛ التعديل و التجريح، ۲۸۲/۱؛ الكفاية، ۳۳
- ۳- المحدث الفاصل، ۵۹۳؛ الجرح و التعديل، ۲۳/۱/۱؛ الكفاية، ۳۳؛ مقدمة الكامل، ۱۱۳/۱
- ۴- التعديل و التجريح، ۲۸۲/۱

ان هذا واجب ديانة و نصيحة للدين و المسلمين. (۱)  
رواۃ کا تنقیدی جائزہ واجب ہے دیانت کے لحاظ سے اور دین اور مسلمانوں کے لیے نصیحت کے طور پر بھی۔

شیخ عبدالفتاح ابو غده نے حسن بن علی الاسکانی کے سوال اور احمد بن حنبل کا جواب نقل کیا ہے:  
قال: سألت أحمد بن حنبل عن معنى الغيبة فقال: إذا لم ترد عيب الرجل قلت: فالرجل يقول: فلان لم يسمع، و فلان يخطئ. قال:  
لو ترك الناس هذا لم يعرف الصحيح من غيره. (۲)

کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے غیبت کے معنی پوچھے تو انہوں نے کہا: جب تمہارا ارادہ عیب لگانے کا نہ ہو۔ میں نے کہا: ایک شخص کہتا ہے: فلاں نے نہیں سنا اور فلاں غلطی کرتا ہے۔ فرمایا: اگر لوگ اسے چھوڑ دیں تو صحیح اور غیر صحیح کا پتہ نہیں چلے گا۔  
ابن رجب حنبلی کہتے ہیں:

ان الكلام فى الجرح و التعديل جائز. (۳)

جرح و تعدیل کے سلسلے میں رواۃ پر کلام کرنا جائز ہے۔

عن محمد بن بندار السباك الجرجاني قال: قلت لأحمد بن حنبل يا أبا عبد الله! انه يشتد على أن أقول: فلان كذاب، فلان ضعيف، فقال لي: إذا سكت أنت و سكت أنا، فمتى يعرف الجاهل الصحيح من السقيم. (۴)  
محمد بن بندار السباک الجرجانی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے کہا: ابو عبد اللہ مجھ پر گراں گذرتا ہے جب میں کہتا ہوں: فلاں کذاب ہے اور فلاں ضعیف ہے۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا: اگر تم خاموش ہوئے اور میں بھی خاموش ہو گیا تو جاہل صحیح اور سقیم کے فرق کو کب جانے گا۔

امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

والمألزموا انفسهم الكشف عن معاييب رواة الحديث و ناقلی

۱- الاسرار المرفوعة، ۷۸؛ شرح علل الترمذی، ۳۳۸/۱

۲- الرفع و التكمیل، ۵۳ حاشیہ، ۱

۳- شرح علل الترمذی، ۳۳۸/۱

۴- الكفاية، ۳۶



الأخبار و الفتوا بذلك حين سئلوا لما فيه من عظيم الخطر؛ إذ الأخبار في أمر الدين إنما تأتي بتحليل أو تحريم أو أمر أو نهى، أو ترغيب أو ترهيب. إذا كان الراوي لها ليس بمعدن للصدق و الأمانة ثم أقدم على الرواية عنه من قد عرفه ولم يبين ما فيه لغيره ممن جهل معرفته، كان آثماً بفعله ذلك، غاشاً لعوام المسلمين؛ إذ لا يؤمن على بعض من سمع تلك الأخبار أن يستعملها أو يستعمل بعضها، ولعلها أو أكثرها أكاذيب لا أصل لها، مع أن الأخبار الصحاح من رواية الثقات و أهل القناعة، أكثر من أن يضطر إلى نقل من ليس بثقة، ولا مقنع. (۱)

ان لوگوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا کہ حدیث کے راویوں اور اخبار کے نقل کرنے والوں کے عیوب کھول کر بیان کئے جائیں اور جب ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس میں بڑی بھلائی ہونے کا فتویٰ دیا۔ اس کے لیے کہ اخبار ایک دینی معاملے میں حلت و حرمت، امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کے بیان کی جاتی ہیں۔ اگر راوی صدق و امانت کا منبع نہ ہو اور اس سے روایت وہ شخص لے جو اسے جانتا ہو لیکن دوسرے کے لیے جو اس سے واقف نہیں اس کے اندر موجود کی کو واضح نہ کرے تو وہ اپنے فعل میں گنہگار ہوگا اور عامۃ المسلمین کے دھوکہ دینے والا ہوگا۔ اس لیے کہ جس شخص نے ان اخبار کو سنا وہ اس کو مکمل طور پر یا کچھ حصہ کو استعمال کرنے سے مامون نہیں ہوگا۔ شاید وہ خبر یا اس کا اکثر حصہ جھوٹ ہو جس کی کوئی اصل نہ ہو۔ اس کے باوجود کہ ثقہ اور محتاط راویوں کے روایت کردہ صحیح اخبار اس سے زیادہ ہیں کہ کوئی شخص کسی غیر ثقہ و غیر محتاط راوی کی روایت نقل کرنے پر مجبور ہو۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ، سفیان الثوری، ابن عیینہ اور مالک بن انس سے اس شخص کے بارے میں استفسار کیا جس کا حافظہ اچھا نہیں یا اس پر احادیث کے بارے میں ابہام ہے۔

فقالوا جميعا: بين أمره (۲)

اس سے ملتی جلتی بات امام ترمذی نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وانما حملهم على ذلك - عندنا - والله اعلم: النصيحة للمسلمين، لا

يظن بهم أنهم ارادوا الطعن على الناس أو الغيبة، إنما ارادوا عندنا ان

۱- مسلم، الجامع، مقدمہ، ۱/۲۱-۲۲

۲- الجامع لاخلاق الراوی، ۲/۱۶۹؛ الجرح والتعديل، ۱/۱/۲۳

بينوا ضعف هؤلاء لکی يعرفوا لان بعضهم من الذين ضعفوا كان صاحب بدعة و بعضهم كان متهماً في الحديث و بعضهم كانوا اصحاب غفلة و كثرة خطأ فاراد هؤلاء والائمة ان يبينوا احوالهم شفقة على الدين و تشبهاً لان الشهادة في الدين احق ان يتثبت فيها من الشهادة في الحقوق و الاموال. (۱)

ہمارے نزدیک ان نقاد حدیث کو مسلمانوں کے لیے نصیحت نے اس بات پر آمادہ کیا کہ ان روایت کے ضعف کو واضح کریں تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے اس لیے کہ جن کو ضعیف گردانا گیا ہے ان میں کوئی صاحب بدعت ہو، کوئی متہم فی الحدیث ہو اور ان میں سے بعض اصحاب غفلت اور زیادہ غلطی کرنے والے ہوں۔ ان ائمہ نے یہ چاہا کہ دین پر شفقت کے لیے اور تحقیق کے لیے ان کے احوال کو واضح کریں اس لیے کہ دین کے لیے شہادت کا تحقق حقوق و اموال میں شہادت سے زیادہ ضروری ہے۔

عاصم احوال کہتے ہیں کہ میں قتادہ کے پاس بیٹھا تھا تو انہوں نے عمرو بن عبید کا ذکر کیا اور اس پر تنقید کی تو میں نے ان سے کہا:

لا أرى العلماء يقع بعضهم في بعض، فقال: يا احوال ألا تدري أن الرجل اذا ابتدع فينبغي أن يذكر حتى يحذر. (۲)

مجھے اچھا نہیں لگا کہ علماء ایک دوسرے کے خلاف بات کہیں تو انہوں نے کہا: احوال کیا تم نہیں جانتے کہ ایک شخص جب بدعت کا مرتکب ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے تاکہ اس سے بچا جاسکے۔

ابن عدی نے نقل کیا ہے کہ ابو مسہر سے متہم بالکذب اور فاحش غلطی کے مرتکب راوی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا:

بين أمره. (۳) اس کا حال بیان کرو۔

ائمہ حدیث نے تمام امور کا گہرا جائزہ لیا اور اس کے بعد روایت حدیث پر نقد و جرح کا اہتمام کیا اصل مقصد حضور اکرم ﷺ کی طرف غلط بات کو منسوب ہونے سے روکنا تھا اس لیے محدثین نے اس کا اہتمام کیا کہ کسی راوی کا علم و حفظ، تقویٰ و دیانت اور ضبط و اتقان تنقیدی جائزہ سے نہ بچ سکے۔

- ۱- ترمذی، کتاب العلل، ۵ / ۴۳۹؛ کتاب السنن، (مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت) کے آخر میں موجود ہے۔
- ۲- میزان الاعتدال، ۳ / ۲۷۳
- ۳- مقدمة الكامل، ۱ / ۱۱۳

حفاظت حدیث کے لیے ضروری ہے کہ راوی کے عیوب اور اس کی علمی و عملی کمزوریاں واضح کی جائیں جہاں تک غیبت کا تعلق ہے تو دینی معاملات میں اس کے جواز پر اہل علم نے اتفاق کیا ہے مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

ذکر النووی فی ریاض الصالحین (۱) والغزالی فی احیاء علوم الدین (۲) و غیرہما فی غیرہما؛ ان غیبة الرجل حیا و میتاً باح لغرض شرعی لا یمکن الوصول الیہ الا بہا۔

نووی نے ریاض الصالحین میں اور غزالی نے احیاء علوم الدین اور دوسرے لوگوں نے ان کے علاوہ اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ زندہ و مردہ شخص کی غیبت ایسے شرعی مقصد، کہ جس کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں، کے تحت مباح ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے امام قرانی کی الفروق (۳) کا حوالہ بھی دیا ہے (۴) ہم انہیں الرفع و التکمیل کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ مولانا لکھنوی کہتے ہیں کہ یہ چھ ہیں: (۵)

۱۔ التظلم: کسی بھی مظلوم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ سلطان یا قاضی وغیرہ کے سامنے جو صاحب اختیار ہو اور ظالم سے انصاف حاصل کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اپنا مسئلہ پیش کر سکتا ہے اور ظلم کو بیان کر سکتا ہے۔

۲۔ الاستعانة: منکر کو روکنے اور برائی کے مرتکب فرد کو راہ راست پر لانے کے لیے کسی دوسرے سے مدد حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس سے ازالہ مطلوب ہے اسے بتا سکتا ہے کہ فلاں شخص یہ کرتا ہے اسے تنبیہ کرو یا روکو۔

۳۔ الاستفتاء: مفتی سے یہ کہے کہ فلاں شخص نے مجھ پر اس طرح ظلم کیا ہے اس سے نجات کی کیا صورت ہے۔ اگر اس میں وہ نام لے کر پوچھتا ہے تو اسے غیبت نہیں کہا جائے گا۔

۴۔ تحذیر المسلمین من الشر و نصیحتہم: مسلمانوں کو کسی شر سے بچانے کے لیے اور ان کی خیر خواہی کے لیے غیبت کی جاسکتی ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً:

الف۔ شادی و نکاح کی صورت میں فریقین کے بارے میں صحیح حالات بیان کرنا۔

ب۔ کاروبار کی شراکت میں جانہین کے حقائق بیان کرنا۔

۱۔ ریاض الصالحین، باب ما یباح من الغیبة، ۴۵۰

۲۔ احیاء علوم الدین، کتاب فی آفات اللسان، بیان الأعدار المرخصة فی الغیبة، ۳ / ۳۰۲-۳۰۳

۳۔ الفروق، ۴ / ۲۰۵-۲۰۶

۴۔ الرفع و التکمیل، ۵۳

۵۔ ایضاً، ۵۳۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی نے بھی اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ دراسات فی الجرح و التعذیل، ۶۳

ج- امانت رکھنے کے لیے حقیقت حال کا جاننا اور بیان کرنا۔ جس کے پاس امانت رکھی جا رہی ہے وہ صاحب امانت و دیانت ہے یا نہیں۔

د- تحصیل علم کے لیے شیخ کے پاس جانے سے پہلے معلوم کرنا کہ وہ کیسا ہے، یہ درست ہے۔ اگر وہ اہل بدعت میں سے ہے یا کسی نوع کے فسق میں مبتلا ہے تو اس کے بارے میں اظہارِ غیبت کے زمرے میں نہیں آئے گا بشرطیکہ اس میں حسد اور افتخار شامل نہ ہو۔

ہ- قاضی کے سامنے گواہوں پر جرح اور ان کے عیوب کا بیان درست ہے۔

و- راویانِ حدیث پر جرح اور ان کے عیوب کا بیان غیبت کے تحت نہیں آئے گا۔

۵- أن يكون مجاهرًا بفسقه او بدعته

جو شخص اعلانیہ اور کھلم کھلا فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہو اور اظہار بھی کرتا ہو۔ اس بدعت کا مرتکب بھی ہو اور اس کا پرچار بھی کرے ایسے فاسق و فاجر اور بدعتی کی غیبت جائز ہے۔ لوگوں کو اس سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ ظلم، فسق اور بدعت ایسے عیوب ہیں جن کے ظاہر کرنے سے کسی کی توہین نہیں ہوتی۔ امام قرطبی لکھتے ہیں:

ليس لهم حرمة صاحب الهوى، الفاسق المعلن و الامام الجائر. (۱)

اہل بدعت، کھلا فاسق اور ظالم حکمران کے لیے کوئی احترام نہیں ہے۔

ابوبکر صام کہتے مقدوف اگر فاسق اور عیبی ہو تو اس کے برے اعمال کا تذکرہ ممنوع نہیں ہے۔ (۲)

۶- التعريف

کوئی شخص کسی عیب کی وجہ سے معروف ہو جائے۔ وہ اس لقب یا نام سے معروف ہو جائے تو اس نام سے پکارنا غیبت کے زمرے میں نہیں آتا۔ جیسے! الأعمش، الأعرج، الأعم، الأعمور، الأحول وغیرہ۔

امام لکھنوی لکھتے ہیں:

فهذه ستة اسباب و يلحق بها غيرها مما يناظرها و يشابهها، في

كتب الحديث مشهورة و في كتب الفن مسطورة. (۳)

یہ چھ اسباب ہیں اور ان کے ساتھ مشابہہ دیگر اسباب ملحق کئے جاسکتے ہیں اور کتب حدیث

میں ان کے دلائل مشہور ہیں۔ اور کتب فن میں مسطور ہیں۔

۱- الجامع لاحکام القرآن، ۲۲۱/۲

۲- احکام القرآن، ۳۶۰/۶

۳- الرفع والتکمیل، ۵۶-۵۳

امام نووی اور امام غزالی نے ان اسباب کی بنا پر غیبت کے جائز ہونے پر دلائل دیئے ہیں۔ (۱) یہ بات واضح ہے کہ مسلمان معاشرہ خیر پر مبنی ہے اس میں فساد پھیلانے والے، بدعتوں کو متعارف کرانے والے اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے قابل عزت نہیں ہو سکتے۔ اس طرح علم حاصل کرنے والے اور خصوصاً حدیث کا علم حاصل کرنے والے یہ حق رکھتے ہیں کہ جن سے وہ معلومات حاصل کر رہے ہیں ان کے بارے میں یہ جانیں کہ وہ ثقاہت و تقویٰ کے کس معیار پر فائز ہیں۔ محدثین نے انتہائی باریک بینی سے تمام امور کا جائزہ لیا ہے اس کے بعد اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس سے اعلیٰ دینی مقاصد کا حصول ممکن ہے۔ محدثین کے سامنے قرآنی حکم کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں ہونے والے واقعات، صحابہ کرام کا طرز عمل اور اسلاف کی تعبیرات بھی تھیں۔ اس لیے امر واقع کو بیان کرنے کی اجازت دی ہے البتہ اس میں خواہشات نفسانی یا ذاتی عناد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہم اسے ختم کرنے سے پہلے عہد نبوی کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جسے بخاری نے نقل کیا ہے:

عن عائشة قالت: جاءت هند بنت عتبة فقالت: يا رسول الله، ان اباسفیان رجل مسيک فهل علی حرج ان اطعم من الذی له عیالنا؟  
قال: لا، الا بالمعروف. (۲)

عائشہ سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ حضور اکرم کے پاس آئی اور کہا: یا رسول اللہ! ابوسفیان جزیر (بخیل) آدمی ہیں۔ کیا میرے لیے ناروا ہوگا اگر میں اس کے مال میں سے لے کر اپنے بچوں کو کھلاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، مگر معروف طریقے سے۔

ہند نے ابوسفیان کی ایک صفت بیان کی اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر تنبیہ نہیں کی۔ اس سے اور اس طرح اور واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ نیک نیتی سے امر واقع کو بیان کرنا غیبت میں نہیں آتا۔ امام نووی، امام غزالی اور امام قرانی نے جو اسباب بیان کئے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ انہیں مد نظر رکھا جائے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جرح و تعدیل میں مشتغل کو شریعت نے ایک مقصد کے تحت اجازت دی ہے لہذا اسے حدود و قیود کے اندر ہی اس پر عمل کرنا چاہیے۔ خواہش نفسانی یا مذہبی تعصب اسے اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ وہ حق سے انحراف کرے۔ مسلمانوں کی اعراض محترم ہیں ان سے کھیلنا کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

إن دماءکم و اموالکم و اعراضکم بینکم حرام. (۳)

۱- الرفع والتکمیل، ۵۶، حاشیہ، ۲

۲- بخاری، الجامع، کتاب النفقات، باب نفقة المرأة اذا غاب عنها زوجها، ۶ / ۱۹۲؛ کتاب البیوع، باب

من اجری امر الانصار... میں رجل مسيک کی جگہ رجل شحیح کے الفاظ ہیں اور حضور کے جواب میں:

خذی انت و بنوک ما یکفیک بالمعروف کے الفاظ ہیں۔ ۳ / ۳۶

۳- مسلم، الجامع، کتاب الحج، باب حجة النبی، ۳ / ۳۱؛ کتاب البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم، ۸ / ۸

تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان محترم ہیں۔  
عز بن عبد السلام کا قول ہے:

انه لا يجوز للشاهد أن يجرح بذنبن، مهما أمكن الإكتفاء باحدهما،  
فان القدح للضرورة فليقدر بقدرها. (۱)

گواہ کے لیے دو گنا ہوں پر مجروح کرنا جائز نہیں جتنا ممکن ہے ایک پر اکتفا کیا جائے چونکہ  
عیب جوئی ضرورت کے لیے ہے اس لیے اندازے کے مطابق کی جائے۔  
ابن دینق العید کہتے ہیں:

اعراض المسلمين حفرة من حفر النار وقف على شفيرها طائفتان من  
المسلمين، المحدثون و الحكام. (۲)

مسلمانوں کی عزتیں آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اس لیے کنارے مسلمانوں  
کے دو گروہ کھڑے ہیں۔ ایک محدثین اور دوسرے حکام۔

## مصادر جرح و تعدیل

علم الجرح والتعديل جسے علم اسماء الرجال اور علم میزان الرجال کا نام بھی دیا جاتا ہے نہایت اہم  
اور وسیع علم ہے۔

علمائے حدیث نے آپ ﷺ کے ارشادات و اعمال کو کسی بھی نوع کے سقم، ضعف اور آلائشوں سے محفوظ اور  
پاک رکھنے کے لیے ہمہ جہت اور حیرت انگیز مساعی کیں۔ اخلاص و محبت پر مبنی ان کاوشوں کی ایک جھلک ان بے شمار  
اور ان گنت تالیفات و تصانیف میں دیکھی جاسکتی ہے جو ان صاحبان علم و فضل نے راویان حدیث کے حالات جمع  
کرنے اور ان کی جانچ پرکھ کے لیے مختلف بلا و امصار کے طویل اور پُر مشقت سفر اختیار کیے اور ان کی ثقاہت،  
ضعف اور کردار کی دوسری بشری کمزوریوں کا کھوج لگایا۔ حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں ان روایات کے قابل اعتماد  
ہونے یا نہ ہونے کا واضح کاف الفاظ میں بیان کرنا اپنی دینی، شرعی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھا۔

ان کاوشوں کا آغاز آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں ہو گیا تھا گو ایک مدون اور مرتب فن کی شکل اختیار  
کرنے میں کچھ وقت لگا۔ اس فن پر متعدد عنوانات اور ناموں سے کتب لکھی گئیں۔ ذیل میں ان کاوشوں کا ایک  
سرسری اور مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱- فتح المغیث للسخاوی بحوالہ اصول الحدیث علومہ و مصطلحہ، ۲۶۸

۲- قاعدة فی الجرح و التعديل للسبکی، ۳۰، ۵۲



بعض اہل علم نے اپنی تالیف میں ثقہ راویوں کے ذکر کا ارادہ کیا (۱)۔ جبکہ بعض دوسروں نے ضعیف رواۃ کے حالات کو جمع کرنا اپنا مقصود ٹھہرایا (۲)۔

کچھ ایسی تالیفات بھی مرتب ہوئیں جن کے مؤلفین نے ثقہ اور ضعیف دونوں قسم کے رواۃ کے حالات محفوظ کیے (۳)۔ بعض اہل علم نے احادیث کے مشہور و مستند مجموعوں کے رجال پر تفصیلات جمع کیں۔ بخاری کی الجامع اور امام مسلم کی الجامع کے رواۃ پر الگ الگ کتب مرتب ہوئیں۔ جبکہ بعض نے دونوں کے رواۃ پر معلومات جمع کیں (۴)۔

علاوہ ازیں کتب سنن، مسانید، موطأ اور دیگر اہم مجموعہ ہائے حدیث کے رواۃ پر بھی کتب تالیف ہوئیں (۵)۔ جرح و تعدیل پر ایسی کتب بھی ہمارے علمی سرمایے میں موجود ہیں جو السؤالات کے عنوان سے مرتب ہوئیں۔ اس موضوع پر تالیفات کا یہ اچھوتا طریقہ تھا۔ بعض طلبہ نے اپنے شیخ سے رواۃ حدیث کے مرتبے اور درجے کے بارے میں سوالات کیے اور شیوخ نے جوابات دیے۔ یہ کتب ان سوالات و جوابات پر مشتمل ہیں (۶)۔

مہم اسماء نیز القابات، کنیتوں اور نسبتوں سے معروف راویان حدیث پر علیحدہ علیحدہ کتب تالیف ہوئیں۔ (۷)

- ۱- ثقہ راویوں کے بارے میں ثقافات اور دیگر عنوانات سے کتب تالیف ہوئیں مثلاً العجلی (م ۲۶۱ھ)، ابن حبان (م ۳۵۴ھ) کی کتب ثقافات، ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ وغیرہ۔
- ۲- ضعیف رواۃ پر بھی متعدد اور متنوع عنوانات سے کتب حصہ بھجودہ آئیں مثلاً امام بخاری کی الضعفاء الکبیر، عقیلی (م ۳۲۲ھ) کی کتاب الضعفاء، ابن حبان (م ۳۵۴ھ) کی کتاب المعجرو حین، ابن عدی (م ۳۶۵ھ) کی الضعفاء والمترکین وغیرہ۔
- ۳- ابن سعد (م ۲۳۰ھ) کی الطبقات الکبری، یعقوب بن یوسف القسوی (م ۳۷۷ھ) کی المعرفة والتاریخ، یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) کی التاریخ والعلل، ابن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی العلیل و معرفة الرجال، بخاری (م ۲۵۶ھ) کی التاریخ الکبیر، ابن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) کی الجرح والتعدیل وغیرہ۔
- ۴- ابن عدی الجرجانی (م ۳۶۵ھ) کی اسامی من روی عنہم محمد بن اسماعیل بخاری، الباجی (م ۴۷۴ھ) کی التعدیل والتجریح، ابن منجوبیہ (م ۴۲۸ھ) کی رجال صحیح مسلم، مقدسی کی الکمال، مزی کی تہذیب الکمال وغیرہ۔
- ۵- ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کی کتب سنن کے رواۃ پر رجال السنن الأربعة، کتب ستہ کے رواۃ پر عبد الغنی الجماعی (م ۶۰۰ھ) کی الکمال فی اسماء الرجال، مزی (م ۷۴۲ھ) کی تہذیب الکمال، ابن حجر کی تہذیب التہذیب وغیرہ۔ السیوطی (م ۹۱۱ھ) کی موطأ کے رجال پر اسعاف المبطا؛ ابوالحسن محمد بن علی الحسینی (م ۷۶۵ھ) نے مسند احمد بن حنبل کے رواۃ پر الإكمال مرتب کی۔
- ۶- مثلاً: سوالات الآجری أباداؤد السجستانی؛ سوالات الدارمی لا بن معین؛ سوالات بابی بکر الاثرم أبا عبد اللہ احمد بن حنبل وغیرہ۔
- ۷- مثلاً: امام بخاری اور مسلم کی کتب الکنی، دولابی (م ۳۱۰ھ) کی الکنی والاسماء؛ ابن عبد البر قرطبی (م ۴۶۳ھ) کی الاستغناء فی معرفة الکنی؛ ابن حجر کی نزہة الألباب فی الألقاب؛ امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کشف النقاب عن الألقاب؛ ابوالفرج اصبہانی کی جمہرة الأنساب، سغانی (م ۵۶۲ھ) کی کتاب الانساب وغیرہ۔

راوی کی شخصیت میں کسی بھی وجہ سے ابہام و اشتباہ کا امکان ہو تو اس صورت میں راوی کو صحیح طور پر متعین کرنے کے لیے متفق و مفترق، مؤتلف و المختلف، متشابه وغیرہ کے عناوین سے بے شمار کتب تالیف ہوئیں۔ (۱)  
بعض علاقوں میں رہائش پذیر اہل علم نے اپنے اپنے علاقوں سے تعلق رکھنے والے راویان حدیث پر تالیفات مرتب کیں (۲)۔ اس نوع کی تالیفات کے مؤلفین کے لیے روادے کے بارے میں صحیح معلومات کا حاصل کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے، سو انہوں نے مقدور بھر کوشش کی کہ راوی کے بارے میں صحیح معلومات مل جائیں۔  
قاری کو موقع و محل کی مناسبت سے ان میں سے بعض کتب کے بارے میں مختصر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔  
کتاب کی جلد دوم کی آخری بحث چونکہ تمام مباحث کا نتیجہ اور تتمہ ہے لہذا ضروری ہے کہ یہاں بھی چند اہم کتب کا اختصار سے جائزہ لیا جائے۔

### ۱۔ میزان الاعتدال

میزان الاعتدال کے مؤلف علامہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م ۴۸۰ھ) ہیں۔ علوم حدیث بالخصوص اسماء الرجال پر ان کی متعدد مفید کتب ہیں۔ میزان الاعتدال ان میں سے ایک اہم اور مفید کتاب ہے جو ضعیف اور مجروح راویوں کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ اہل علم نے ان کی جلالت علمی، ثقاہت اور عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں:

كان علامة زمانه في الرجال و أحوالهم، حذيله الفهم، ثاقب الذهن و

شهرته لغني عن الاطناب فيه (۳)

اہل علم نے اس کتاب کو موضوع پر بہترین اور کامل کتاب قرار دیا ہے۔

ابن حجر کا قول ہے:

وله الميزان في نقد الرجال و أجاد فيه (۴)

ابن حجر العسقلانی نے جب کمزور روادے پر ایک تالیف مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو ان کی نظر انتخاب بھی اسی کتاب پر پڑی اور اس کا اختصار مع اضافوں اور بعض تصحیحات کے ساتھ لسان المیزان کی شکل میں پیش کیا۔ (۵)

۱۔ حلاً ابن ماکولا کی الاكمال، ذہبی کی المشتبه، عبد الغنی الازدی کی مشتبہ النسبة، خطیب بغدادی کی تلخیص المتشابه، ابن حجر کی تبصیر المنتبه وغیرہ

۲۔ کھنکھل (م ۲۹۲ھ) کی تاریخ واسط، محمد بن احمد الطبرانی (م ۳۲۰ھ) کی مختصر طبقات العلماء بالبریة و تونس، ابوالشیخ اصفہانی کی طبقات المحدثین باصبهان والواردين علیہا، خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کی تاریخ بغداد وغیرہ۔  
قاری کو معلوم ہوگا کہ عصر حاضر میں اس فن پر بے شمار کتب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور استفادے کے مواقع میسر ہیں۔

۳۔ الدرر الكامنة، ۳/۳۳۸

۴۔ ایضاً، ۳/۳۳۷

۵۔ لسان المیزان، ۱/۱۲

علامہ سبکی اس کو اجل الکتب (۱) قرار دیتے ہیں۔

سناوئی فرماتے ہیں: وَعَوْلٍ عَلَيْهِ مِنْ جَاءَ بَعْدَهُ (۲)

ایک اور جگہ وہ فرماتے ہیں کہ ذہبی کے بعد سے آج تک اس موضوع پر لکھنے والے اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

ان کے ایک شاگرد حافظ حسینی نے میزان کو تمام کتابوں سے زیادہ ممتاز اور جلیل القدر قرار دیا ہے۔ (۳)  
امام ذہبی نے اپنی اس کتاب کو ابن عدی کی الکامل اور اس کی ذیل الحافل فی تکملة الکامل مؤلفہ ابن الرومی (م ۶۰۷ھ) کو بنیاد بنایا۔ (۴) کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں کذابین، وضاعین اور وہ لوگ جو جھوٹ اور وضع حدیث سے متم ہیں اور جن کے حافظے کی خرابی کی وجہ سے اوہام اور اغلاط کا صدور ہوا، کا ذکر کیا ہے۔ (۵)  
میزان الاعتدال کا موضوع کمزور روایات ہیں لیکن انہوں نے ابن عدی کی طرح بعض ثقہ راویوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۶)

کتاب کا آغاز مقدمہ سے کیا ہے۔ مؤلف نے اس میں فن اسماء الرجال، اس فن پر متقدمین و متاخرین کی کتب اور ان کے منہج کا ذکر کیا ہے۔ جرح و تعدیل کے کلمات اور ان کے مراتب (درجے) بیان کیے ہیں۔ مؤلف کہتے ہیں کہ اپنی اس کتاب میں ان ثقہ روایات کو بھی شامل کیا ہے جو کسی نہ کسی معمولی درجے کی بدعت کے مرتکب تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ بخاری اور ابن عدی وغیرہ نے ان کا ذکر اپنی کتب میں کیا ہے۔ بقول مؤلف ان روایات کے ذکر کا مقصد ان کے ساتھ انصاف کرنا اور ان کا دفاع کرنا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر معمولی بات پر ہم نے ہر ایک کو مجروح قرار دینا شروع کر دیا تو صحابہ کرام، تابعین اور دیگر ائمہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں گے۔ (۷)

مؤلف نے کتاب کو آٹھ اقسام میں تقسیم کیا ہے:

قسم اول میں حروف تہجی کی ترتیب پر مرد و خواتین روایات کے تراجم بیان کیے ہیں۔

۱- طبقات الشافعية الكبرى، ۱۰۳/۹

۲- الإعلان بالتوبيخ، ۵۸۷

۳- ذیل تذكرة الحفاظ، ۳۵

۴- میزان الاعتدال، ۱/۱

۵- ایضاً، ۳/۱

۶- میزان الاعتدال، ۲/۱؛ الرسالة المستطرفة، ۱۳۰

۷- میزان الاعتدال، ۱/۲، ۳/۳، ۶۱۶/۳، طبقات الكبرى، ۱۱/۹

قسم دوم: ان راویوں کے تذکروں پر مشتمل ہے جو کئیوں سے معروف ہیں۔

قسم سوم میں ان رواۃ کا تذکرہ ہے جو اپنے والد کی نسبت سے مشہور ہیں۔ اسی باب کی ایک فصل میں ان

رواۃ کا تذکرہ ہے جو اپنے چچا (عم) کی نسبت سے معروف ہیں۔

چوتھی قسم ان رواۃ کے بارے میں ہے جو نسبتوں سے معروف ہیں۔

پانچویں اور چھٹی قسم مجہول مرد و خواتین رواۃ کے بارے میں ہے۔

ساتویں قسم میں ان خواتین کا ذکر ہے جو کئیوں سے جانی جاتی ہیں۔

آٹھویں قسم یعنی آخر میں ان خواتین کا ذکر ہے جن کا اپنا نام غیر معروف ہے اور وہ اپنے بیٹوں کی نسبت

سے پہچانی جاتی ہیں۔

رواۃ کے حالات لکھتے وقت وہ صاحب ترجمہ کا نام، نسب، کنیت اور لقب وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ازاں بعد

صاحب ترجمہ کے بارے میں ائمہ نقد کی آراء کا ذکر کرتے ہیں۔ نقد میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ لہذا اگر کسی

سے اختلاف ہو تو تحقیق کے بعد اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ صاحب ترجمہ کے شیوخ و تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان

کے سنیں وفات بھی بیان کرتے ہیں (لیکن عموماً اس کا التزام نہیں کیا)۔ رواۃ کی بیان کردہ بعض احادیث کا ذکر کرتے

ہیں۔ کتب مستنہ کے رجال اگر آئے ہیں تو ان کے لیے رموز استعمال کرتے ہیں۔ مؤلف کہتے ہیں کہ جب وہ کسی

راوی کے بارے میں کہتے ہیں: ہو مجہول او فیہ جہالة او نکرة اور اگر یہ کسی ائمہ فن کی طرف منسوب نہ ہو

تو یہ ان کی اپنی (امام ذہبی) رائے ہوتی ہے اور اگر قائل کا ذکر ہو مثلاً ابن المدینی، ابن معین وغیرہ تو معاملہ واضح ہوتا

ہے۔ اسی طرح جب صدوق، صالح وغیرہ تعدیل کے الفاظ کسی امام فن کی طرف منسوب نہ ہوں تو وہ بھی مؤلف

کی تحقیق کے مطابق ان کا اپنا قول ہوتا ہے۔ (۱)

بعض وقت وہ ائمہ جرح کی رائے کو تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً ابان بن یزید کے ترجمہ میں ابن الجوزی کی رائے

کے بارے میں کہتے ہیں:

أوردہ ایضاً العلامة ابن الجوزی فی الضعفاء ولم یذکر فیہ أقوال من

وثقہ. و هذا من عیوب کتابہ یسر د الجرح ویسکت عن التوثیق (۲)

ابان بن تغلب کے ترجمہ میں کہتے ہیں کہ وہ شیعی جلد ہے۔ لکنہ صدوق فلنا صدقہ وعلیہ بدعتہ۔ (۳)

۱- میزان الاعتدال، ۶/۱؛ مؤلف نے اسی صفحہ پر الفاظ جرح و تعدیل اور ان کے درجات کا بھی ذکر کیا ہے

۲- میزان، ۲۶/۱؛ ۱۵۲/۳

۳- میزان، ۳۵/۱؛ ان رواۃ کی تعدیل کی ہے جو مروءۃ اور حافظہ میں تو اعلیٰ مقام پر ہیں لیکن عدالت کے اعتبار سے نرم ہیں۔

راوی اگر آخری عمر میں اغلاط و اوہام کا شکار ہو تو اس کی روایت کردہ وہ حدیث جن کا شاہد اور تابع مل جائے تو وہ قبول کرتے

ہیں بشرطیکہ وہ روایت اصول دین یا حلال و حرام کے بارے میں نہ ہو (میزان، ۳/۱) وہ ثقہ راوی جو کسی بدعت کے مرتکب

ہوئے یا جمہور نے ان کے بارے میں سخت رویہ اختیار کیا تو ان کا بھی ذکر کیا۔ کہتے ہیں: کہ انبیاء کے علاوہ اجتہاد میں غلطی اور

سہو کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ (میزان، ۳/۱)

بعض وقت وہ ابن عدی (۱)، عقیلی (۲)، ابو حاتم (۳) اور ابن حبان پر بھی نقد کرتے ہیں۔ (۴)

امام بخاری پر نقد کرتے ہیں کہ انہوں نے ایوب بن صالح بن عائد کو عقیدہ ارجا کی وجہ سے ضعیف کہا، لیکن خود امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے ان سے روایت لی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

والعجب من البخاری یغمره وقد احتج به، لکن له عنده حدیث،

وعند مسلم له حدیث آخر (۵)

امام ذہبی بلاشبہ فن اسماء الرجال میں امامت کے درجے پر فائز ہیں لیکن انسان ہیں لہذا اپنی کتاب میں ان سے کچھ غلطیوں کا ارتکاب ہوا اور کچھ سہو بھی ہوئے، اہل علم نے ان اغلاط کا تعاقب کیا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے مقدمہ کتاب میں کہا کہ وہ اپنی اس کتاب میں صحابہ کرامؓ (ان کے مقام اور عظمت کے پیش نظر) نیز ائمہ متبوعین کا ذکر نہیں کریں گے۔ (۶) لیکن انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا (۷)۔ ان کی کتاب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وقت وہ صحابہ کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت مدلاج بن عمرو سلمی کے بارے میں کہتے ہیں: لا یدری من هو؟ (۸) حالانکہ انہوں نے اپنی بعض دوسری تصانیف میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ (۹) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حافظ ذہبی بعض اوقات ابن جوزی سے بغیر تحقیق نقل کر دیتے ہیں، مثلاً اسحاق بن ناصح اور اسحاق بن نجیح دونوں کے ترجمہ میں احمد بن حنبل کا قول: کان من اکذب الناس درج کرتے ہیں، حالانکہ اس قول کا اطلاق اسحاق بن نجیح پر ہوتا ہے۔ ابن ناصح پر نہیں (۱۰)۔

ابو حاتم، اسماعیل بن زریق کو کذاب کہتے ہیں اور وہ اسماعیل سے مراد ابن زریق نہیں بلکہ اسماعیل بن رزین سمجھتے ہیں جن کا ذکر ابن زریق سے قبل ہے۔ ابن حجر تصحیح فرماتے ہیں کہ یہ ابن رزین نہیں بلکہ ابن زریق ہیں جس کی

۱- میزان، ۲/۲۸-۶۲۹: ترجمہ عبدالعزیز بن ابی رواد؛ ترجمہ جعفر بن ایاس: میزان، ۱/۴۰۲

۲- علی بن عبد اللہ المدینی کے ترجمہ میں کہتے ہیں: ذکرہ العقیلی فی الضعفاء فہنس ماصنع: میزان، ۳/۱۳۸، ۱۴۰

۳- میزان الاعتدال، ۱/۷: ترجمہ ابان بن سفیان

۴- میزان الاعتدال، ۱/۲۸۷: ایوب بن سوید کو ائمہ جرح نے ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔

۵- میزان الاعتدال، ۱/۲۸۹: ذہبی کی کوشش ہوتی ہے کہ معمولی تقصیر، غلط فہمی یا عبارت کی غلط تعبیر کی وجہ سے کسی عالم پر لگائے گئے الزامات اور تہمتوں کو دور کریں۔ دیکھیے: میزان الاعتدال، ۳/۵۰۷

۶- میزان، ۲/۱

۷- لسان المیزان، ۳/۳۳۲، ۳۳۳

۸- میزان الاعتدال، ۳/۸۶؛ ۲/۲۳۶؛ موازنہ کیجیے لسان المیزان، ۳/۱۵۱؛ ۶/۱۵

۹- تجرید اسماء الصحابة، ۲/۲۶

۱۰- لسان المیزان، ۱/۳۱۸-۳۱۹؛ مقابلہ کیجیے: میزان، ۱/۴۰۰؛ الجرح، ۱/۲۳۵



وضاحت خود ابن ابی حاتم نے بھی کر دی ہے (۱)۔

امام ذہبی کو بعض رواۃ کے بارے میں وہم ہوا ہے۔ ابن حجر اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ انہوں نے یعقوب بن ابراہیم الجوزجانی کو ابراہیم الجرجانی لکھا ہے جو غلط ہے۔ (۲)

اسی طرح ذہبی لأغر الغفاری کو تابعی کہتے ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ صحابی ہیں، امام بغوی، طبرانی اور ابن مندہ وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا، کہتے ہیں:

لو تدبر مساق حدیثہ لجزم بأنه صحابی وقد اشترط انه لا ینذکر

الصحابۃ فذہل فی ذکر ہذا (۳)۔

حافظ ذہبی بعض اوقات ایک شخصیت کے وجود کا انکار کرتے ہیں لیکن دوسرے مقام پر اس کا تذکرہ بھی کر دیتے ہیں۔ (۴)

احمد بن علی بن حمزہ کے بارے میں ذہبی کہتے ہیں: لا اعرفہ۔ ابن حجر شخصیت کا تعین کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

ہذا آفة الاحجاف (۵)

کتاب کی اہمیت کی وجہ سے اہل علم نے اس کو تحقیق کا موضوع بنایا۔ بعض نے اس پر نقد کیا۔ تعلیقات، استدراکات اور تلخیصات بھی تیار ہوئیں۔

حافظ حسینی (م ۶۵ھ) نے ایک تعلق لکھی جس میں انہوں نے حافظ ذہبی کے ادہام پر متنبہ کیا اور بعض

ناموں (رواۃ) کا اضافہ کیا۔ (۶) زین الدین العراقی (م ۸۰۴ھ) نے ایک ذیل لکھا۔ (۷)

سبط ابن العجمی، ابراہیم بن محمد التحلی (م ۸۴۱ھ) نے ایک ذیل بعنوان نقد النقصان فی معیار المیزان

لکھا۔ (۸) علامہ جلال الدین السيوطی (م ۹۰۲ھ) زوائد اللسان علی المیزان (۹) مرتب کی۔

عبدالرحمن بن ابی العلاء ادریس بن محمد العراقی الحسینی (م ۱۲۳۳ھ) نے ایک اختصار لکھا۔ (۱۰)

۱- تجرید اسماء الصحابة، ۳۵۲/۱: مقابلہ کیجیے، میزان، ۲۲۸/۱، حاشیہ ۳، الجرح، ۱۱/۱۱

۲- لسان، ۳۶۹/۶: مقابلہ کیجیے؛ میزان الاعتدال، ۳۳۸/۳

۳- لسان المیزان، ۵۱۸/۱؛ مقابلہ کیجیے؛ میزان، ۲۷۳/۱

۴- میزان الاعتدال، ۲۳۳/۱، ۲۳۷/۱؛ نیز دیکھیے لسان، ۳۳۳/۱

۵- لسان المیزان، ۲۵۱/۱؛ مقابلہ کیجیے؛ میزان، ۱۲۳/۱

۶- الدرر الكامنة، ۱۸۰/۳؛ الإكمال، ۳۱/۱

۷- لسان المیزان، ۱۳/۱؛ كشف الظنون، ۱۹۱۸/۲؛ الأعلام، ۳۳۳/۳؛ الرسالة، ۱۳۰

۸- كشف الظنون، ۱۹۱۷/۲؛ الأعلام، ۶۵/۱؛ الرسالة، ۱۳۰؛ میزان نزل الهميان فی معیار المیزان ہے۔

۹- ایضاً، ۱۹۱۸/۲

۱۰- الرسالة، ۱۳۰



اس وقت ہمارے سامنے میزان الاعتدال کے تین ایڈیشن ہیں۔ پہلا ایڈیشن دار احیاء الکتب العربیہ نے مطبعہ عیسیٰ البابی الخلی سے ۱۹۶۳ء میں محمد البجاوی کی تحقیق سے شائع کیا۔ آغاز میں محقق کا ایک مقدمہ ہے جس میں کتاب اور صاحب کتاب کا مختصر تعارف ہے۔ دو مخطوطات کی روشنی میں اس کو مرتب کیا گیا ہے۔ مفید تعلیقات اور بعض اعلام کی تحقیق اور غوامض کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ (ہم نے اسی ایڈیشن کو استعمال کیا ہے)

دوسرا ایڈیشن شیخ علی محمد معوذ اور شیخ عادل احمد عبدالموجود کی تحقیق سے ا/د/ عبدالفتاح ابوستہ کی قیادت میں درالکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا، یہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس ایڈیشن کے آغاز میں ایک مفید مفصل مقدمہ ہے جس میں مصطلحات حدیث، جرح و تعدیل کے اصول بیان کیے گئے ہیں نیز حافظ ذہبی اور ان کی کتاب کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ رواد کے حالات کی تخریج دیگر کتب اسما الرجال میں کی گئی ہے۔ احادیث کی تخریج کی گئی ہے، غریب اور غامض الفاظ کی تشریح بھی کرتے ہیں۔ صاحبان تراجم اور کتاب میں مذکور احادیث میں اعراب لگانے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ تیسرا ایڈیشن مطبع السعادة نے شائع کیا، اس میں کسی بھی نوع کے تحقیقی حواشی نہیں۔

## ۲۔ لسان المیزان

لسان المیزان کے مؤلف نویں صدی ہجری کے ممتاز عالم، محدث اور فن اسما الرجال کے امام، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) ہیں، تعلق سرزمین مصر سے تھا۔ حافظ زین الدین عراقی (م ۸۰۶ھ)، شارح الفیة الحدیث، کے ممتاز اور ہونہار شاگردوں میں سے تھے۔ شیخ کو اپنے شاگرد پر بڑا فخر تھا اور ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ شاگرد رشید نے اپنے شیخ کی آرزوؤں کو پورا کیا، علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کے حصول اور ازاں بعد اس کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ ابن العماد کہتے ہیں:

انتھی الیہ معرفة الرجال واستحضارہم و معرفة العالی والنازل و علل

الاحادیث و غیر ذلك و صار هو المعول علیہ فی هذا الشأن فی سائر

الاقطار (۱)

مفید کتب تالیف کیں، جن میں سے اکثر علم حدیث سے متعلق علوم و فنون پر ہیں۔ یہاں ہم ان کی کتاب لسان المیزان پر مختصراً گفتگو کریں گے۔

اسما الرجال پر کثیر تعداد میں کتب تالیف ہوئیں۔ لسان المیزان اس فن پر مفید اور نمایاں مقام کی حامل

کتاب ہے۔ مؤلف نے متعدد بار کتاب کا اعادہ کیا لہذا تکمیل میں تقریباً نصف صدی لگی۔ ان کا سال وفات ہی کتاب کی تکمیل کا سال ہے (۱)۔

اہل علم نے اس کتاب کو مفید اور نافع قرار دیا ہے (۲)۔

لسان المیزان، حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال کا اختصار ہے۔ مؤلف نے ضعیف روایات پر کتاب مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو موضوع پر موجود کتب میں سے انہوں نے ذہبی کی میزان کا انتخاب کیا۔ آغاز میں بعینہ میزان کے طرز پر تالیف کا ارادہ تھا لیکن ابن حجر نے طوالت کے خوف سے اپنے ارادے کو بدل دیا۔ استخارہ کے بعد میزان کے ان روایات کو شامل کیا جو حافظ مزی کی تہذیب الکمال سے رہ گئے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

وقد كنت أردت نسخة علي وجهه، فطال علي، فرأيت أن أحذف منه أسماء من أخرج له الأئمة الستة في كتبهم أو بعضهم، فلما ظهر لي ذلك، استخرت الله تعالى، و كتبت منه ما ليس في تہذیب الکمال و كان لي من ذلك فائدتان: الاقتصار والاختصار... والأخرى أن رجال التہذیب... وقد جمعت اسمائهم اعني من ذكر منهم في الميزان... فمأزذته اليه من التراجم المستقلة جعلت قبالة او فوقه (ز)... فعلمت علي ما ذكره شيخنا في الذيل صورة (ذ) (۳)

تہذیب الکمال سے جو راوی رہ گئے تھے ان کو اصل کتاب کے درجے پر رکھا۔ حافظ عراقی نے میزان پر اپنی ذیل میں ان روایات کو شامل کیا جو حافظ ذہبی سے رہ گئے تھے۔ ابن حجر نے اپنی کتاب میں ان تراجم کو بھی شامل کیا۔ ان تراجم کو ذہبی کے تراجم سے میتر کرنے کے لیے علامت ”ذ“ استعمال کی ہے۔ اس کے علاوہ ابن حجر نے ان روایات کو بھی لسان میں شامل کیا جو شیخ عراقی سے رہ گئے تھے۔ ایسے تراجم کے لیے وہ حرف ”ز“ استعمال کرتے ہیں۔ جب وہ کسی ترجمہ میں ذہبی پر اضافہ کرتے ہیں تو اپنا اضافہ شروع کرنے سے پہلے انتہی لکھتے ہیں (۴)۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ جن ناموں کے اوپر صیح اس کا مطلب ہے کہ ان پر بغیر دلیل کے کلام کیا گیا ہے اور وہ غیر مؤثر ہے۔ جن روایات پر صیح کا رمز استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے کہ راوی کی ثقاہت کے بارے میں اختلاف ہے لیکن ثقاہت غالب ہے۔ (۵)

- ۱- لسان المیزان، ۱۷۲/۷، تجرید کا اضافہ بعد میں کیا
- ۲- الجواهر والدرر، ۲۳۳، ۲۳۹
- ۳- لسان المیزان، مقدمة المؤلف، ۱۱۳-۱۱۲/۱
- ۴- لسان المیزان (مقدمة)، ۱۱۳/۱
- ۵- لسان المیزان، ۱۷۳/۷

حافظ ابن حجر کتاب کا آغاز مختصر مقدمے سے کرتے ہیں جس میں منہج تالیف کا ذکر کرنے کے بعد میزان الاعتدال کے مقدمہ بیان کرتے ہیں اور کچھ ایسے قواعد کی نشاندہی کرتے ہیں جو ان کی رائے میں ذہبی کو مقدمہ میں بیان کرنا چاہیے تھا (۱)۔ اس کے بعد انہوں نے دس فصول ذکر کیں جن میں جرح و تعدیل سے متعلق بعض ائمہ فن کی آراء و اقوال اور قواعد کا ذکر کیا ہے (۲)۔

الف سے یاء تک روایہ کے تراجم حروف تہجی کی ترتیب پر ہیں۔ یہ ترتیب راویان حدیث کے آباء میں بھی مد نظر رکھی گئی ہے۔ عام روایہ کے ذکر کے بعد باب الکنیٰ میں ان راویوں کا ذکر کیا ہے جو کنیتوں سے معروف ہیں۔ ازاں بعد باب المبہمات ہے جس میں ابن حجر نے ذہبی کی فرد گزاشتوں کی تلافی کی کوشش کی ہے (۳) اور اس باب میں روایہ کی معتد بہ تعداد کا اضافہ کیا ہے۔ اور انہوں نے اس باب کو تین فصول میں تقسیم کیا ہے۔ آخری فصل میں خواتین کو مردوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کے بعد تجرید (۴) کے نام سے فصل قائم کی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس فصل کے اضافے کے دو فائدے ہیں: اول یہ کہ میزان الاعتدال میں مذکور تمام تراجم کا احاطہ ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اگر کوئی محقق کسی راوی کے بارے میں معلومات چاہتا ہے تو اصل لسان المیزان میں دیکھے۔ وہاں نہ ملے تو اس فصل یعنی تجرید کی طرف رجوع کرے (۵)۔

لسان المیزان کی تمام فصول میں حروف تہجی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تراجم کے بیان میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ راوی کے والد اور دادا کا نام، لقب، کنیت اور راوی کے شیوخ و اساتذہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ راوی کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کی آراء بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی راوی کے بارے میں مثبت رائے ملتی ہو تو تحقیق کے بعد اس کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ ثقہ اور ضعیف راویوں کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ صاحب ترجمہ کا سال وفات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

راوی کے بارے میں جرح و تعدیل کرتے ہوئے شدت اور سہل انگاری دونوں سے احتراز کرتے ہیں۔

۱- لسان المیزان، ۱/۱۹-۲۲

۲- ایضاً، ۱/۲۳-۳۰

۳- ابن حجر کہتے ہیں: قد أجحف المصنف بهذا الباب، أكثر مما أجحف بالكنی مع الإحتیاج إلى استیعابها ..... وجعلته ثلاث فصول: الأول: المنسوب. الثانی: من اشتهر بقبيلة، أو صنعة، والثالث من ذكر بالإضافة (لسان المیزان، ۱/۱۳۷)

۴- لسان، ۱/۱۷۳-۵۳۳

۵- لسان المیزان، ۱/۵۳۳

راوی کا مسلک یا مذہب یا علمی مرتبہ و مقام صحیح بات کہنے میں مانع نہیں بنتا (۱)۔

لسان المیزان کا موضوع اگرچہ ضعیف روایت ہیں لیکن بعض وقت وہ ثقہ اور ثبت روایت کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ایسے روایت کے ذکر کا مقصد ثقہ راویوں پر بعض ناقدین کے نقد کا جواب اور ان کا دفاع ہوتا ہے (۲)۔

حافظ ابن حجر نے امام ذہبی کے بعض تسامحات اور اوہام کا بھی ذکر کیا ہے۔ ذہبی بعض وقت جرح و تعدیل کے الفاظ کے قائل کا ذکر نہیں کرتے، ابن حجر قائل کا نام متعین کرتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے کسی راوی کے بارے میں لاأعرفہ کہا ہے تو ابن حجر ائمہ جرح کے اقوال کی روشنی میں اس کی تعین اور وضاحت کر دیتے ہیں۔ (۳)

لسان المیزان کی اہمیت کے پیش نظر اہل علم نے مختلف پہلوؤں سے اس کی خدمت کی ہے۔ خود حافظ ابن حجر نے دو تلخیص بعنوان تقویم اللسان اور تقریب اللسان مرتب کیں۔ انہوں نے ایک ذیل تحریر المیزان بھی مرتب کی (۴)۔ جس میں ابن حجر نے لسان المیزان سے جو تراجم رہ گئے تھے یا جن کے بارے میں ان کو شک یا وہم تھا ان کو درست کیا اور کچھ اضافے بھی کیے۔

علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے زوائد اللسان علی المیزان تالیف کی (۵)۔ عبدالرؤف بن علی السناوی نے لسان المیزان میں مذکور موضوع، منکر، متروک وغیرہ روایات کو المنتقی من لسان المیزان میں جمع کیا (۶)۔ عبدالرحمن بن ادیس بن محمد عراقی نے بھی اختصار اللسان کے عنوان سے ایک تلخیص مرتب کی جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔ برہان الدین الحلی نے بھی ایک تلخیص مرتب کی۔ (۷) سخاوی نے بھی کچھ اضافے کیے (۸)۔

لسان المیزان متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے دار الفکر سے شائع کردہ ۱۹۸۷ء-۱۹۸۸ء کا ایڈیشن ہے، یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ آخری (یعنی آٹھویں) جلد مفید فہارس پر مشتمل ہے۔

- ۱- شمس الائمہ حلوانی جو مذہب حنفی کے ستون ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ روایت حدیث میں تساہل سے کام لیتے تھے۔ (لسان، ۳۰/۴)؛ امام رازی مشہور مفسر کے بارے میں بعض شکوک کا اظہار کیا ہے (۴۹۹/۴)؛ عبدالعزیز بن حارث حنبلی کے بارے میں کہتے ہیں: آذی نفسه و وضع حدیثا او حدیثین فی مسند الامام احمد (۳۲/۴)۔ ابن حجر کی ایسی بعض آراء کی تردید بھی کی گئی ہے۔ لسان المیزان، ۴۹۹/۴، حاشیہ ۱، وغیرہ
- ۲- دیکھیے، لسان، ۳۷۵/۲، ۴۰۵، ۶۰۲، ۵۲۶/۳ وغیرہ۔
- ۳- قد کرر الذہبی فی هذا الكتاب، ایراد ترجمة الرجل من كلام بعض من تقدم، قنارة يورده. كهاهو، وتارة يتصرف فيه و في الحالين لا ينسبه لقائله، فيوهم انه من تصرفه، وليس ذلك بجيد منه، فان النفس منه إلى كلام المتقدمين أميل واشد ركونا (لسان، ۴۵۷/۲)
- ۴- كشف الظنون، ۱۹۱۷/۲؛ شذرات، ۲۷۲/۷
- ۵- ايضاً، ۱۹۱۸/۲
- ۶- خلاصة الاثر، ۴۱۳/۲
- ۷- الرسالة، ۱۳۰
- ۸- الاعلان بالتوبيخ، ۵۸۷

دوسرا ایڈیشن محمد عبدالرحمن المرعشلی کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے ۱۹۹۵ء میں دار احیاء التراث العربی سے شائع ہوا۔ یہ نو جلدوں پر مشتمل ہے۔ محقق نے مختلف مخطوطات کی روشنی میں اسے آخری شکل دی ہے۔ آغاز میں مفید مقدمہ ہے۔ مشکل الفاظ و اسماء کو ضبط کیا ہے۔ تراجم بیان کرتے ہوئے حاشیے میں دوسری کتب رجال میں اس راوی کا تعین کیا گیا ہے جو ایک محقق کے لیے اہم اور مفید ہے۔

تیسرا ایڈیشن دارالکتب العلمیۃ بیروت سے ۱۹۹۶ء میں سات جلدوں میں شائع ہوا، جو الشیخ عادل احمد عبدالوجود، الشیخ علی محمد معوض اور د/عبدالفتاح ابوستہ کی تحقیقات و تعلیقات سے مزین ہے، محنت سے تیار کیا گیا ہے۔ میزان الاعتدال اور لسان المیزان دونوں کے تراجم کے نمبر لگائے گئے ہیں۔ امتیاز کرنے کے لیے میزان کے تراجم بریکٹ میں لائے گئے ہیں۔ آغاز ایک مفید اور طویل مقدمہ سے کیا ہے، اسماء و الفاظ کو ضبط کیا گیا ہے۔

دوسری کتب رجال میں مذکور تراجم کی تعین و تحدید کی گئی ہے۔ کتاب کے دستیاب خطی نسخوں کے ساتھ تقابل بھی کیا گیا ہے۔



## مراتب الجرح والتعديل

سب رواة حدیث ایک مقام و مرتبہ کے نہ تھے۔ حفظ، علم اور ضبط کے حوالے سے ان میں فرق تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ حافظ و متقن تھے ان کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ کچھ دوسرے حفظ و ضبط کے اعتبار سے کم درجہ کے لوگ تھے اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو حفظ و ضبط میں کم تر سطح پر قائم تھے اور عدالت و امانت کے باوجود ان سے خطا و سھو سرزد ہوا۔ اسی طرح بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے فریب کاری سے روایت حدیث کو اپنایا اور جھوٹی احادیث کو شامل کیا۔ محدثین میں جو لوگ نقد حدیث میں گہری بصیرت رکھتے تھے انہوں نے ان کا پردہ چاک کیا۔ چونکہ راویان حدیث مختلف سطح کے تھے اس لیے جرح و تعدیل کے ائمہ نے ایسی عبارات وضع کیں جن کے استعمال سے راوی کا مرتبہ اور اس کی ثقاہت کا پتہ چل جاتا تھا۔ اگر یہ احکام و مراتب وضع نہ کئے جاتے تو کسی راوی کی حیثیت کا پتہ نہ چل سکتا۔ ان مراتب کے لیے جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ کسی ایک آدمی کی تصنیف نہیں ہیں اور نہ ہی ابتداء میں انہیں خالص فنی طور پر مرتب کیا گیا بلکہ روایت حدیث کے طویل سلسلے میں مختلف اہل علم راویوں کے بارے میں کسی روایت ہی کے سلسلے میں تبصرہ کیا جوا آگے چل کر بنیاد بن گیا۔ کچھ الفاظ تو عہد صحابہ میں استعمال ہونے لگے تھے اور زیادہ وضاحت کے ساتھ تابعین کے دور میں مستعمل ہوئے۔ البتہ ان الفاظ کے مفہم اور مدلولات عہد تبع تابعین میں زیادہ منسج ہوئے۔ نقد و جرح کے کئی احکام تو ہمیں بخاری اور نسائی کی کتابوں میں ملتے ہیں جیسے امام بخاری کی کتاب الضعفاء اور امام نسائی کی الضعفاء لیکن جس شخصیت نے سب سے پہلے جرح و تعدیل کے الفاظ کو مرتب کیا وہ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) ہیں۔ ان کے بعد آنے والے تمام علماء محدثین نے جن کا میدان تصنیف علوم الحدیث تھا اپنے اپنے انداز میں مفصل یا مجمل طور پر بیان کیا۔ ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ انہیں بیان کریں گے۔

علوم الحدیث پر لکھنے والے تمام محدثین نے مراتب جرح و تعدیل پر بات کی ہے۔ ہم چونکہ حافظ ابن حجر کے تتبع میں لکھ رہے ہیں اس لیے سب سے پہلے ان کے بیان کو نقل کریں گے۔ اس کے بعد دیگر ائمہ حدیث کے بیانات کو درج کریں گے۔

حافظ ابن حجر مراتب الجرح والتعديل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و من أهم ذلك بعد الاطلاع معرفة مراتب الجرح و التعديل لأنهم قد



يجر حون الشخص بما لا يستلزم رد حديثه كله و قد بينا اسباب ذلك فيما مضى و حصرناها في عشرة و تقدم شرحها مفصلاً. والفرض هنا ذكر الالفاظ الدالة في اصطلاحهم على تلك المراتب. (۱)

اور اس میں سب سے اہم جرح و تعدیل کی معرفت ہے۔ محدثین کبھی کسی شخص پر ایسی جرح کرتے ہیں جس سے اس کی تمام حدیثوں کا رد کرنا لازم نہیں آتا ہم نے ان اسباب کو پہلے بیان کیا ہے اور انہیں دس میں منحصر کیا ہے جس کی شرح و تفصیل گزر چکی ہے۔ (۲) یہاں صرف ان الفاظ کا ذکر مطلوب ہے جو ان کی اصطلاح کے مطابق ان مراتب پر دلالت کرتے ہیں۔

### مراتب الفاظ جرح

حافظ ابن حجر (۳) کے نزدیک مراتب جرح تین ہیں۔ اشد، اضعف اور اوسط۔ جرح کے جس لفظ میں مبالغہ ہوتا ہے وہ اشد پر دلالت کرتا ہے، جس میں وہ کم ہو اضعف اور جو مبالغہ کے بغیر ہو وہ اوسط میں شمار ہوگا۔ اشد یا أسوأ

اس کے تحت مبالغہ کے الفاظ آئیں گے جیسے:

أكذب الناس، إليه المنتهى في الكذب، هو ركن الكذب یا هو منبع الكذب.

سب انسانوں سے زیادہ جھوٹا، اس پر جھوٹ کی انتہا ہوتی ہے۔ وہ جھوٹ کا رکن یا جھوٹ کا منبع ہے۔

أضعف

جس میں کم مبالغہ ہو وہ اضعف کے تحت آئیں گے جیسے:

دجال، وضاع یا كذاب وغيره اسی طرح محدثین کے الفاظ:

فلان لين الحفظ، یا سینی الحفظ، یا فيه أدنى مقال، اضعف پر دلالت کرتے ہیں۔

۱- نزهة النظر، ۷۱

۲- ایضاً، ۲۵

۳- ایضاً، ۷۱؛ تقریب التهذیب، ۲ / ۴، ۵

أسهل

وہ الفاظ جن میں مبالغہ نہیں ہوتا اوسط کے تحت آتے ہیں جیسے محدثین کا قول:

فلان متروك ، ساقط ، فاحش الغلط یا منكر الحديث وغيره۔ اسی طرح فلان ضعيف یا ليس

بالقوى یا فيه مقال جیسے الفاظ اوسط کے تحت آئیں گے۔

حافظ ابن حجر انہیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وبين اسوأ الجرح و أسهله مراتب لا تخفى. (۱)

جیسا کہ مخفی نہیں ہے اسوأ اور اسهل کے درمیان بھی مراتب ہیں۔

### مراتب الفاظ تعدیل

اسی طرح مراتب تعدیل کی معرفت بھی اہم ہے۔ اور اس میں سب سے اونچا وہ ہے جس میں مبالغہ ہے اور

پھر اس سے کم۔ تعدیل کے بھی تین مراتب ہیں، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ۔

### اعلیٰ یا أرفع

تعدیل کا سب سے اعلیٰ درجہ وہ ہے جس میں مبالغہ ہے جیسے محدثین کا قول:

أوثق الناس ، أثبت الناس یا اليه المنتهى فى الثبوت.

یہ الفاظ تعدیل کے اعلیٰ مرتبے پر دلالت کرتے ہیں۔

### أوسط

اس کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ مبالغہ کا صیغہ نہیں ہوتے بلکہ اس کے لیے تاکید کا اسلوب اختیار

کیا جاتا ہے کبھی ایک ہی صفت کو دو بار ذکر کر کے مؤکد بنایا جائے جیسے: ثقة ثقة یا ثبت ثبت، کبھی دو صفتوں کو جمع

کر کے مؤکد بنایا جائے جیسے: ثقة حافظ، عدل حافظ وغيره۔

### ادنیٰ

ادنیٰ درجہ وہ ہے جس میں نرم الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جیسے:

شیخ یروی حدیثه و يعتبر به وغيره۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کے درمیان بھی مراتب ہیں۔ (۲)

حافظ ابن حجر سے پہلے رجال حدیث اور علوم الحدیث پر لکھنے والوں نے مراتب جرح و تعدیل اور ان کے

لیے استعمال ہونے والے الفاظ پر لکھا ہے۔ ذیل میں چند اہم مصنفین کے بیانات کو نقل کریں گے۔

۱- نزہة النظر، ۷۱

۲- ایضاً، ۷۲

## ناقدین فن اور مراتب جرح

مراتب جرح میں حافظ ابن حجر نے تین مراتب کا لکھا جب کہ متقدمین و متوسطن کے ہاں تین سے زیادہ

درجے پائے جاتے ہیں:

یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ)

- ۱- لیس بشیء، لیس بثقة۔ وہ کچھ نہیں ہے۔ وہ ثقہ نہیں ہے۔
- ۲- لا یساوی شیئا۔ وہ کسی شئی کے برابر نہیں۔
- ۳- لیس بثقة ولا مامون۔ وہ ثقہ و مامون نہیں۔
- ۴- لا یکتب عنہ، متروک الحدیث۔ (۱) اس سے حدیث نہیں لکھی جاتی۔ اس کی حدیث متروک ہے۔

ابن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ)

- ۱- لین الحدیث۔ نرم حدیث والا
- ۲- لیس بقوی۔ قوی نہیں
- ۳- ضعیف الحدیث۔ کمزور حدیث والا
- ۴- متروک الحدیث، ذاہب الحدیث، کذاب۔ (۲) اس کی حدیث ترک کر دی جاتی ہے، وہ حدیث کا ضائع کرنے والا ہے، وہ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔
- ☆ ابن ابی حاتم کے نزدیک اگر کسی راوی کے بارے میں کہا جائے لین الحدیث تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔
- ☆ اور جب محدثین لیس بقوی کہتے ہیں تو پہلے مرتبہ ہی میں ہیں البتہ اس سے ذرا کم تر درجہ ہے۔
- ☆ اور جب کہا جائے ضعیف الحدیث تو یہ دوسرے مرتبہ سے کم تر ہے لیکن اس کی حدیث رد نہیں کی جاتی بلکہ اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

☆ اور جب محدثین متروک الحدیث، ذاہب الحدیث یا کذاب جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو وہ شخص ساقط الحدیث شمار ہوتا ہے اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ (۳)

ابن الصلاح اور نووی وغیرہ نے اسی تقسیم کا تتبع کیا ہے۔ کچھ دیگر حضرات نے اس تقسیم اور اس کے احکام کو اجمالاً تسلیم کیا ہے اور اس میں بعض تفصیل کا اضافہ کیا ہے۔ ان میں مشہور الذہبی، العراقي، ابن حجر اور السخاوی ہیں۔

۱- التاريخ، ۱۰/۹۲؛ معرفة الرجال، ۱۰/۳۰

۲- الجرح و التعديل، ۱۰/۱/۳۷

۳- ابن الصلاح، ۱۲۶

خطیب بغدادی (م ۳۶۳ھ)

- ۱- لین الحدیث - نرم حدیث والا / حدیث کے بارے میں نرم رویہ رکھنے والا۔
- ۲- لیس بقوی - قوی نہیں ہے۔
- ۳- مضطرب - غیر مستقل مزاج
- ۴- کذاب (۱)۔ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا

ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ)

- ۱- لین الحدیث، یکتب حدیثہ؛ ینظر فیہ؛ بالیس بذاک القوی؛ فیہ ضعف؛ فی حدیثہ ضعف۔
- نرم حدیث والا، اس کی حدیث لکھی جاتی ہے، اس پر غور کیا جاتا ہے، اتنا قوی نہیں، اس میں کمزوری ہے، اس کی حدیث میں ضعف ہے۔
- ۲- لیس بقوی یکتب حدیثہ للإعتبار۔
- قوی نہیں ہے۔ اعتبار کے لیے اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔
- ۳- ضعیف الحدیث؛ مضطرب الحدیث؛ لا یحتج بہ؛ مجهول؛ لا شیء۔
- صاحب کمزور حدیث ہیں؛ ان کی حدیث مضطرب ہے؛ قابل حجت نہیں؛ مجهول ہیں؛ کوئی شے بھی نہیں۔
- ۴- متروک الحدیث؛ واہی الحدیث؛ کذاب۔ (۲)
- ان کی حدیث ترک کی جاتی ہے، بے بنیاد حدیث والا؛ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا۔
- ابن الصلاح نے ابن ابی حاتم ہی کا تتبع کیا ہے۔ تاہم ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ومما لم یشرحه ابن ابی حاتم وغیرہ من الالفاظ المستعملة فی هذا الباب قولهم: فلان قدروی الناس عنه؛ فلان وسط؛ فلان مقارب الحدیث (۳)؛ فلان مضطرب الحدیث؛ فلان لا یحتج بہ، فلان مجهول؛ فلان لا شیء؛ فلان لیس بذاک. وربما قبل: لیس بذاک القوی؛

- ۱- الکفاية، ۲۳
- ۲- ابن الصلاح، ۱۲۶
- ۳- یعنی اس کی حدیث دوسرے ثقات کی حدیث سے قریب ہے۔ مقارب فتح اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے مفہوم وہی ہے کہ اس کی حدیث دوسرے ثقات کی حدیث سے قریب ہے۔ (ابن الصلاح، ۱۲۷)

فلان فيه أوفى حديثه ضعف ”وهو في الجرح أقل من قولهم: فلان  
ضعيف الحديث؛ فلان ما أعلم به بأساً“ وهو في التعديل دون قولهم:  
لا بأس به وما من لفظة ومن أشباهها الا ولها نظير شرحناه أو أصل  
أصلناه يتنبه إن شاء الله به عليها. والله أعلم۔ (۱)

اور جن مستعمل الفاظ کی تشریح ابن ابی حاتم نے نہیں کی وہ یہ ہیں: فلاں شخص ہے جس سے  
لوگوں نے روایت کی؛ فلاں شخص درمیانے درجہ کا ہے؛ فلاں شخص کی حدیث دوسرے کے  
قریب ہے؛ فلاں شخص کی حدیث مضطرب ہے؛ فلاں شخص سے حجت نہیں پکڑی جاتی؛ فلاں  
شخص مجہول ہے؛ فلاں شخص کوئی شی نہیں؛ فلاں ایسا نہیں ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے؛ فلاں  
شخص کمزور حدیث والا ہے؛ فلاں شخص کے بارے میں مجھے کوئی ڈر نہیں۔ اور ایسا کہنا تعدیل  
میں ان کے اس قول: ”اس میں کوئی خطرہ نہیں“ سے کم درجہ پر ہے۔ ان میں سے کوئی لفظ یا  
اس کے مشابہ لفظ ایسا نہیں جس کی نظیر نہ ہو اور ہم نے اس کی تشریح کی ہے یا اس کی کوئی اصل  
ہو جو ہم نے متعین نہ کی ہو۔ اس امر پر متنبہ ہونا چاہئے۔

امام نووی (م ۶۷۷ھ)

امام نووی نے ابن الصلاح کا خلاصہ کیا ہے اس لیے اس میں کوئی نئی بات نہیں۔

- ۱- لین الحدیث۔ نرم حدیث والا
- ۲- ضعیف الحدیث؛ مضطرب۔ کمزور حدیث والا، غیر مستقل
- ۳- متروک الحدیث؛ واہی الحدیث؛ کذاب (۲) جس کی حدیث ترک کی جاتی ہے؛ حدیث  
ضائع کرنے والا؛ بہت جھوٹا۔

علامہ طیبی (م ۷۷۳ھ)

لین الحدیث؛ مضطرب الحدیث؛ لا یحتج بہ؛ مجہول لیس بقوی؛  
لیس بذاک ضعیف الحدیث، متروک الحدیث ذاہب الحدیث،  
کذاب (۳)

۱- ابن الصلاح، ۱۲۷

۲- التقریب، ۱۵

۳- الخلاصۃ، ۹۲

نرم حدیث والا؛ حدیث میں اضطراب ہے؛ اس سے دلیل نہیں دی جاسکتی، مجہول ہے، قوی نہیں ہے، کوئی حیثیت نہیں۔ کمزور حدیث والا، متروک الحدیث، حدیث کو ضائع کرنے والا ہے، بہت زیادہ جھوٹا ہے۔

الذہبی (م ۷۴۸ھ)

۱۔ یضعف؛ ضعیف؛ لیس بالقوی؛ لیس بحجة؛ لیس بذاك؛ یعرف وینکر؛ فیہ مقال؛ تکلم فیہ؛ لین؛ سع الحفظ؛ لا یحتج بہ؛ اختلف فیہ؛ مبتدع۔

اسے کمزور کہا جاتا ہے؛ کمزور ہے؛ قوی نہیں؛ قابل استناد نہیں؛ ایسا نہیں ہے، معروف بھی ہے اور منکر بھی؛ اس کے بارے میں بات ہے اس میں کلام ہے۔ کمزور؛ برے حافظے والا، وہ قابل حجت نہیں، اس کے بارے میں اختلاف ہے؛ بدعتی ہے۔

۲۔ و۵؛ لیس بشی؛ ضعیف جدا؛ ضعفہ؛ منکر الحدیث۔

گرا ہوا؛ کوئی شے نہیں؛ بہت ضعیف ہے؛ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے؛ منکر الحدیث ہے۔

۳۔ لیس بثقة؛ سکتوا عنہ؛ ذاہب الحدیث

ثقتہ نہیں ہے؛ اس کے بارے میں محدثین نے خاموشی اختیار کی ہے؛ حدیث ضائع کرنے والا۔

۴۔ متهم بالكذب۔ اس پر جھوٹ کی تہمت ہے۔

۵۔ یضع الحدیث؛ و ضاع؛ کذاب؛ دجال۔ (۱)

حدیث گھڑتا ہے؛ وضع کرنے والا ہے؛ بہت جھوٹا ہے، بڑا فریبی ہے۔

زین الدین العراقی (م ۸۰۶ھ)

حافظ عراقی نے مرتب انداز میں ان مراتب کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

مراتب الفاظ التجریح علی خمس مراتب و جعلها ابن ابی حاتم

وتبعہ ابن الصلاح اربع مراتب۔ (۲)

جرح کے پانچ مراتب ہیں۔ ابن ابی حاتم نے چار بیان کیے ہیں اور ابن الصلاح نے اس کا تتبع کیا ہے۔

۱۔ میزان الاعتدال، ۱/۳

۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۸۲



- ۱- کذاب ؛ یضع ؛ یکذب ؛ وضاع ؛ دجال۔  
 بہت زیادہ جھوٹا، حدیث وضع کرتا ہے؛ جھوٹ بولتا ہے؛ حدیثیں وضع کرنے والا؛ بہت زیادہ فریبی۔
- ۲- لیس بشقة؛ ذاہب؛ متروک؛ فیہ نظر؛ لا یعتبر؛ سکتوا عنہ؛ متہم بالکذب ساقط؛ ہالک۔  
 ثقہ نہیں ہے؛ ضائع کرنے والا؛ اس کی حدیث ترک کی جاتی ہے؛ اس کے بارے میں غور و خوض کی ضرورت ہے؛ اس کا اعتبار نہیں؛ اس کے بارے میں محدثین نے خاموشی اختیار کی ہے؛ اس پر جھوٹ کی تہمت ہے گرا ہوا ہے؛ خطرناک ہے۔
- ۳- مردود الحدیث؛ ضعیف جداً؛ واہ؛ مطروح؛ لیس بشی؛ لایساوی شیئاً۔  
 اس کی حدیث مردود ہے؛ بہت ضعیف؛ گرا ہوا؛ پھینکا ہوا؛ کوئی شی نہیں؛ کسی شے کے برابر بھی نہیں۔
- ۴- منکر الحدیث؛ مضطرب؛ ضعفوہ؛ لا یحتج بہ۔  
 منکر حدیث والا؛ غیر مستحکم؛ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا؛ قابل حجت نہیں۔
- ۵- فیہ مقال؛ ضعف؛ فیہ ضعف؛ لیس بذاک المتین؛ لیس بذاک حجة، لیس بذاک عمدة؛ مطعون؛ لیس بذاک مرضی؛ سئ الحفظ؛ لین، تکلموا فیہ (۱)  
 اس کے بارے میں گفتگو (اعتراض) ہے؛ ضعیف ہے؛ اس میں ضعف ہے؛ ایسا پختہ نہیں؛ ایسا قابل استناد نہیں ایسا عمدہ نہیں؛ اس کے بارے میں طعن کیا گیا ہے؛ ایسا پسندیدہ نہیں؛ برے حافظے والا، کمزور؛ اس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔
- حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ میں نے ابن الصلاح کے نقل کردہ الفاظ جرح پر جو اضافہ کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔  
 فلان وضاع؛ و یضع؛ و وضع، و دجال و متہم بالکذب و ہالک، و فیہ نظر، و سکتوا عنہ و لا یعتبر بہ؛ و لیس بالثقہ، و ردّ حدیثہ، و ضعیف

جداً، وواہ بمرۃ و طرحوا حدیثہ، وارم بہ، و مطرح، ولا یساوی شیئاً،  
و منکر الحدیث و واہ، و ضعفہ، و فیہ مقال، و ضعف، و تعرف و تنکر،  
ولیس بالمتین و لیس بعمدۃ و لیس بالمرضی، وللضعیف ماہو، و فیہ  
خلف، و طعنوا فیہ وسی الحفظ و تکلموا فیہ۔ (۱)  
مندرجہ بالا الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فہذہ الالفاظ لم یدکرھا ابن ابی حاتم ولا ابن الصلاح وہی موجودۃ  
فی کلام ائمۃ ہذا الشان (۲)  
یہ الفاظ ہیں جنہیں ابن ابی حاتم اور ابن الصلاح نے بیان نہیں کیا حالانکہ اس مرتبہ کے ائمہ  
کے کلام میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر کے بعد آنے والوں میں سخاوی اور سیوطی قابل ذکر مصنفین ہیں۔ سخاوی نے الفیہ للعراقی کی  
شرح لکھی ہے اور سیوطی نے امام نووی کی التقریب کی شرح لکھی ہے۔ دونوں مفصل کتابیں ہیں اور علوم الحدیث کے  
موضوع پر ماخذ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ خطیب، ابن ابی حاتم اور ابن الصلاح کے ہاں چار درجے ہیں۔  
حافظ ابن حجر نے تین مراتب بیان کئے ہیں اگرچہ یہ بھی کہا ہے کہ ان کے درمیان اور مراتب بھی ہیں۔ ذہبی اور عراقی  
نے پانچ درجہ الفاظ بیان کئے ہیں جب کہ سخاوی اور سیوطی نے چھ کر دیے ہیں۔ ذیل میں ہم سخاوی اور سیوطی کے  
بیان کردہ مراتب کو بالترتیب درج کریں گے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ  
تقریباً وہی مفاد ہم بیان کئے گئے ہیں جو ذہبی اور عراقی نے اور اس سے پہلے ابن الصلاح وغیرہ نے استعمال کئے ہیں  
اس لیے ہم نے ان کا ترجمہ نہیں دیا ہے۔

شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ)

۱- فیہ مقال؛ فیہ ادنی مقال؛ ضعیف؛ فیہ ضعف؛ فی حدیثہ  
ضعف؛ لیس بذاک القوی؛ لیس بالقوی؛ لیس بالمتین؛ لیس بحجۃ؛  
لیس بعمدۃ؛ لیس بمأمون؛ لیس بالمرضی؛ لیس یحمدونہ؛ لیس  
بالحافظ؛ غیرہ او ثق منہ؛ تعرف و تنکر؛ فی حدیثہ شیء؛ فیہ لین؛  
لین الحدیث؛ مجہول؛ فیہ جہالۃ؛ لا ادری ماہو؛ للضعیف ماہو؛

۱- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۸۳

۲- ایضاً، ۲ / ۱۸۳

طعنوا فيه؛ تركوه؛ مطعون فيه؛ ساء الحفظ؛ تكلموا فيه؛ ليس من اهل القاب؛ ليس من جمال المحامل؛ سكتوا عنه؛ فيه نظر۔

۲- ضعیف؛ منکر الحدیث؛ حدیثہ منکر؛ له منا کیر؛ له ما ینکر؛ مضطرب الحدیث؛ واہ؛ ضعفوہ؛ لا یحتج بہ۔

۳- رد حدیثہ؛ رد وا حدیثہ؛ مردود الحدیث؛ ضعیف جداً؛ واہ بمرۃ؛ تألف؛ طرحوا حدیثہ؛ ارم بہ؛ مطرح؛ مطرح الحدیث؛ لا یکتب حدیثہ؛ لا تحل کتابہ حدیثہ؛ لا تحل الروایۃ عنہ؛ لیس بشیء؛ لا شیء؛ لا یساوی فلساً؛ لا یساوی شیئاً۔

۴- یسرق الحدیث؛ متهم بالکذب؛ متهم بالوضع؛ ساقط؛ هالك؛ ذاهب؛ ذاهب الحدیث؛ متروک؛ متروک الحدیث؛ ترکوہ؛ مجمع علی ترکہ؛ هو علی یدی عدل؛ لا یعتبرہ؛ لا یعتبر بحدیثہ؛ لیس بالثقۃ؛ لیس بثقۃ؛ غیر ثقۃ؛ ولا مامون؛ سکتوا عنہ؛ فیہ نظر۔

۵- کذاب؛ یکذب؛ یضع الحدیث؛ وضاع؛ وضع الحدیث؛ دجال۔

۶- اکذب الناس؛ رکن الکذب؛ الیہ المنتہی فی الوضع (۱)

حافظ سخاوی نے اس ترتیب کو پسند کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ عراقی نے اعلیٰ مرتبہ سے ادنیٰ کی ترتیب اختیار کی ہے

حالانکہ ابن ابی حاتم اور ابن الصلاح نے اس کے برعکس ترتیب کو اختیار کیا ہے جو زیادہ مناسب ہے۔ (۲)

جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۱- فیہ مقال؛ لیس بالقوی؛ لیس بالمتین؛ لیس بحجۃ۔

۲- واہ ضعفوہ؛ مضطرب الحدیث؛ ضعیف؛ منکر الحدیث۔

۳- مردود الحدیث؛ ضعیف جداً؛ واہ بمرۃ؛ لیس بشیء؛ مطرح الحدیث۔

۴- متهم بالکذب؛ متروک؛ ذاهب الحدیث، متروک الحدیث، متهم بالوضع۔

۵- دجال؛ کذاب؛ وضاع۔

۱- فتح المغیث، ۲ / ۱۳۷ - ۱۳۲

۲- ایضاً، ۲ / ۱۳۷

۶- اکذب الناس ؛ ركن المكذب - (۱)

امام بیہقی (۲)، الطیبی (۳)، العجلی (۴) اور السمعانی (۵) وغیرہ نے بھی اسی طرح کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

## ناقدین فن اور مراتب تعدیل

حافظ ابن حجر کے نزدیک تعدیل کے بھی تین مراتب ہیں، اعلیٰ ادنیٰ اور اوسط۔ وہ لکھتے ہیں:

ومن المهم ايضاً معرفة مراتب التعديل و ارفعها الوصف ايضاً بمادل على المبالغة فيه و اصرح ذلك التعبير بأ فعل كأ وثق الناس أو أثبت الناس أو إليه المنتهى في الثبت ، ثم ماتاً كد بصفة من الصفات الدالة على التعديل أو صفتين كثقه ثقه أو ثبت ثبت أو وثقه حافظ، أو عدل ضابط أو نحو ذلك. وأدناها ما اشعر بالقرب من اسهل التجريح كشيخ و يروى حديثه و يعتبر به و نحو ذلك . و بين ذلك مراتب لا تخفى - (۶)

تعدیل کے مراتب کی معرفت بھی اہم امور میں سے ہے۔ ان میں اعلیٰ وہ ہے جو وصف کے مبالغہ پر دلالت کرے۔ اس کی تعبیر فعل کے وزن سے ہو جیسے اوثق الناس سب لوگوں سے زیادہ قابل اعتماد یا اثبت الناس، سب لوگوں سے زیادہ ثبت یا إليه المنتهى فی الثبت اس میں ثبت کی انتہا ہے۔ اس کے بعد اوسط ہے جس میں تعدیل پر دلالت کرنے والی صفات میں سے کسی صفت کو مؤکد بیان کیا جاتا ہے یا دو صفتوں سے تاکید کی جائے ایک مؤکد صفت جیسے ثقة ثقة یا ثبت ثبت اور دو وصف جیسے ثقة حافظ یا عدل ضابط یا اسی طرح کی اور صفات اور تیسرے درجہ پر وہ تعدیل ہے جو تجرح کے اسهل درجہ کے قریب ہے۔ اس کے لیے نرم الفاظ ہیں جیسے شیخ یروى حديثه اس کی حدیث روایت کی جاتی ہے و يعتبر به اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور ان کے درمیان مراتب ہیں جو پوشیدہ نہیں۔

۱- التدریب ، ۲۳۳-۲۳۴

۲- معجم الجرح و التعديل ، ۶۱

۳- الخلاصة ، ۹۲

۴- معرفة الثقات ، ۱۰۲ / ۱

۵- توضیح الافکار ، ۲ / ۲۶۸

۶- نزہة النظر ، ۷۲

گویا حافظ ابن حجر نے اعلیٰ اوسط اور ادنیٰ مراتب کا تعین کیا ہے لیکن ان کے درمیان اور مراتب کے وجود کو بھی تسلیم کیا ہے۔ ہم ذیل میں ابن حجر سے پہلے اور ان کے بعد آنے والے محدثین کے بیان مراتب کا تذکرہ کریں گے۔  
یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ)

- ۱- ثبت؛ ثقة۔
- ۲- ثقة؛ مأمون ثقة؛ لم یذکرہ الابخیر۔
- ۳- لیس بہ بأس؛ صدوق؛ مأمون خیر؛ لیس بہ بأس ثقة۔
- ۴- صالح الحدیث؛ شیخ صدوق؛ ثقة؛ یحدث بمناکیر؛ صدوق لیس بحجة (۱)  
خطیب بغدادی (م ۳۶۳ھ)

- ۱- ثقة؛ متقن۔
- ۲- صدوق؛ محله الصدق؛ لا بأس بہ؛ فهو ممن یکتب حدیثہ۔
- ۳- شیخ۔
- ۴- صالح الحدیث؛ لیس الحدیث؛ لیس بقوی؛ ضعیف الحدیث؛ متروک الحدیث؛  
ذاہب الحدیث أو کذاب (۲)

لعجلی (م ۲۶۱ھ)

- ۱- ثقة؛ ثبت فی الحدیث حسن الحدیث؛ ثقة ثبت مأمون؛ ثقة مأمون؛ ثقة ثقة؛ ثقة رفیع؛ ثقة رجل صدق؛ ثقة من خیار الناس؛ ثبت فی الحدیث؛ ثقة لا بأس بہ؛  
ثقة حسن الحدیث۔
- ۲- صدوق؛ صدوق ثقة؛ صدوق جائز الحدیث؛ حسن الحدیث؛ لا بأس بہ؛ جائز الحدیث؛ شیخ صدوق۔
- ۳- جائز الحدیث و لیس بالقوی فی عداد الشیوخ؛ جائز الحدیث لا بأس بہ؛ یکتب حدیثہ؛ صویلح لا بأس بہ؛ لا بأس بہ یکتب حدیثہ؛ ثقة کان لا یتهم بالکذب؛  
لا بأس بہ یکتب حدیثہ؛ و لیس بالقوی (۳)

۱- التاريخ، ۹۱/۱، معرفة الرجال، ۲۴/۱

۲- الكفاية، ۲۳

۳- معرفة الثقات، ۱۰۲/۱

ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)

- ۱- ثقة، متقن؛ حجة ضابط؛ عادل حافظ۔
- ۲- صدوق؛ محله الصدق۔
- ۳- شیخ۔
- ۴- صالح الحديث (۱)

ابن الصلاح (م ۶۲۳ھ)

- ۱- ثقة؛ متقن؛ ثبت؛ حجة؛ عدل حافظ؛ ضابط۔
- ۲- صدوق؛ محله الصدق؛ لا بأس به۔
- ۳- شیخ۔
- ۴- صالح الحديث (۲)

النووی (م ۶۷۷ھ)

- ۱- ثبت؛ متقن؛ ثقة؛ حجة؛ عدل؛ حافظ؛ ضابط۔
- ۲- صدوق؛ محله الصدق؛ لا بأس به۔
- ۳- شیخ فیکتب وینظر۔
- ۴- یکتب للإعتبار؛ صالح الحديث (۳)

طیبی (م ۷۳۳ھ)

- ۱- ثقة؛ متقن؛ ثبت؛ حجة؛، يقال فی العدل؛ حافظ؛ ضابط۔
- ۲- صدوق؛ محله الصدق؛ لا بأس به۔
- ۳- شیخ روى عنه الناس۔
- ۴- صالح الحديث (۴)

۱- ابن الصلاح، ۱۳۲؛ الجرح والتعديل، ۱/۱/۳۷

۲- ایضاً، ۱۳۳-۱۳۵

۳- التقريب، ۱۲-۱۵

۴- الخلاصة فی اصول الحديث، ۹۱، ۹۲



الذہبی (م ۷۷۸ھ)

- ۱- ثبت حجة؛ ثبت حافظ؛ ثقة متقن؛ ثقة ثقة۔
- ۲- ثقة صدوق۔
- ۳- صدوق؛ لا بأس به؛ ليس به بأس۔
- ۴- محله الصدق؛ جيد الحديث؛ شيخ و سطر؛ شيخ حسن الحديث؛  
صدوق ان شاء الله؛ صالح الحديث؛ صويلح (۱)

العراقی (م ۸۰۶ھ)

- ۱- ثقة؛ ثبت؛ ثقة ثقة۔
- ۲- ثقة او ثبت؛ ثقة او متقن؛ حجة؛ حافظ؛ ضابط۔
- ۳- ليس به بأس؛ صدوق۔
- ۴- مامون؛ خيار۔
- ۵- محله الصدق؛ شيخ وسط؛ صالح الحديث؛ مقارب الحديث؛ جيد  
الحديث؛ حسن الحديث؛ صويلح، صدوق ان شاء الله؛ وارجو أنه لا  
بأس به (۲)

حافظ ابن حجر کے بعد آنے والوں میں دو نام اہمیت کے حامل ہیں ایک حافظ سخاوی جنہوں نے الفیہ للعراقی کی شرح لکھی اور دوسرے علامہ سیوطی جنہوں نے امام نووی کی التقریب کی شرح لکھی۔ دونوں کتابیں اہل علم کے ہاں متداول ہیں۔ دونوں نے تقریباً انہی الفاظ کو دہرایا ہے جنہیں حافظ ابن حجر تک علوم الحدیث کے مصنفین نے اپنے ہاں استعمال کیا ہے۔ ان کے بعد آنے والوں میں امیر الصنعانی قابل ذکر ہیں اور ان کے بعد دور جدید کے مصنفین نے علوم الحدیث پر نئی ترتیب پر تصانیف مرتب کی ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی سابقہ توضیحات سے انحراف نہیں کیا۔ ان سب کا بیان تو مناسب نہیں ہے البتہ حافظ سخاوی اور علامہ سیوطی کے بیانات کو درج کیا جاتا ہے جو اصل میں عراقی

۱- میزان الاعتدال، ۱/ ۳

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۷۸-۱۸۰

۳- فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۱۴۸

اور نووی ہی کے بیانات کو اپنے الفاظ میں واضح کیا ہے۔ حافظ سخاوی علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر اور دیگر محدثین کے حوالوں سے وضاحت کرتے ہیں (۳) انہوں نے چھ مراتب بیان کئے ہیں گو پانچواں اور چھٹا مختلط ہو گیا ہے کیونکہ عراقی کے ہاں پانچ مراتب ہیں۔

حافظ سخاوی (م ۹۰۲ھ)

۱- اوثق الناس؛ اثبت الناس؛ اصدق من ادركت من البشر؛ اليه المنتهى

في التثبت لا اعرف له نظير في الدنيا۔

۲- لا يستل عن مثله۔

۳- ثقة ثبت؛ ثبت حجة؛ ثقة ثقة۔

۴- ثقة؛ ثبت؛ حجة؛ متقن؛ حافظ؛ ضابط؛ كانه مصحف۔

۵- صدوق؛ لا بأس به؛ ليس به بأس؛ مامون؛ خيار۔

۶- محله الصدق؛ روى عنه؛ روى الناس عنه؛ يروى عنه؛ الى الصدق

ماهر؛ شيخ وسط؛ وسط، شيخ، مقارب الحديث؛ صالح الحديث؛

يعتبر به؛ يكتب حديثه؛ جيد الحديث ما اقرب حديثه؛ صويلح؛

حسن الحديث؛ صدوق ان شاء الله؛ ارجو ان ليس به بأس؛ حسن

الحديث (۱)

حافظ سخاوی نے ان الفاظ پر بحث کرتے ہوئے ائمہ نقاد کی آراء نقل کی ہیں جو قابل مطالعہ ہیں۔ (۲)

جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

امام نووی نے التقریب میں چار مراتب کا ذکر کیا ہے جب کہ سیوطی اس کی تشریح میں دو کا اضافہ کرتے

ہیں۔ اس طرح ان کے نزدیک چھ مراتب بن جاتے ہیں:

۱- اثبت الناس؛ لا احد اثبت منه

۲- ثقة ثقة؛ ثقة ثبت؛ فلان لا يستل عنه

۳- ثقة؛ حجة؛ متقن؛ عدل؛ ضابط؛ حافظ

۱- فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۱۲۸ - ۱۳۳

۲- ایضاً، ۲ / ۱۳۳ - ۱۳۷

۴- صدوق؛ محلہ الصدق؛ مامون؛ حافظ، لا بأس بہ

۵- شیخ

۶- صالح الحدیث، یکتب حدیثہ للإعتبار (۱)

ان الفاظ پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ سخاوی اور سیوطی نے انہی الفاظ کو نقل کیا ہے جو عراقی اور نووی نے اپنے متون میں دیے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ پانچ مراتب کے بجائے چھ کر دیے ہیں۔





# فہرں اعلام





## فہرِسِ الاِعلام

صرف ان صفحات کے نمبر دیے گئے ہیں جن پر ان شخصیات کے مختصر حالاتِ زندگی مذکور ہیں۔

صفحہ	نام	صفحہ	نام
	اوزاعی (دیکھیے عبدالرحمن بن عمرو)	۱۷۳	ابراہیم بن اسحاق
۳۳۰	ایاس بن معاویہ	۳۵۱	ابراہیم بن المنذر
۳۷۹	ایوب بن سیار	۳۰۰	ابیض بن جمال
۳۳۳	بجالہ بن عبدہ التمیمی	۳۲۱	احمد بن ابی سرتج
۳۰۵	البراء بن عازب	۲۸۳	احمد بن جعفر بن حمدان
۳۰۴	برید بن عبد اللہ	۲۸۳	احمد بن جعفر السقطی
۳۰۲	بسر بن ابی بسر	۲۸۳	احمد بن جعفر الطرسوسی
۳۰۲	بسر بن سعید المدنی	۲۸۳	احمد بن جعفر القطیبی
۳۰۲	بسر بن عبید اللہ	۲۲۱	احمد بن حنبل
۳۰۲	بسر بن محجن	۳۲۷	احمد بن سنان
۳۳۲	بشر بن ثابت المزار	۸۳	احمد بن عمیر ابوالحسن
۳۰۴	بشیر بن ابی مسعود		احمد بن محمد الخوارزمی (دیکھیے ابوبکر البرقانی)
۳۰۳	بشیر بن کعب العدوی	۲۱۰	احمد بن محمد بن سعید
۳۰۴	بشیر بن نھیک	۲۲۱	اسحاق بن ابراہیم الحظلی
۳۰۳	بشیر بن یسار	۳۷۸	اسود بن یزید النخعی
	البغوی (دیکھیے ابوالقاسم عبد اللہ بن محمد)	۳۱۰	اسید بن حذیر
۳۳۰	بلال بن ابی بردہ	۱۱	اشعث بن قیس
۲۲۰	البویطی یوسف بن مکی		الاصم (دیکھیے ابوالعباس)
۳۱۶	بہز بن حکیم	۳۱۰	الأصمعی عبد اللہ بن ابراہیم
۲۹۵	بیکندی، یحییٰ بن جعفر	۳۸۶	انس بن عیاض

۳۲۲	حسن بن الصباح الهزار	۲۸۷	التبوذکی ابو سلمہ موسیٰ بن اسماعیل
۲۷۶، ۶۸	حسن بن عرفہ	۱۰۴	تتمیم بن اوس
۱۷۳	حسین بن محمد بن احمد	۲۸۴	التوامة
۳۱۰	حصین بن المنذر	۳۳۰	ثمامہ بن عبد اللہ
۳۷۶	حفص بن میسرہ	۳۶۷	ثور بن زید الدیلی
۳۲۰	حکام بن سلم الرازی	۳۶۷	ثور بن یزید
۳۱۶	حکیم بن ابی حرہ	۲۲۱	الثوری سفیان بن سعید
۳۱۶	حکیم بن حزام	۳۵۲	جابر بن عبد اللہ
۳۱۵	حکیم بن عبد اللہ القرشی المصری	۳۰۶	جاریہ بن قدامہ
۳۹۴	الحمیدی اندلسی، ابو عبد اللہ	۳۱۲	جبار بن صخر
۳۷۲	حنان الاسدی	۳۰۸، ۳۰۷	جریر بن حازم
۳۷۲	حیان بن حصین الاسدی	۳۰۸	جریر بن عبد اللہ الجلی
۳۰۸	خالد بن خدش	۳۳۶	جزء بن معاویہ
۳۱۳	خبیب بن عبد الرحمن	۳۰۶	حارثہ بن النعمان
۳۱۳	خبیب بن عبد اللہ	۳۰۶	حارثہ بن سراقہ
۳۱۳	خبیب بن عدی	۳۰۶	حارثہ بن وہب
۶۸	خلف بن خلیفہ الاشجعی	۳۱۱	حبان بن عطیہ السلسی
۳۲۲	خلف بن ہشام الهزار	۳۱۱	حبان بن منقذ
۲۸۲	خلیل بن احمد بن عمرو الازدی	۳۱۱	حبان بن موسیٰ المروزی
۲۸۲	خلیل بن احمد الاصمہانی	۳۱۱	حبان بن واسع
۲۸۲، ۲۸۲	خلیل بن احمد البستی	۳۱۱	حبان بن ہلال
	خلیل بن احمد البصری (دیکھیے ابوالبشر المرزنی)	۳۱۳	حبیب بن ابی ثابت
۲۸۲	خلیل بن احمد الجزی	۳۱۳	حبیب بن الشہید
۲۰۶	خلیل بن کیکلدی العلاتی	۳۱۳	حبیب بن المعلم
	خلیلی (دیکھیے ابو یعلیٰ الخلیل بن عبد اللہ)	۳۰۸	حریر بن عثمان
۲۸۳	دعج بن احمد	۳۳۰	حسن بن ابی الحسن البصری

۳۲۲	سلمان الفارسی	۲۸۶	راہر مزی محمد حسن بن عبدالرحمن بن خلد
۳۲۳	سلمان بن ربیعہ	۳۱۵	رباح بن ابی معروف
۳۲۲	سلمان بن عامر	۳۱۵	رزیق بن حکیم
۳۱۸	سلیم بن اسود ابوالششاء	۳۰۷	ربیع بن حراش
۳۱۹	سلیم بن جبیر	۳۱۸	زبید الیامی
۳۱۸	سلیم بن حیان	۸۲	الزکی عبدالعظیم
۳۱۸	سلیم بن عامر النخباری		زہیر بن حرب (دیکھیے ابو بکر احمد بن ابی خیشمہ)
۳۰۲	سلیمان بن یسار	۳۰۹	زیاد بن حدیر
۳۲۶	سنان بن ابی سنان		زیاد بن فیروز البصری (دیکھیے ابوالعالیہ البراء)
۳۲۷	سنان بن ربیعہ	۳۱۵	زیاد بن ریاح البوریاح
۳۲۶	سنان بن سلمہ	۳۱۳	زیاد بن ریاح ابو قیس
۲۱۲	سہیلی، ابوالقاسم	۳۰۹	زید بن حدیر
۳۰۲	سیار بن ابی سیار	۳۱۵	زید بن رباح
۳۰۲	سیار بن سلامہ	۳۱۷	زید بن الصلت
۳۲۲، ۳۲۱	شرح القاضی	۳۲۳	سالم مولیٰ النصریین
۳۶۳	شرح بن النعمان	۳۶۳، ۳۲۱	سرتج بن النعمان
۳۰۸	شہاب بن خراش	۳۲۱	سرتج بن یونس
۳۳۱	شیبان بن فروخ الابلی	۳۳۲	سعد بن عبیدہ السلمی
۲۸۵	صالح بن ابی صالح الاسدی	۳۳۶	سعید بن ایاس الجریری
۲۸۵	صالح بن ابی صالح السمان	۳۰۲	سعید بن یسار
۲۸۵	صالح بن ابی صالح الخزومی	۲۸۵	سفیان بن عیینہ
۳۵۱	ضحاک بن عثمان	۳۱۹	سلم بن ابی الذیال
۱۵۹	ضمام بن ثعلبہ	۳۱۹	سلم بن زریر
۱۱۲	طلحہ بن مصرف بن عمرو الیامی	۳۱۹	سلم بن عبدالرحمن النخعی
۶۳	الطوسی ابوالحسن، محمد بن اسلم	۳۱۹	سلم بن قتیبہ
	الطیالیسی (دیکھیے ہشام بن عبدالملک)	۳۲۲	سلمان الاغر

۳۷۲	عبداللہ بن محمد بن جعفر	۲۹۰	عاصم بن ابی النخود
	عبداللہ بن محمد الحبتانی (دیکھیے ابوالشیخ)	۲۳۶	عامر بن سعد بن ابی دقاص
۳۵۰	عبداللہ بن مرہ خارفی	۳۳۳	عامر بن عبدہ الجلیلی
۳۷۶	عبداللہ بن نجی	۳۳۱، ۳۲۹	عامر بن عبیدہ
۳۷۶	عبداللہ بن یحییٰ	۳۳۷	عباد بن تمیم المازنی
۳۷۶	عبداللہ بن یزید بن زید	۳۳۷	عباد بن حمزہ
۲۸۳	عبدالملک بن حبیب ابو عمران	۳۳۷	عباد بن عبداللہ بن زبیر
۲۵۵	عبدالملک بن حبیب	۳۳۷	عباد بن العوام
۳۳۰	عبدالملک بن یعلیٰ	۳۳۱	عباد بن منصور
۳۳۳	عبدالواحد بن عبداللہ البصری	۳۳۷، ۳۳۶	عباس بن فردخ الجریری
	عبدالوہاب بن مبارک (دیکھیے ابوالبرکات)	۳۳۳	عبادہ بن الصامت
۳۳۳	عبدہ بن ابی لبابہ	۳۳۳	عبادہ بن نسی
۳۳۳	عبدہ بن سلیمان	۳۳۳، ۳۱۲	عبادۃ بن الولید
۱۱	عبید اللہ بن جحش		عبدالحق اہلبیلی (دیکھیے ابن الخراط)
۳۱۲	عبید اللہ بن عدی	۳۲۶	عبدالحق بن سلمہ
۳۳۲	عبید بن الابصر	۳۲۳	عبدالرحمن بن سلمان ابوالاعیس
۳۳۲	عبیدہ بن الحارث	۳۲۲	عبدالرحمن بن شریح
۳۲۹	عبیدہ بن حمید التیمی الکوفی	۲۲۰	عبدالرحمان بن عمرو
۳۲۹	عبیدہ بن سفیان	۳۵۸، ۲۱۱، ۱۰۲	عبدالغنی بن سعید الازدی
۳۳۲	عبیدہ بن معتب	۲۱۱	عبدالکریم بن عبدالنور
۳۲۹	عبیدہ سلمانی المرادی	۳۳۱	عبداللہ بن بریدہ
۳۱۰	عتبان بن مالک	۳۰۸	عبداللہ بن الحسین الازدی
۳۰۹	عثمان بن عاصم، ابو حصین	۲۸۸	عبداللہ بن حماد، ابو عبدالرحمان
۳۱۵، ۱۳۷، ۱۳۶	عطاء بن ابی رباح	۳۷۶	عبداللہ بن زید بن عبد ربہ
۳۰۲	عطاء بن یسار	۳۳۲	عبداللہ بن عبیدہ
۳۳۸	عقیل بن ابی طالب	۲۲۱	عبداللہ بن المبارک

۱۰۳	مالک بن یخامر	۳۳۸	عقیل بن خالد الأیلی
	الماوردی (دیکھیے ابوالحسن)	۶۸	علی بن حجر مروزی
	محمد بن ابی نصر الازدی (دیکھیے ابو عبد اللہ الحمیدی)		علی بن محمد (دیکھیے ابوالحسن الماوردی)
۳۷۵	محمد بن جبیر		علی بن ہبۃ اللہ (دیکھیے ابن ماکولا ابونصر)
۲۳۳	محمد بن الحسین اندلسی	۱۴۶	عمار بن یاسر
۲۰۰	محمد بن حسین بن محمد	۳۰۹	عمران بن حدیر
۳۷۵	محمد بن حنین	۳۰۹	عمران بن حصین
۳۷۲	محمد بن خالد ابوالرحال	۳۷۱	عمرو بن زرارہ، ابو محمد
۳۳۳	محمد بن الصباح	۳۲۶	عمرو بن سلمہ
۳۳۳	محمد بن عبادہ الواسطی	۲۷۰، ۱۰۳	عمرو بن شعیب
۳۷۲	محمد بن عبد الرحمن ابوالرجال	۳۷۵	العوقی، ابوبکر محمد بن سنان
۳۳۳	محمد بن عبد الرحیم الہزازی	۲۹۹	غنام بن اوس
۲۹۶	محمد بن عبد الکریم السیدی	۲۹۵	غنیجار محمد بن احمد البخاری
۳۶۷	محمد بن عبد اللہ بن المبارک الحزرمی	۸۳، ۸۲	فخر بن البخاری ابوالحسن علی بن احمد
۲۸۶، ۷۱	محمد بن عبد اللہ بن حفص الانصاری		فراہیدی (دیکھیے خلیل بن احمد)
۲۸۶	محمد بن عبد اللہ بن زید	۳۰۵	الفربری
۳۶۳	محمد بن عقیل	۳۱۰	القابسی علی بن محمد
۳۸۴	محمد بن عمرو اقدی	۱۷۳	القاضی حسین بن محمد
۱۰۲	محمد بن علی الصوری	۷۱	قتیبہ بن سعید
۳۱۱	محمد بن یحییٰ بن حبان	۳۰۴	قطن بن نسیر البصری
۲۷۱	مخزمہ بن بکیر	۱۴۶	قیس بن سعد
۲۲۰	المزنی ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ	۳۳۶	قیس بن عباد
۳۷۲	مسدود بن مسرحد	۳۵۵	کعب بن عجرہ
۳۵۵	مسلم بن سالم	۲۳۲	اللیث بن سعد
۳۷۹	مسلم بن ولید بن رباح المدنی	۳۳۳	مالک بن اوس
۲۹۹	مسور بن عبد الملک بن سعید	۳۰۵	مالک بن حوریت





۲۹۰	ابوبکر بن عباس حازم	۲۱۲	ابن الخراط
۲۸۹	ابوبکر بن عیاش بن سالم	۸۲	ابن خطیب المزه شهاب الدین عبدالرحیم
۲۸۹	ابوبکر محمد بن قاسم		ابن راهویہ (دیکھیے اسحاق بن ابراہیم)
۳۵۸	ابوبکر بن نقطہ	۲۱۳	ابن دقیق العید
۲۸۸	ابوجمرۃ نصر بن عمران		ابن ابی ذئب (دیکھیے محمد بن عبدالرحمن بن المغیرہ)
۳۲۳	ابوحازم الاثعبی	۲۵۳	ابن الصباغ
۳۰۷	ابوحازم الاعرج	۲۰۷	ابن الصفار یونس بن مغیث
۲۳۳، ۱۷۳	ابوالحسن الماوردی	۸۳	ابن طبرزد عمر بن محمد
	ابوالحسن المروزی (دیکھیے علی بن حسن)		ابن عرفہ (دیکھیے حسن بن عرفہ)
۳۰۹	ابوحصین عثمان بن عاصم	۲۱۲	ابن عساکر
۲۲۱	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۳۸۵	ابن علیہ اسماعیل بن ابراہیم
۳۲۳	ابورجاء مولیٰ ابی قلابہ	۳۵۸، ۱۰۲	ابن ماکولہ ابو نصر
۱۴۶	ابوالزبیر محمد بن مسلم	۲۱۳	ابن مقیر
	ابوسعید لہستی (دیکھیے خلیل بن احمد لہستی)	۲۱۲	ابن الیتیم اندلسی
۲۷۰	ابوسفیان طلحہ بن نافع	۳۸۵	ابواحمد الزبیری
۲۸۶	ابوسلمہ محمد بن عبداللہ	۳۵۶	ابواحمد المرار بن حمویہ
۳۲۸	ابوشان شیبانی		ابواسحاق الحرابی (دیکھیے ابراہیم بن اسحاق)
۳۲۷	ابوشان ضرار بن مرہ	۳۳۹	ابوامامہ الانصاری
۳۲۲	ابوشریح الخزاعی	۲۰۹	ابوالبرکات عبدالوہاب
۳۲۲	ابوشریح الاسکندرانی	۲۸۲	ابو بشر المزنی
۳۷۲، ۱۷۳	ابوالشیخ الاصفہانی	۱۹۵	ابوبکر احمد بن ابی خیشمہ
۲۱۲	ابوطاہر احمد بن محمد	۳۲۸	ابوبکر الباہلی، محمد بن شان
۳۰۶	ابوالعالیہ البراء زیادہ بن فیروز	۱۳۰	ابوبکر البردبجی
۲۸۳	ابوالعباس الاشم	۳۷۱، ۱۰۲	ابوبکر البرقانی
۷۱	ابوالعباس، محمد بن اسحاق	۲۳۲	ابوبکر السخنی البصری
۲۸۴	ابوعبداللہ بن الاخرم	۸۱	ابوبکر عبداللہ بن خلف الشیرازی

۲۶۱	ابوقلابہ، عبداللہ بن زید	۲۷۲	ابوعبداللہ بن الحزم
۳۰۵	ابومحمد الحموی	۲۸۵	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ البصری
۳۷۱	ابومحمد النیساپوری	۳۹۳	ابوعبداللہ محمد بن نصیر
۲۳۳، ۱۳۲	ابوالمظفر السمعانی	۳۷۲	ابوعثمان النہدی
۳۰۷	ابومعاویہ الضریر	۲۱۰	ابوعمر السفاقی
۳۰۶	ابومعشر البراء بن یوسف	۲۸۲	ابوعمران الجونی
۱۷۳	ابونصر عبید اللہ بن سعید	۲۸۲	ابوعمران موسیٰ بن سہل
۳۸۵	ابوالولید الطیالسی	۳۶۷	ابوعمر والسبیانی
۲۰۷	ابوالولید یونس بن مغیث ابن الصفار	۳۶۷	ابوعمر والشیبانی
۳۰۳	ابوالیسر کعب بن عمرو	۱۳۱	ابوعمر و عثمان بن سعید
	ابویعقوب مروزی (دیکھیے اسحاق بن ابراہیم)	۲۱۰	ابوالفتح بن ابی الفوارس
	ابویعلیٰ بن الفراء (دیکھیے محمد بن حسین)	۲۰۰	ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن عمرو
۸۲	ابویعلیٰ خلیل بن عبداللہ	۲۱۰	ابوالفضل محمد بن ناصر السلاقی
۳۳۵	ابویعلیٰ محمد بن الصلت التوزی	۳۷۱	ابوالقاسم عبداللہ بن محمد
۳۳۵	ابویعلیٰ منذر بن یعلیٰ الثوری	۳۵۳	ابوقادہ، حارث بن ربیع



# مصادر و مراجع



## مصادر ومراجع

### القرآن الحكيم

- ☆ أبناى، ابراهيم بن موسى الشافعى (م ٨٠٢هـ) الشذ الفياح، تحقيق: محمد على سمك، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٩٩٨ء/١٣١٨هـ
- ☆ ابن الاثير، على بن محمد بن عبد الكريم، الشيبانى، الجزرى، ابوالحسن (م ٦٣٠هـ) اسد الغابة فى معرفة الصحابة، قاهره، ١٩٤٠ء
- ☆ ايضا، اسد الغابة فى معرفة الصحابة، دار الكتب العلمية، بيروت، ٢٠٠٨ء/١٣٢٩هـ
- ☆ ابن الاثير، مبارك بن محمد، الشيبانى الجزرى (٦٠٦هـ) جامع الاصول من احاديث الرسول، تحقيق: محمد حامد القسى، دار احياء التراث العربى، بيروت
- ☆ احمد محمد شاكر، الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث، تحقيق: د/ بدیع السيد اللحام، مكتبة دار السلام، الرياض، ١٣١٣هـ/١٩٩٣ء
- ☆ اشرف بن عبدالرحيم (محقق) الثلاثيات فى الحديث النبوى ﷺ، دار الكتب العلمية، بيروت
- ☆ اقبال احمد محمد اسحق، ذاكتر، جرح و تعديل، مكتبة قاسم العلوم، ٢٠١١ء
- ☆ د/ اكرم ضياء العمرى، بحوث فى تاريخ السنة المشرفة، مدينة منوره، ١٣٠٥هـ/١٩٨٣ء
- ☆ بخارى، محمد بن اسماعيل (م ٢٥١هـ) الجامع الصحيح، دار الفكر، بيروت، ١٣٠١هـ/١٩٨١ء
- ☆ ايضا، الادب المفرد، قاهره، ١٣٤٩هـ
- ☆ ايضا، التاريخ الكبير، مطبعة مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد، دکن، ١٩٦٢ء
- ☆ الترمذى، محمد بن عيسى (م ٢٤٩هـ) الجامع/السنن، تحقيق: محمّد اذ عبد الباقي، دار احياء التراث العربى، بيروت
- ☆ ابن تيمية، احمد بن عبد الحليم (م ٤٢٨هـ) منهاج السننة النبوية، تحقيق د/ محمد رشاد سالم، مكتبة خياط، بيروت
- ☆ ايضا، العلل مع السنن، تحقيق: محمّد اذ عبد الباقي، دار احياء التراث العربى، بيروت
- ☆ جزائرى، طاهر بن صالح (١٣٣٨هـ)، توجيه النظر إلى اصول الاثر، دار المعرفه، بيروت
- ☆ الجصاص، ابوبكر احمد بن على (م ٣٤٠هـ)، احكام القرآن، (اردو ترجمه)، ادرة تحقيقات اسلامى، بين الاقوامى اسلامى يونيورسٹی، اسلام آباد

- ☆ ابن جماع، محمد بن ابراہیم (م ۳۳۷ھ)، المنہل الروی فی مختصر علوم الحدیث النبوی، تحقیق: محی الدین عبدالرحمان رمضان، دار الفکر، دمشق، ۱۹۸۶ء
- ☆ ابن ابی حاتم، عبدالرحمن بن محمد الرازی (م ۳۲۷ھ)، الجرح والتعديل، حیدرآباد
- ☆ ایضاً، تقدمة الجرح والتعديل، حیدرآباد
- ☆ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ (م ۱۰۶۷ھ)، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، مطبع المہیة، ۱۹۳۳ء/۱۳۶۲ھ
- ☆ حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ (م ۴۰۵ھ)، کتاب معرفة علوم الحدیث، دار احیاء العلوم، بیروت، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء
- ☆ ابن حبان البستی (م ۳۵۴ھ) کتاب الثقات، دارالکتب العربیة، بیروت، ۱۳۱۹ھ/۱۹۹۸ء
- ☆ ایضاً، کتاب المعجروحين، تحقیق محمود ابراہیم زاید، حلب، ۱۳۹۶ھ
- ☆ ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی (م ۸۵۲ھ): الاصابة فی تمييز الصحابة، قاہرہ
- ☆ ایضاً، الاصابة بهامشه الاستيعاب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۲۸ھ
- ☆ ایضاً، الاصابة فی تمييز الصحابة ومعه الاستيعاب، مطبع مصطفیٰ محمد، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
- ☆ ایضاً، الاصابة فی تمييز الصحابة، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۳۱۵ھ/۱۹۹۵ء
- ☆ ایضاً، تبصیر المنتبه بتحریر المشتبه، تحقیق: علی محمد البجاوی، المكتبة العلمیة، بیروت، لبنان
- ☆ ایضاً، تقرب التهذیب، تحقیق: عبدالوہاب، عبداللطیف، قاہرہ، ۱۳۸۰ھ، نیز دار المعرفہ، بیروت
- ☆ ایضاً، تهذیب التهذیب، دائرة المعارف حیدرآباد، دکن
- ☆ ایضاً، تهذیب التهذیب، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۳۱۵ھ/۱۹۹۳ء
- ☆ ایضاً، نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر، تحقیق: د/نورالدین عمر، مطبعة الصباح، دمشق، ۱۳۱۳ھ/۱۹۹۲ء
- ☆ ایضاً، الدرر الكامنة فی اعيان المائة الثامنة، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س-ن
- ☆ ابن حزم محمد علی بن احمد (م ۴۵۶ھ)، جوامع السيرة، تحقیق: د/احسان عباس، حدیث اکادمی، ۱۹۸۱ء، فیصل آباد، پاکستان
- ☆ الحسینی، محمد بن علی ابوالحسن، الشافعی دمشقی (م ۷۶۵ھ)، الإكمال فی ذکر من له رواية فی مسند احمد سوى من ذکر فی تهذیب الکمال، دراسة و تحقیق: عبداللہ سرور ابن فتح محمد، دار اللواء، الرياض، ۱۹۹۲ء



- ☆ ایضاً، ذیل تذکرۃ الحفاظ، دار احیاء التراث العربی
- ☆ خالد علوی، ڈاکٹر، علوم الحدیث، مصطلحات و علوم، جلد اول، الفیصل ناشران کتب،
- لاہور، ۱۹۹۸ء
- ☆ ایضاً، حفاظت حدیث، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۸ء
- ☆ خطیب بغدادی (م ۳۶۳ھ)، الکفاۃ فی علم الروایۃ، حیدرآباد، ۱۳۵۷ھ
- ☆ ایضاً، الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، تحقیق: د/محمود الطحان، مکتبہ المعارف،
- ریاض، ۱۹۸۳ء
- ☆ ایضاً، تاریخ بغداد، دارالکتب العربی، بیروت
- ☆ ابن خلکان، احمد بن محمد (م ۶۸۱ھ)، وفيات الأعیان و انباء أبناء الزمان، بیروت ۱۹۷۸ء
- ☆ ایضاً، وفيات الأعیان و انباء أبناء الزمان، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید،
- مکتبۃ النهضة المصریة، القاہرہ، ۱۹۴۸ء
- ☆ خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ)، کتاب التاریخ، تحقیق: د/اکرم ضیاء العمری، دمشق،
- بیروت، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
- ☆ ایضاً، کتاب الطبقات، تحقیق: د/اکرم ضیاء العمری، دارطیبة، الرياض، ۱۳۰۲ھ/۱۹۸۲ء
- ☆ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث البجستانی (م ۲۷۵ھ)، کتاب السنن، تحقیق: عزت مجید الدعاس،
- دارالحدیث، حمص، ۱۹۱۳ء/۱۳۹۳ھ
- ☆ ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ) میزان الاعتدال فی نقد الرجال، تحقیق علی محمد البجاوی،
- دار احیاء الکتب العربیة، عیسی البابی الحطمی و شرکاؤہ، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء
- ☆ ایضاً، تذکرۃ الحفاظ، مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ہند، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء
- ☆ ایضاً، العبر فی خبر من غیر، تحقیق: د/صلاح الدین، کویت
- ☆ ایضاً، تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، حیدرآباد، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء
- ☆ ایضاً، سیر اعلام النبلاء، موسسۃ الرسالۃ، بیروت
- ☆ ایضاً، المشتبه فی الرجال: اسمائہم و انسابہم، تحقیق: علی محمد البجاوی،
- دار احیاء الکتب العربیة، ۱۹۶۲ء
- ☆ رامہرمزی، حسن بن عبدالرحمن (م ۳۶۰ھ) المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی،
- تحقیق: د/عجاج الخطیب، دارالفکر، بیروت، ۱۹۷۱ء

- ☆ ابن زجب، عبدالرحمن بن احمد الحسبلی (م ۷۹۵ھ) شرح علل الترمذی، تحقیق: نورالدین عتر، دارالملاح للطباعة والنشر، ۱۹۷۸ء/ ۱۳۹۸ھ
- ☆ زرکلی خیرالدین، الأعلام قاموس تراجم لاشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، الطبعة الثانية۔
- ☆ زحمری، محمود بن عمر، الفائق فی غریب الحدیث، تحقیق: علی محمد البجاوی، محمد ابوالفضل ابراہیم، دارالمعرفہ، بیروت، الطبعة الثانية
- ☆ السبکی، ابونصر عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی، تاج الدین (م ۷۷۱ھ)، طبقات الشافعية الكبرى، تحقیق: عبدالفتاح محمد الحلو / محمود محمد الطناحي، دار احیاء الکتب العربیة، ۱۹۱۸ء
- ☆ ایضاً، قاعدة فی الجرح والتعديل وقاعدة المؤرخین، تحقیق: عبدالفتاح ابو غده، قاہرہ، ۱۹۷۸ء
- ☆ سخاوی، محمد بن عبدالرحمن (م ۹۰۲ھ)، فتح المغیث بشرح ألفیة الحدیث للعراقی، تحقیق: رضوان جامع رضوان، مکتبہ مصطفیٰ الباز، مکتبہ المکرمة، السعودیة
- ☆ ایضاً، الضوء اللامع لأهل القرن التاسع، دارمکتبۃ الحیاء، س۔ن
- ☆ ابن سعد، محمد بن منیع (م ۲۳۰ھ)، الطبقات الكبرى، دارصادر، بیروت، ۱۹۵۷ء
- ☆ ایضاً، الطبقات الكبرى، تحقیق وتعلیق: سہیل کمالی، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۲ء
- ☆ السید قاسم لاندجانی، المصباح فی اصول الحدیث، مکتبۃ الزمان، المدینۃ المنورۃ، ۱۹۸۷ء
- ☆ سیوطی، جلال الدین (م ۹۱۱ھ)، تلخیص الراوی، تحقیق: احمد عمر ہاشم، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء
- ☆ ایضاً، طبقات الحفاظ ذیل تذکرۃ الحفاظ، دار احیاء التراث العربی، س۔ن
- ☆ ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)، المصنف فی الأحادیث والآثار، تحقیق: عبدالخالق انفانی، الدار السلفیہ، بیروت
- ☆ ایضاً، المصنف فی الأحادیث والآثار، الدار السلفیہ، بیروت
- ☆ سحی صالح، د/، علوم الحدیث و مصطلحہ، دارالعلم للملایین، ۲۰۰۶ء
- ☆ صدیق حسن خان نواب (م ۱۳۰۷ھ) الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ، اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء
- ☆ ابن الصلاح، عثمان بن عبدالرحمن (م ۶۳۳ھ)، علوم الحدیث / مقدمة ابن الصلاح، تحقیق: نورالدین عتر، دارالفکر، دمشق، ۱۹۸۲ء

- ☆ صنعانی، محمد بن اسماعیل (م ۱۱۸۲ھ)، توضیح الافکار لمعانی تنقیح الأنظار، تحقیق: محمد محی الدین،  
دار الفکر، قاہرہ
- ☆ د/ضیاء الرحمن العظمی،، دراسات فی الجرح والتعديل، مطبعة سلفية، بنارس (ہند)  
۱۳۰۳ھ/۱۹۸۳ء
- ☆ الطمری، محمد بن جریر (م ۳۱۱ھ)، جامع البیان فی تفسیر القرآن، تعلیق: محمود شاكر،  
دار احیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن
- ☆ طیبی، الحسن بن عبداللہ (م ۷۳۳ھ)، الخلاصة فی اصول الحدیث، تحقیق: صبحی سامرائی،  
مطبعة الارشاد، بغداد
- ☆ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ (م ۳۶۳ھ)، التمهيد لمافی الموطا، تحقیق: مصطفى بن احمد العلوی،  
۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء
- ☆ ایضاً، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، تحقیق محمد عبدالمعزم البری، طاہر التجار، مکتبہ دارالباز،  
مکتبہ المکتبہ، ۱۳۱۵ھ/۱۹۹۵ء
- ☆ ایضاً، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب علی هامش الاصابة، دار التراث العربی، بیروت
- ☆ ایضاً، جامع بیان العلم، دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ☆ عبدالرزاق الصنعانی (م ۲۱۱ھ)، المصنف، تحقیق: حبیب الرحمن الأعظمی، بیروت، ۱۹۷۲ء
- ☆ عبدالطیف عبدالعزیز بن محمد، ضوابط الجرح والتعديل، مدینہ منورہ
- ☆ عبداللہ بن یوسف الجدی، تحویر علوم الحدیث، مؤسسۃ الریان، بیروت، ۲۰۰۳ء
- ☆ سید عبدالماجد القوری، المدخل إلى دراسة علوم الحدیث، دار ابن کثیر، دمشق،  
بیروت، ۱۳۳۰ھ/۲۰۰۹ء
- ☆ عبدالوہاب عبدالطیف، المختصر فی علم الرجال والاثار، المکتبۃ الحدیثیۃ للطباعة  
والنشر، ۱۹۶۶ء
- ☆ ابن عدی الجرجانی (م ۳۶۵ھ)، الکامل فی ضعفاء الرجال، تحقیق: الشیخ عادل احمد عبدالمؤمن و  
رفقاءہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء/۱۳۱۸ھ
- ☆ عراقی، عبدالرحیم بن الحسین (م ۸۰۶ھ)، التقييد والإيضاح، دار الفکر، ۱۹۸۱ء
- ☆ ایضاً، فتح المغیث شرح الفیة الحدیث، تخریج و تحقیق: الشیخ صلاح محمد عوفی، دارالکتب  
العلمیہ، بیروت، ۱۳۲۱ھ/۲۰۰۱ء

☆ عقيلي محمد بن عمرو، كتاب الضعفاء الكبير، تحقيق: عبد المعطى أمين قلعي، دار الباز، مكة المكرمة، ١٩٨٣ء

☆ ابن العماد، عبد الحميد (م ١٠٨٩هـ)، شذرات الذهب في أخبار من ذهب، دار الميسرة،

بيروت، ١٩٤٩ء

☆ عياض بن موسى قاضي اليحصي (م ٥٣٣هـ)، الإلماع إلى معرفة أصول الرواية و تقييد السماع،

تحقيق: احمد صقر، دار التراث، القاهرة، ١٣٨٩هـ

☆ عيني، بدر الدين، ابو محمد محمود بن احمد (م ٨٥٥هـ) عمدة القارى شرح صحيح البخارى،

دار الحديث، ملتان

☆ غزالي، ابو حامد محمد بن محمد (م ٥٠٥هـ) احياء علوم الدين، دار الخير، دمشق، بيروت ١٣١٤هـ / ١٩٩٤ء

☆ ابن فهد، تقي الدين، محمد بن فهد المكي (م ٨٤١هـ) لحظ اللاحاظ ذيل تذكرة الحفاظ للذهبي،

دار احياء التراث العربي، سن - ن

☆ فيروز آبادي، محمد بن يعقوب (م ٨١٤هـ)، القاموس المحيط، القاهرة، ١٣٤٣هـ

☆ الكتاني، محمد بن جعفر (م ١٣٣٥هـ)، الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة،

كارخانه تجارت كتب، كراچي، ١٣٤٩هـ / ١٩٦٠ء

☆ ابن كثير، اسماعيل بن عمر (م ٤٤٤هـ)، اختصار علوم الحديث، جمعية احياء التراث الاسلامي،

١٣١٣هـ / ١٩٩٣ء

☆ ايضا، (م ٤٤٤هـ)، البداية والنهاية، تحقيق: عبدالرحمن الملا دقي و محمد غازي بيضون، دار المعرفة،

بيروت، ١٩٩٤ء

☆ ابن ماجه، محمد بن يزيد القزويني (م ٢٤٥هـ)، كتاب السنن، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، المكتبة العلمية، بيروت

☆ مالك بن انس الاصمعي المدني (م ١٤٩هـ)، الموطأ بروايت يحيى بن يحيى بن كثير الليثي،

دار الفكر، بيروت، ١٣٠٩هـ / ١٩٨٩ء

☆ محمد الانصاري، ابو زكريا السنكي الازهرى (م ٩٢٦هـ)، فتح الباقي بشرح ألفية العراقي، دار ابن حزم،

صادق آباد، پاكستان، ١٣٢٠هـ / ١٩٩٩ء

☆ محمد عبد الحميد لكهنوي (م ١٢٠٣هـ) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل، تحقيق: عبدالفتاح

أبو غدة، دار البشائر الاسلامية، بيروت، ١٣٠٤هـ / ١٩٨٤ء

☆ محمد العجاج الخطيب، اصول الحديث، علومه و مصطلحه، دار الفكر، ١٩٤٥ء

- ☆ محمد علی الصابونی، مختصر تفسیر ابن کثیر، دار القرآن الکریم، کویت، ۱۳۹۳ھ
- ☆ محمد رفوٰء عبدالباقی، المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
- ☆ محمد السامحی، المنهج الحدیث قسم مصطلح الحدیث، قاہرہ، ۱۹۶۳ء
- ☆ د/ محمود الطحان، اصول التخریج و دراسة الأسانید، دار القرآن الکریم، بیروت، ۱۹۸۱ء
- ☆ ایضاً، تیسیر المصطلح الحدیث، الطبعة السادسة، ۱۴۰۲ھ/۱۹۲۸ء
- ☆ مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری، الجامع الصحیح، دار الفکر، بیروت
- ☆ ابن ملقن، محمد بن علی بن احمد (م ۸۰۳ھ)، المقنع فی علوم الحدیث، تحقیق: عبد اللہ بن یوسف الجدیج، دار الفواز، سعودی عرب، ۱۹۹۲ء/۱۴۱۳ھ
- ☆ ابن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ)، لسان العرب، دار صادر، بیروت
- ☆ ابن الندیم (م ۳۸۰ھ) الفہرست، تعلیق و تشریح: د/ یوسف علی الطویل، دار الکتب العلمیہ، بیروت
- ☆ نسائی، محمد بن شعیب (م ۳۰۳ھ)، السنن، دار الفکر، بیروت، ۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء
- ☆ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی (م ۴۳۰ھ)، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء
- ☆ نور الدین عتر، منهج النقد فی علوم الحدیث، دار الفکر، دمشق
- ☆ نور الرحمن ہزاروی، وہ کتابیں اپنے آباء کی .....، مکتبہ عمر فاروق، کراچی، ۱۴۲۶ھ
- ☆ نووی، یحییٰ بن شرف (م ۶۷۷ھ) التقریب، مکتبہ خاور، مسلم مسجد، لاہور
- ☆ ایضاً، ریاض الصالحین، تحقیق: عبدالعزیز رباح/ احمد یوسف الدقاق، مکتبہ دار السلام، ریاض/ مکتبہ دار الفیحاء، دمشق، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء
- ☆ وینسک، اے، جے، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ﷺ، دار الدعوة، استانبول، ۱۹۸۸ء
- ☆ یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ)، معجم البلدان، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۷۹ء
- ☆ یحییٰ بن معین (م ۲۳۲ھ)، معرفة الرجال (جلد اول)، تحقیق: محمد کامل القصار، مطبوعات مجمع اللغة العربیہ، دمشق، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء
- ☆ ایضاً، معرفة الرجال (جلد دوم)، تحقیق: محمد مطیع الحافظ، مطبوعات مجمع اللغة العربیہ، دمشق، س۔ن۔







## مصنف کی دیگر کتب

- ✿ انسان کامل ﷺ
- ✿ اصول الحدیث (مصطلحات و علوم) جلد اول
- ✿ پیغمبرانہ دعائیں
- ✿ پیغمبرانہ منہاج القرآن
- ✿ حفاظت حدیث
- ✿ اسلام کا معاشرتی نظام
- ✿ قائد اعظمؒ اور مسلم شخص
- ✿ سید مودودیؒ بحیثیت مفسر
- ✿ Islamic Da'wah

97.127

خ 1224



9 5 7 5 - E U - 6 4 \*



9789695034819

ناشران و تاجرانِ کتب  
غزنی سٹریٹ، ڈی ویلز، لاہور

# الفیصل